

# نثر قدیم

برائے

ایم۔ اے: عربی

(سمسٹر-I)



نظامت فاصلاتی تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

C مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

سلسلہ مطبوعات نمبر-.....

ISBN: 978-93-.....

Edition: .....

ناشر : رجسٹرار، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

اشاعت : 2019.....

مطبع : .....

### **Classical Arabic Literature**

*Edited by:*

Prof. Syed Alim Ashraf

Head, Department of Arabic, MANUU

*On behalf of the Registrar, Published by:*

#### **Directorate of Translation and Publications**

Maulana Azad National Urdu University

Gachibowli, Hyderabad-500032 (TS)

E-mail: [directordtp@manuu.edu.in](mailto:directordtp@manuu.edu.in)

*for*

#### **Directorate of Distance Education**

E-mail: [dir.dde@manuu.edu.in](mailto:dir.dde@manuu.edu.in); Website: [www.manuu.edu.in](http://www.manuu.edu.in)

---

کورس کوآرڈینیٹر

---

پروفیسر سید علیم اشرف

---

مصنفین	اکائی نمبر
ڈاکٹر جاوید ندیم (مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی)	1 تا 4
ڈاکٹر محمد عماد الدین (عثمانیہ یونیورسٹی)	5,6
ڈاکٹر محمد صفی اللہ خان (عثمانیہ یونیورسٹی)	7,8,9
ڈاکٹر اورنگ زیب اعظمی (جامعہ ملیہ اسلامیہ)	10,11
ڈاکٹر ہیفاء شاکری (جامعہ ملیہ اسلامیہ)	12,13
ڈاکٹر فضل اللہ شریف (عثمانیہ یونیورسٹی)	14,15
ڈاکٹر عبید الرحمن (جواہر لال نہرو یونیورسٹی)	16

---

مدیران

---

- ڈاکٹر سید محمد طارق (ذاکر حسین دہلی کالج)
- ڈاکٹر محمد لطیف احمد (جامعہ نظامیہ)
- ڈاکٹر شمینہ کوثر (مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی)
- ڈاکٹر محمد عبدالعلیم (مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی)
- ڈاکٹر سید محمد عمر فاروق (مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی)
- ڈاکٹر محمد رحمت حسین (مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی)

ٹائٹل پیج: ڈاکٹر ظفر گلزار

## فہرست

صفحہ

6	پیغام	وائس چانسلر
7	پیش لفظ	ڈائریکٹر، ڈائریکٹوریٹ آف ٹرانسلیشن اینڈ پبلیکیشنز
8	ڈائریکٹر کا پیغام	ڈائریکٹر، نظامت فاصلاتی تعلیم
	کتاب کا تعارف	کوآرڈینیٹر

### عصر جاہلی میں عربی نثر

بلاک I

1	اکائی	نثر: تعریف اور قسمیں
2	اکائی	عصر جاہلی میں عربی نثر کا نشوونما اور اس کی خصوصیات
3	اکائی	نثر جاہلی کے نمونے: خطابت
4	اکائی	ضرب الامثال، حکیمانہ اقوال اور وصیتیں

### عصر اسلامی و اموی میں عربی نثر

بلاک II

5	اکائی	قرآنی اقتباسات
6	اکائی	حدیث کے اقتباسات
7	اکائی	عصر اسلامی کے نمونہ خطابت
8	اکائی	عصر اموی کے نمونہ خطابت
9	اکائی	خطوط نگاری

### عصر عباسی اول میں عربی نثر

بلاک III

10	اکائی	”فی فضل الأقدمین“ از: ابن المقفع
11	اکائی	”بخیل حکیم“ از: جاحظ



اکائی 12 ”کتاب ینوب عن الکتائب“ از: ابن العمید

اکائی 13 ”البحر“ از: صاحب ابن عباد

بلاک IV

عصر عباسی دوم میں عربی نثر

اکائی 14 ”المقامة المضیئة“ از: بدیع الزماں ہمدانی

اکائی 15 ”المقامة الزبیدية“ از: الحریری

اکائی 16 اقتباس

(ا) ”الأمثال“ از: المبرد (اکامل)

(ب) ”خلافة الأمین“ از: ابن جریر الطبری

## پیغام

### وائس چانسلر

وطن عزیز کی پارلیمنٹ کے جس ایکٹ کے تحت مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا ہے اُس کی بنیادی سفارش اردو کے ذریعے اعلیٰ تعلیم کا فروغ ہے۔ یہ وہ بنیادی نکتہ ہے جو ایک طرف اس مرکزی یونیورسٹی کو دیگر مرکزی جامعات سے منفرد بناتا ہے تو دوسری طرف ایک امتیازی وصف ہے، ایک شرف ہے جو ملک کے کسی دوسرے ادارے کو حاصل نہیں ہے۔ اردو کے ذریعے علوم کو فروغ دینے کا واحد مقصد و منشا اردو داں طبقے تک عصری علوم کو پہنچانا ہے۔ ایک طویل عرصے سے اردو کا دامن علمی مواد سے لگ بھگ خالی ہے۔ کسی بھی کتب خانے یا کتب فروش کی الماریوں کا سرسری جائزہ بھی تصدیق کر دیتا ہے کہ اردو زبان سمٹ کر چند ”ادبی“ اصناف تک محدود رہ گئی ہے۔ یہی کیفیت رسائل و اخبارات کی اکثریت میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ ہماری یہ تحریریں قاری کو کبھی عشق و محبت کی پُر پیچ راہوں کی سیر کراتی ہیں تو کبھی جذباتیت سے پُرساسی مسائل میں اُلجھاتی ہیں، کبھی مسلکی اور فکری پس منظر میں مذاہب کی توضیح کرتی ہیں تو کبھی شکوہ شکایت سے ذہن کو گراں بار کرتی ہیں۔ تاہم اردو قاری اور اردو سماج آج کے دور کے اہم ترین علمی موضوعات چاہے وہ خود اُس کی صحت و بقا سے متعلق ہوں یا معاشی اور تجارتی نظام سے، وہ جن مشینوں اور آلات کے درمیان زندگی گزار رہا ہے اُن کی بابت ہوں یا اُس کے گرد و پیش اور ماحول کے مسائل۔۔۔۔۔ وہ ان سے نابلد ہے۔ عوامی سطح پر ان اصناف کی عدم دستیابی نے علوم کے تئیں ایک عدم دلچسپی کی فضا پیدا کر دی ہے جس کا مظہر اردو طبقے میں علمی لیاقت کی کمی ہے۔ یہی وہ چیلنجز ہیں جن سے اردو یونیورسٹی کو نبرد آزما ہونا ہے۔ نصابی مواد کی صورت حال بھی کچھ مختلف نہیں ہے۔ اس کو لی سطح کی اردو کتب کی عدم دستیابی کے چرچے ہر تعلیمی سال کے شروع میں زیر بحث آتے ہیں۔ چونکہ اردو یونیورسٹی میں ذریعہ تعلیم ہی اردو ہے اور اس میں علوم کے تقریباً سبھی اہم شعبہ جات کے کورسز موجود ہیں لہذا ان تمام علوم کے لیے نصابی کتابوں کی تیاری اس یونیورسٹی کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔ اسی مقصد کے تحت ڈائریکٹوریٹ آف ٹرانسلیشن اینڈ پبلی کیشنز کا قیام عمل میں آیا ہے اور احقر کو اس بات کی بے حد خوشی ہے کہ اپنے قیام کے محض ایک سال کے اندر ہی یہ برگِ نو، ثمر آور ہو گیا ہے۔ اس کے ذمہ داران کی انتھک محنت اور قلم کاروں کے بھرپور تعاون کے نتیجے میں کتب کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کم سے کم وقت میں نصابی اور ہم نصابی کتب کی اشاعت کے بعد اس کے ذمہ داران، اردو عوام کے واسطے بھی علمی مواد، آسان زبان میں تحریر عام فہم کتابوں اور رسائل کی شکل میں شائع کرنے کا سلسلہ شروع کریں گے تاکہ ہم اس یونیورسٹی کے وجود اور اس میں اپنی موجودگی کا حق ادا کر سکیں۔

ڈاکٹر محمد اسلم پرویز

خادمِ اوّل

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

## پیش لفظ

ہندوستان میں اردو ذریعہ تعلیم کی خاطر خواہ ترقی نہ ہو پانے کے اسباب میں ایک اہم سبب اردو میں نصابی کتابوں کی کمی ہے۔ اس کے متعدد دیگر عوامل بھی ہیں لیکن اردو طلبہ کو نصابی اور معاون کتب نہ ملنے کی شکایت ہمیشہ رہی ہے۔ 1998ء میں جب مرکزی حکومت کی طرف سے مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا تو اعلیٰ سطح پر کتابوں کی کمی کا احساس شدید ہو گیا۔ اعلیٰ تعلیمی سطح پر صرف نصابی کتابوں کی نہیں بلکہ حوالہ جاتی اور مختلف مضامین کی بنیادی نوعیت کی کتابوں کی ضرورت بھی محسوس کی گئی۔ فاصلاتی طریقہ تعلیم کے تحت چونکہ طلبہ کو نصابی مواد کی فراہمی ضروری ہے لہذا اردو یونیورسٹی نے مختلف طریقوں سے اردو میں مواد کا نظم کیا۔ کچھ مواد یہاں بھی تیار کیا گیا مگر علمی کتابوں کی منظم اور مستقل اشاعت کا سلسلہ شروع نہیں کیا جا سکا۔

موجودہ شیخ الجامعہ ڈاکٹر محمد اسلم پرویز نے اپنی آمد کے ساتھ ہی اردو کتابوں کی اشاعت کے تعلق سے انقلاب آفریں فیصلہ کرتے ہوئے ڈائرکٹوریٹ آف ٹرانسلیشن اینڈ پبلی کیشنز کا قیام عمل میں لایا۔ اس ڈائرکٹوریٹ میں بڑے پیمانے پر نصابی اور دیگر علمی کتب کی تیاری کا کام جاری ہے۔ کوشش یہی کی جا رہی ہے کہ تمام کورسز کی کتابیں متعلقہ مضامین کے ماہرین سے راست طور پر اردو میں ہی لکھوائی جائیں۔ اہم اور معروف کتابوں کے تراجم کی جانب بھی پیش قدمی کی گئی ہے۔ توقع ہے کہ مذکورہ ڈائرکٹوریٹ ملک میں اشاعتی سرگرمیوں کا ایک بڑا مرکز ثابت ہوگا۔ اب تک یہاں سے تین درجن سے زائد کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور توقع ہے کہ آنے والے دنوں میں بھی یہاں سے کثیر تعداد میں اردو کتابیں شائع ہوں گی۔

زیر نظر کتاب فاصلاتی طریقہ تعلیم کے تحت پی جی سمسٹر اول کے طلبہ کے لیے تیار کی گئی ہے جس سے روایتی طریقہ تعلیم کے طلبہ بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔ کتاب کی تیاری میں حتی الامکان کوشش کی گئی ہے کہ طلبہ یہاں جن موضوعات کا مطالعہ کریں ان پر انہیں بھرپور اور مکمل مواد دستیاب ہو جائے۔

یہ اعتراف ضروری ہے کہ حالیہ عرصے میں جو بھی کتابیں شائع کی جا رہی ہیں ان میں شیخ الجامعہ کی راست سرپرستی اور نگرانی شامل ہے۔ ان کی خصوصی دلچسپی کے بغیر اس کتاب کی اشاعت ممکن نہ تھی۔ نظامت فاصلاتی تعلیم اور شعبہ عربی کے اساتذہ اور عہدیداران کا بھی عملی تعاون شامل حال رہا ہے جس کے لیے ان کا شکریہ بھی واجب ہے۔

امید ہے کہ قارئین اور ماہرین اپنے مشوروں سے نوازیں گے۔

پروفیسر محمد ظفر الدین

ڈائرکٹر، ڈائرکٹوریٹ آف ٹرانسلیشن اینڈ پبلی کیشنز

## ڈائریکٹر کا پیغام

فاصلاتی طریقہ تعلیم سارے عالم میں ایک انتہائی کارگر اور مفید طریقہ تعلیم کی حیثیت سے تسلیم کیا جا چکا ہے اور چہار سو اس طریقے سے بڑی تعداد میں لوگ تعلیم اور اسناد سے بہرہ ور ہو رہے ہیں۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے بھی اپنے قیام کے ابتدائی دنوں ہی سے صورت حال کو محسوس کرتے ہوئے اس طریقے کو اختیار کیا تھا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اس یونیورسٹی نے روایتی طریقہ تعلیم سے پہلے فاصلاتی طریقے سے تعلیم کو اردو عوام تک پہنچانے کا سلسلہ شروع کیا۔ پہلے پہل یہاں کے تدریسی پروگراموں کے لیے بعض دوسری یونیورسٹیوں کے نصابی مواد سے من و عن اور بشکل ترجمہ استفادہ کیا گیا۔ ارادہ یہ تھا کہ بہت تیزی سے اپنا نصابی مواد تیار ہو جائے گا اور بتدریج دوسری یونیورسٹیوں پر سے انحصار ختم ہو جائے گا۔ لیکن جب نصابی مواد کی تیاری کا سلسلہ شروع کیا گیا تو اندازہ ہوا کہ یہ اتنا آسان کام نہیں تھا۔ قدم قدم پر مسائل پیش آئے اور مختلف النوع الجھنوں نے رفتار کو سست کر دیا۔ مگر کوششیں جاری رہیں اور نتیجے کے طور پر اب بہت تیزی سے یونیورسٹی نے اپنے نصابی مواد کی اشاعت شروع کر دی ہے۔ اور جلد ہی انشاء اللہ ہمارے سبھی کورسز کی کتابیں ہماری خود کی ہوں گی۔

نظامت فاصلاتی تعلیم (ڈی ڈی ای)، مانو نے طلباء کی سہولت کے لیے ایک بہت بڑا نیٹ ورک تیار کیا ہے جس میں 9 علاقائی مراکز (بنگلور، بھوپال، درجنہ، دہلی، کولکاتا، ممبئی، پٹنہ، رانچی اور سری نگر) اور 5 ذیلی علاقائی مراکز (حیدر آباد، لکھنؤ، جموں، نوح اور امراتہ) شامل ہیں۔ ہر علاقائی/ذیلی علاقائی مرکز (Regional Centre/Sub Regional Centre) فاصلاتی تعلیم کے طلباء کو "Learner Support Centre" کے ذریعے تعلیمی اور انتظامی مدد فراہم کرتا ہے۔ سال 2017-18 میں، نظامت فاصلاتی تعلیم میں علاقائی/ذیلی علاقائی مراکز کے ذریعے 158 Study Centres چلائے جا رہے تھے۔ اب جن کا نام "Learner Support Centre" ہو گیا ہے۔ اپنے آپ کو جدید تر بنانے اور فاصلاتی طلباء کی سہولت کے لیے معیار میں اضافہ کرنے کی خاطر ڈی ڈی ای نے یو جی اور نئے ایم اے پروگراموں کے لیے انتخاب پر مبنی کریڈٹ سسٹم (Choice Based Credit System-CBCS) متعارف کیا ہے۔ ڈی ڈی ای نے اپنی تعلیمی اور انتظامی سرگرمیوں میں آئی سی ٹی کا استعمال شروع کر دیا ہے۔ اب ڈی ڈی ای کے تمام پروگراموں کے لیے داخلے صرف آن لائن طریقے سے ہی دیے جا رہے ہیں۔

کسی بھی وقت، کہیں بھی اکتسابی ماحول فراہم کرنے کے لیے یونیورسٹی کا انسٹرکشنل میڈیا سنٹر ویڈیو لکچرز تیار کر رہا ہے جو یوٹیوب چینل <http://youtube.com/u/imcmanuu> پر دستیاب ہیں۔ مستقبل میں یونیورسٹی کی ویب سائٹ کے ذریعے طلباء کو اکتسابی مواد کی سافٹ کاپیاں فراہم کرنے کا بھی منصوبہ ہے۔ ڈی ڈی ای اور طلباء کے درمیان رابطے کے لیے ایس ایم ایس کی سہولت فراہم کی جا رہی ہے جس کے ذریعے طلباء کو پروگرام کے مختلف پہلوؤں جیسے کورس کے رجسٹریشن، مفاوضات (Assignments)، کونسلنگ اور امتحانات وغیرہ کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے۔

فی الحال نظامت فاصلاتی تعلیم میں یو جی، پی جی، بی ایڈ، ڈپلوما اور سرٹیفکیٹ کورسز پر مشتمل جملہ پندرہ کورسز چلائے جا رہے ہیں۔ بہت جلد تکنیکی ہنر پر مبنی کورسز (Skill Based Courses) بھی شروع کیے جائیں گے۔ اپنی کاوشوں کے ذریعے ڈی ڈی ای نارساؤں تک رسائی کی بھرپور کوشش کر رہا ہے۔ امید ہے کہ سماج کے تعلیمی، معاشی اور ثقافتی طور پر پچھڑے طبقات کو مرکزی دھارے میں لانے میں ڈی ڈی ای، مانو کا بھی نمایاں کردار رہے گا۔

پروفیسر ابوالکلام

ڈائریکٹر، نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

## کتاب کا تعارف

عربی زبان دنیا کی اہم زبانوں میں سے ایک ہے۔ یہ زبانوں کے افرو-ایشیائی خاندان کے ایک بڑے لسانی گروہ سامی زبانوں کا حصہ ہے، دوسری سامی زبانوں میں عبرانی، آرامی اور امہری وغیرہ شامل ہیں۔ عربی اقوام متحدہ میں استعمال ہونے والی چھ رسمی زبانوں میں سے ایک ہے، بائیس عرب ممالک کی سرکاری زبان اور کئی ملکوں کی دوسری سرکاری زبان ہے جیسے: مالی، چاڈ، اریٹریا اور صومالیہ وغیرہ۔ عربی زبان عہد وسطیٰ میں علم و حکمت اور سائنس و ٹکنالوجی کی زبان تھی، اس حیثیت کے سبب اس نے دنیا کی تقریباً سوزبانوں کو متاثر کیا ہے اور انھیں ہر دو علمی و لغوی اعتبار سے مالا مال کیا ہے، جن میں سرفہرست فارسی ترکی اور اردو زبانیں آتی ہیں۔ آج کے تناظر میں بھی عربی ایک اہمیت کی حامل زبان ہے۔ شرق اوسط میں تیل کی دولت سے مالا مال ملکوں کی موجودگی نے اس زبان کی اہمیت کو دوبالا کر دیا ہے اور عربی زبان اور اس کے متعلمین و مکتسبین کے لیے کئی نئے امکانات کے دروازے کھول دیے ہیں۔

زیر نظر کتاب فاصلاتی نظام تعلیم کے ایم اے عربی سمسٹر I کے طلبہ کے لیے تیار کی گئی ہے جو روایتی طرز تعلیم کے طلبہ کے لیے بھی یکساں طور پر مفید و معاون ہے، کیونکہ یہ بیورو برائے فاصلاتی تعلیم (DEB) کی ہدایات مجریہ 18-2017 کے مطابق ہے، جس کے بموجب فاصلاتی اور روایتی دونوں طرز تعلیم کا نصاب یکساں ہونا چاہیے۔ چنانچہ یہ کورس مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی میں جاری روایتی طرز تعلیم کے ایم اے کے نصاب کے عین مطابق ہے۔

یہ کتاب چار بلاک اور سولہ اکائیوں پر مشتمل ہے جو عربی زبان کے قدیم ادبی نثر کے نمونوں سے عبارت ہے اور اس کا مقصد طلبہ میں قدیم عربی نصوص کو سمجھنے کی قدرت پیدا کرنا اور ان کے اندر فصیح عربی کا صحیح ذوق پیدا کرنا ہے اور مختلف دور میں عربی نثر کی خصوصیات، اس کے اصناف اور اسالیب بیان سے واقف کرانا ہے۔ واضح رہے کہ ابتداءً یہ کتاب اکیس اکائیوں پر مشتمل تھی جن میں سے بعض کو حذف کیا گیا ہے اور بعض کو دوسری اکائیوں میں ضم کر دیا گیا ہے اور یہ تبدیلی بیورو برائے فاصلاتی تعلیم (DEB) کے اصول و ضوابط کے مطابق کی گئی ہے۔ جن تین اکائیوں کو حذف کیا گیا ہے ان میں بلاک دو، تین اور چار کی تعارفی اکائیاں ہیں جن میں عصر اسلامی و عصر اموی، عصر عباسی اول اور عصر عباسی دوم کا تعارف کرایا گیا تھا اور ان کا تاریخی پس منظر بیان کیا گیا تھا۔ طلبہ ان معلومات کے لیے اسی سمسٹر کی کتاب ”تاریخ ادب عربی-I“ سے رجوع کر سکتے ہیں۔ بلاک ایک میں موجود اکائی: ”عصر جاہلی میں عربی نثر کا ارتقا اور اس کی خصوصیات“ کے عنوان سے دو اکائیوں کو ضم کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح ”الکامل“ للمبرد اور ”تاریخ الأمم والملوک“ کے دو اقتباسات جو پہلے مستقل اکائیاں تھیں انھیں بھی باہم ضم کر دیا گیا ہے۔

کتاب کے پہلے بلاک میں عصر جاہلی میں عربی نثر کی تعریف، اس کی نشو و نما، اس کے اصناف کو بیان کیا گیا ہے اور جاہلی نثر کے مختلف نمونوں کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ دوسرے بلاک میں صدر اسلام اور اموی عصر کی عربی نثر کو موضوع بنایا گیا ہے۔ قرآن وحدیث اور عربی خطبات اور ان

کی اہم خصوصیات اور فنی امتیازات کو پیش کیا گیا ہے۔ تیسرے بلاک میں عصر عباسی اول اور چوتھے میں عصر عباسی ثانی میں عربی نثر کا شرح و بسط کے ساتھ مطالعہ کیا گیا ہے۔ نثری نمونوں کے انتخابات میں اسلوبی اور فنی تنوع کا پورا خیال رکھا گیا ہے۔

چونکہ اس کتاب کو ”خود اکتسابی مواد“ (S.L.M.) کے طور پر تیار کیا گیا ہے لہذا ان اصولوں اور طریقوں کی پوری طور پر رعایت کی گئی ہے جن کی روشنی میں اس قسم کا تعلیمی مواد تیار کیا جاتا ہے، تاکہ فاصلاتی نظام کے طلبہ کو ان اسباق کے پڑھنے اور سمجھنے میں نہ کوئی دقت آئے نہ کسی بیرونی ذریعے یا خارجی مدد کی حاجت پیش آئے۔

پروفیسر سید علیم اشرف جانی

کورس کوآرڈینیٹر

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

## اکائی 1 نثر : تعریف اور قسمیں

اکائی کے اجزا

1.1 مقصد

1.2 تمہید

1.3 تعریف

1.4 نثر کے لغوی اور اصطلاحی معنی

1.5 نثر کی قسمیں

1.5.1 نثر مرسل

1.5.2 نثر فنی

1.6 اکتسابی نتائج

1.7 نمونے کے امتحانی سوالات

1.8 فرہنگ

1.9 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

## 1.1 مقصد

اس اکائی کے مطالعہ سے آپ میں نثر کو اس کی حقیقت و ماہیت کے ساتھ پہچاننے کی صلاحیت پیدا ہوگی اور آپ کو نثر اور نظم میں علمی فرق کرنے کی قدرت حاصل ہوگی، نیز نثر کی مختلف قسموں اور ان کی افادیت سے واقفیت ملے گی، اسی طرح نثر کے مختلف نمونوں سے آشنا ہونے کا موقع ملے گا۔

## 1.2 تمہید

انسان کے پاس عقل و فہم کی نعمت بہت بڑا سرمایہ ہے۔ اسی نعمت کے سہارے وہ اپنے خیالات و احساسات معاشرہ کے دوسرے افراد تک پہنچاتا ہے۔ اپنی معلومات سے دوسروں کو باخبر کرتا ہے۔ عقل و فہم کی بنیاد پر جب انسان ترقی کرتا ہے تو فکر میں بالیدگی اور بلندی پیدا ہوتی ہے۔ اس کے تجربہ میں نئی نئی چیزیں آتی ہیں، معلومات میں نئی نئی جہتیں پیدا ہوتی ہیں، انسان ان تجربات سے اور نئی جہتوں سے خود بھی فائدہ حاصل کرتا ہے اور دوسروں کو بھی اپنے خیالات اور تصورات سے متعارف کراتا ہے، لہذا عقل و دانش کی یہ نعمت انسان کی فکری پرواز اور عملی ترقی کا بہت بڑا ذریعہ ہے، انسان چونکہ عقل کی بنیاد پر اپنے معاملات طے کرتا ہے لہذا اپنے ارادوں اور فیصلوں کا اظہار اپنی زبان سے کرتا ہے، زبان سے اس اظہار کو کلام کہتے ہیں، جسے ہم عام فہم زبان میں ”بات کرنا“ کہتے ہیں۔

کلام کی دو قسمیں ہوتی ہیں:

1. کلام منشور یعنی نثری کلام جسے نثر کہا جاتا ہے۔
2. کلام منظوم یعنی منظوم کلام جسے نظم کہا جاتا ہے۔

## 1.3 تعریف

انسان بغیر کسی وزن یا قافیہ کا اہتمام کیے جب بات کرتا ہے تو اسے نثر کہتے ہیں، چونکہ زبان سے جو بات نکلتی ہے اسے کلام کہتے ہیں اگر اس کلام کو عام انداز میں پیش کیا جائے، جس میں وزن اور قافیہ کا خیال نہ رکھا جائے تو وہ کلام نثر کہلاتا ہے، نثر کا اسلوب رواں ہوتا ہے، کسی قید یا ضابطہ کا پابند نہیں ہوتا ہے، انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے نثر کے اسلوب میں ہی بات چیت کرتا ہے، کوئی بھی انسان جب بولنا سیکھتا ہے تو عام فہم انداز میں اپنی بات رکھتا ہے، اس میں کسی تکلف یا تصنع کا دخل نہیں ہوتا ہے، مافی الضمیر کو سادہ طریقہ سے پیش کرتا ہے، یہی نثر ہے۔

نثر میں جملہ کبھی چھوٹا ہوتا ہے، کبھی بڑا ہوتا ہے، صاحب کلام دوران گفتگو اس کا خیال نہیں کرتا ہے کہ جملے وزن کے اعتبار سے یکساں اور برابر ہوں، بلکہ موقع کی مناسبت سے اپنی رو میں جملوں کو ترتیب دیتا چلا جاتا ہے، جیسے جیسے اس کے ذہن میں خیالات اُبھرتے چلے آتے ہیں، وہ جملوں کو ادا کرتا چلا جاتا ہے، بات کرنے والے کے تصور میں یہ اہتمام نہیں ہوتا ہے کہ جملے یکساں یا مشابہ الفاظ پر مکمل ہوں، بلکہ صورتحال کے پیش نظر جو بھی الفاظ اس کے ذہن کی سطح پر نمودار ہوتے ہیں، انہیں جملوں کی ساخت میں ترتیب دیتا چلا جاتا ہے۔

## 1.4 نثر کے لغوی اور اصطلاحی معنی

عربی زبان کے ماہرین کا کہنا ہے کہ نثر لغت کے اعتبار سے نَثْرٌ یَنْثُرُ یا یَنْثُرُ سے ماخوذ ہے، جس کا مصدر نَثَرَ اَوْ نَثَاراً ہے، اس کا معنی بکھرنایا



بھیلا نا ہے، مثلاً نَشَرُ الشَّيْءِ یعنی کس چیز کو بکھیر دیا، نَشَرُ الْمَاءِ مِنْ أَنْفِهِ بِنَفْسِهِ یعنی خود اپنی ناک سے پانی جھاڑا، وضو کے وقت ناک میں پانی لے کر صاف کرنے کی غرض سے چھڑکنے کو استنثار کہتے ہیں۔

اسی طرح نَشَرُ الْكَلَامِ یعنی اس نے نثر کے اسلوب میں بات کی، اس سے مراد یہ ہے کہ گفتگو شعر کے انداز میں یا منظوم شکل میں نہیں کی گئی، بلکہ نثر کے انداز میں، بغیر کسی وزن اور قافیہ کا اہتمام کیے کی گئی، خواہ وہ بات تقریری شکل میں ہو یا تحریری شکل میں، خواہ خطابت کے طرز پر ہو یا قلم کے ذریعہ لکھ کر بات کی گئی ہو۔

اسی طرح نَشَرُ الْمَسْرُوعِ یعنی اس نے راز فاش کر دیا، مطلب یہ کہ کوئی بات پہلے صیغہ راز میں محفوظ تھی اب اس کو برسر عام کر دیا۔ لفظ النَشْرُ اسم ہے، معرفہ ہے، اس سے مراد تحریر و تقریر کی وہ شکل ہے جو غیر منظوم طرز پر پیش کی جائے، کیونکہ جو بات منظوم انداز میں کہی جاتی ہے اس میں وزن ہوتا ہے اور قافیہ کا اہتمام ہوتا ہے، اصطلاح میں النثر اس کلام کو کہتے ہیں جو تقریر یا تحریر کی شکل میں بغیر کسی وزن اور قافیہ کے خیال کے پیش کیا جائے۔

## 1.5 نثر کی قسمیں

بنیادی طور پر نثر کی دو قسمیں ہیں۔

1. نثر مرسل 2. نثر فنی

پھر نثر مرسل کی دو قسمیں ہیں:

1. نثر بسیط۔ اسے نثر عادی بھی کہتے ہیں 2. نثر علمی

اسی طرح نثر فنی کی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں:

1. نثر وصفی 2. نثر انشائی

آئندہ سطور میں ان تمام قسموں کی وضاحت کی جائے گی۔

## 1.5.1 نثر مرسل

نثر مرسل اس کلام کو کہتے ہیں جس میں صاحب کلام بلا تکلف رواں اسلوب میں اپنی بات مخاطب تک پہنچا دے، اس میں عقل و فکر کو مخاطب کر کے بات کی جاتی ہے، استعارہ و کنایہ کا سہارا نہیں لیا جاتا ہے، نہ ہی تخیلات کی دنیا میں سیر کی جاتی ہے۔

نثر مرسل کی قسمیں:

1. نثر بسیط 2. نثر علمی

نثر بسیط: اس کو نثر عادی بھی کہتے ہیں یعنی نثر عمومی، درحقیقت یہ نثر کا ابتدائی مرحلہ ہے، کسی بھی صاحب کلام کا ایک مرحلہ ایسا ہوتا ہے جب وہ اپنی بات عام فہم انداز میں رکھتا ہے، رفتہ رفتہ اسے الفاظ اور تعبیرات کے استعمال کا شعور حاصل ہوتا ہے، بیان پر قدرت حاصل ہوتی ہے، الفاظ و معانی کے مختلف گوشوں سے واقفیت حاصل ہوتی ہے، موقع کے اعتبار سے اظہار خیال کرتا ہے، ایسا کبھی نہیں ہوتا ہے کہ صاحب کلام ابتدا سے ہی فنی

اسلوب میں اپنے خیالات کو ترتیب دے، چنانچہ نثر کے اس ابتدائی اسلوب کو جس میں صاحب کلام سادگی اور وضاحت کے ساتھ اپنی بات مخاطب کے سامنے پیش کرتا ہے نثر بسیط کہتے ہیں۔

اس بات کو بخوبی ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ عالمی ادب کی ہر شکل خواہ وہ عہد رفتہ کی سلوٹوں میں دفن ہو چکی ہو یا دور حاضر میں رائج اور زیر استعمال ہو، نثر بسیط کے مرحلہ سے اس کا گزرتی ہے، نثر بسیط کے بعد ہی زبان کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔

نثر بسیط میں عام طور پر عمومی گفتگو کا انداز ہوتا ہے جس کا مقصد اظہار غرض، وعظ و نصیحت، تنبیہ و رہنمائی ہوتا ہے۔

نثر بسیط کے نمونے:

عن عبد الله بن عمرو، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، أنه قال "هل تدرون من أول من يدخل الجنة من خلق الله؟" قالوا: الله ورسوله أعلم، قال: "أول من يدخل الجنة، من خلق الله الفقراء المهاجرون الذين يسد بهم الثغور، وتنتقى بهم المكاره، ويموت أحدهم، وحاجته في صدره لا يستطيع لها قضاء، فيقول الله لمن يشاء من ملائكته: إيتوهم فحيوهم، فيقول الملائكة: ربنا نحن سكان سماواتك، وخيرئك من خلقك، أفأثمنا أن نأتي هؤلاء فنسلم عليهم؟ قال: إنهم كانوا عبادا يعبدونني لا يشركون بي شيئا، وتسدد بهم الثغور، وتنتقى بهم المكاره، ويموت أحدهم، وحاجته في صدره لا يستطيع لها قضاء، قال: فتأتيهم الملائكة عند ذلك، فيدخلون عليهم من كل باب: سلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار". (رواه ابن حبان)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: کیا تم لوگوں کو معلوم ہے کہ اللہ کی مخلوق میں سے سب سے پہلے جنت میں کون داخل ہوگا؟ صحابہؓ نے کہا: اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ کی مخلوق میں سب سے پہلے جو جنت میں داخل ہوگا وہ تنگ حال مہاجرین ہوں گے جن کے ذریعہ سرحدوں کی حفاظت کی جاتی ہے، ناگوار صورتحال میں ان کو آگے رکھ کر بچاؤ کا انتظام کیا جاتا ہے اور ان میں سے کسی کو جب موت آتی ہے تو اس کی ضرورت اس کے سینہ میں ہی رہ جاتی ہے، اس کو وہ پورا بھی نہیں کر پاتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں میں سے جس کو چاہے گا کہے گا: تم لوگ ان لوگوں کے پاس جاؤ اور انہیں سلام کرو، فرشتے کہیں گے: ہمارے پروردگار! ہم آپ کے آسمانوں کے باشندے ہیں، آپ کی بہترین مخلوق ہیں، پھر بھی آپ ہمیں حکم دے رہے ہیں کہ ہم ان کے پاس جائیں اور انہیں سلام کریں! تو اللہ تعالیٰ کہے گا: یہ لوگ میرے ایسے بندے ہیں جو میری عبادت کیا کرتے تھے، میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا کرتے تھے، ان کے ذریعہ سرحدوں کی حفاظت کی جاتی تھی، ناگوار حالات میں انہیں آگے رکھ کر بچاؤ کا انتظام کیا جاتا تھا اور ان میں سے کسی کو جب موت آ جاتی تو اس کی ضرورت اس کے سینہ میں ہی رہ جاتی تھی وہ اس کو پورا بھی نہیں کر پاتا تھا، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: چنانچہ فرشتے اس وقت ان کے پاس جائیں گے اور ہر دروازہ سے ان کے پاس پہنچیں گے (اور کہیں گے): آپ لوگوں پر سلامتی ہو آپ کے صبر کرنے کی وجہ سے، کیا ہی خوب انجام کا رہے۔ (ابن حبان)

اسی طرح نثر بسیط کا ایک اور نمونہ ملاحظہ کیجیے۔

عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إِنَّ لِلَّهِ مَلَائِكَةً يَطُوفُونَ فِي الطُّرُقِ يَلْتَمِسُونَ أَهْلَ الدَّكْرِ، فَإِذَا وَجَدُوا قَوْمًا يَذْكُرُونَ اللَّهَ تَنَادَرُوا: هَلُمُّوا إِلَى حَاجَتِكُمْ قَالَ: فَيُخَفُّوهُمْ بِأَجْنِحَتِهِمْ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا قَالَ: فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ، وَهُوَ أَعْلَمُ

منہم، ما یقول عبادي؟ قالوا: یقولون: یسبحونک ویکبرونک ویحمدونک ویمجذونک قال: فیقول: هل رأوني؟ قال: فیقولون: لا والله ما رأوك؟ قال: فیقول: وكيف لو رأوني؟ قال: یقولون: لو رأوك كانوا أشد لك عبادةً، وأشد لك تمجيداً وتحميداً، وأكثر لك تسييحاً قال: یقول: فما يسألوني؟ قال: یسألونك الجنة قال: یقول: وهل رأوها؟ قال: یقولون: لا والله يا رب ما رأوها قال: یقول: فكيف لو أنهم رأوها؟ قال: یقولون: لو أنهم رأوها كانوا أشد عليها حرصاً، وأشد لها طلباً، وأعظم فيها رغبةً، قال: فمم یتعذون؟ قال: یقولون: من النار قال: یقول: وهل رأوها؟ قال: یقولون: لا والله يا رب ما رأوها قال: یقول: فكيف لو رأوها؟ قال: یقولون: لو رأوها كانوا أشد منها فراراً، وأشد لها مخافةً قال: فیقول: فأشهدكم أنني قد غفرت لهم قال: یقول ملك من الملائكة: فيهم فلان ليس منهم، إنما جاء لحاجة. قال: هم الجلساء لا يشقى بهم جليسهم“۔ (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں جو اللہ کا ذکر کرنے والوں کو تلاش کرتے ہوئے راستوں میں پھرتے رہتے ہیں، چنانچہ جب وہ ایسے لوگوں کو پاتے ہیں جو اللہ کا ذکر کر رہے ہوتے ہیں تو ایک دوسرے کو آواز دے کر بلاتے ہیں، آجوا اپنے مقصود کے پاس، چنانچہ وہ فرشتے انہیں اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں، فرشتوں کا یہ سلسلہ آسمان دنیا تک چلا جاتا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کا پروردگار ان سے پوچھتا ہے، حالانکہ وہ ان کے احوال سے بخوبی واقف ہے: میرے بندے کیا کہہ رہے ہیں؟ فرشتے کہتے ہیں: وہ آپ کی تسبیح بیان کر رہے ہیں، آپ کی بڑائی بیان کر رہے ہیں، آپ کی تعریف کر رہے ہیں اور آپ کی عظمت کا ذکر کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے: کیا ان لوگوں نے مجھے دیکھا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں: نہیں، اللہ کی قسم انھوں نے آپ کو نہیں دیکھا ہے، تو اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے: اگر وہ لوگ مجھے دیکھ لیتے تو کیا ہوتا؟ فرشتے کہتے ہیں: اگر وہ لوگ آپ کو دیکھ لیتے تو آپ کی اور بھی زیادہ عبادت کرتے اور بھی زیادہ آپ کی عظمت بیان کرتے اور مزید آپ کی تسبیح بیان کرتے، اللہ پوچھتا ہے: وہ مجھ سے کیا طلب کر رہے ہیں؟ فرشتوں نے کہا: وہ آپ سے جنت طلب کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے: کیا انھوں نے جنت دیکھی ہے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں: نہیں، اللہ کی قسم اے میرے پروردگار انھوں نے اسے نہیں دیکھا ہے، اللہ پوچھتا ہے: اگر وہ لوگ اسے دیکھ لیتے تو کیا ہوتا؟ فرشتے جواب دیتے ہیں: اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو اس کے اور بھی زیادہ خواہش مند ہوتے اور بھی زیادہ شدت سے طلب کرتے اور اس میں ان کی دلچسپی اور بھی زیادہ ہوتی، اللہ پوچھتا ہے: کس چیز سے وہ پناہ مانگ رہے تھے؟ فرشتے کہتے ہیں: دوزخ سے، اللہ پوچھتا ہے: کیا ان لوگوں نے دوزخ دیکھا ہے؟ تو فرشتے جواب دیتے ہیں: نہیں، اللہ کی قسم اے میرے پروردگار انھوں نے اسے نہیں دیکھا ہے، اللہ پوچھتا ہے: اگر وہ لوگ اسے دیکھ لیتے تو کیا ہوتا؟ فرشتے کہتے ہیں: اگر وہ لوگ اسے دیکھ لیتے تو اس سے اور بھی زیادہ بھاگتے اور بھی زیادہ خوف کھاتے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے: میں تم لوگوں کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان لوگوں کی مغفرت کردی ان فرشتوں میں سے ایک کہتا ہے: ان لوگوں میں ایک فلاں شخص ایسا بھی ہے جو ان لوگوں سے الگ ہے، وہ ایک ضرورت سے آیا تھا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وہ لوگ ایسے ہم نشین ہیں کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا بھی محروم نہیں رہتا ہے۔ (بخاری)

نثر علمی: نثر مسلسل کی دوسری قسم نثر علمی ہے، اس نثر کے ذریعہ کسی علمی موضوع پر اظہار خیال کیا جاتا ہے جس میں انسانی ذہن و عقل کو مخاطب کیا جاتا ہے، اس میں افسانوی خیالات اور جذباتی طرز بیان کا دخل نہیں ہوتا ہے، بلکہ کائنات کے حقائق پر روشنی ڈالی جاتی ہے، انسانی زندگی میں

پیش آنے والے واقعات کا جائزہ لیا جاتا ہے، منطقی بنیادوں پر ان کا تجزیہ کیا جاتا ہے، احوال و واقعات کے اثرات کی طرف نشاندہی کی جاتی ہے، امکانی نتائج سے باخبر کیا جاتا ہے، مذاکرہ کا انداز حقائق و دلائل پر مبنی ہوتا ہے۔

اس نثر کے ذریعہ صاحب کلام علمی اور معلوماتی فوائد پہنچانے کی کوشش کرتا ہے، اس لیے واضح اور سلیس زبان اختیار کی جاتی ہے، تحریر میں سنجیدگی ہوتی ہے، بات کو ذمہ دارانہ الفاظ و تراکیب میں پیش کیا جاتا ہے تاکہ مخاطب کسی پیچیدگی کا شکار نہ ہو بلکہ مقصود کلام کو بعینہ سمجھ سکے اور مطلوبہ نتیجہ تک پہنچ جائے، نثر کا یہ اسلوب تحقیقی و علمی تصانیف میں استعمال کیا جاتا ہے مثلاً فن طب میں، عقائد کی بحث میں، تاریخی احوال کے تذکرہ میں، سائنس اور فلسفہ کی شرح و توضیح میں، اس اسلوب میں پیچیدہ سے پیچیدہ موضوعات کو بھی بہت سہل اور قابل فہم انداز میں پیش کیا جاتا ہے، تاکہ آسانی کے ساتھ مسئلہ کی وضاحت ہو جائے، مخاطب کے ذہن کی گرہیں کھل جائیں، اس سلسلہ میں صاحب کلام نہایت خوش اسلوبی سے اپنی بات پیش کرتا ہے، کسی تکلف یا قنع کا سہارا نہیں لیتا ہے، اس طرز بیان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مخاطب شکوک و شبہات سے محفوظ رہے، ذہن کسی الجھاؤ میں نہ پڑے اور حسن و خوبی غرض کلام کا ادراک کر سکے۔

نثر علمی کے نمونے:

اعْلَمْ أَنَّ الْعُدْوَانَ عَلَى النَّاسِ فِي أَمْوَالِهِمْ ذَاهِبٌ بِأَمْوَالِهِمْ فِي تَحْصِيلِهَا وَاکْتِسَابِهَا لِمَا يَرَوْنَهُ حِينَئِذٍ مِنْ أَنَّ غَايَتَهَا وَمَصِيرُهَا انْتِهَائُهَا مِنْ أَيْدِيهِمْ وَإِذَا ذَهَبَتْ أَمْوَالُهُمْ فِي اِكْتِسَابِهَا وَتَحْصِيلِهَا انْقَبَضَتْ أَيْدِيهِمْ عَنِ السَّعْيِ فِي ذَلِكَ، وَعَلَى قَدْرِ الْاِعْتِدَاءِ وَنِسْبَتِهِ يَكُونُ انْقِبَاضُ الرِّعَايَا عَنِ السَّعْيِ فِي الْاِكْتِسَابِ، فَإِذَا كَانَ الْاِعْتِدَاءُ كَثِيرًا عَامًا فِي جَمِيعِ أَبْوَابِ الْمَعَاشِ كَانَ الْفُغُودُ عَنِ الْكُسْبِ كَذَلِكَ، لَذَهَابَهُ بِالْأَمَالِ جُمْلَةً بِدُخُولِهِ مِنْ جَمِيعِ أَبْوَابِهَا، وَإِنْ كَانَ الْاِعْتِدَاءُ يَسِيرًا كَانَ الْاِنْقِبَاضُ عَنِ الْكُسْبِ عَلَى نِسْبَتِهِ، وَالْعُمَرَانُ وَوُفُورُهُ وَتَفَاقُّ أَسْوَاقِهِ إِنَّمَا هُوَ بِالْأَعْمَالِ وَسَعْيِ النَّاسِ فِي الْمَصَالِحِ وَالْمَكَاسِبِ، ذَاهِبِينَ وَجَائِينَ، فَإِذَا قَعَدَ النَّاسُ عَنِ الْمَعَاشِ وَانْقَبَضَتْ أَيْدِيهِمْ فِي الْمَكَاسِبِ كَسَدَتْ أَسْوَاقُ الْعُمَرَانِ وَانْتَفَضَتْ الْأَحْوَالُ، وَابْدَعَزَ النَّاسُ فِي الْاِتِّفَاقِ مِنْ غَيْرِ تِلْكَ الْإِيَالَةِ فِي طَلَبِ الرِّزْقِ، فِيمَا خَرَجَ عَنْ نِطَاقِهَا، فَخَفَّ سَاكِنُ الْقَطْرِ وَخَلَّتْ دِيَارُهُ وَخَرَبَتْ أَمْصَارُهُ وَاخْتَلَّ بِاخْتِلَالِهِ حَالُ الدَّوْلَةِ وَالسُّلْطَانِ، لِمَا أَنَّهَا صُورَةٌ لِلْعُمَرَانِ تَفْسُدُ بِفَسَادِ مَادَتِهَا ضَرُورَةً. (الظلم مؤذن بخراب العمران لابن خلدون، مختارات من أدب العرب ج ١)

ترجمہ: جان لو، کہ لوگوں کے مالوں میں جبر و دست درازی، مال کے حصول اور اس کے کمانے میں لوگوں کی امیدوں کو فنا کر دینے والا عمل ہے، کیونکہ وہ دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ اس صورتحال میں ان کے مال کا انجام یہ ہوگا کہ وہ ان کے ہاتھ سے چھین لیا جائے گا، چنانچہ جب لوگوں کی امیدیں مال کے کمانے میں اور اسے حاصل کرنے میں ختم ہو جائیں گی تو حصول مال کی کوشش میں ان کے ہاتھ ڈھیلے پڑ جائیں گے، جس قدر ظلم ہوگا اور ناروا سلوک کی جو سطح ہوگی، کسب معاش میں رعایا کی کوشش اسی قدر کمزور و سست ہوگی، اگر دست درازی معیشت کے تمام شعبوں میں بڑے پیمانہ پر عام ہوگی تو کسب معاش سے اسی قدر بے رغبتی ہوگی، کیونکہ ظلم معیشت کے تمام راستوں سے داخل ہو کر لوگوں کی امیدوں کو مکمل طور پر فنا کر چکا ہوگا، اگر ظلم چھوٹے پیمانہ پر ہوگا تو کسب معاش میں بے توجہی کی سطح بھی وہی ہوگی، معاشرہ، اس کا فروغ اور وہاں کے بازاروں کی ترقی درحقیقت لوگوں کے کام کاج، کسب معاش اور ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے صبح و شام کی تگ و دو سے وابستہ ہے، چنانچہ اگر لوگ معیشت کی تگ و دو سے بے رغبت

ہو کر بیٹھ گئے اور کاروباری ذرائع میں ان کے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے تو معاشرہ کے بازار سرد پڑ جائیں گے، حالات بحران کا شکار ہو جائیں گے، لوگ ملک کو چھوڑ کر طلب رزق کے لیے دوسری سمتوں میں منتشر ہو جائیں گے، جو اس ملک کے دائرہ حدود سے باہر ہوں گے، ملک کی آبادی کم ہو جائے گی، گھر خالی ہو جائیں گے، شہر ویران ہو جائیں گے، اس اضطراب سے ملک کی حالت ابتر ہو جائے گی، سلطنت کمزور پڑ جائے گی، کیونکہ حالات کی وجہ سے معاشرہ کی ایسی تصویر رونما ہوگی جو عنصر میں بگاڑ کے سبب لازمی طور پر بگڑتی ہی چلی جائے گی۔ (ابن خلدون)

نشر علمی کا ایک اور نمونہ ملاحظہ کیجیے:

هل تعرف الفرق بين الحرير الطبيعي والحرير الصناعي؟ وهل تعرف الفرق بين الأسد وضرورة الأسد؟ وهل تعرف الفرق بين الدنيا في الخارج والدنيا على الخريطة؟ وهل تعرف الفرق بين عملي في اليقظة و عملي في المنام؟ وهل تعرف الفرق بين إنسان يسعى في الحياة وبين إنسان من جنس وضع في متجر لتعرض عليه الملايس؟ وهل تعرف الفرق بين الناحية الثكلى والناحية المستأجرة، وبين التكحل في العينين والكحل؟ وهل تعرف الفرق بين السيف يمسكه الجندي المحارب وبين السيف الخشبي يمسكه الخطيب يوم الجمعة؟ وهل تعرف الفرق بين الناس في الحياة والناس على الشاشة البيضاء؟ وهل تعرف الفرق بين الصوت والصدى؟ إن عرفت ذلك فهو بعينه الفرق بين الدين الحق والدين الصناعي۔

يكد الباحثون أذهانهم، ويجهد المؤرخون أنفسهم في تقليب صحفهم ووثائقهم عن تعرف السبب في أن المسلمين أول أمرهم أتوا بالعجائب فغزوا وفتحوا وسادوا، والمسلمين في آخر أمرهم أتوا بالعجائب أيضا فصغفوا وذلوا واستكانوا، والقرآن هو القرآن، وتعاليم الإسلام هي تعاليم الإسلام، ولا إله إلا الله هي لا إله إلا الله، وكل شيء هو كل شيء، ويذهبون في تعليل ذلك مذاهب شتى، ويسلكون مسالك متعددة، ولا أرى لذلك إلا سببا واحدا وهو الفرق بين الدين الحق والدين الصناعي۔

الدين الصناعي حر كاث وسكنات وألفاظ، ولا شيء وراء ذلك، والدين الحق دين روح وقلب وحرارة۔ (الدين الصناعي للدكتور أحمد أمين، مختارات من أدب العرب ج 1: أبو الحسن علي الندوي)

ترجمہ: کیا آپ کو معلوم ہے قدرتی ریشم اور مصنوعی ریشم میں کیا فرق ہے؟ کیا آپ کو معلوم ہے شیر میں شیر کی تصویر میں کیا فرق ہے؟ کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ دنیا جو آنکھوں کے سامنے پھیلی ہوئی ہے اور وہ دنیا جو نقشہ میں ہے دونوں میں کیا فرق ہے؟ کیا آپ کو معلوم ہے کہ حالت بیداری میں آپ کوئی کام کریں اور خواب میں کوئی کام کریں دونوں میں کیا فرق ہے؟ کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ انسان جو زندگی کی حرارت کے ساتھ نقل و حرکت کرتا ہے اور وہ انسان جو مٹی اور گارے سے تیار شدہ کسی دکان میں نصب کیا ہوا ہوتا ہے جس پر پوشاک کی نمائش کی جاتی ہے، دونوں میں کیا فرق ہے؟ کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ رونا والی عورت جس کا بیٹا وفات پا چکا ہو اور وہ عورت جو اجرت لے کر روتی ہے، دونوں میں کیا فرق ہے؟ اور ان آنکھوں میں جو سرمہ لگا کر سیاہ کی گئی ہوں اور وہ آنکھیں جو قدرتی طور پر سیاہ ہوں، دونوں میں کیا فرق ہے؟ کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ تلوار جو میدان جنگ میں فوجی کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور وہ چوبی تلوار جو جمعہ کے دن خطیب کے ہاتھ میں ہوتی ہے، دونوں میں کیا فرق ہے؟ کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ لوگ جو زندگی کی سرگرمیوں میں نظر آتے ہیں اور وہ لوگ جو پردہ سمیں پر نظر آتے ہیں، دونوں میں کیا فرق ہے؟ کیا آپ کو معلوم ہے کہ آواز اور صدائے بازگشت میں کیا فرق ہے؟ اگر آپ کو یہ معلوم ہے تو بعینہ یہی فرق دین حقیقی اور مصنوعی دین میں ہے۔

محققین ذہنی کاوشیں صرف کرتے ہیں۔ تاریخ داں اپنی کتابوں اور دستاویزات کی الٹ پلٹ میں اپنی توانائی خرچ کرتے ہیں تاکہ اس سبب کو دریافت کریں جس کی وجہ سے مسلمان اپنے دور آغاز میں حیرت انگیز جوہر دکھا گئے، انھوں نے جنگیں لڑیں، فتح حاصل کی اور قیادت سنبھالی، جب کہ مسلمانوں نے اپنے آخری زمانہ میں بھی عجیب و غریب کردار کا مظاہرہ کیا، کہ وہ کمزور و پسپا ہو گئے، ذلت و رسوائی کا سامنا کیا اور گھٹنے ٹیک دیے، حالانکہ قرآن وہی قرآن ہے، اسلام کی وہی تعلیمات موجود ہیں، کلمہ لا الہ الا اللہ بھی وہی لا الہ الا اللہ ہے، ہر ایک چیز بعینہ وہی ہے، اس کی توجیہ بیان کرنے میں لوگ اب مختلف زاویہ نظر اختیار کرتے ہیں اور مختلف پہلوؤں سے اس کا تجزیہ کرتے ہیں، جب کہ میں اس پس منظر میں صرف ایک ہی وجہ پاتا ہوں اور وہ ہے دین حقیقی اور مصنوعی دین کا فرق۔

مصنوعی دین محض حرکات و سکنات اور الفاظ پر مشتمل ہوتا ہے، ان کے علاوہ اور کچھ نہیں، جب کہ دین حقیقی روحانیت کا دین ہے، قلبی تعلق کا دین ہے اور ایمانی حرارت کا دین ہے۔ (ڈاکٹر احمد امین)

## 1.5.2 نثر فنی

نثر فنی کا دوسرا نام نثر ادبی ہے۔

نثر کی اس قسم میں صاحب کلام اپنے تجربات و احساسات کو اس انداز سے پیش کرتا ہے کہ مخاطب کا دل و دماغ اس سے براہ راست اثر قبول کر کرے، اسی لیے اس کو فنی طریقہ کہتے ہیں کہ انداز بیان میں قوت اور تاثیر ہوتی ہے، صاحب کلام کو اپنے طرز بیان سے متاثر کرنے کا فن حاصل ہوتا ہے، بیان میں لطافت اور بلاغت ہوتی ہے، زبان میں کشش ہوتی ہے، اسلوب میں تنوع ہوتا ہے، معنی میں نیا پن اور انفرادیت ہوتی ہے، ذہن میں اس کے نقوش ثبت ہو جاتے ہیں، نثر کا یہ اسلوب صاحب کلام کی داخلی استعداد اور ذوق لطیف پر مبنی ہوتا ہے، نثر فنی کے ماہر اور مصور کے درمیان فرق یہ ہوتا ہے کہ مقدم الذکر اپنے حسن اسلوب اور خوبصورت الفاظ کے ذریعہ معانی میں قوت اور جاذبیت پیدا کرتا ہے، تعبیر میں اثر انگیزی اور سحر آفرینی ہوتی ہے، مخاطب سن کر لذت و فرحت کی بہار محسوس کرتا ہے، جب کہ مؤخر الذکر اپنے آلات اور رنگ و روغن کے ذریعہ یا قلم کی لکیروں سے تصویر میں کشش پیدا کرتا ہے، رنگوں کے انتخاب و تناسب سے اسے رونق بخشتا ہے، اس کے حسین امتزاج سے نگاہوں کو خیرہ کر دیتا ہے۔

نثر فنی کا ماہر الفاظ و معانی کی طاقت و تاثیر سے بخوبی واقف ہوتا ہے، موقع کی مناسبت سے الفاظ کا انتخاب کرتا ہے، ان میں روح پھونک دیتا ہے، شعور و وجدان کی تہوں میں ہلچل پنا کر دیتا ہے، الفاظ میں کبھی موسیقیت ہوتی ہے، تو کبھی نغمہ سرائی کا احساس ہوتا ہے، کبھی معانی میں مقناطیسی لہر اور جذبات میں حرارت پائی جاتی ہے، اس نوع کی نثر خطابت میں، وصف میں، خطوط میں، ناول اور قصوں میں نظر آتی ہے، ماضی میں اس طرز کی نثر خطوط، خطابت، ضرب الامثال اور اقوال زریں (حکمت کی باتیں) تک محدود تھی، بعد میں زمانہ کی رفتار کے ساتھ اس کا دائرہ بھی وسیع ہوتا گیا، لہذا مقامات، سفر نامے، قصے اور ناول بھی اس اسلوب کا مظہر قرار پائے۔

نثر فنی کی بھی دو قسمیں ہیں:

### 1. نثر وصفی 2. نثر انشائی

نثر وصفی:

اس نثر کو کہتے ہیں جس میں صاحب کلام کسی ہئیت یا کسی واقعہ کی منظر کشی کرتا ہے، اس کے خط و خال یا تفصیلات کو الفاظ کے حسن سے آراستہ

کرتا ہے، اس کی خصوصیات کو امتیازی شان کے ساتھ اس انداز سے پیش کرتا ہے کہ ذہن ان الفاظ کے دوش پر سفر کرتا ہوا موضوع کلام تک پہنچ جائے، چنانچہ مخاطب کی آنکھوں کے سامنے بعینہ وہی تصویر ابھر آتی ہے جو صاحب کلام پیش کرنا چاہتا ہے، اس طرح مخاطب خود کو اس منظر یا موقع کا ایک حصہ تصور کرنے لگتا ہے، الفاظ و معانی کا حسن انجام طبیعت میں حرکت پیدا کر دیتا ہے، تمثیل و تشبیہ کے ذریعہ عبارت کو زینت عطا کی جاتی ہے اور مخاطب یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ صورتحال کا بذات خود مشاہدہ کر کے براہ راست اثر قبول کر رہا ہے۔

نثر وصفی کا نمونہ:

عن أبي مالک الأشعري رضي الله تعالى عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: يَأْتِيهَا النَّاسُ اسْمَعُوا وَاَعْلَمُوا، أَنَّ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ عباداً لِيَسُوا بِأَنْبِيَاءٍ، وَلَا شُهَدَاءٍ، يَغِطُّهُمْ الْأَنْبِيَاءُ وَالشُّهَدَاءُ عَلَى مَجَالِسِهِمْ وَقُرْبِهِمْ مِنَ اللَّهِ، فَجَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْأَعْرَابِ مِنْ قَاصِيَةِ النَّاسِ وَالْوَيْ بِيَدِهِ إِلَى نَبِيِّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللَّهِ! نَاسٌ مِنَ النَّاسِ لِيَسُوا بِأَنْبِيَاءٍ وَلَا شُهَدَاءٍ، يَغِطُّهُمْ الْأَنْبِيَاءُ وَالشُّهَدَاءُ عَلَى مَجَالِسِهِمْ وَقُرْبِهِمْ مِنَ اللَّهِ، انْعَتَهُمْ لِنَايَعِنِي صِفْهُمْ لَنَا، فَسَرَّ وَجْهَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِسُؤَالِ الْأَعْرَابِيِّ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هُمْ نَاسٌ مِنْ أَفْنَاءِ النَّاسِ، وَنَوَازِعِ الْقَبَائِلِ، لَمْ تَصِلْ بَيْنَهُمْ أَرْحَامٌ مُتَقَارِبَةٌ، تَحَابُّوا فِي اللَّهِ وَتَصَافَّوا، يَضَعُ اللَّهُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مَنَابِرَ مِنْ نُورٍ فَيَجْلِسُ لَهُمْ عَلَيْهَا، فَيَجْعَلُ وَجُوهَهُمْ نُورًا، وَثِيَابَهُمْ نُورًا، يَفْزَعُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يَفْزَعُونَ، وَهُمْ أَوْلِيَاءُ اللَّهِ الَّذِينَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ (رواه أحمد)

ترجمہ: حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا کہ آپؐ نے فرمایا: اے لوگو! سنو اور سمجھ لو اور جان لو کہ اللہ کے کچھ ایسے بندے ہیں جو نہ ہی انبیاء ہیں اور نہ شہدا ہیں، اللہ سے ان کی قربت پر اور اللہ کے یہاں ان کے مرتبہ پر خود انبیاء اور شہدا رشک کریں گے، تو گاؤں کے باشندوں میں سے ایک صاحب مجمع کے آخری حصہ سے کھڑے ہوئے اور اللہ کے نبی کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے دریافت کیا! اے اللہ کے نبی! لوگوں میں سے کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو نہ انبیاء ہوں گے اور نہ ہی شہدا، اللہ سے ان کی قربت پر اور اللہ کے یہاں ان کے مرتبہ پر خود انبیاء اور شہدا رشک کریں گے، ہمیں ان کی پہچان بتا دیجیے، گاؤں کے صحابی کے اس سوال پر آپؐ کے چہرہ سے مسرت ظاہر ہونے لگی، پھر آپؐ نے فرمایا: وہ ایسے لوگ ہیں جو گنہگار ہوں گے (یعنی لوگوں میں معروف نہیں ہوں گے)، مختلف قبائل سے آئے ہوئے ہوں گے، ان کے بچ کسی قسم کی قریبی رشتہ داری کا ناطہ نہیں ہوگا، وہ لوگ آپس میں اللہ کے لیے محبت کریں گے، وہ باہم محبت میں مخلص ہوں گے، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کے لیے نور کے تخت رکھے گا پس ان پر انھیں بٹھائے گا، پھر ان کے چہروں کو پر نور بنا دے گا، ان کے لباس کو نور سے منور کر دے گا، قیامت کے روز جب لوگ گھبراہٹ کے عالم میں ہوں گے، ان لوگوں میں گھبراہٹ نہیں ہوگی، یہ اللہ کے دوست ہوں گے جنہیں نہ ہی کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمزدہ ہوں گے۔

نثر انشائی:

نثر فنی کی دوسری قسم نثر انشائی ہے۔

جس نثر میں صاحب کلام زندگی کے تجربات سے براہ راست متاثر ہو کر اپنے تاثرات یا خیالات کو پیش کرتا ہے اس کو نثر انشائی کہتے ہیں، صاحب کلام اس میں اپنے تصورات اور زاویہ فکر کا اظہار کرتا ہے، کسی واقعہ یا کسی منظر سے متاثر ہو کر اپنے احساسات قلم بند کرتا ہے۔

نثر انشائی میں صاحب کلام تخیلات کی دنیا میں پرواز کرتا ہے، جذبات کی رو میں الفاظ کو استعمال کرتا ہے، کوئی ضروری نہیں کہ اس کی باتیں اور اس کے خیالات حقائق پر مبنی ہوں، کبھی افسانوی انداز میں اپنے خیالات پیش کرتا ہے تو کبھی طرز گفتگو شاعری سے مشابہ ہوتا ہے، لیکن وہ شاعری نہیں ہوتی ہے، کیونکہ اس میں وزن اور قافیہ کا اہتمام نہیں کیا جاتا ہے۔

نثر کے اس فنی اسلوب میں قوت بیان اور جاذبیت ہوتی ہے، الفاظ پر کشش ہوتے ہیں جو دل پر اثر انداز ہوتے ہیں، معانی میں لطافت و حرارت ہوتی ہے جنہیں پڑھ کر رگوں میں احساس کی لہر دوڑ پڑتی ہے، معانی کا پرتو مخاطب کے خدو خال پر عیاں ہونے لگتا ہے، دل کی چاہت بڑھتی جاتی ہے، رغبت میں اضافہ ہونے لگتا ہے، مخاطب اس اسلوب سے اس قدر متاثر ہوتا ہے کہ اطراف و اکناف سے بالکل بے خبر اور بے نیاز ہو جاتا ہے، اس نوع کی نثر کے ذریعہ فکر کی بلندی، خیال کی رعنائی، تخیل کا انوکھا پن، شعور میں جدت و انفرادیت کا پتہ چلتا ہے، مخاطب معنی و مفہوم کی وسعتوں میں گم ہو جاتا ہے، تعبیرات کا یہ سلسلہ رگ و پے میں لطف کی بہار پیدا کر دیتا ہے، روح کو تازگی میسر ہوتی ہے اور طبیعت میں بشاشت کی کلیاں کھلنے لگتی ہیں۔

نثر انشائی کا نمونہ:

فِي تِلْكَ الدَّقِيقَةِ ظَهَرْتُ مِنْ وَرَاءِ أَشْجَارِ الصَّفَصَافِ صَبِيَّةٌ تَجُرُّ أَذْيَالَهَا عَلَى الْأَعْشَابِ ، وَوَقَفْتُ بِجَانِبِ الْفَتَى وَوَضَعْتُ يَدَهَا الْحَرِيرِيَّةَ عَلَى رَأْسِهِ ، فَنَظَرُ إِلَيْهَا نَظْرَةً نَائِمٍ أَقْبَضَهُ شُعَاعُ الشَّمْسِ ، فَرَأَيْتُ ابْنَةَ الْأَمِيرِ واقِفَةً حِذَاءَهُ فَجِئْتُ عَلَى رُكْبَتَيْهِ مِثْلَمَا فَعَلَ مُوسَى عِنْدَمَا رَأَى الْعَلِيقَةَ مُشْتَعِلَةً أَمَامَهُ ، وَلَمَّا أَرَادَ الْكَلَامَ أَرْتَجَّ عَلَيْهِ فَنَابَتْ غَيْنَاهُ الطَّافِحَتَانِ بِالْدَّمْعِ عَنْ لِسَانِهِ .

ثُمَّ عَانَقَتْهُ الصَّبِيَّةُ وَقَبِلَتْ شَفَتَيْهِ ، وَقَبِلَتْ عَيْنَيْهِ رَاشِقَةً الْمَدَامِغِ السَّخِينَةِ ، وَقَالَتْ بِصَوْتِ الطَّفِّ مِنْ نِعْمَةِ النَّايِ : " قَدَرَأَيْتَكَ يَا حَبِيبِي فِي أَحْلَامِي ، وَنَظَرْتُ وَجْهَكَ فِي وَحْدَتِي وَانْقِطَاعِي ، فَأَنْتَ رَفِيقُ نَفْسِي الَّذِي فَقَدْتُهُ ، وَنَصْفِي الْجَمِيلُ الَّذِي انْفَصَلْتُ عَنْهُ عِنْدَمَا حَكَمَ عَلَيَّ بِالْمَجْبِي إِلَى هَذَا الْعَالَمِ . قَدْ جِئْتُ سَرَّأَيَا حَبِيبِي لِأَلْقِي بَكَ ، وَهَأَنْتَ الْآنَ بَيْنَ ذِرَاعِي فَلَا تَجْرُعْ ! قَدْ تَرَكْتُ مَجْدَ وَالِدِي لِأَتَبِعَكَ إِلَى أَقَاصِي الْأَرْضِ وَأَشْرَبَ مَعَكَ كَأْسَ الْحَيَاةِ وَالْمَوْتِ . قُمْ يَا حَبِيبِي فَنَذْهَبْ إِلَى الْبَرِّيَّةِ الْبَعِيدَةِ عَنِ الْإِنْسَانِ . "

وَمَشَى الْحَبِيبَانِ بَيْنَ الْأَشْجَارِ تُخْفِيهِمَا سَتَائِرُ اللَّيْلِ وَلَا يَخْفِيهِمَا بَطْشُ الْأَمِيرِ وَلَا أَشْبَاحُ الظُّلْمَةِ . هُنَاكَ فِي أَطْرَافِ الْبِلَادِ عَثَرَ زَوَادُ الْأَمِيرِ عَلَى هَيْكَلَيْنِ بَشَرِيَّيْنِ فِي عُقِّ أَحَدِهِمَا قِلَادَةٌ ذَهَبِيَّةٌ ، وَبَقَرُ بِهِمَا حَجَرٌ كُتِبَتْ عَلَيْهِ هَذِهِ الْكَلِمَاتُ : قَدْ جَمَعْنَا الْحُبَّ فَمَنْ يَفْزُقْنَا ، وَأَخَذْنَا الْمَوْتَ فَمَنْ يَرْجِعُنَا ؟ . (دمعة وابتسامة ، حكاية ، جبران خليل جبران)

ترجمہ: اسی لمحہ درختوں کے پیچھے سے ایک بچی سبزہ زار پر اپنے دامن سمیٹتی ہوئی نمودار ہوئی اور نوجوان کے پاس آکر کھڑی ہو گئی، اس نے اپنے ریشمی ہاتھوں کو اس کے سر پر رکھا، نوجوان نے اس کی طرف اس شخص کی طرح نگاہ اٹھائی جس کو سورج کی شعاعوں نے ابھی بیدار کیا ہو، اس نے دیکھا کہ سردار کی بیٹی اس کے پاس کھڑی ہے تو گھٹنوں کے بل اچھل پڑا، جس طرح موتی اچھل پڑے تھے، جب انھوں نے اپنے سامنے جھاڑیوں میں آگ روشن دیکھی، اس نوجوان نے جب بات کرنے کا ارادہ کیا تو اس پر لرزش طاری ہو گئی، تبھی پر ہم آنکھوں نے خاموش زبان کی نمائندگی کی۔

پھر اس بچی نے اسے گلے لگایا، اس کے ہونٹوں کو بوسہ دیا، اس کی آنکھوں کو بوسہ دیا جن سے گرم گرم آنسو جھڑ رہے تھے، پھر دور سے آنے والے بانسری کے نغمہ سے بھی زیادہ نرم آواز میں اس نے کہا:

”میرے محبوب میں نے تمہیں خوابوں میں دیکھا ہے، اپنی تنہائی میں اور اکیلے پن میں میں نے تمہارے چہرہ کا مشاہدہ کیا ہے، تم ہی میری



زندگی کے ساتھی ہو، جسے میں کھو بیٹھی تھی، تم ہی میرے ادھورے پن کی تکمیل ہو جس سے میں اس وقت سے دور ہوں جب اس دنیا میں میرے آنے کا فیصلہ کیا گیا تھا، میرے محبوب میں چھپ کر تم سے ملنے چلی آئی ہوں اور اب تم میری بانہوں میں ہو، پریشان مت ہونا، میں نے اپنے والد کی شان و شوکت کو چھوڑ دیا تاکہ تمہارے ساتھ روئے زمین کے دوسرے کنارے چلی جاؤں اور تمہارے ساتھ ہی جیوں اور مروتوں، میرے محبوب! اٹھو، چلو چلیں ایسی سرزمین کی طرف جو انسانوں سے دور ہو۔“

دونوں محبوب درختوں سے گزرتے ہوئے چل پڑے، رات نے ان کو اپنے اندر سمو لیا تھا، انہیں نہ ہی سردار کے دبدبہ کا خوف تھا اور نہ ہی اندھیروں کے سائے کا۔

ملک کے اطراف میں سردار کے آدمیوں کو دو انسانی ڈھانچوں کا سراغ ملا، ان میں سے ایک کے گلے میں سونے کا ہار تھا اور قریب ہی ایک پتھر پر یہ الفاظ لکھے تھے۔

”محبت نے ہمیں ایک ساتھ کر دیا ہے، اب ہمیں کون جدا کر سکتا ہے، موت نے ہمیں اپنی پناہ میں لے لیا ہے، اب ہمیں کون واپس لاسکتا ہے؟“

معلومات کی جانچ

1. کلام کسے کہتے ہیں؟
2. کلام کی کتنی قسمیں ہیں؟
3. نشری کلام سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟
4. نشر کا اسلوب کیسا ہوتا ہے؟
5. انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے کس اسلوب میں بات کرتا ہے؟
6. نشر میں جملے کس طرز پر مرتب ہوتے ہیں؟

## 1.6 اکتسابی نتائج

انسان کی زبان سے جو بات نکلتی ہے اس کو ”کلام“ کہتے ہیں، کلام کی دو قسمیں ہوتی ہیں: نشر اور نظم، جس کلام میں وزن اور قافیہ کا اہتمام نہیں کیا جاتا ہے اس کو ”نثر“ کہتے ہیں، انسان جب بولنا سیکھتا ہے تو نشر کے اسلوب میں ہی بات چیت کرتا ہے، چنانچہ نشر زبان و ادب کا سب سے ابتدائی مرحلہ ہوتا ہے، جوں جوں انسانی معاشرہ میں معلومات اور تجربات کا اضافہ ہوتا جاتا ہے، نشر کے انداز میں اور معیار میں عمدگی آ جاتی ہے، انسان کو اپنی بات رکھنے کا منطقی اسلوب حاصل ہوتا ہے، انسانی تہذیب و تمدن میں جیسے جیسے ترقی ہوتی جاتی ہے ویسے ویسے کلام کے ذوق میں نکھار پیدا ہوتا جاتا ہے، خیالات کے اظہار کے لیے فنی طریقہ کا شعور پروان چڑھنے لگتا ہے، ذہن میں موجود خاکہ کو نہایت خوبصورتی اور جاذبیت کے ساتھ پیش کرنے کا سلیقہ میسر آتا ہے، الفاظ کا انتخاب ایسی خوبی اور مہارت کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ مخاطب کے سامنے مقصود کلام کا محققہ واضح ہو جاتا ہے۔

نثر کی مرحلہ وار ترقی کی بنیاد پر اس کی تقسیم عمل میں آتی ہے، بنیادی طور پر نثر کی دو قسمیں ہوتی ہیں: نثر مرسل اور نثر فنی، نثر مرسل زبان کے فروغ میں سب سے پہلا مرحلہ قرار پاتا ہے، نثر کی یہ قسم رواں اور بے تکلف انداز کلام پر مشتمل ہوتی ہے، جملے عام فہم ہوتے ہیں، نثر مرسل کی ضمنی طور

پر دو قسمیں ہوتی ہیں: نثر بسیط اور نثر علمی، نثر بسیط اس نثر کو کہتے ہیں جس میں عمومی طرز پر اظہار خیال کیا جاتا ہے، سادہ گفتگو اور روزمرہ کے تبادلہ خیال کو اس قسم میں شامل کیا جاتا ہے، دوسری قسم نثر علمی ہے، اس قسم کی نثر میں علمی موضوعات پر گفتگو ہوتی ہے، جذبات کے بجائے عقل و فکر کو مخاطب کیا جاتا ہے، کسی مسئلہ کا تجزیہ کیا جاتا ہے یا کسی نقطہ کی تشریح کی جاتی ہے، نیز کسی بحث میں اپنے موقف کی وضاحت کی جاتی ہے، نثر کی اس قسم میں صاحب کلام حقائق و دلائل کی روشنی میں بات کرتا ہے، مذاکرہ کو منظم طریقہ سے ترتیب دیتا ہے، منطقی پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہوئے سلسلہ کلام کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیتا ہے۔

نثر کی دوسری قسم نثر فنی ہے، اس نوع میں صاحب کلام انداز بیان کا فنی طریقہ اختیار کرتا ہے تاکہ مخاطب کلام کی جاذبیت اور سحر آفرینی میں گم ہو جائے، موضوع کلام کی تصویر بعینہ مخاطب کی نگاہوں میں گردش کرنے لگے، اور مخاطب غرض کلام کی رو میں بہہ جائے، نثر فنی کی بھی ضمنی طور پر دو قسمیں ہوتی ہیں: نثر وصفی اور نثر انشائی، نثر وصفی میں کسی چیز کی یا ہیئت کی یا احوال کی منظر کشی کی جاتی ہے، صورتحال کی صحیح نمائندگی کے لیے الفاظ کے انتخاب کا فن دکھایا جاتا ہے، یہاں تک کہ مخاطب خود کو اس منظر کا ایک حصہ تصور کرنے لگتا ہے، نثر فنی کی دوسری قسم نثر انشائی ہے، اس میں صاحب کلام اپنی فنکارانہ صلاحیتوں کا اظہار کرتا ہے، خیال میں رعنائی پائی جاتی ہے، تعبیر میں کشش ہوتی ہے، اس اسلوب سے مخاطب کے جذبات میں ہلچل بپا ہو جاتی ہے، اس قسم کی نثر میں شعور و وجدان کو خطاب کیا جاتا ہے، جذبات و نفسیات کے تاروں کو حرکت دی جاتی ہے اور مخاطب کو اپنے زاویہ فکر کا ہم نوا و ہم خیال بنالیا جاتا ہے۔

## 1.7 نمونے کے امتحانی سوالات

1. نثر کے لغوی اور اصطلاحی معنی پر مفصل روشنی ڈالے۔
2. نثر کی قسمیں بیان کیجیے۔
3. نثر بسیط کسے کہتے ہیں واضح کیجیے۔
4. نثر علمی پر تشفی بخش انداز میں بحث کیجیے۔
5. نثر فنی کی خصوصیات کیا ہیں؟ ایک جائزہ پیش کیجیے۔
6. نثر وصفی سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ متعارف کیجیے۔
7. نثر انشائی سے متعلق اپنی معلومات قلم بند کیجیے۔

## 1.8 فرہنگ

دَرِی	یَدِری	دِرایۃ	جاننا، واقف ہونا، معلومات رکھنا
سَدَّ	یَسُدُّ	سَدوداً	بند کرنا، حفاظت کرنا
نَغْر	ج	نُغور	سرحد
اتَّقِی	یَتَّقِی	اتقاء	بچنا، الگ رہنا

مَکْرَہ	ج	مکّارِہ	نا پسندیدہ احوال، ناخوشگوار حالات
قَضَی	یَقْضِی	قَضَاء	پورا کرنا
أَتَى	يَأْتِي	اتياناً	آنا
حَيَّ	يُحْيِي	تَحْيَةً	سلام کرنا
نِعَم			کیا ہی خوب
عُقْبَى			انجام
طَاف	يَطُوف	طَوَافاً	پھرنا، چکر لگانا
الْتَمَسَ	يَلْتَمِسُ	الْتِمَاساً	تلاش کرنا، ڈھونڈنا
تَنَادَى	يَتَنَادَى	تَنَادِياً	باہم ایک دوسرے کو آواز دینا، بلانا
هَلَمُّوا			ادھر آؤ (جمع کے لیے)
حَفَّ	يُحَفِّ	خَفُوفاً	ڈھانپ لینا
جَنَاح	ج	أَجْنِحَةٌ	پر، پتکھ
مَجَّد	يُمَجِّدُ	تَمْجِيداً	عظمت بیان کرنا
تَعَوَّذَ	يَتَعَوَّذُ	تَعَوُّذاً	پناہ لینا
فَرَّ	يَفِرُّ	فِرَاراً	بھاگنا
جَلَسَ	ج	جُلُوساً	ہم نشین
شَقِيَ	يَشْقَى	شَقِيّاً	نامراد ہونا، محروم ہونا
انْتَهَبَ	يَنْتَهَبُ	انْتِهَاباً	لٹ جانا، ظلم کا شکار ہو جانا
أَمَلَ	ج	أَمالاً	امیدیں
اعْتَدَى	يَعْتَدِي	اعْتِدَاءً	ظلم کرنا، سرکشی کرنا، حد سے تجاوز کرنا
انْقَبَضَ	يَنْقَبِضُ	انْقِبَاضاً	محدور رہنا، حرکت نہ کرنا، آگے نہ بڑھنا
قَعَدَ	يَقْعُدُ	قُعُوداً (عَنْ)	کام چھوڑ کر بیٹھے رہنا
ابْدَعَزَ	يَبْدَعِزُّ	ابْدَعْراراً	منتشر ہو جانا، پھیل جانا
الْإِيَالَةَ			وادی، صوبہ، سلطنت کا کوئی حصہ
اخْتَلَّ	يَخْتَلُّ	اِخْتِلالاً	خلل واقع ہونا، استحکام کھودینا
الْغَمْران			آبادی

نَفَقَ السُّوقُ	بازار شباب پہ ہونا
كَسَدَ السُّوقُ	بازار کا ماند پڑ جانا
انْتَفَضَ	انتفاضا
ذراع	بازو، ہاتھ
جَزَع	گھبرانا
الْبَرِّيَّة	صحراء، وادی

## 1.9 مطالعہ کے لیے معاون کتابیں

1. عربی ادب کی تاریخ از پروفیسر عبدالحلیم ندوی
2. عربی ادب کی تاریخ از احمد حسن زبات / ترجمہ طفیل احمد مدنی
3. الأدب العربي بين عرض ونقد از محمد رابع الحسني الندوي
4. عربی ادب کی تاریخ از محمد کاظم

## اکائی 2 عصر جاہلی میں عربی نثر

اکائی کے اجزا

- 2.1 مقصد
- 2.2 تمہید
- 2.3 عصر جاہلی
- 2.4 عربوں کے تجربات
- 2.5 عربوں میں تحریر کے آثار
- 2.6 جاہلی دور میں لکھنے کا رواج
- 2.7 صحیفوں کا وجود
- 2.8 طرفہ بن عبد کی موت میں خط کا کردار
- 2.9 نثر جاہلی میں قصوں اور کہانیوں کا تذکرہ
  - 2.9.1 عصر جاہلی میں قصوں کی نوعیت
  - 2.9.2 نصر بن الحارث کا واقعہ
  - 2.9.3 المرقش الاکبر کا قصہ
  - 2.9.4 نثر جاہلی میں قصہ کی اہمیت
- 2.10 نثر جاہلی کی خصوصیات
  - 2.10.1 سہل الفاظ
  - 2.10.2 مختصر جملے
  - 2.10.3 طرز کلام میں تنوع
  - 2.10.4 اطناب
  - 2.10.5 جاذبیت اور کشش

الفاظ میں یکسانیت اور موسیقیت	2.10.6
حکمت	2.10.7
تشبیہ	2.10.8
فکر کی سلامتی	2.10.9
نصیحت اور بصیرت	2.10.10
ایجاز	2.10.11
جذبات کی صداقت	2.10.12
حسن ترکیب	2.10.13
ماحول اور معاشرہ کی منظر کشی	2.10.14
نثر جاہلی کے فنون	2.11
قصہ	2.11.1
کھاڑی اور سانپ کا قصہ	2.11.2
سجع الکھان	2.12
اكتسابی نتائج	2.13
نمونے کے امتحانی سوالات	2.14
فرہنگ	2.15
مطالعے کے لیے معاون کتابیں	2.16

## 2.1 مقصد

اس اکائی کے ذریعہ سے آپ کو:

- ☆ عربوں کے یہاں تحریر کی موجودگی سے متعلق واقفیت حاصل ہوگی۔
- ☆ دور جاہلی میں عربوں کے لکھنے پڑھنے کے احوال کا پتہ چلے گا۔
- ☆ یہ معلوم ہوگا کہ عربوں نے کس طرح اپنی زبان کی حفاظت کی۔
- ☆ عربی نثر کی خوبیوں اور امتیازی اسالیب سے شناسائی حاصل ہوگی۔
- ☆ نثر جاہلی کی خصوصیات کو سمجھنے کا موقع ملے گا۔
- ☆ نثر جاہلی کی خصوصیات سمجھنے کے لیے کچھ نمونے بھی پیش کیے جائیں گے۔
- ☆ نثر جاہلی کی خصوصیات سے واقفیت کے لیے ادبی فنون کی طرف رہنمائی کی جائے گی۔

## 2.2 تمہید

عربی زبان ایک تاریخی اور قدیم زبان ہے، مؤرخین کا اعتراف ہے کہ اس زبان کی جڑیں تاریخ کی گہرائیوں میں اتنی دور تک پیوست ہیں کہ یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ اس کا نقطہ آغاز کہاں ہے؟ زبان کے ماہرین کا کہنا ہے کہ عربی زبان کا جو قدیم ترین سرمایہ دستیاب ہو سکا ہے وہ بعثت نبوی سے ڈیڑھ سو سال قبل تک کا ہے، اس کے آگے کے متعلق ابھی تک کوئی اطلاع نہیں ہے، تاریخ کے حوالے سے عربی زبان کا جو بھی سرمایہ موجود ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ زبان فکر و ادب کے اعتبار سے معیاری سطح پر پہنچی ہوئی تھی، انداز بیان میں پختگی اور فصاحت پائی جاتی ہے، چنانچہ مؤرخین کے حلقے میں یہ سوال مستقل اہمیت کا حامل ہے کہ عربی زبان کی ابتدا کب اور کہاں ہوئی؟ قرآن کی بنیاد پر ماہرین زبان تسلیم کرتے ہیں کہ یہ زبان جزیرہ نمائے عرب میں پروان چڑھی اور مکہ کی سرزمین میں قبیلہ قریش کی سرپرستی میں اس کو امتیازی اور معیاری مقام حاصل ہوا، اسلام سے قبل کا زمانہ ”عصر جاہلی“ کہلاتا ہے، اس دور کے نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زبان رواں دواں اور سرسبز و شاداب تھی، اہل زبان اپنے خیالات کا بحسن و خوبی اور واضح طور پر اظہار کرتے تھے، زبان کے فہم و ادراک کا معیار بھی کافی بلند تھا، زبان پر قدرت اور بیان میں وسعت نے ان کے اندر اس قدر اعتماد پیدا کر دیا تھا کہ وہ خود کو عرب کہتے تھے، جس کے معنی ہیں ”صاحب بیان“، یعنی ہر موضوع پر اظہار خیال کے لیے انہیں قدرت حاصل ہے اور جس علاقہ میں یہ زبان نہیں بولی جاتی تھی اس کو عجم کہتے تھے، جس کے معنی ہیں ”گوگوں کا علاقہ“، لفظ عجمی اسی سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں ”گوگنا“، یعنی غیر عرب کو اظہار خیال پر قدرت حاصل نہیں ہے، اہل عرب کو اس بات پر فخر تھا کہ قوت بیان کے ماہر وہی ہیں، ان کے پاس بات کو جس انداز سے چاہیں پیش کرنے کی صلاحیت موجود ہے، تاریخی طور پر اگر جائزہ لیا جائے تو اس میں حقیقت کے آثار بھی نظر آتے ہیں، زبان نہایت شگفتہ اور دل آویز ہے، اس زمانہ کے نصوص بدرجہ اتم اس امتیازی شان کی نمائندگی کرتے ہیں۔

تاریخی حوالوں سے یہ مسلم ہے کہ عصر جاہلی کے عرب زبان پر قدرت رکھتے تھے، ان کی زبان عربی تھی، نہایت فصیح زبان بولتے تھے، جاہلی دور سے منسوب واقعات اور قصے اس کی شہادت دیتے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ قصے اور واقعات جاہلی دور میں تحریری شکل اختیار نہیں کر سکے

ان کی ترتیب اور کتابی شکل میں ان کی تدوین عصر عباسی میں عمل میں آئی، تاہم یہ کہانیاں سلسلہ وار نقل کی جاتی رہیں، لہذا جاہلی دور کی زبان اور اس سے وابستہ خصوصی اسالیب بدستور باقی رہے، کہا جاتا ہے کہ اس عرصہ میں ان واقعات کو نقل کرنے والے راویوں نے اپنے انداز اور اسلوب کا سہارا لیا، لہذا اندیشہ ہے کہ زبان میں تبدیلی واقع ہوئی ہو، لیکن زبان کے ماہرین اور میدان ادب کے ناقدین نے تسلیم کیا ہے کہ راویوں کے بدلنے سے واقعات کی زبان و حقیقت میں کوئی بڑی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے، بلکہ پرانی زبان و اسلوب کو لوگ شوق سے نقل کرتے تھے، کیونکہ اس زبان میں کشش تھی، قوت تھی، فصاحت تھی روانی تھی، جملوں میں متانت پائی جاتی تھی، عرب قوم زبان کی شائستگی کے اعتبار باذوق طبیعت کی حامل تھی، عمدہ بیانات اور اچھی تعبیرات کو ازبر کر لیتی تھی اور چونکہ ان کے یہاں قلم کے مقابلہ میں زبان اور قوت یادداشت کا استعمال زیادہ ہوتا تھا، اس لیے وہ پرانی تعبیرات محفوظ تھیں، راوی جب ان قصوں کو نقل کرتا تھا تو واقعات کی اصل کو برقرار رکھتا تھا، عرب الفاظ و محاورات کے استعمال میں اور ان کی حفاظت میں احتیاط سے کام لیتے تھے، لہذا اس سلسلہ میں مؤرخین نے جاہلی نثر کی روایات کو قابل اعتماد قرار دیا ہے، نیز اس دور کی فنی خوبیوں اور خصوصیات کا اعتراف کیا ہے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یقیناً نثر جاہلی میں زبان و بیان کے اعتبار سے جاذبیت تھی اور اسی وجہ سے یہ واقعات عرب قوم کے نزدیک توجہ کا ذریعہ بنے اور رغبت و دلچسپی کے ساتھ انھوں نے ان واقعات کو نقل کیا۔

### 2.3 عصر جاہلی

بعثت نبویؐ سے پہلے کے زمانے کو عصر جاہلی کہا جاتا ہے، اللہ کے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت غار حرا میں پہلی وحی مبارک سے ہوئی، اس وحی میں لفظ ”اقراء“ کے ذریعہ علم و معرفت کا نور پھیلا۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ عصر جاہلی میں لفظ ”جاہلی“ اس جہالت کے معنی میں نہیں ہے جس کے معنی غیر دانشمند یا نااہل ہیں، بلکہ غصہ، بے وقوفی اور طیش کے معنی میں ہے، جو کہ لفظ ”اسلام“ کی ضد ہے، کیونکہ اسلام کے معنی ہیں اللہ کے سامنے خود سپردگی، اس کی اطاعت و فرمانبرداری، سلوک میں نرمی اور اخلاق کریمہ سے متصف ہونا۔

لفظ ”جہل“ اور ”جاہلیہ“ کا استعمال قرآن، حدیث اور عربی شاعری میں بھی ہوا ہے جس کے معنی لاعلمی اور نااہلی کے بجائے جوش، غصہ، طیش اور مزاج کی سختی لیے گئے ہیں، کیونکہ اس دور کے لوگوں میں طبیعت کی سختی پائی جاتی تھی، مزاج میں شدت غالب رہتی تھی، قرآن کی آیتوں میں یہ معنی بخوبی سمجھ میں آتا ہے، ”خذ العفو وأمر بالعرف وأعرض عن الجاهلین“۔ (سورۃ الاعراف: آیت: 199) ترجمہ: ”آپ عفو و درگزر کیجیے، اچھی باتوں کا حکم کیجیے اور جاہلوں سے اعراض کیجیے“۔

اس آیت میں جاہلوں کا استعمال عفو و درگزر اور اچھی باتوں کے بالمقابل ہوا ہے، آپ کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ جو لوگ آپ کے ساتھ سخت رویے سے پیش آتے ہیں اور غیر اخلاقی سلوک کا مظاہرہ کرتے ہیں آپ ان سے اعراض کیجیے، ایک دوسری آیت میں ارشاد خداوندی ہے ”و عبادة الرحمن الذین یمشون علی الارض هونا وإذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاما“ (سورۃ الفرقان، آیت: 63) ترجمہ: اور رحمن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر سنجیدگی اور وقار کے ساتھ چلتے ہیں (ان کے اندر نرمی اور بردباری ہوتی ہے) اور جب جاہل لوگ انہیں مخاطب کرتے ہیں تو وہ ان سے سلامتی کی بات کرتے ہیں، یہاں بھی لفظ ”جاہلون“ کا استعمال سنجیدگی اور وقار والے لوگوں کے بالمقابل ہوا ہے، چنانچہ معلوم ہوا کہ



جاہلوں سے اُن پڑھ یا لال علم لوگ مراد نہیں ہیں۔

حدیث نبویؐ میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوذرؓ نے کسی شخص کو اس کی ماں کے واسطے سے عار دلائی تو آپؐ نے حضرت ابوذرؓ سے کہا: ”انک امرؤ فیک جاهلیہ“ (رواہ البخاری و مسلم) ترجمہ: ”تم ایسے آدمی ہو جس میں جاہلیت پائی جاتی ہے“، عمرو بن کلثوم جاہلی دور کا شاعر ہے، اپنے معلقہ میں جہل سے متعلق ایک شعر کہتا ہے۔

أَلَا لَا يَجْهَلْنَ أَحَدٌ عَلَيْنَا فَجْهَلٌ فَوْقَ جَهْلِ الْجَاهِلِينَ

خبردار! ہمارے خلاف کوئی طیش کا مظاہرہ نہ کرے، ورنہ ایسے احمقوں کے بالمقابل ہم بھی طیش میں آگے نکل جائیں گے۔  
مذکورہ بالا نصوص میں لفظ جہل کا استعمال بے وقوفی، احمقانہ حرکت، غصہ اور طیش کے معنی میں ہوا ہے، اس لفظ کے معنی میں بت پرستی اور ایسے اخلاق بھی شامل ہیں جن میں بے جا جوش، غضب، انتقام کا مزاج اور اسلام کے حرام کردہ طریقہ کار کا ارتکاب جیسے عناصر ہوں۔

## 2.4 عربوں کے تجربات

عرب کی سر زمین میں گرچہ لکھنے پڑھنے کا ماحول عمومی طور پر نہیں پایا جاتا تھا، تاہم زندگی کے تجربات کے اعتبار سے وہ لوگ پیچھے نہیں تھے، ریگستان کے باشندے ہونے کی وجہ سے ضروریات زندگی کے لیے انہیں سفر کرنا پڑتا تھا، جو لوگ بدوی زندگی گزارتے تھے وہ کسی ایک جگہ مستقل قیام نہیں کرتے تھے بلکہ موسم کے اعتبار سے جہاں کہیں چراگاہ و سبزہ نیز پانی کا انتظام دیکھا، قیام کر لیتے تھے، جب سبزہ ختم ہو جاتا تو دوسری جگہ کی تلاش میں نکل جاتے تھے اور جہاں کہیں سبزہ نظر آتا وہاں پڑاؤ ڈال دیتے تھے، اس طرح ان کی زندگی مستقل نقل و حرکت میں رہتی تھی، اس نقل و حرکت کی وجہ سے انہیں موسم کی تبدیلیوں کا خاصا علم حاصل تھا، ہواؤں کے جھوکوں سے موسم کی تبدیلی کا اندازہ لگا لیتے تھے، چنانچہ بارش کے آثار، چراگاہوں کے امکانات کا انہیں بخوبی اندازہ رہتا تھا، رات ہوتی تو آسمان کے نقشہ اور ستاروں کی حرکت سے احوال کی خبر حاصل کرتے تھے، رات میں سفر کرتے وقت منزل کی راہ کے لیے ستاروں سے رہنمائی حاصل کرنے کا فن انہیں معلوم تھا، دوران سفر حالات کے اتار چڑھاؤ کی وجہ سے ان کی زندگی میں تجربات کی کثرت تھی، باتوں میں حکمت اور دانشمندی جھلکتی تھی دوست اور دشمن کے احوال بھانپ کر متنبہ ہو جاتے تھے، غرض یہ کہ جاہلی دور کے عرب عمومی طور پر ناخواندہ ہونے کے باوجود بہت ساری خوبیوں اور خصوصیات کے مالک تھے، ان خصائص کا پتہ ہمیں ان کے نصوص سے ملتا ہے، جو کبھی اشعار کی شکل میں ملتے ہیں، تو کبھی ضرب الامثال کی شکل میں، کبھی پند و نصائح کی شکل میں تو کبھی تقریروں اور خطابت کی شکل میں۔

## 2.5 عربوں میں تحریر کے آثار

حقیقت یہ ہے کہ مؤرخین کے پاس کوئی قطعی دلیل نہیں ہے جس کی بنیاد پر یہ کہا جائے کہ عصر جاہلی میں تاریخی یا ادبی تصنیفات موجود تھیں، تاہم اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس زمانہ میں عربی تحریریں موجود نہیں تھیں، شوقی ضیف نے تبصرہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ حالیہ اکتشافات سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ حجاز کے علاقہ میں عربی تحریروں کا وجود تھا، یہ اکتشافات چھٹی صدی عیسوی کے احوال کا پتہ دیتے ہیں، حجاز کے علاقہ سے آگے بڑھ کر لکھنے کا یہ عمل عرب کے دیگر صحرائی علاقوں میں پہنچا، جس وقت اسلام کا نور پھیلا اس وقت مکہ مکرمہ میں سترہ (۱۷) کا تب موجود تھے اور مدینہ منورہ میں گیارہ، بدوی لوگوں میں جو لکھنا جانتے تھے ان میں اکثم بن صیفی کا نام آتا ہے، جو قبیلہ تمیم کا خطیب تھا اور بڑی حکمت والا تھا، اکثم کے بھتیجہ کا نام

حظلمہ بن ربیع تھا، آپؓ کا شمار حضور اکرم ﷺ کے کاتبوں میں ہوتا ہے، بدوی شعرا میں جو فن تحریر یا لکھنے کے عمل سے واقف قرار دیے جاتے ہیں ان میں مرثش اکبر کا نام آتا ہے جو قبیلہ بکر سے تھا، اسی طرح لبید بن ربیعہ بھی لکھنا جانتے تھے جو محضری شاعر کی حیثیت سے معروف ہوئے، آپؓ کا تعلق بنی عامر بن صعصعہ سے تھا۔

ان کے علاوہ کچھ احوال جاہلی دور کے شعرا سے بھی معلوم ہوتے ہیں کہ اس زمانہ میں لکھنے کا عمل معروف تھا، کیونکہ وہ اپنے اشعار میں ایک منظر خاص کو ”تحریر“ سے تشبیہ دیتے ہیں، مثال کے طور پر مرثش کا شعر جو اپنے ایک قصیدہ کے مطلع میں بیان کرتے ہوئے ریت کے ٹیلوں کی منظر کشی کرتا ہے۔

الدار قفر والزوم کما

رقش فی ظھر الأدیْم قلم

ترجمہ: ”گھر تو ویران ہو گیا تاہم اس کے آثار کچھ اس طرح رہ گئے ہیں گویا قلم نے چڑے پر نقش قائم کیے ہوں۔“

اس زمانہ میں کاغذ کا وجود نہیں تھا تو لوگ چڑے پر لکھا کرتے تھے، اس شعر سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت قلم کے ذریعہ لکھنے کا عمل موجود

تھا، کیونکہ قلم کے ساتھ چڑے کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے، لبید بن ربیعہ کا شعر ہے جو معلقہ کے شروع میں آتا ہے، یہ صحابی رسول ﷺ ہیں، کہتے ہیں:

عفت الدیار محلها فمقا مھا

بمنی تأبد غولھا ور جامھا

فمدافع الزیان عزى رسمه

خلقا کما ضمن الوحى سلامھا

ترجمہ: بستی ویران ہو گئی، اس کے مہمان خانے اور قیام گاہیں بھی تباہ ہو گئیں جو منی میں تھیں، اس کے ٹیلے اور قبروں پر نصب کیے پتھر بھی

نابود ہو گئے، پھر پانی کے چشموں کے آثار ایسے ہلکے پڑ گئے جس طرح پتھر نے تحریر کے نقوش کو خستہ کر دیا۔

شاعر اس موقع پر اپنے دیار کے آثار مٹ جانے کا منظر پیش کر رہا ہے، بتا رہا ہے کہ زمانہ کی صبح و شام نے اس آبادی کو ایسا خستہ اور کمزور کر دیا

ہے کہ اس کے کچھ ہی نشانات زمین پر باقی رہ گئے ہیں جس طرح سفید پتھر پر تحریر کے بعد کچھ نقوش اور لکیروں کے علاوہ کچھ باقی نہیں رہتا ہے،

الوحى کا معنی تحریر، نقش اور السلام کا معنی سفید پتھر یا ہڈی جس پر لکھنے کا عمل ہوتا تھا، عرب میں چٹروں پر، پتھروں پر لکھنے کا عمل عام تھا، ان کے علاوہ

ہڈیوں پر اور کھجور کی چھال پر بھی لکھا کرتے تھے۔

لبید اپنے معلقہ میں آگے مزید قلم کی تحریر سے تشبیہ دیتے ہیں

وجلا السيول عن الطلول كأنها

زُبر تُجد متونها أفلأ مھا

ترجمہ: ٹیلوں کے اوپر سے پانی کے بہاؤ نے ایسا خط تیار کر دیا ہے گویا وہ قلموں سے لکھی گئی صحیفوں کی عمدہ تحریر ہو۔

اخنس بن شہاب تغلبی کا شعر بھی اس پس منظر میں قابل ذکر ہے۔

لابنة حطان بن عوف منازل

كما رَقَّشَ العنوانَ في الرِّقِّ كاتِب

ترجمہ: حِطّان بن عوف کی بیٹی کے گھروں کی شکل ایسی معلوم ہوتی ہے گویا کسی کاتب نے باریک چھڑے پر عنوان قائم کر دیا ہو۔  
بدوی شعرا میں اس طرح کی تعبیرات اور اشعار واضح طور پر ملتے ہیں جو رہنمائی کرتے ہیں کہ اس دور میں لکھنے کے عمل سے واقفیت پائی جاتی تھی۔

## 2.6 جاہلی دور میں لکھنے کا رواج

اہل علم اس بات پر مکمل اتفاق رکھتے ہیں کہ جاہلی دور میں لکھنے کا رواج موجود تھا، بہر حال لکھنے کا رواج ہونا الگ بات ہے اور کتابی شکل میں معلومات محفوظ کرنا ایک الگ بات ہے، عرب لکھنا تو جانتے تھے لیکن لکھنے کا یہ عمل بہت محدود تھا، عمومی طور پر اس کا ماحول نہیں تھا، یہی وجہ ہے کہ اس دور کی کوئی کتاب نہیں پائی جاتی ہے، نہ ہی تحریری شکل میں کسی نثری کا ثبوت ملتا ہے اور نہ ہی کسی ادبی خط کا حوالہ ملتا ہے، ہاں! چند خطوط کا تذکرہ آتا ہے جو تجارتی اور سیاسی مقاصد کے لیے لکھے جاتے تھے، مکہ مکرمہ چونکہ تجارتی طور پر مرکز کا درجہ رکھتا تھا لہذا اگر آثار و قرائن کے ذریعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں لکھنے کا رواج پایا جاتا تھا تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں، عربی زبان کے مشہور و معروف ادیب جاحظ نے اپنی کتاب ”الحيوان“ میں تذکرہ کیا ہے کہ اس زمانہ میں عرب سیاسی اغراض کے لیے معاہدے تحریر کرتے تھے، عہد نامے کی اس تحریری شکل کو ”مہارق“ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، مہارق کا تذکرہ حارث بن حلزہ کی شاعری میں بھی آیا ہے۔ اپنے معلقہ میں بکرو تغلب کے درمیان معاہدہ کے حوالہ سے کہتا ہے۔

واذكروا حلفَ ذي المجاز وما ق

دِم فيه الغهوذ والكفلائي

حذرَ الجور والنعدِي وهلي

قُصُ مافي المهارق الأهواي

ترجمہ: اور یاد کرو بازار ذوالحجاز میں معاہدہ کو اور جو بھی عہد و پیمان ہوئے اور گواہوں کو، ظلم و ستم کے خوف سے یہ معاہدہ ہوا (کہہیں عہد شکنی نہ کر بیٹھیں) اور کیا معاہدہ کے دستاویزات کو نفس پرستی ختم کر سکتی ہے۔

عرب دراصل تجارت پیشہ قوم کی حیثیت سے معروف رہے ہیں، ریگستان کی سرزمین میں زراعت کے لیے حالات موافق نہیں رہتے تھے لہذا ان کا دار و مدار تجارت پر رہا کرتا تھا، تجارتی میدان میں عرب حضرات کو گرانقدر مہارت حاصل رہی ہے اس لیے تجارتی غرض سے لکھنے کے عمل کو اہمیت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا تاکہ کاروباری معاملات اہمیت کے پیش نظر ضبط تحریر میں آجائیں۔

ادبی غرض کے لیے لکھنے کے عمل کو رواج دینا عربوں کے یہاں کوئی ضرورت کی چیز نہیں سمجھی گئی، کیونکہ ان کے یہاں تحریر کے مقابلہ میں حافظہ کو زیادہ اہمیت حاصل تھی، عربوں کو اپنی زبان اور قوت یادداشت پر ناز تھا، چنانچہ وہ اپنا حسب و نسب زبانی یاد رکھتے تھے، اپنے خاندان و قبیلہ کی شان و شوکت بیان کرنے کے لیے اشعار و قصائد ازبر رکھتے تھے، یہاں تک کہ گھوڑوں کا سلسلہ نسب بھی اپنے حافظہ میں محفوظ رکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ کی کوئی تحریر کردہ کتاب دستیاب نہیں ہے اور نہ ہی فنی طور پر تیار کردہ کسی ادبی مجموعہ یا ادبی دستاویز کا ثبوت موجود ہے۔

عربوں کے یہاں تکلف یا تصنع کا مزاج نہیں پایا جاتا تھا، شاعری وہ اپنی طبیعت کے تقاضے سے کرتے تھے، نہ کہ اپنے اوپر جبر و تکلف کے

ذریعہ، فصاحت و بلاغت ان کی زبان میں عام طور سے رائج تھی، زبان کے معیار اور فنی خصوصیات سے ہر طبقہ کے لوگ محفوظ ہوتے تھے، زبان کی فنی خصوصیات عام ہونے کی وجہ سے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی کہ ادبی ٹھہرے یا خوبصورت عبارتیں لکھ کر محفوظ کر لی جائیں۔

## 2.7 صحیفوں کا وجود

یوں تو کسی ادبی تصنیف یا مجموعہ کی شکل نہیں ملتی ہے تاہم صحیفوں کے متعلق روایات میں تذکرہ آتا ہے، تاریخی طور پر اس کا ثبوت ملتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے زمانہ میں سُوید بن صامت نام کا ایک شخص حج یا عمرہ کی غرض سے مکہ مکرمہ حاضر ہوا، اللہ کے رسول ﷺ کو اس کی آمد کی خبر ملی تو آپ اس کے پاس گئے اور اسے اسلام کی دعوت دی، سُوید نے آپ سے کہا کہ جو چیز آپ کے پاس ہے میرے پاس بھی ویسی چیز موجود ہے، آپ نے پوچھا کہ تمہارے پاس کیا ہے؟ اس نے کہا ”مجلد لقمان“، آپ نے کہا اسے میرے سامنے پیش کرو، سُوید نے اس کلام کو آپ کے سامنے پیش کیا، آپ نے فرمایا یقیناً یہ ایک اچھا کلام ہے، لیکن جو میرے پاس ہے وہ اس سے بھی بہتر کلام ہے، وہ قرآن ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل فرمایا ہے، یہ سراسر ہدایت ہے اور سراپا نور ہے، پھر آپ نے قرآن کی آیتیں پڑھ کر اسے سنائیں، اس کے بعد آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی، لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوا، بہر حال اس نے اتنا کہا کہ یہ ایک اچھا کلام ہے۔

اس واقعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں صحیفہ کا وجود تھا جس میں حکمت و نصیحت کی باتیں پائی جاتی تھیں، لیکن اس طرح کے صحیفوں کی بنیاد پر یہ استدلال نہیں کیا جاسکتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عرب لکھنے کے فن کو اپنے جذبات و احساسات کی نمائندگی کے لیے استعمال کرتے تھے، محض گمان کی بنیاد پر ہم اس میں قیاس آرائی نہیں کر سکتے ہیں، ان تمام حقائق کے باوجود کہ شرفی کی کوئی مادی شکل ہمارے سامنے موجود نہیں اور ادبی خطوط یا رسائل کا کوئی ثبوت دستیاب نہیں، یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ عربوں کے درمیان سیاسی و تجارتی اغراض کے لیے خطوط نویسی کا عمل رائج تھا۔

## 2.8 طرفہ بن عبد کی موت میں خط کا کردار

طرفہ بن عبد جاہلی دور کا ایک شاعر ہے، 539ء میں اس کی پیدائش ہوئی اور 564ء میں اس کا قتل ہوا، موت کا یہ واقعہ آپ ﷺ کی ہجرت سے ساٹھ سال قبل پیش آیا، ہجو گوئی میں مشہور تھا، تاہم اس کے اشعار میں فحش کلامی نہیں ہوتی تھی، بلکہ شعر کی شکل میں حکمت کی باتیں اس کی زبان سے نکلتی تھیں، زبان کا بڑا تیز طرار تھا، ایک موقع پر عمرو بن ہند کی مجلس میں بیٹھا تھا، مسیب بن علس نامی ایک شاعر بھی وہاں موجود تھا، اس نے ایک قصیدہ پڑھا، طرفہ بن عبد نے اس کے شعر میں نقص نکالا جس کی وجہ سے مسیب کو غصہ آگیا، اس نے کہا اس لڑکے کو اس کی زبان مار ڈالے گی، یہ پیشگوئی صحیح ثابت ہوئی، وہ اپنی زبان کی وجہ سے قتل کر دیا گیا۔

اس کے قتل میں خط کا استعمال کیا گیا تھا، واقعہ یہ ہے کہ ایک موقع پر طرفہ نے عمرو بن ہند اور اس کے بھائی قابوس کی شعر کے ذریعہ برائی بیان کی، عمرو بن ہند اس وقت وہاں موجود نہیں تھا، عمرو چونکہ بادشاہ تھا، طاقت اور زور بازو میں شہرت یافتہ تھا، لہذا کسی کو ہمت نہیں ہوئی کہ اس کے سامنے قصیدہ کا تذکرہ کرے، اتفاق کچھ ایسا ہوا کہ عمرو بن ہند ایک مرتبہ شکار کھیلنے کے لیے نکلا تو بہت دور چلا گیا، چنانچہ اس دوران فائدہ علاقہ میں آگ جلائی گئی، گوشت بھون کر کھانے کا دور چل رہا تھا، اس وقت طرفہ بن عبد کا ایک رشتہ دار موجود تھا جو عمرو بن مرشد کا غلام تھا، غلام کی قمیص میں کچھ نقص تھا جس کی وجہ سے اس کا کولہا جھلک گیا، غلام بہت خوبصورت تھا، اس غلام اور طرفہ کے درمیان کسی معاملہ میں ناچاقی چل رہی تھی تو طرفہ نے اس پر

معیوب شعر کہہ دیا، عمرو بن ہند نے غلام سے کہا کہ غلام! طرفہ نے تمہارا کولہا دیکھ لیا ہے اور اس نے اس طرح کا ناز یا شعر کہا ہے، غلام کو غصہ آیا اور اس نے راز فاش کرتے ہوئے عمرو بن ہند سے کہا کہ بادشاہ سلامت کی شان میں اس نے تو اس سے بھی بری بات کہی ہے، عمرو بن ہند نے پوچھا کہ کیا کہا ہے؟ غلام شرمندہ ہو رہا تھا اور ناپسند کر رہا تھا کہ بادشاہ کو وہ بری بات بتائے، عمرو بن ہند نے کہا کہ مجھے بتادو میں طرفہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچاؤں گا، تو غلام نے قصیدہ پڑھ کر سنا دیا، اس پر عمرو بن ہند کے دل کو جو ٹھیس پہنچی اس کا اظہار اس نے نہیں کیا، نیز معاشرہ میں اپنے مقام اور رتبہ کا خیال کرتے ہوئے کسی فوری اقدام کو نامناسب سمجھا، اس سکوت اور برداشت میں ایک مدت گزر گئی، طرفہ نے محسوس کیا کہ بادشاہ کی ناراضگی دور ہو گئی ہے۔

جریر بن عبدالمسیح نام سے ایک اور شاعر تھا وہ المتلمس کے لقب سے مشہور تھا، اس نے بھی عمرو بن ہند کے متعلق نازیبا شاعری کی تھی، عمرو بن ہند نے طرفہ اور المتلمس دونوں سے محبت اور دلجوئی کا سلوک کیا تا کہ دونوں مانوس ہو جائیں، ایک عرصہ تک دونوں کو اپنے ساتھ رکھا، پھر ایک دن عمرو بن ہند نے ان دونوں سے کہا کہ مدت ہو گئی اب تم دونوں شاید اپنے گھر والوں سے ملنے کی خواہش کر رہے ہو گے، دونوں نے کہا ”ہاں“ عمرو بن ہند نے بحرین و ہجر (موجودہ الاحساء کے علاقہ) میں اپنے گورنر کے پاس جس کا نام ربیعہ بن الحارث العبدی تھا، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا نام المکعبہ تھا، ان دونوں کو روانہ کیا، ساتھ ہی ایک خط لکھ کر ان دونوں کے حوالہ کر دیا، جب حیرہ سے قریب کسی جگہ یہ لوگ پہنچے تو دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص ہے اس کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا ہے، وہ کھا رہا ہے اور ساتھ ہی کچھ ایسا عمل کر رہا ہے جس سے طبیعت مکدر ہو جائے، المتلمس نے اس سے کہا کہ خدا کی قسم تم سے بڑا حقیق اور کم عقل میں نے نہیں دیکھا، تم کس قدر نازیبا عمل کر رہے ہو، اس پر اس شخص نے جواب دیا کہ مجھ سے بڑا حقیق وہ شخص ہے جو اپنے ہاتھوں سے اپنی موت کا سامان تیار کر رہا ہے اور اسے اس کی خبر بھی نہیں، المتلمس چونکہ ہو گیا، حیرہ کے باشندوں میں سے ایک لڑکا اسے ملا، المتلمس نے اس سے پوچھا ”تم پڑھنا جانتے ہو؟“ لڑکے نے کہا ”ہاں“، المتلمس نے فوراً خط کھولا اور اس کے حوالہ کر دیا، اس لڑکے نے اس خط پر نظر دوڑائی اور کہا ”متلمس کی موت پر اس کی ماں ماتم کرے گی“، پھر خط پڑھ کر اس نے اس کو سنایا کہ ”جب تمہارے پاس المتلمس پہنچے تو اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر کاٹ دینا، نیز اسے زندہ دفن کر دینا“، المتلمس نے اس خط کو ایک دریا میں پھینک دیا جس کا نام کافر تھا۔

پھر وہ طرفہ کی تلاش میں نکلتا کہ اس کو بھی واپس جانے کے لیے کہے لیکن اس سے ملاقات نہیں ہوئی، ایک دوسری روایت میں ہے کہ طرفہ سے ملاقات ہوئی، طرفہ سے اس نے پوچھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے خط میں کیا پیغام ہے؟ ہو سکتا ہے اس میں بھی وہی لکھا ہو جو میرے خط میں لکھا ہوا تھا، طرفہ نے کہا ممکن ہے تمہارے خلاف اس نے ایسی جرأت کی ہو، لیکن میرے خلاف وہ ایسی جرأت نہیں کر سکتا ہے، بہر حال المتلمس شام کی طرف بھاگ نکلا اور طرفہ مذکور گورنر کی طرف چل پڑا، یہاں تک کہ بحرین و ہجر کے علاقہ میں پہنچ گیا، طرفہ نے عمرو بن ہند کا خط گورنر کے حوالہ کر دیا، گورنر نے خط پڑھ کر پوچھا ”تمہیں معلوم ہے کہ اس خط میں مجھے کیا حکم دیا گیا ہے؟“ طرفہ نے جواب دیا ”ہاں! یہ کہ تم مجھے انعام و اکرام سے نوازو اور میرے ساتھ اچھا سلوک کرو“، گورنر نے کہا ”میرے اور تمہارے بیچ ماموں کا (یعنی نانیہالی) رشتہ ہے، میں اس کا لحاظ کر رہا ہوں، آج ہی رات تم یہاں سے بھاگ جاؤ، کیونکہ مجھے تمہیں قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لہذا قبل اس کے کہ لوگوں کو پتہ چلے تم صبح ہونے سے پہلے ہی یہاں سے روانہ ہو جاؤ“، طرفہ نے جواب دیا ”تم پر مجھے انعام و اکرام سے نوازنا گراں گزر رہا ہے، اس لیے تم مجھے یہاں سے نکل جانے کو پسند کر رہے ہو، نیز یہ کہ عمرو بن ہند کو من مانی کرنے کا موقع مل جائے، ایسا معلوم ہو رہا ہے گویا میں نے کوئی گناہ کیا ہو، خدا کی قسم میں تمہاری بات ہرگز نہیں مانوں گا“۔

جب صبح ہوئی تو اس نے طرفہ کو گرفتار کرنے کا حکم صادر کر دیا، قبیلہ بکر بن وائل کے لوگ آئے، انھوں نے پوچھا ”کیا طرفہ آیا ہے؟“ بحرین کے گورنر نے طرفہ کو حاضر کرنے کا حکم دیا، سب کے سامنے بادشاہ عمرو بن ہند کا خط پڑھ کر سنایا گیا، پھر گورنر نے طرفہ کو آزاد کر دیا اور اس کے قتل کو نظر انداز کر دیا، ساتھ ہی عمرو بن ہند کو گورنر نے خط لکھ کر بھیجا کہ ”میں اس کو قتل نہیں کروں گا“، اس کے بعد عمرو بن ہند نے بنی تغلب کے ایک شخص کو جس کا نام عبید ہند بتایا جاتا ہے خط دے کر روانہ کیا اور اس کو بحرین کا گورنر بھی مقرر کر دیا، یہ بہت ہی بہادر اور دلیر شخص تھا، اسے طرفہ کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا، ساتھ ہی ساتھ ربیعہ بن الحارث العبیدی کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا، عبید ہند بحرین پہنچا، بحرین کے باشندوں کے سامنے حکم نامہ پڑھ کر سنایا، اس طرح ربیعہ بن الحارث العبیدی کی جگہ عبید ہند بحرین کا گورنر بن گیا، عبید ہند نے طرفہ کے قتل کی تدبیر شروع کر دی، قبیلہ عبید قیس کے ایک شخص کو جس کا نام ابوریشہ بتایا جاتا ہے قتل کی ذمہ داری سونپی، ابوریشہ نے طرفہ کو قتل کر ڈالا، اس کی قبر بحر میں مشہور ہے، جو قبیلہ قیس بن ثعلبہ کی سرزمین میں ہے۔

اس واقعہ میں کئی جگہ خطوط کا استعمال ہوا ہے، لہذا واضح اشارہ ملتا ہے کہ اس زمانہ میں خطوط نویسی رائج تھی۔

## 2.9 نثر جاہلی میں قصوں اور کہانیوں کا تذکرہ

اہل زبان کے نزدیک یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ عصر جاہلی کے عرب قصے اور کہانیوں میں گہری دلچسپی رکھتے تھے، صحرائی زندگی میں خالی اوقات کو اس طرح کی سرگرمیوں میں استعمال کرنے کی رغبت ان کے اندر پائی جاتی تھی، جب شام ہو جاتی تو قصوں کی مجلسوں میں شرکت کی غرض سے لوگ پہنچتے تھے، صحرائی خیموں میں سے کسی خیمہ میں جہاں کسی نے یہ کہنا شروع کیا کہ واقعہ کچھ اس طرح پیش آیا، فوراً لوگوں کے کان اس طرف متوجہ ہو جاتے تھے، قصہ گوئی کے دوران کبھی اہل مجلس میں سے بھی کوئی تبصرہ کرتا تھا، اس طرح کے مواقع میں قبیلہ کے بوڑھے اور نوجوان کافی جوش و جذبہ کے ساتھ شریک ہوتے تھے، خواتین و دوشیزائیں بھی پردہ کے پیچھے اپنے خیموں میں کافی شوق سے جمع ہوتی تھیں اور داستانیں سنا کرتی تھیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قصہ گو اس طرح کی حکایتوں کے تذکرہ میں اپنی طرف سے اپنے خیال اور کبھی فن قصہ گوئی کی بنیاد پر واقعہ میں اضافہ یا تبدیلی بھی کرتے ہوں۔ تاکہ سامعین کی توجہ پوری طرح برقرار رہ سکے، کہانی کے پیچ و خم سے ان کے قلوب بھی متاثر ہو سکیں، ان کے اندر کیفیت میں اتار چڑھاؤ بھی آئے، کبھی خوف کا منظر سامنے آئے، کبھی انتقام کی رغبت بیدار ہو، کبھی سنجیدگی کا سما چھا جائے، کبھی تہقہہ کی گونج سنائی دے، کیونکہ کہانی بیان کرنے والا سامعین کی آنکھوں کی چمک سے شوق و ولولہ کا اندازہ لگاتا ہے، واقعہ کے نشیب و فراز سے گزرتے ہوئے سامعین ہر لمحہ اگلے موڑ کے تجسس میں ڈوب جاتے ہیں، ان امکانات کا اظہار کرتے ہوئے ڈاکٹر شوقی ضیف نے تبصرہ کیا ہے کہ بہر حال ان قصوں کی اصل کے متعلق بحث کرنا دشوار ہے، عباسی دور کے راویوں اور زبان کے ماہرین تک کچھ کہانیوں کے متعلق معلومات پہنچی تو انھوں نے انہیں یکجا کر دیا، اس احتمال کی نفی نہیں کی جاسکتی ہے کہ عصر جاہلی سے لے کر دوسری صدی ہجری تک ان قصوں کے پہنچنے میں تحریف و تغیر واقع ہوئے ہوں گے، کیونکہ اس دوران ایک لمبا عرصہ گزر چکا ہے، ان تمام امکانات کے باوجود ماہرین زبان کا اعتراف ہے کہ ان قصوں میں پرانی روایات و خصوصیات کے عناصر بہت حد تک محفوظ رہے ہیں اور قدیم روح و قوت بھی باقی رہی ہے۔

عباسی دور کے راویوں نے جن قصوں کو قلم بند کیا ہے اور جن کہانیوں کو تدوین کر کے آئندہ کی صدیوں تک پہنچایا ہے ان کے ذریعہ ہم ان

قصوں کے تنوع اور احوال کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

## 2.9.1 عصر جاہلی میں قصوں کی نوعیت

جاہلی دور کی نثر جو کہانیوں کی شکل میں عصر عباسی تک پہنچی اس کی بنیاد عصر جاہلی کی جنگیں اور آپسی قتل و غارت ہیں، وہ کہانیاں ان جنگوں کی نمایاں شخصیات کے گرد گھومتی ہیں، جنہیں ہم آج کی زبان میں جنگ کے ہیرو سے تعبیر کرتے ہیں، جنگ میں ان شخصیات کے کردار، ان کی فتح و کامیابی کے نمونے، ان کی وجہ سے مخالف جماعت میں خوف و دہشت کا ماحول، دشمن کی شکست اور ذلت و رسوائی کے حالات ان کہانیوں میں خصوصی کشش کا مرکز ہوا کرتے تھے، عرب چونکہ جنگ و جدال کے احوال سے گہری دلچسپی رکھتے تھے اس لیے اس طرح کے قصے ان کے یہاں نہایت ہی معروف و مقبول تھے، عرب اپنی قبائلی زندگی میں جنگ و جدال کی صورتحال کا واضح تجربہ رکھتے تھے لہذا ان کہانیوں میں ان کی رغبت بے مثال ہوا کرتی تھی، ان کہانیوں کا جاہلی دور سے لے کر عصر عباسی تک کا سفر طے کرنا جو تقریباً دو سو سال کے عرصہ پر محیط ہے، کوئی معمولی بات نہیں، یقیناً اس میں عربوں کی دلچسپی کا دخل ہے، جنگی امور کا سلیقہ اس میں بنیادی عنصر کے طور پر کردار ادا کرتا رہا ہے، یہ قصے بہت ہی منظم طریقہ سے روایت کیے جاتے رہے ہیں، ان کی تدوین قصہ بیانی کی بہترین مثال ہے۔

عرب اپنے بادشاہوں سے متعلق بھی قصے بیان کیا کرتے تھے، منازرہ اور غسانہ کے قصے خاص طور سے تذکرہ میں آتے ہیں، منازرہ سے مراد قبیلہ منذر کی شاخوں سے ہے اور غسانہ سے مراد قبیلہ غسان کی شاخوں سے ہے، جوں جوں ان قبائل کی آبادی میں اضافہ ہوتا چلا جاتا تھا ان کی شاخیں وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی جاتی تھیں، ان قبائل میں سردار ہوا کرتے تھے، ان سرداروں سے متعلق یا ان میں جو بادشاہ ہوا کرتے تھے ان بادشاہوں سے متعلق کہانیاں روایت کی جاتی تھیں، ان کہانیوں کو عرب آپس میں سنایا کرتے تھے، ان میں جاذبیت بھی ہوتی تھی، نصیحتیں بھی ہوتی تھیں، تاکہ قبیلہ کے لوگ خصوصاً نوجوان خویوں کو اختیار کریں اور خامیوں سے گریز کریں، تاریخ کے احوال سامنے ہوتے ہیں تو عبرت حاصل کرنا آسان ہو جاتا ہے، عربوں کی خصوصیت تھی کہ واقعات کے ذریعہ اپنی نسلوں کی تربیت کیا کرتے تھے، یہ واقعات کبھی گزشتہ اور کبھی پیوستہ بادشاہوں سے متعلق ہوتے تھے، ان کے احوال اور کارناموں کا تذکرہ ہوتا تھا، کبھی معاصر بادشاہوں سے متعلق تذکرے آتے تھے، مثلاً سلطنت حمیر کے بادشاہوں کے متعلق یا اسی طرح زباء کے متعلق جسے زو بیا اور زینب کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے، جو مملکت تدمرتھی، جیسا کہ تاریخ طبری میں اس کا تذکرہ آتا ہے، ابن ہشام نے اپنی کتاب السیرۃ النبویہ میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

## 2.9.2 نصر بن الحارث کا واقعہ

عرب جس طرح اپنے بادشاہوں کے واقعات بیان کیا کرتے تھے، اپنے قبیلہ کی ممتاز شخصیتوں کی خوبیاں بھی بیان کرتے تھے، اسی طرح اپنے اطراف کے قبائل اور قوموں کے واقعات بھی سنایا کرتے تھے، وہاں کے بہادروں اور جسارت پسند لوگوں کے احوال بیان کیا کرتے تھے، السیرۃ النبویہ میں درج ہے کہ نصر بن الحارث کا شمار قریش کے شریکوں میں ہوتا تھا، اللہ کے رسول ﷺ کو بہت تکلیفیں پہنچایا کرتا تھا، آپ کے خلاف دشمنی کا ماحول تیار کرتا تھا، اس نے ایک مرتبہ حیرہ کا سفر کیا، وہاں اس نے ملک فارس کے بادشاہوں کے متعلق باتیں معلوم کیں، اسی طرح رستم اور اسفندیار کے واقعات بھی سنے اور انہیں یاد کر لیا، جب وہ مکہ واپس آیا اور دیکھا کہ اللہ کے رسول اپنی مجلس میں اللہ کی باتیں بتا رہے ہیں، گزشتہ

قوموں پر اللہ کے عذاب کا تذکرہ کر رہے ہیں، نیز غضب الہی سے بچنے کی تلقین کر رہے ہیں، تو آپ کی مجلس کے بعد وہ اپنی مجلس لگا تا تھا اور کہتا تھا ”اے قریش کے لوگو! اللہ کی قسم میں ان سے بہتر واقعات سناؤں گا، تم لوگ میرے پاس آؤ، میری بات ان کی بات سے زیادہ اچھی ہوگی“، اس اعلان کے ساتھ مجمع اکٹھا کر کے کبھی فارس کے بادشاہوں کی کہانیاں سنایا کرتا اور کبھی رستم اور اسفندیار کے تذکرے چھیڑتا تھا۔

### 2.9.3 المرقش الاکبر کا قصہ

عربوں میں کہانیاں اس قدر رائج تھیں کہ تاریخ کی کتابوں میں ان کا ذکر بکثرت آتا ہے، شعرا نے بھی ان پر شاعری کی ہے، ادیبوں نے ان موضوعات پر ادبی تحریریں ترتیب دی ہیں، اس پس منظر میں الاغانی کے صفحات پر نظر دوڑائی جائے تو ایسی کہانیاں بکثرت ملتی ہیں، ان کہانیوں کی فہرست میں جذباتی لگاؤ اور عشق و محبت کی داستانیں بھی بڑی تعداد میں سامنے آتی ہیں، مثال کے طور پر مرقش اکبر کا قصہ، اس کی معشوقہ اسماء بنت عوف کے نام سے معروف تھی، مرقش اکبر اس سے بہت محبت کرتا تھا، حالانکہ اس وقت وہ محض نو عمری کے مرحلہ میں تھا، اس نے اپنے باپ کے ذریعہ اسماء کو شادی کا پیغام دینے کی کوشش کی، لیکن باپ نے یہ عذر کر کے ٹال دیا کہ ابھی تم بچہ ہو، ابھی تمہاری شادی کی عمر نہیں ہوئی ہے، مرقش اپنی شجاعت اور بہادری میں اس وقت تک کوئی شہرت بھی حاصل نہیں کر سکا تھا، پھر کچھ ایسی صورت حال پیش آئی کہ مرقش کو کسی بادشاہ کے یہاں جانا ہوا، وہاں اس نے بادشاہ کی تعریف کی، چنانچہ بادشاہ نے اسے اپنے پاس ٹھہرا لیا، ایک زمانہ گزر گیا، اسی اثنا میں اسماء کے باپ عوف پر تنگدستی کے حالات آگئے، پریشانی و مجبوری کے اس عالم میں اس کے پاس ایک شخص آیا، مال کا لالچ دیا، تو باپ نے اپنی بیٹی اسماء کی سوانٹ کے عوض اس سے شادی کر دی، وہ اسماء کو اپنے گھر لے گیا، مرقش کو اس کی کوئی خبر نہیں ہوئی، مرقش کے بھائیوں نے طے کیا کہ جب مرقش لوٹ کر وطن واپس آئے گا تو اسے اس واقعہ کی خبر نہ دی جائے، کیونکہ اسے بہت تکلیف ہوگی، بلکہ یہ کہہ دیا جائے کہ وہ مرگئی، چنانچہ ان بھائیوں نے ایک مینڈھا ذبح کیا، اس کا گوشت کھا گئے اور ہڈیاں دفن کر دیں، جب مرقش واپس آیا تو بھائیوں نے کہا کہ وہ تو مرگئی، بہر حال ایک مدت تک مرقش محبوبہ کی قبر کی زیارت کرتا رہا، یہاں تک کہ حقیقت حال سے واقفیت ہوگئی کہ یہ محبوبہ کی نہیں بلکہ کسی مینڈھے کی قبر ہے، پھر مرقش اپنی محبوبہ کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا، ایک عرصہ تک جدوجہد کرتا رہا، اسے ایک چرواہے کی خبر ملی کہ وہ اسماء بنت عوف کے شوہر کی بکریاں چراتا ہے، مرقش نے اس سے درخواست کی کہ اسماء کے متعلق کچھ پتہ بتا دے، اس نے معذرت کر دی اور کہا کہ میرے بس میں نہیں ہے کہ میں اس کے قریب تک پہنچوں، لیکن ایک بات بتا دوں، اس کی ایک باندی ہے، وہ ہر رات میرے پاس آتی ہے، تو میں بکری کا دودھ دوہ کر اس کو دیتا ہوں، وہ لے جاتی ہے، وہ دودھ اس کو وہ پیش کرتی ہے، اس پر مرقش نے اس چرواہے سے کہا میری یہ انگوٹھی لو، جب تم دودھ دوہنا تو اس کو اس دودھ میں ڈال دینا، اسماء اس انگوٹھی کو پہچان لے گی، اس عمل کے بدلہ تمہیں اتنی نعمت حاصل ہوگی کہ اتنی نعمت کبھی کسی چرواہے کو حاصل نہیں ہوئی ہوگی، چرواہے نے اس یقین دہانی پر اس کی انگوٹھی لے لی، شام میں جب اس کی باندی پیالہ لے کر آئی تو چرواہے نے اس کے لیے دودھ دوہا اور وہ انگوٹھی اس میں ڈال دی، باندی وہ دودھ کا پیالہ لے کر گئی اور اسماء کے سامنے اس نے رکھ دیا، جب دودھ کا جھاگ پیٹھ گیا تو اسماء نے دودھ پیا، یہ اس کا روزانہ کا معمول تھا، دودھ پینے کے دوران انگوٹھی اس کے دانت سے ٹکرائی تو اس نے فوراً اس کو اپنے ہاتھ میں لیا، روشنی جلائی تو دیکھا کہ وہ ایک انگوٹھی تھی، انگوٹھی کو اس نے پہچان لیا، باندی کو بلایا، اس سے پوچھا کہ یہ انگوٹھی کیسی ہے؟ کہاں سے آئی؟ باندی نے کہا مجھے تو اس کا کوئی علم نہیں، اسماء نے فوراً باندی کو اس کے آقا کے پاس بھیجا، اس وقت وہ نجران میں تھا، وہ گھبرایا ہوا آیا، احوال دریافت کرتے ہوئے پوچھا مجھے تم نے کس لیے بلایا ہے؟ اسماء نے کہا تم اپنے غلام چرواہے کو بلاؤ، اس نے اس چرواہے کو بلایا، جب وہ



آگیا تو اسماء نے اپنے شوہر سے کہا کہ اس چرواہے سے پوچھو کہ یہ انگوٹھی اسے کہاں ملی؟ چرواہے نے کہا ”میری ملاقات جُنّان نامی گفّا میں ایک شخص سے ہوئی تھی، اس نے مجھ سے کہا کہ یہ انگوٹھی دودھ کے اس پیالہ میں ڈال دینا جس کو اسماء استعمال کرتی ہے، تمہیں اس کے بدلہ نعت حاصل ہوگی، لیکن اس نے یہ نہیں بتایا کہ وہ ہے کون؟ بہر حال میں نے مجبور ہو کر وہ انگوٹھی اس پیالہ میں ڈال دی،“ شوہر نے اسماء سے پوچھا ”آخر اس انگوٹھی کی حقیقت ہے کیا؟“، اسماء نے جواب دیا ”یہ انگوٹھی مر قش کی ہے،“ چلو جلدی کرو اس کو تلاش کرتے ہیں، شوہر فوراً ایک گھوڑی پر سوار ہوا اور دوسری پر اسماء سوار ہوئی دونوں مر قش کی تلاش میں نکل پڑے، تلاش کرتے ہوئے رات ہو گئی، رات کے کسی حصہ میں مر قش انہیں ملا، وہ دونوں اسے اپنے گھر لے آئے بتایا جاتا ہے کہ جب وہ گھر پہنچا تو اسماء کے پاس ہی اس کی موت ہوئی، مرنے سے پہلے اس نے چند اشعار بھی کہے جن میں اسماء سے دوری پر اپنے غم و اندوہ کی شکایت کی، اسماء پر اس نے عہد شکنی کا الزام بھی لگایا اور اپنی بے چارگی و کس میری پر ماتم کرتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

#### 2.9.4 نثر جاہلی میں قصہ کی اہمیت

اس کہانی کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے سامنے یہ واضح ہو جائے کہ عصر جاہلی میں اس انداز کے قصے رائج تھے، یقیناً یہ کہانیاں نثر کے اسلوب میں سنائی جاتی تھیں، ان قصوں سے ہمیں عندیہ ملتا ہے کہ جاہلی دور میں نثر کی یہ شکل پائی جاتی تھی، لیکن ان قصوں کو فن کی حیثیت سے تحریری شکل میں محفوظ کرنے کا مزاج نہیں تھا، کیونکہ عربوں کو اپنے بیان اور حافظہ پر زیادہ اعتماد تھا، لہذا ان واقعات کو ضبط تحریر کرنے کی طرف انھوں نے توجہ نہیں دی، دشواری یہ تھی کہ اگر لکھ بھی دیں تو اس زمانہ میں پڑھنے والے لوگ تھے ہی کتنے؟

واقعہ یہ ہے کہ کہانیاں اس زمانہ میں نسل در نسل سلسلہ وار جاری رہیں، قصہ گو موقع کے اعتبار سے یا کبھی ذاتی اسلوب و انداز کے اعتبار سے الفاظ و تعبیر میں رد و بدل کرتے رہتے تھے، تاکہ سامعین کی دلچسپی باقی رہے، رغبت و شوق کا ماحول قائم رہے، کبھی ان کہانیوں کے بچے ضرب الامثال کا بھی استعمال کرتے تھے، لیکن کہانی کی اصل اور اس کی روح باقی رہتی تھی۔

بروکلیمان کا بیان ہے کہ غیر عرب قوموں میں بھی عاشقوں کے باہم ایک دوسرے کو انگوٹھی کے ذریعہ پہچاننے کے قصے بکثرت رائج تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جاہلی دور کے قصوں میں غیر عرب قوموں میں معروف عشق و محبت کی داستانوں کے عناصر شامل تھے، ان کے علاوہ دیگر نوعیت کی داستانیں بھی عرب قوم تک پہنچ چکی تھیں جن کا تعلق جانوروں کے واقعات سے تھا، مثلاً سانپ اور کلہاڑی کی داستان جیسا کہ مفضل الضبّی نے روایت کی ہے۔

#### معلومات کی جانچ

1. کس زمانہ کو عصر جاہلی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے؟
2. کیا عرب بالکل ہی نااہل تھے یا ان کے پاس تجربات تھے؟
3. عصر جاہلی میں تحریر کی کوئی شکل پائی جاتی تھی یا نہیں؟
4. کیا جاہلی دور میں خطوط لکھے جاتے تھے؟

## 2.10 نثر جاہلی کی خصوصیات

ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ آخر نثر جاہلی میں ایسی کون سی خوبی تھی اور کیا خصوصیات تھیں کہ اس کو زبان و ادب کے حلقہ میں اس قدر اہمیت حاصل ہوئی اور عرب قوم نے اس سے اپنے تعلق کا اظہار کیا۔

اس سوال کے جواب میں زبان و ادب کے شہسوار نے فراخ دلی سے تسلیم کیا ہے کہ زبان میں اس قدر لطافت اور رعنائی پائی جاتی ہے کہ مخاطب اس سے لذت حاصل کرتا ہے، دل میں ایک طرح کی رغبت محسوس کرتا ہے اور کلام کے اسلوب و تعبیر سے محفوظ ہوتا ہے، اس کے پیچھے جو خصوصیات اور وجوہات رہیں ان کا تذکرہ آنے والی سطور میں درج کیا جاتا ہے۔

### 2.10.1 سہل الفاظ

عصر جاہلی کے عرب اپنی زبان میں سہل اور مانوس الفاظ استعمال کرتے تھے، نادر اور غیر معروف الفاظ استعمال کرنے سے گریز کرتے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ جاہلی ادب کسی موضوع پر اظہار خیال میں تکلف یا تصنع اختیار نہیں کرتے تھے، بلکہ سادگی کے ساتھ اپنی بات مخاطب تک پہنچاتے تھے تاکہ مخاطب آسانی سے اس کو سمجھ لے اور مقصود کلام تک پہنچ جائے، چونکہ تحریر کا رواج نہیں تھا اس لیے ایسی تعبیرات کا استعمال نہیں ہوتا تھا جن میں زیادہ غور و خوض کرنا پڑے یا معنی تک رسائی کے لیے زیادہ کوشش کرنی پڑے، آسان اور معروف الفاظ کے استعمال کو عبارتوں کے یاد کرنے اور نقل کرنے میں بھی مدد کرتا تھا، کیونکہ ان واقعات کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے زبان اور قوت یادداشت کا ہی استعمال ہوتا تھا، چنانچہ سہل الفاظ آسانی سے ذہن میں نقش ہو جاتے تھے اور دوران بیان مخاطب کی توجہ اور ادراک میں معاون ہوتے تھے، جاہلی دور میں صاحب کلام کی یہ بھی کوشش ہوتی تھی کہ مفہوم کلام مخاطب کے سامنے واضح ہو جائے، لہذا مفہوم کی صحیح تصویر پیش کرنے کے لیے مناسب الفاظ کا استعمال عربوں کی خصوصیت تھی، اس طرح سہل الفاظ کے ذریعہ معنی کی صحیح توضیح کی جاتی تھی، ان کی زبان اس قدر واضح اور مربوط ہوتی تھی کہ ایک مرتبہ کوئی جملہ ادا کر دیا گیا تو مخاطب براہ راست معنی تک پہنچ جاتا تھا۔

### 2.10.2 مختصر جملے

جاہلی نثر میں یہ خصوصیت نظر آتی ہے کہ چھوٹے چھوٹے جملے استعمال کیے جاتے تھے، لمبے جملوں سے احتراز کیا جاتا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ کلام کا سارا دار و مدار گفتگو پر تھا یا یہ کہ کوئی تقریر کی شکل ہو، لمبے جملے حصول مقصد میں رکاوٹ کا سبب بنتے ہیں، مختصر جملوں سے مخاطب مقصود کلام سے براہ راست واقف ہو جاتا ہے، عرب اس سلسلہ میں کافی اہتمام کرتے تھے، اپنی زبان اور اسلوب بیان میں بہت حساس طبع تھے، مختصر جملوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غرض کلام کا نقشہ ان کے ذہن میں بالکل واضح رہتا تھا، کیونکہ انسان کے ذہن میں جب کوئی خاکہ واضح ہوتا ہے تو نہایت سکون سے قابل فہم انداز میں بات کرتا ہے، مختصر جملوں میں اطمینان کے ساتھ مخاطب سے ہم کلام ہوتا ہے۔

### 2.10.3 طرز کلام میں تنوع

جاہلی دور کے طرز کلام میں دیکھا جاتا ہے کہ صاحب کلام گفتگو میں تنوع اختیار کرتا ہے، کبھی جملہ خبریہ استعمال کرتا ہے تو کبھی جملہ انشائیہ،

جملہ خبریہ اس جملہ کو کہتے ہیں جس میں کسی چیز کی اطلاع دی جاتی ہو اور اس اطلاع کی تصدیق یا تکذیب دونوں کی گنجائش ہو، یعنی اس اطلاع میں یا اس خبر میں سچ یا جھوٹ دونوں کا امکان پایا جاتا ہو، مثلاً کوئی کہے موسم بہت حسین ہے، جہاں ایک طرف موسم کی خوبصورتی کی اطلاع دی گئی وہیں کوئی دوسرا یہ کہہ سکتا ہے کہ موسم حسین نہیں ہے یا یہ کہہ سکتا ہے کہ موسم خراب ہے، ایک موسم کے متعلق دونوں اطلاعات ملی ہیں، ایک مثبت دوسری منفی، جس جملہ میں مثبت یا منفی دونوں کی گنجائش ہو یا یہ الفاظ دیگر، تصدیق یا تکذیب دونوں کا امکان ہو اس کو جملہ خبریہ کہتے ہیں، اس نوع کے جملوں میں کسی موضوع کے متعلق اطلاع دی جاتی ہے یا کسی مضمون کی وضاحت کی جاتی ہے یا کسی مضمون کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا جاتا ہے، یہ اطلاع مثبت یا منفی دونوں شکلوں میں ممکن ہے۔

جملہ انشائیہ اس جملہ کو کہتے ہیں جس میں کلام کو سچا یا جھوٹا ثابت کرنے کا امکان موجود نہیں ہو، یعنی اس کی تصدیق یا تکذیب نہیں کی جاسکتی ہو، مثلاً کسی کو کہا جائے کہ کھانا کھا لو، یہ حکم ہے، اس کی تکذیب ممکن نہیں، بہت زیادہ ہوگا تو یہ کہا جائے گا کہ کھانا مت کھاؤ، یہ ممانعت ہے، جو سابقہ حکم کے مقابلہ میں ہے، اگر حکم دیا جائے تو اس کو امر کہتے ہیں اور اگر منع کیا جائے تو اس کو نہی کہتے ہیں، امر اور نہی یہ دونوں جملہ انشائیہ کا حصہ ہیں، اس طرح کے جملوں میں تصدیق یا تکذیب کی گنجائش نہیں ہوتی ہے، کیونکہ حکم دینا کوئی خبر نہیں ہے، بلکہ ایک طرح کا مطالبہ ہے، تصدیق یا تکذیب صرف وہاں ممکن ہے جہاں خبر دی جا رہی ہو۔

جملہ انشائیہ ان جملوں کو کہتے ہیں جن میں امر یا نہی پائے جاتے ہوں یا حرفِ ندا کا استعمال ہوا ہو یعنی کسی کو بلانے کے لیے کوئی لفظ استعمال کیا گیا ہو یا حرفِ استفہام کا استعمال ہوا ہو یعنی کوئی بات پوچھی جا رہی ہو یا کچھ معلوم کیا جا رہا ہو یا کسی طرح کی تمنا کا اظہار کیا جا رہا ہو یا کوئی امید کی جا رہی ہو، جملہ انشائیہ دو طرح کے ہوتے ہیں، انشائیہ طلبی اور انشائیہ غیر طلبی، اس کی تفصیل کے لیے قواعد کی کتابوں سے رجوع کریں۔

کلام میں اس طرح کا تنوع گفتگو کو جاذب بنانے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے، نیز اس کے ذریعہ مخاطب کے اندر رغبت اور تجسس پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

#### 2.10.4 اطناب

اس اسلوب کو کہتے ہیں جس میں کسی مفہوم کو واضح کرنے کے لیے ایک سے زیادہ الفاظ یا جملوں کا سہارا لیا جاتا ہو، الفاظ یا جملوں کا یہ اضافہ معنویت رکھتا ہو، مخاطب کو اس اضافہ سے فائدہ نظر آتا ہو، اس انداز گفتگو سے مخاطب کو موضوع سے دلچسپی یا غرض کلام کی وضاحت کا فائدہ حاصل ہوتا ہو۔ اطناب کے تین کبھی کسی واقعہ کی وجوہات بھی بیان کی جاتی ہیں، اسباب و علل پر روشنی ڈالی جاتی ہے، صورتحال کے پس منظر کو واضح کیا جاتا ہے، اس کو تعلیل کہتے ہیں، بہر حال اطناب کے ضمن میں جو تفصیل بیان کی جاتی ہے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کو فائدہ حاصل ہو، تبھی اطناب کہلائے گا، اگر مخاطب کو اس تفصیل سے یا جملوں کی کثرت سے کوئی فائدہ نہیں ہو رہا ہو تو اس کو تطویل کہتے ہیں، اس کا دوسرا نام حشو ہے، تطویل یا حشو کا یہ عمل علمی اور ادبی حلقوں میں مقبول نہیں ہے، بلکہ معیوب سمجھا جاتا ہے۔

اطناب کے ضمن میں ایک اور طرز بیان آتا ہے، اس کو اقناع کہتے ہیں، یعنی کسی مسئلہ کو دلائل و شواہد کے ذریعہ ثابت کرنا تاکہ مخاطب مطمئن ہو جائے یا کسی دعویٰ کو دلیل کے ذریعہ قیہ بنانا، بسا اوقات صاحب کلام کو اپنی بات کی تائید میں اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، چنانچہ اس اسلوب کا اختیار کرنا موقعہ کے اعتبار سے ضروری ہو جاتا ہے، جاہلی دور کے عرب اپنے کلام کو قابلِ اعتماد ثابت کرنے کے لیے اس طرز کو اختیار کرتے تھے۔

## 2.10.5 جاذبیت اور کشش

جاہلی دور کے عرب گرچہ سادگی پسند تھے لیکن زور بیان اور طرز کلام میں انہیں ملکہ حاصل تھا، جب کسی موضوع پر گفتگو کرتے تھے تو الفاظ کا انتخاب اس اہتمام سے کرتے تھے کہ مفہوم کی صحیح تصویر ذہن میں نمایاں ہو جاتی تھی، قصوں میں کہانیوں میں، واقعات کی منظر کشی میں مناسب الفاظ کے انتخاب پر انہیں زبردست قدرت حاصل تھی، ان کی تقریروں میں الفاظ کی قوت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے، ایک ایک لفظ اپنا وزن ثابت کرتا ہے، اسی طرح واقعہ بیانی کا فن امتیازی شان رکھتا تھا، الفاظ میں کشش اور تعبیر میں سحر آفرینی پائی جاتی تھی۔

## 2.10.6 الفاظ میں یکسانیت اور موسیقیت

جملے چھوٹے چھوٹے ہوتے تھے اور یکساں شکل کے یا مشابہ الفاظ پر ختم ہوتے تھے جس کی وجہ سے ادائیگی میں موسیقیت کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی، اس طرح کا اسلوب خاص طور پر جمع میں دیکھنے کو ملتا ہے، جمع کہتے ہیں کبوتر کی آواز کو جب وہ یکساں طرز پر اپنی آواز کو بار بار دہراتا ہے، عرب میں جاہلی دور کے لوگ غیب کی باتوں کو معلوم کرنے کے لیے یا کسی سفر پر نکلنے سے پہلے حالات کا اندازہ لگانے کے لیے کاہنوں کے پاس جاتے تھے، کاہن ان لوگوں کو کہتے ہیں جو پیش گوئی کیا کرتے تھے، جب کوئی شخص حالات یا خطرات کی خبر لینے کے لیے ان کاہنوں کے پاس جاتا تھا تو وہ کاہن چھوٹے چھوٹے جملوں کا استعمال کر کے اپنے جواب کو جمع اور موسیقیت سے آراستہ کرتے تھے، جملے یکساں شکل کے الفاظ پر ختم ہوتے تھے، اس طرح عبارت میں نغمہ کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔

## 2.10.7 حکمت

عربوں کی زندگی صحرائی احوال سے دوچار تھی، صحرا میں حالات ایک جیسے نہیں رہتے ہیں، اس وجہ سے انہیں حالات کے پیش نظر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا پڑتا تھا، چنانچہ ان کی زندگی میں سفر کی کثرت تھی، سفر کی زیادتی نے انہیں تجربات کا ذخیرہ عطا کر رکھا تھا، ان تجربات کی کثرت سے انہیں حکمت کا سرمایہ میسر تھا، عرب اپنی گفتگو میں حکمت کے اس سرمایہ کا بکثرت استعمال کرتے تھے، حکمت کی ان باتوں سے نوجوانوں کو اور قبیلہ کے دوسرے لوگوں کو بھی باخبر کرتے تھے اور چونکہ عرب اپنی تاریخ، آباء و اجداد کے واقعات اور قبائل کے احوال اپنے ذہن و دماغ میں محفوظ رکھتے تھے اس لیے جب کبھی بات کرتے تھے تو ماضی کے ان واقعات سے عبرت حاصل کرتے ہوئے مخاطب کے سامنے حکمت کی باتیں رکھتے تھے، عرب ان باتوں کی کافی قدر کرتے تھے اور انہیں امانت کے ساتھ آئندہ نسلوں کو منتقل کرتے تھے۔

## 2.10.8 تشبیہ

کلام عرب میں تشبیہات کی کثرت نظر آتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی بات کو صحیح شکل میں پیش کرنے کے لیے کسی مانوس شے سے تشبیہ دے کر اس کی حقیقت بتائی جاتی تھی، عرب بات چیت کے دوران کسی منظر کی صحیح تصویر پیش کرنے کی کوشش کرتے تھے اس لیے تشبیہ دے کر مضمون کو مکمل و واضح کرتے تھے، اس طرز مخاطب سے جہاں ایک طرف زبان پر قدرت نظر آتی ہے وہیں زبان کے استعمال میں ذوق لطیف کا بھی اندازہ ہوتا ہے، اس کے علاوہ یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ ان کے یہاں تجربات کی کسی قدر وسعت تھی کہ چیزوں کو ان کی حقیقت کے ساتھ پہچانتے تھے، ان کی باریکیوں سے متعارف تھے چنانچہ موقع کی مناسبت سے ان کا بخوبی استعمال کرتے تھے، یہی وجہ رہی کہ ان کی زبان میں کشش اور چاشنی پائی جاتی تھی، مخاطب

کو مفہوم کلام کے ادراک میں مدد ملتی تھی نیز کلام کی معنویت بحسن و خوبی ابھر کر سامنے آتی تھی۔

## 2.10.9 فکر کی سلامتی

فکر کی سلامتی کا مطلب یہ ہے کہ صاحب کلام کے ذہن میں کلام کا خاکہ واضح رہتا ہے، چنانچہ عرب جب بات کرتے تھے تو جس موضوع پر انہیں اظہار خیال کرنا ہوتا تھا اس کا خاکہ ذہن میں ثبت رہتا تھا، لہذا دوران گفتگو انہیں الفاظ کے استعمال میں دشواری نہیں ہوتی تھی اور نہ ہی کلام میں پیچیدگی واقع ہوتی تھی، بات کرتے ہوئے بغیر کسی ابہام یا پیچیدگی غرض کلام کو مخاطب کے سامنے پیش کر دیتے تھے، فکر کی سلامتی کی وجہ سے جملے بھی کسی نوعیت کے الجھاؤ سے محفوظ رہتے تھے، یہی وجہ ہے کہ کلام عرب میں روانی اور مفہوم کلام کی وضاحت پائی جاتی تھی۔

## 2.10.10 نصیحت اور بصیرت

حکمت کے ساتھ نصیحت اور خیر خواہی کے عناصر بھی نثر جاہلی میں نظر آتے ہیں، عرب چونکہ قدرتی احوال کا بہت قریب سے مشاہدہ کرتے تھے لہذا ان احوال سے عبرت بھی حاصل کرتے تھے، حالات سے سبق سیکھتے تھے، آمد و رفت کی وجہ سے مختلف طبیعت کے لوگوں سے ان کا سابقہ پڑتا تھا، لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے سے معلومات میں اضافہ ہوتا تھا، اس وجہ سے زندگی کے پیچ و خم میں انہیں غایت درجہ کی بصیرت حاصل تھی، چنانچہ ان کے کلام میں نصیحت و بصیرت کی باتیں ابھر کر سامنے آتی تھیں۔

## 2.10.11 ایجاز

ایجاز کا مطلب جامعیت ہے یعنی مختصر الفاظ میں معنی کی بھرپور نمائندگی الفاظ اس قدر بامعنی ہوتے تھے کہ ہر ایک لفظ موقع ہوتا تھا، مختصر الفاظ میں معنی مکمل طور پر واضح ہو جاتا تھا، غیر ضروری الفاظ کے ذریعہ جملے کو وہ بے مزہ نہیں کرتے تھے، کیونکہ عربوں کا ذوق بہت ہی معیاری تھا، غیر ضروری تعبیر ان کے لیے عدم توجہ کا سبب بن جاتی تھی اور کلام میں اگر غیر ضروری الفاظ کا استعمال کیا جاتا تو صاحب کلام معتب قرار پاتا تھا، گویا اس کو زبان پر قدرت حاصل نہیں ہے، چنانچہ جب وہ بات کرتے تو الفاظ کا استعمال نہایت اہتمام سے کرتے تھے کہ ہر لفظ اپنی جگہ مستقل وزن رکھتا ہو اور اس کی معنویت سے انکار محال ہو۔

## 2.10.12 جذبات کی صداقت

جو بھی بات کی جاتی اس میں سچائی اور صداقت کے ساتھ اپنے احساسات کا اظہار کرتے تھے، اسی وجہ سے گفتگو مضبوط اور جملے مربوط ہوتے تھے، الفاظ دل کی گہرائی سے بغیر کسی تکلف اور تصنع کے نکلتے تھے، دل کے اندر جو کیفیت پائی جاتی تھی الفاظ اس کی بہترین نمائندگی کرتے تھے، اس طرح مخاطب ان کے جذبات کی حقیقت پہچاننے پر قادر ہو جاتا تھا۔

## 2.10.13 حسن ترکیب

جملہ میں الفاظ کا استعمال اس قدر خوبی کے ساتھ کیا جاتا تھا کہ معنی میں اشتباہ یا التباس پیدا نہیں ہوتا تھا، بلکہ مخاطب معنی کو بعینہ غرض کلام کے مطابق سمجھتا تھا، الفاظ جملہ میں مربوط ہوتے تھے کہیں بھی ڈھیلا پن نہیں جھلکتا تھا، اس سے بخوبی اندازہ ہوتا تھا کہ کلام کس قدر فصیح ہے اور عبارت میں کس قدر قوت اور جاذبیت ہے،

## 2.10.14 ماحول اور معاشرہ کی منظر کشی

نثر جاہلی کا مطالعہ کرنے سے اس دور کی صحیح تصویر آنکھوں کے سامنے نمایاں ہو جاتی ہے، اس دور کی تہذیب، فکر و زبان کی قوت، خیال کی رعنائی، تجربات کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے، ضرب الامثال اور حکمت کی باتوں کا جائزہ لیا جائے تو ان کے معاشرہ کی جھلکیاں نظر آتی ہیں، وہاں کی رسم و روایت کا اندازہ ہوتا ہے ان کے معاشرہ کی ترجیحات اور رغبات سے واقفیت ہوتی ہے، کیونکہ یہ امثال و حکم ان کی روزمرہ کی زندگی سے ماخوذ تھے اور ان کی عمومی سرگرمیوں سے وابستہ تھے۔

## 2.11 نثر جاہلی کے فنون

نثر جاہلی کی خصوصیات سمجھنے کے لیے نثر جاہلی کے فنون کا مطالعہ ضروری ہے، یہ فنون نثر قصہ، خطابت، وصایا، امثال، حکم اور سجع پر مشتمل ہیں، بعض ناقدین قصہ کو فنون نثر جاہلی میں شمار کرنے سے انکار کرتے ہیں، اس کے پیچھے وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جاہلی دور میں قصہ کا وجود تحریری شکل میں نہیں تھا اور جن لوگوں نے ان قصوں کو زبانی یا محض حافظہ کی بنیاد پر نقل کیا ہے وہ اس بات کی ضمانت نہیں دے سکتے ہیں کہ انھوں نے بعینہ وہی الفاظ اور تعبیرات کا استعمال کیا ہے جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھے، قصوں کی زبان اور تعبیرات میں عدم اعتماد کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ یہ قصے خلافت عباسیہ کے زمانہ میں مرتب کیے گئے، جاہلی دور سے لے کر عباسی سلطنت تک کا جو زمانی فاصلہ ہے وہ غیر معمولی ہے، اس دوران یقیناً زبان و تعبیر میں تبدیلیاں آئی ہوں گی اور چونکہ ان تبدیلیوں کا امکان پایا جاتا ہے لہذا قصوں کی زبان کو دور جاہلیت کی زبان قرار دینا قابل اطمینان معلوم نہیں ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا شکوک و شبہات کے باوجود یہاں پر صرف اتنا کہنا مناسب ہے کہ عربی ادب کی تاریخ پر گہری نظر رکھنے والے نامور مصنف شوقی ضیف نے اعتراف کیا ہے کہ قصوں کا وجود تھا اور زبان قابل اعتماد ہے، انھوں نے کہا ہے کہ باوجود یہ کہ بعینہ اسی زمانہ کی زبان کی ضمانت نہیں دی جاسکتی ہے، یہ حقیقت اپنی جگہ ثبت ہے کہ عربوں نے زبان و قصوں کی بنیاد کو بہت حد تک محفوظ رکھا ہے، عرب زبان کی چاشنی اور اس کی حلاوت سے واقف تھے، زبان کا ذوق بھی رکھتے تھے اور جاہلی دور کی زبان سے ان کا شغف یقیناً ناقابل فراموش ہے، کیونکہ وہ خود اس دور کی زبان کو اہمیت دیتے تھے، لہذا اس کی قدر بھی کرتے تھے۔

### 2.11.1 قصہ

جاہلی دور سے وابستہ جو قصے تدوین کیے گئے ہیں ان میں محبت کے واقعات ہیں، جنگ و جدال اور آپسی قتل و غارت کی داستانیں ہیں، یہ داستانیں ان جنگوں کی نمایاں شخصیات کے گرد گھومتی ہیں، یہ داستانیں عربوں کی ذہنی تربیت اور جذبہ فکر میں قوت پیدا کرنے کا زبردست وسیلہ تھیں، ان کارناموں کے ذریعہ وہ اپنے اسلاف کی عظمت رفتہ کو یاد رکھتے تھے اور اپنے قبیلہ کے لیے قابل فخر سرمایہ تصور کرتے تھے، یہ کہانیاں بہت سارے پہلوؤں سے ان کے لیے سودمند اور مفید ہوتی تھیں، ان میں حکمت کی باتیں ملتی تھیں، عبرت و نصیحت کے عناصر پائے جاتے تھے، کسی مسئلہ میں صحیح طریقہ کار اختیار کرنے کا سلیقہ حاصل ہوتا تھا، کسی معاملہ کو خوش اسلوبی سے انجام دینے کی ترکیب سمجھ میں آتی تھی، ان قصوں کی روشنی میں قوت ادراک کو فروغ حاصل ہوتا تھا وغیرہ وغیرہ، ان منافع کے علاوہ زبان کے اعتبار سے بھی انہیں نفع حاصل ہوتا تھا، قصہ گو رواں اور مؤثر زبان استعمال کرتا تھا تاکہ مخاطب کے اندر شوق و رغبت برقرار رہے، عرب کو زبان کی حلاوت سے دلچسپی تھی، اچھی تعبیرات کو پسند کرتے تھے، حسن بیان کو قیمتی

سرمایہ مانتے تھے، فصاحت و بلاغت کے ذریعہ اپنی شناخت قائم کرتے تھے، ان وجوہات کی بنا پر انہیں قصہ سے اور فن قصہ گوئی سے محبت تھی، ان قصوں سے انہیں یہ بھی نفع حاصل ہوتا تھا کہ فارغ اوقات میں لوگوں کو یکجا کر کے ایک مجلس قائم کر لیں، ان مجالس کے ذریعہ لوگوں کے بیچ فکر و تجربہ کی باتیں آجائیں، ان مجلسوں میں بڑے بوڑھے، نوجوان سبھی شامل ہوتے تھے، خواتین و دوشیزائیں بھی پردہ کے پیچھے بیٹھ کر ان واقعات کے سننے میں دلچسپی لیتی تھیں۔

ان قصوں کی وجہ سے نثر عربی کو فروغ حاصل ہوا، نقل و روایت کا سلسلہ جاری رہا، عصر عباسی میں ماہرین زبان نے ان قصوں کو نہایت اہمیت کے ساتھ یکجا کیا اور انہیں بہت منظم طریقہ سے ترتیب دی ہے، ان کی منظم تدوین کی بہترین مثال وہ ہے جو ابو عبیدہ کے حوالہ سے مشہور ہے جس میں انھوں نے جریرو فرزدق کے نقائص سے متعلق پس منظر کی تشریح کی ہے۔

کاهنوں کے متعلق بھی عرب داستانیں بیان کیا کرتے تھے، اپنے شعرا اور سرداروں سے وابستہ رواد بھی سنایا کرتے تھے، اس طرح کی داستان گوئی کا باقاعدہ رواج تھا، اس پس منظر میں الاغانی کے صفحات پر نظر دوڑائی جائے تو ایسی کہانیوں کا تذکرہ بکثرت ملتا ہے، ان کہانیوں میں جذباتی لگاؤ اور عشق و محبت کی داستانیں بھی بڑی تعداد میں ملتی ہیں، بطور مثال یہاں ایک قصہ بیان کیا جاتا ہے جو کلہاڑی اور سانپ سے متعلق ہے۔

## 2.11.2 کلہاڑی اور سانپ کا قصہ

الضبی بیان کرتا ہے ”لوگوں کا خیال ہے کہ گزشتہ زمانہ میں دو بھائی تھے، ان کے پاس ایک اونٹ تھا، حالات ایسے آئے کہ ان کے وطن میں قحط پڑ گیا، ان کے گھر سے قریب ایک وادی تھی جس میں ایک سانپ رہتا تھا، اس سانپ کی وجہ سے وہ وادی کسی کے قبضہ میں نہیں آسکی، ان بھائیوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا ”کاش میں اس سرسبز وادی میں جا کر اپنے اونٹ چراتا اور انہیں صحت مند بناتا“، بھائی نے جواب دیا ”تمہارے معاملہ میں مجھے اس سانپ کا خدشہ معلوم ہوتا ہے، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جو بھی کوئی اس وادی میں پہنچتا ہے تو سانپ اس کو ہلاک کر دیتا ہے“، اس نے پرزور طریقہ سے کہا کہ ”میں اس وادی میں ضرور جاؤں گا“، یہ کہہ کر وہ اس وادی میں چلا گیا، ایک زمانہ تک وہاں اونٹ چرانے کا سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ ایک دن اس سانپ نے اسے ڈس لیا اور وہ ہلاک ہو گیا، بھائی کو اس کا صدمہ ہوا اور اس نے کہا کہ ”میرے بھائی کی موت کے بعد اب میرے لیے اس زندگی میں کوئی بہتری نظر نہیں آتی ہے، میرے لیے زیبا یہی ہے کہ جا کر میں اس سانپ کو تلاش کروں اور اسے مار ڈالوں یا میں خود بھی اپنے بھائی کے نقش قدم پر اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں یہ کہہ کر بھائی اس وادی میں پہنچا، سانپ سے ملاقات ہوئی تو سانپ نے کہا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں نے تمہارے بھائی کو قتل کر دیا ہے، ہاں اگر تم مصالحت کا ارادہ رکھتے ہو تو میں تمہیں اس وادی میں رہنے دوں گا، تم یہاں رہو اور جب تک تم یہاں رہو گے ہر روز میں تمہیں ایک دینار عطا کروں گا“، ”اس نے پوچھا“ کیا واقعی تم ایسا کرو گے؟ سانپ نے کہا ”ہاں“، اس پر اس نے کہا ”تو میں بھی مصالحت کے ساتھ رہوں گا“، اس نے قسم کھا کر سانپ کو یقین دلایا اور عہد و پیمان باندھا کہ اسے نقصان نہیں پہنچائے گا، سانپ نے اسے ہر روز ایک دینار دینا شروع کر دیا، اس طرح دولت کی فراوانی ہو گئی، اونٹوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہو گیا، یہاں تک کہ لوگوں میں سب سے زیادہ خوشحال شمار کیا جانے لگا، پھر ایک دن بھائی کی یاد آگئی تو خیال آیا کہ ایسی زندگی کا کیا فائدہ کہ میں اپنے بھائی کے قاتل کو روز دیکھتا ہوں؟ یہ سوچ کر اس نے کلہاڑی اٹھائی اسے تیز دھار کیا اور سانپ کی گھات میں بیٹھ گیا، سانپ کا اس کے پاس سے گزر ہوا، اس شخص نے سانپ کا پیچھا کیا اور اس پر حملہ کیا، حملہ چوک گیا، سانپ بل میں گھس گیا، اس نے کلہاڑی پہاڑ پر پھینک دی، تو وہ کلہاڑی اس بل کے اوپر جا پڑی،

کلہاڑی کے اثر سے اس سانپ کا بل تباہ ہو گیا، سانپ نے دیکھا کہ اس شخص نے اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا تو اس نے دینار دینے کا عمل بند کر دیا، اس شخص نے جب یہ حالت دیکھی تو اسے اس سانپ سے خطرہ کا احساس ہوا اور اپنے اس عمل پر شرمندہ ہوا، اس نے سانپ سے کہا کہ کیا ممکن ہے کہ ہم دوبارہ باہم اتفاق کر لیں اور معاہدہ کی تجدید کر لیں تاکہ ہم دوبارہ اس طرح رہنے لگیں جس طرح پہلے رہ رہے تھے، سانپ نے جواب دیا اب کیسے معاہدہ پر بھروسہ کیا جائے؟ یہ دیکھو، تمہاری کلہاڑی کی وجہ سے تباہی سامنے ہے اور تم خطا کار ہو، تم تو عہد و پیمان کا پاس و لحاظ بھی نہیں رکھتے ہو!۔

عرب قوم میں سانپ اور کلہاڑی کی یہ کہانی بہت مشہور تھی، النابغة الذبیانی نے اس قصہ پر شاعری بھی کی ہے، الضبی نے قصیدہ کا وہ حصہ نقل کیا ہے جس میں چرواہے کی سانپ کے ساتھ خیانت اور عہد شکنی کا تذکرہ ہے، اس طرح کے قصوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے نزدیک داستان گوئی میں نصیحت و عبرت تھی، آپس میں وہ واقعات سنایا کرتے تھے، اس طرح کی داستانیں ہندوستان میں رائج کہانیوں سے ملتی جلتی ہیں، ہندوستان میں جانوروں سے متعلق کہانیاں مشہور تھیں، نیز ہندوستانی تہذیب میں سانپ کو اہمیت بھی دی جاتی ہے، اس کا امکان ہے کہ سانپ اور کلہاڑی کی کہانی ہندوستانی داستانوں سے متاثر ہو کر تیار کی گئی ہو، جس طرح یونانی داستانوں کے اثرات عرب کے قصوں پر مرتب ہوئے تھے، ان داستانوں میں کاشتکار اور سانپ کی داستان عرب میں بہت مشہور ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ عرب اور یونان میں اس طرح کی داستانیں ہندوستان سے پہنچی ہوں۔

جاہلی دور کے عرب میں جن، دیو اور شیطان سے متعلق کہانیاں مشہور تھیں، خیال کیا جاتا تھا کہ یہ لوگ جو بھی شکل چاہیں اختیار کرنے کی قدرت رکھتے ہیں، سوائے چڑیل کے، چڑیل ہمیشہ عورت کی ہی شکل میں نمودار ہوتی تھی، لیکن اس کے پیر عورت کے پیر کی طرح نہیں ہوتے تھے بلکہ گدھے کے پیر کے مشابہ ہوتے تھے، جنوں کے متعلق آتا ہے کہ وہ اکثر بیل، کتے، شتر مرغ اور گدھ کی شکل میں سامنے آتے تھے، عرب یہ بھی عقیدہ رکھتے تھے کہ جنوں کی اصل قیام گاہ ویران علاقہ میں ہوتی ہے، صحرا اور یگستان میں ہوتی ہے، ان سے متعلق بے شمار قصے کہانیاں داستانوں کی کتابوں میں اور عجیب و غریب واقعات کے مجموعوں میں شامل ہو گئیں، جنہیں عباسی دور میں مرتب کیا گیا، ان واقعات کا تذکرہ اس لیے نہیں کیا گیا ہے کہ یہ جاہلی دور کی بہترین کہانیاں ہیں اور مطالعہ کے اعتبار سے قابل اعتماد نمونہ ہیں، بلکہ اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ اس طرح کی کہانیاں اس زمانے میں رائج تھیں لیکن ان کی کوئی مدون شکل موجود نہیں تھی، بلکہ صرف داستان گوئی کے طرز پر رائج تھیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نثر تو موجود تھی لیکن کتابی شکل میں نہیں تھی۔

## 2.12 سجع الکھان

قصہ کے علاوہ نثر جاہلی کی خصوصیات سے واقفیت کے لیے سجع الکھان کا بھی تذکرہ آتا ہے، سجع الکھان سے مراد کہانوں کی مسجع عبارت ہے، کاہن اس کو کہتے جو آنے والے احوال کی پیش قیاسی کرتا ہے، مستقبل کے حالات کے متعلق خبر دیتا ہے، جو لوگ عقیدہ کے اعتبار سے کمزور ہوتے ہیں وہ مستقبل کے امکانات اور خطرات سے خوف زدہ ہو کر ان کہانوں کے پاس جاتے ہیں، ان کے سامنے احوال رکھ کر اپنی حفاظت کے راستے دریافت کرتے ہیں۔

اسلام سے قبل جاہلی دور میں شرک و بت پرستی کا ماحول تھا، چنانچہ لوگوں میں ایک ایسا طبقہ پایا جاتا تھا جو یہ یقین رکھتا تھا کہ کہانوں کو غیب کی باتوں سے واقفیت رہتی ہے، ان معلومات کو حاصل کرنے کے لیے جنوں کا استعمال ہوتا تھا جو غیب کی باتیں لے کر آتے تھے، یہ جن فرمانبردار ہوتے



تھے اور اپنے مالک کا حکم مانتے تھے، مالکین کے اس طبقہ کو کھنہ یا کہان کہا جاتا تھا، اس کا واحد کاہن ہے، ان کاہنوں کی اکثریت کسی بت خانہ میں یا کسی ایسے گھر میں رہتی تھی جو عمومی گھروں سے علیحدہ ہوا کرتا تھا، چنانچہ کاہنوں کا طبقہ عوام کی نگاہ میں تقدس اور احترام کا رتبہ رکھتا تھا، ان کی رہائش کا انداز عام لوگوں سے جدا تھا، لوگ بسا اوقات اپنے اختلافات اور لڑائی جھگڑوں کے مسائل حل کرانے کے لیے بھی ان کاہنوں کے پاس پہنچتے تھے، اپنے معاملوں میں انہیں حکم قرار دے کر ان سے فیصلے کراتے تھے، جیسا کہ ہاشم بن عبد مناف اور امیہ بن عبد شمس کے باہم اختلاف کے موقع پر الخزاعی نامی کاہن کو حکم بنایا گیا تھا، اس کے علاوہ ذاتی مسائل میں بھی لوگ کاہنوں سے مشورہ لیا کرتے تھے مثلاً شوہر بیوی کے درمیان اختلاف کا مسئلہ، کسی کے قتل کا مسئلہ، کسی کا اونٹ دوسرے نے مار ڈالا یا ذبح کر دیا یا آپسی اتحاد میں پھوٹ کا مسئلہ، جس کی وجہ سے کوئی قبیلہ باہم عہد و پیمان کو نظر انداز کر کے جنگ میں کسی دوسرے قبیلہ کے خلاف ساتھ دینے سے پیچھے ہٹ گیا ہو یا کسی کے خلاف جنگ چھیڑنے کا مسئلہ وغیرہ۔

بنو اسد کی روایتوں میں آتا ہے کہ امرؤ القیس کے باپ حجر کی بنو اسد کے خلاف کچھ ناچاقی ہو گئی تو اپنے لوگوں کو بنو اسد کے خلاف روانہ کیا۔ بنو اسد نے بھی مقابلہ کے لیے پیش قدمی کی، یہاں تک کہ تہامہ سے صرف ایک دن کی مسافت کے مقام پر جب یہ پہنچے تو ایک کاہن سے ملاقات ہوئی، اس کا نام عوف بن ربیعہ تھا، اس نے اپنے طور پر پیش قیاسی کی، چنانچہ بنو اسد سے اس نے کہا:

”اے میرے بندو!“ بنو اسد نے جواب دیا! ”لیک اے ہمارے آقا“، تو عوف نے کہا: ”یہ کون بادشاہ ہے جو سرخ و سفید روشن چہرہ والا ہے، زور آور ہے، غالب رہتا ہے، اس پر کوئی غالب نہیں ہو سکتا ہے، ایسے اونٹوں کے ساتھ رہتا ہے جو ہرن کے ریوڑ کے مثل معلوم ہوتے ہیں، شور ہنگامہ سے وہ پریشان نہیں ہوتا ہے، یہ اس کا خون ہے جو بہہ رہا ہے، کل صبح یہ پہلا شخص ہوگا جس کی روح نکال لی جائے گی“، بنو اسد کے لوگوں نے پوچھا میرے آقا! وہ کون شخص ہے؟ عوف نے کہا: اگر کوئی جوش میں نہ آئے تو میں بتاؤں کہ وہ حجر ہے جو اپنے علاقہ کے اطراف میں ہوگا۔“

یہ سن کر بنو اسد کے لوگوں نے موقع کو غنیمت سمجھا، راتوں رات تمام دشواریوں اور مشقتوں کو برداشت کرتے ہوئے اپنا سفر طے کیا، یہاں تک کہ جوں ہی صبح ہوئی یہ لوگ حجر کے لشکر کے پاس پہنچ گئے اور حجر کے خیمہ پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔

اس زمانہ کے کاہن اکثر و بیشتر قبائل کو ایسی جنگوں کے متعلق باخبر کیا کرتے تھے کہ ان کی توقع بھی نہیں کی جاتی تھی، مزید یہ کہ لوگوں کے ذہن میں آنے والے خیالات کی تفسیر بتاتے تھے یا کسی نے خواب دیکھا تو اس کی تعبیر بھی بیان کرتے تھے، ادب اور تاریخ کی کتابوں میں ان کاہنوں کے نام ملتے ہیں، مثلاً شق بن الصعب، اس کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ وہ جزوی طور پر انسان کی شکل رکھتا تھا، اس کی صرف ایک آنکھ تھی، ہاتھ بھی ایک ہی تھا، پیر بھی صرف ایک ہی تھا، اسی طرح سطح بن ربیعہ الذبی کے متعلق آتا ہے کہ اس کے جسم میں ہڈی نام کی کوئی چیز نہیں تھی، سوائے کھوپڑی کے، اس کا چہرہ اس کے سینہ میں تھا، اس کی گردن تھی ہی نہیں۔

مرد کاہنوں کے علاوہ خواتین کاہن بھی ہوا کرتی تھیں، انہیں کاہنات کہا جاتا تھا، انھوں نے خود کو معبودوں کی خدمت کے لیے وقف کر رکھا تھا، بت کدوں میں ان کی رہائش ہوا کرتی تھی، ان کاہنات میں سب سے مشہور الشعثاء تھی اور ذوالخلصہ کی کاہنہ بھی شہرت رکھتی تھی، ان کے علاوہ کاہنہ السعدیہ اور الزرقاء بنت زہیر بھی معروف تھیں، اسی طرح غیطلہ قرشیہ اور بنو نام کی کاہنہ زبراء کے نام بھی ملتے ہیں۔

معلومات کی جانچ

1. نشر جالبی کی خوبیوں کا جائزہ لیجیے۔

2. زبان و ادب کے حلقہ میں نثر جاہلی کو اہمیت کیوں حاصل ہے؟
3. کن وجوہات کے تحت جاہلی دور کے عرب اپنی نثر میں سہل اور مانوس الفاظ کا استعمال کرتے تھے؟
4. نثر جاہلی میں مختصر جملوں کی کیا اہمیت ہے؟
5. ایجاز اور اطناب کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟
6. حکمت سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

## 2.13 اکتسابی نتائج

یہ تو حقیقت ہے کہ عصر جاہلی میں نثر کا وجود تھا، لیکن اس کی ابتدا کب ہوئی اس کے متعلق کوئی قطعی دلیل موجود نہیں ہے، کیونکہ عربوں کے پاس زبان و ادب کے جو نمونے موجود ہیں ان کا تعلق اس زمانہ سے ہے جب زبان اپنی پختہ اور ترقی یافتہ شکل میں پائی جاتی تھی، لہذا تاریخی وسائل سے یہ معلوم کرنا کہ اس زبان کا نقطہ آغاز کب تھا اور کہاں تھا بہت ہی دشوار عمل ہے، مورخین اور ماہرین زبان بھی کوئی قطعی بات کہنے سے قاصر ہیں، بہر حال اتنا تو یقینی ہے کہ زبان کا ایک دور رہا ہوگا، اس میں اسے ترقی حاصل ہوئی ہوگی۔

جاہلی زمانہ میں نثر کی جو شکل پائی گئی اس کا تعلق خطوط، معاہدات اور صحیفوں سے تھا، ان کے علاوہ عرب کے قبائل میں قصہ گو اور داستان گو ہوا کرتے تھے، جو فارغ اوقات میں لوگوں کے مجمع کے سامنے حالات اور واقعات کی خبر دیا کرتے تھے، یہ واقعات کبھی تاریخ سے وابستہ ہوتے تھے، تو کبھی اطراف کے علاقوں اور بادشاہوں سے متعلق ہوتے تھے، عرب ایک تجارت پیشہ قوم تھی، صحرائی علاقہ کے باشندے ہونے کی وجہ سے ان کے یہاں زراعت کے وسائل بہت محدود تھے، چنانچہ تجارت کی غرض سے وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے تھے، اسی طرح زندگی کے وسائل ایک جگہ ہمیشہ دستیاب نہیں رہتے تھے، صحرائی زمین میں چارہ اور پانی کی قلت رہتی تھی، اس لیے اگر یہ وسائل ایک جگہ ختم ہو جاتے تو وہ دوسری جگہ کا رخ کرتے تھے، اس نقل و حرکت کی وجہ سے عربوں کے یہاں تجربات اور حقیقت حال سے واقفیت کا اچھا خاصہ سرمایہ موجود تھا، ان تجربات کو واقعہ بیانی کے ذریعہ لوگوں تک پہنچاتے تھے، اس میں کوئی شک نہیں کہ نقل و روایت کا یہ سلسلہ نثر میں ہی ہوتا تھا، نسل در نسل تو اصل کے ساتھ یہ واقعات نقل کیے جاتے تھے، گرچہ ان کی تحریری شکل عصر عباسی میں وجود میں آئی، کیونکہ عرب ان کہانیوں اور واقعات کو لکھنے کا اہتمام نہیں کرتے تھے، بلکہ سینہ بہ سینہ ایک دوسرے تک منتقل کرتے تھے، اس لیے واقعات کی روح اور حقیقت پوری طرح نثر کی شکل میں محفوظ رہی، اس طرح عربی نثر کی نشوونما مستقل جاری رہی، زبان مستقل تجربات اور تعبیرات کے ذریعہ پروان چڑھتی گئی۔

نزول قرآن سے قبل جاہلی دور میں پرانے صحیفے پائے جاتے تھے، صحیفوں کے علاوہ وہ لوگ خطوط کا استعمال کرتے تھے، بادشاہوں کی قراردادیں یا اہم فیصلے خطوط کے ذریعہ دوسروں تک ارسال کیے جاتے تھے، ان کے علاوہ قبائل آپس میں تحریری معاہدات کرتے تھے تاکہ ان کے بیچ امن قائم ہو اور باہم تعاون کی شکل بنی رہے، ساتھ ہی ساتھ عربوں کی زبان میں ضرب الامثال کا استعمال بھی بکثرت ہوتا تھا، امثال و حکم کے ذریعہ اپنی بات کو تقویت پہنچاتے تھے اور کلام کی زینت میں اضافہ کرتے تھے، آئندہ اسباق میں اس کا تذکرہ کیا جائے گا۔

نثر جاہلی کی خصوصیات یہ ہیں کہ زبان صاف اور رواں ہوتی تھی، کلام میں رونق اور رعنائی پائی جاتی تھی، انداز گفتگو میں کشش اور حلاوت پائی

جاتی تھی، عرب اپنے کلام کو آسان اور مختصر تعبیرات سے آراستہ کرتے تھے، پیچیدہ تعبیر استعمال کرنا ان کے یہاں ناپسندیدہ عمل تھا، چھوٹے چھوٹے جملوں کا استعمال کر کے اپنی غرض واضح کیا کرتے تھے، اس طرح مخاطب کو کلام کا مقصود سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی تھی، مختصر جملوں سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ عرب اپنی گفتگو کے وقت مفہوم کے اعتبار سے اور مقصود کلام کے اعتبار سے بالکل واضح نقشہ اپنے ذہن میں رکھتے تھے، جس کی وجہ سے بات کرتے وقت چھوٹے چھوٹے جملوں میں صراحت کے ساتھ مطلوب کلام مخاطب کے سامنے رکھ دیتے تھے، یہی وجہ تھی کہ وہ نہایت سکون و اطمینان سے قابل فہم انداز میں اپنا مدعا بیان کر دیتے تھے، اسلوب کلام میں کشش پیدا کرنے کے لیے وہ انداز بیان میں تنوع اختیار کیا کرتے تھے، کبھی جملہ خبریہ کا استعمال کرتے تھے تو کبھی جملہ انشائیہ کا، غرض یہ ہوتی تھی کہ مخاطب کی توجہ کلام کی طرف برقرار رہے اور چونکہ عرب کے پاس حسن تعبیر کا ذوق تھا اس لیے اس طریقہ کار کے ذریعہ اپنی زبان کو جاذبیت عطا کرتے تھے اور مخاطب کے ذہن میں تجسس کی کیفیت بھی پیدا کرنا مقصود ہوتا تھا، زبان پر قدرت حاصل ہونے کی وجہ سے عرب اپنے انداز بیان میں اطناب کا طرز بھی اختیار کرتے تھے، تاکہ موضوع کلام کا پس منظر واضح ہو جائے اور غرض کلام کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی جاسکے، اطناب کے ذریعہ مخاطب کے ذہن میں مضمون بحسن و خوبی ثبت ہو جاتا ہے، جاہلی دور کی زبان کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ زبان مکمل طور پر پختہ اور ترقی یافتہ تھی، الفاظ و تعبیرات کے لیے صاحب کلام کو کسی طرح کی تنگی یا دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا، بلکہ ایک ایک معنی کے لیے متعدد الفاظ مل جاتے تھے، چنانچہ جب وہ بات کرتے تھے تو بسا اوقات ان کے کلام میں موسیقیت کا اثر محسوس ہوتا تھا، ہم وزن الفاظ کے استعمال اور یکساں جملوں کی ترکیب سے مخاطب کے دل و دماغ پر سرور کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی اور وہ گفتگو سے محظوظ ہوتے تھے، اس طرح کے جملے خاص طور پر خطبوں میں، تقریروں میں، نیز کلام میں سننے کو ملتے تھے، ان کے علاوہ امثال اور حکم میں بھی ہم وزن الفاظ کا استعمال نظر آتا ہے، زبان کی حلاوت کے علاوہ نثر جاہلی میں حکمت کے عناصر بھی پائے جاتے ہیں، اپنی بات کو با وزن بنانے کے لیے عرب اپنے تجربات اور مشاہدات کی بنیاد پر قیمتی تبصرے بھی کرتے تھے جن کی تہ میں پند و نصائح اور تربیت و ذہن سازی کے لیے گراں قدر رہنمائی کے اشارے ہوتے تھے، چونکہ عرب اپنی تاریخ، آباء و اجداد کے احوال، قبائل کے واقعات اپنے ذہن میں محفوظ رکھتے تھے، اس لیے دوران بیان ان واقعات سے عبرت اخذ کرتے ہوئے مخاطب کو حقیقت حال سے روشناس کراتے تھے، اپنے مشاہدات کی صحیح تصویر پیش کرنے کے لیے عرب اپنے کلام میں تشبیہات کا بھی استعمال کرتے تھے، اس سے ان کی باریک بینی کا اندازہ ہوتا ہے کہ کسی چیز کو اس کی حقیقت کے ساتھ پہچانتے تھے اور ذوق لطیف کی بنیاد پر تشبیہ اختیار کرتے تھے، جس کی وجہ سے کلام میں حسن پیدا ہو جاتا تھا اور مخاطب موضوع کی حقیقت تک رسائی حاصل کر لیتا تھا، اسی طرح انہیں فکر کی سلامتی بھی میسر تھی کہ جب بات کرتے تھے تو ذہن کسی قسم کے الجھاؤ کا شکار نہیں رہتا تھا بلکہ کلام کا مضمون ذہن میں واضح رہتا تھا، لہذا جب وہ بات کرتے تو بالکل یکسوئی کے ساتھ مافی الضمیر ادا کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں روانی اور خوبصورتی پائی جاتی ہے، فکر کی سلامتی کی وجہ سے بلا تردد اپنے خیالات کا اظہار کرتے چلے جاتے تھے، کلام عرب میں نصیحت اور بصیرت کے عناصر بھی نظر آتے ہیں، کیونکہ ان کے پاس تجربات کا وسیع ذخیرہ تھا، زندگی کے پیچ و خم سے وہ خوب واقف تھے، چنانچہ جب بات کرتے تھے تو اس میں نصیحت اور بصیرت کا پہلو بھی شامل ہوا کرتا تھا، ان تمام خصوصیات کے باوجود ان کا ایک ایک لفظ معنویت سے لبریز رہتا تھا، سطحی الفاظ کا استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ پر مغز اور پر معنی الفاظ کا استعمال کرتے تھے جس کی وجہ سے مختصر الفاظ کے ذریعہ معنی واضح ہو جاتا تھا، غیر ضروری الفاظ بھر کر جملہ کو دراز نہیں کرتے تھے، بلکہ ایجاز کے ساتھ اپنی بات پیش کرتے تھے، ان کی باتوں میں جذبات کی صداقت ہوتی تھی، دل

میں جیسا احساس ہوتا تھا اسی احساس کی نمائندگی کے لیے مناسب الفاظ کا انتخاب کرتے تھے، خواہ وہ جذبات میں بات کر رہے ہوں ان کے جملے بہت ہی اچھے انداز میں مربوط ہوتے تھے تاکہ مخاطب کسی طرح مفہوم کے ادراک میں شش و پنج کا شکار نہ ہو، نثر جاہلی سے ہمیں اس دور کی تہذیب و ثقافت، نیز سماجی احوال کا بھی خوب اندازہ ہوتا ہے۔

## 2.14 نمونے کے امتحانی سوالات

1. عصر جاہلی کو لفظ ”جاہلی“ سے متصف کرنے کی وجوہات بتائیے۔
2. کیا عربوں میں لکھنے کا رواج پایا جاتا تھا؟ تبصرہ کیجیے۔
3. جاہلی دور میں خطوط کے کردار پر ایک مضمون تحریر کیجیے۔
4. نثر عربی کے فروغ میں عربوں کے تجربات اور حکمت کا کیا دخل ہے؟
5. نثر جاہلی میں قصوں کی نوعیت پر اظہار خیال کیجیے۔
6. نثر جاہلی سے وابستہ کہانیوں میں غیر عرب داستانوں کے اثرات پر روشنی ڈالیے۔
1. نثر جاہلی میں کلام کے تنوع سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟
2. جاہلی نثر میں جملہ انشائیہ کی اہمیت پر اظہار خیال کیجیے۔
3. نثر جاہلی میں الفاظ کی جاذبیت اور موسیقیت پر تبصرہ کیجیے۔
4. کلام عرب میں تشبیہ کی اہمیت اجاگر کیجیے۔
5. نثر جاہلی کی خصوصیات جاننے کے لیے ادب کے کن فنون سے استفادہ ضروری ہے؟
6. نثر جاہلی میں قصہ کی اہمیت پر روشنی ڈالیے۔
7. جمع الکہان سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟
8. کلہاڑی اور سانپ کا قصہ بیان کیجیے۔
9. کاہنات کون ہیں؟ ان کے نام بتائیے۔

## 2.15 فرہنگ

قَصَص	يَقْصُص	قَصَصَا	دھول مٹی بیٹھ جانا، ویران ہونا، تباہ کر دینا
رَقَش	يَرْقِش	تَرْقِشَا	نقش قائم کرنا
ظَهْر	ج	ظَهْر	پیٹھ/پشت
أَدِيم			چمڑا
عَفَا	يَعْفُو	عَفْوَا	مٹ جانا

تَابَدَ	يَتَابَدُ	تَأْبَدَا	نابود ہو جانا
عَوَلٌ		ٹیلہ	
رِجَامٌ		قبر کے پتھر	
مَدَافِعُ الرِّيَانِ		پانی کے چشمے	
عَرَى	يَعْرِى	عَرِيَانَا	آثار مٹ جانا
سَيْلٌ	ج	سَيْوَلٌ	سیلاب
زَبُورٌ	ج	زُبُرٌ	کتاب
مَثْنٌ	ج	مُتُونٌ	عبارت
رِقٌّ	ج	رِقَاقٌ	باریک چٹرا
عَهْدٌ	ج	عُهُودٌ	معاهدہ
كَفِيلٌ	ج	كُفَلَاءٌ	نمائندہ، ذمہ دار
نَقْضٌ	يَنْقُضُ	نَقْضًا	عہد شکنی
مَهْرَقٌ	ج	مَهَارِقٌ	عہد نامہ، معاہدہ
خَلِيقٌ	يَخْلُقُ	خَلَقًا	پرانہ ہونا
الْوُحْيِ		تحریر	
سِلَاقٌ		سفید ہڈی یا پتھر	

## 2.16 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

1. عربی ادب کی تاریخ : پروفیسر عبدالحلیم ندوی
2. عربی ادب کی تاریخ : احمد حسن زیات / ترجمہ طفیل احمد مدنی
3. جزيرة العرب : محمد رابع الحسنی الندوی
4. تاریخ الادب العربی (العصر الجاہلی) : ڈاکٹر شوقی ضیف
5. عربی ادب کی تاریخ : محمد کاظم

## اکائی 3 نثر جاہلی کے نمونے: خطابت

1. خطبہ قس بن ساعدہ

2. خطبہ عبدالمطلب

اکائی کے اجزا

- 3.1 مقصد
- 3.2 تمہید
- 3.3 خطابت
- 3.4 جا حظ کا موقف
- 3.5 خطابت کے مقاصد
- 3.6 شادیوں کے موقع پر خطابت
- 3.7 مکہ کے خطبا
- 3.8 قبائل عرب کے خطبا
- 3.9 خطابت میں جادوئی اثر
- 3.10 قس بن ساعدہ
- 3.11 خطبہ قس بن ساعدہ
- 3.12 خطبہ عبدالمطلب بن ہاشم
- 3.13 خطابت دور جاہلی کی ضرورت
- 3.14 شعرا پر خطبا کی فوقیت کا سبب
- 3.15 خطبا کا انداز و اسلوب
- 3.16 خطیب کے اوصاف
- 3.17 خطابت کی زبان مرسل تھی یا مسجع
- 3.18 اکتسابی نتائج
- 3.19 نمونے کے امتحانی سوالات
- 3.20 فرہنگ
- 3.21 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

### 3.1 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد آپ کو:

- ☆ عصر جاہلی کی خطابت سے واقفیت حاصل ہوگی۔
- ☆ عربی زبان میں خطابت کی اہمیت کا اندازہ ہوگا۔
- ☆ عرب کے نامور خطباء کو جاننے کا موقع ملے گا۔
- ☆ عربی زبان کی خطابت میں قوت و اسلوب کا پتہ چلے گا۔
- ☆ دور جاہلی کی حکمت و موعظت کی باتوں کا ادراک ہوگا۔

### 3.2 تمہید

نثر جاہلی کے نمونوں سے متعلق کچھ باتیں گزشتہ سبق میں درج ہیں، زیر نظر اکائی میں خطابت سے متعلق گفتگو کی جائے گی، آپ نے پڑھا ہے کہ عرب عام طور پر زبان اور حافظہ پر اعتماد کرتے تھے، حافظہ مضبوط ہوتا تھا، اس لیے ادبی سرمایہ کو زبان و بیان کے ذریعہ منتقل کرتے تھے، گزشتہ سبق میں قصہ کے متعلق بیان گزرا کہ داستان گوئی کے ذریعہ ادبی سرمایہ بعد کی نسلوں تک پہنچا، اس کے علاوہ سجع الکہان بھی ایک فن ادب تھا، جس کے ضمن میں کائنات کی زبان اور اسلوب بیان کا ہمیں اندازہ ہوا، اسی طرح فن خطابت بھی ایک اہم فن تھا، عرب خطابت کو کافی اہمیت دیتے تھے، بیان و تعبیر پر قدرت رکھنے کی وجہ سے انہیں فن خطابت میں امتیاز حاصل تھا، قوت بیان کے ذریعہ مخاطب پر جادوئی اثر چھوڑتے تھے، عقل و ذہن کو مسحور کر دیتے تھے، جاہلی دور کے عرب جذباتی صفت کے حامل تھے اس لیے زبان و بیان کا اثر بہت تیزی سے قبول کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ خطابت کا فن ان کے معاشرہ میں بہت مقبول رہا، فصاحت و بلاغت میں اپنا معیار رکھنے کی وجہ سے خطبوں اور تقریروں کو بعد کی نسلوں کے لیے مثالی بنا گئے۔

### 3.3 خطابت

لفظ خطابت دراصل خَطَبٌ یَخْطُبُ خُطَابَةً و خُطْبَةً و خِطْبَةً سے ماخوذ ہے، جس کے معنی کسی کے سامنے اپنی بات رکھنا یا کسی کو متوجہ کر کے اپنی بات پیش کرنا ہے۔

جاہلی دور میں عربوں کو اپنی بات رکھنے کا سلیقہ حاصل تھا، موقع محل کے اعتبار سے مؤثر انداز میں اپنی غرض رکھتے تھے، ادب کے میدان میں ترقی اور فن بلاغت میں مہارت اور فروغ کے لیے تمام مطلوبہ وسائل ان کے یہاں موجود تھے، وہاں نہ کسی قسم کی آزادی کی کمی تھی اور نہ ہی اپنے جذبات کے اظہار میں کسی قسم کی پابندی کا سامنا تھا، اس وقت باہمی رسائی اور عداوتیں کثرت سے پائی جاتی تھیں جس کی وجہ سے جنگ و جدال کی صورت حال پیدا ہو جاتی تھی، پھر امن و سلامتی کا ماحول قائم کرنے کی کوشش ہوتی تھی، اس غرض سے لوگ جمع ہوتے تھے، یہ نشستیں کسی ایسے باڑہ میں قائم کی جاتی تھیں جہاں خیمے لگائے جاتے تھے یا کبھی بازاروں میں اور کبھی امرا کے احاطوں میں، یہ وہ مواقع ہوتے تھے جہاں اہل فن و بلاغت کو اپنی مہارت اور معیار ثابت کرنے کا بہترین موقع دستیاب ہوتا تھا، کلام کو زیادہ سے زیادہ مؤثر اور پرکشش بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے تھے، ذاتی صلاحیت، زبان میں مہارت، بیان میں فصاحت و روانی، حاضر دماغی اور فی الفور خیالات کو ترتیب دینے کا ملکہ وہ عناصر تھے جو

فن کے فروغ میں ان کا تعاون کرتے تھے، عربی ادب کے ممتاز ادبا نے عربوں کے امتیاز کا اعتراف کیا ہے،

### 3.4 جاحظ کا موقف

جاہلی دور کے عرب کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے جاحظ کا بیان ہے کہ عربوں سے متعلق ساری ہی چیزیں فی البدیہہ اور فی الفور تھیں، ان میں کوئی تیاری یا پیشگی تدبیر اور غور و خوض کا عمل نہیں ہوتا تھا، بلکہ ایک طرح سے الہامی کیفیت ہوا کرتی تھی، اس میں انہیں کوئی دشواری یا پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا، نہ ہی اپنی فکر کو ترتیب دینے میں انہیں کوئی تاخیر ہوتی تھی، حسن بیان کے لیے وہ کسی کی مدد کی بھی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے، بلکہ جو بھی خیال ذہن میں ابھرتا الفاظ کی شکل میں زبان پر رواں ہو جاتا تھا، خواہ وہ شمشیر زنی کا موقعہ ہو یا پر امن مجلس میں باہم احوال بیان کرنے کا، خواہ دو افراد کے بیچ جھگڑے کا معاملہ ہو یا جنگ و قتال کا، وہ اپنی فکر کو اپنے موقف کے اعتبار سے جملوں میں ڈھال لیتے تھے اور جو مراد ہوتی تھی اسی طرز پر اظہار خیال کر دیتے تھے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معانی کا سلسلہ بندھ گیا ہو اور الفاظ ان کی نمائندگی کے لیے اہل رہے ہوں، گفتگو کا بہترین انداز ان کے یہاں عیاں اور نمایاں رہتا تھا، بیان کی خوش اسلوبی میں ان کے یہاں کسی قسم کی تنگی یا کمی کا احساس نہیں ہوتا تھا، بلکہ انہیں اس پر دوسری قوموں کے مقابلہ میں زیادہ قدرت حاصل تھی، انہیں زبان پر غلبہ حاصل تھا، ان میں ہر فرد مافی الضمیر کی ادائے گی میں خوش بیان تھا، بیان و تعبیر میں بلند مقام رکھتا تھا، ان کے مقررین اپنی تقریروں میں اور بھی ممتاز نظر آتے تھے، خطابت و تقریر ان کے لیے نہایت آسان عمل تھا، اس میں خود کو مطمئن محسوس کرتے تھے، انہیں نہ ہی کوئی دشواری ہوتی تھی اور نہ ہی کسی تیاری کی ضرورت پڑتی تھی، نہ ہی کوئی رکاوٹ پیش آتی تھی اور نہ ہی کسی طرح کی کم مائیگی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

### 3.5 خطابت کے مقاصد

جاہلی دور میں ہر شعبہ خطابت کو فروغ دینے میں متحرک و فعال تھا، زندگی کے مختلف مقاصد میں اس کا استعمال کیا جاتا تھا، آپسی اختلافات کا موقعہ ہو یا حسب و نسب پر تفاخر کا، خوبیوں کے تذکرہ کی مجلس ہو یا شان و شوکت کے اظہار کی، خطابت بہر حال قابل قدر بلکہ گرانقدر وسیلہ اظہار تصور کی جاتی تھی، تاریخ کی کتابوں میں نامور خطیبوں کے نام ملتے ہیں، مثال کے طور پر علقمہ بن علاشہ اور عامر بن طفیل کے اختلافات کا مقدمہ ہرم بن قُطبہ الفُرّی کے پاس گیا، اسی طرح القعقاع بن معبد التمیمی اور خالد بن مالک التھملی کے اختلاف کا مقدمہ ربیعہ بن خُذار الاسدی کے پاس گیا، فریقین کے بیچ تقریروں کے ذریعہ صلح و مفاہمت کی کوشش کی جاتی تھی، جاہلی دور میں مقررین جس طرح جنگ کے مواقع پر جوش و لا کر جذبات کو بھڑکانے کی کوشش کرتے تھے اور افراد قبیلہ کو جنگ کی آگ میں گھس جانے پر آمادہ کرتے تھے اسی طرح لوگوں کے بیچ مصالحت کا عمل بھی کرتے تھے، تاکہ دشمنی دور کی جائے، جنگ کا ماحول ختم کر کے آپس میں امن و سلامتی قائم کی جائے۔

ان کے علاوہ قوم کے سرداروں اور قبیلوں کے ذمہ داروں کے پاس وفود بھیجا کرتے تھے، ان وفود میں مقررین بھی ہوا کرتے تھے، عام طور پر وفد کا قائد شعلہ بیان مقرر ہوا کرتا تھا، وہ آگے بڑھ کر قبیلہ کے سردار کے سامنے کھڑا ہوتا اور اپنی قوم کی نمائندگی کرتے ہوئے تقریر کرتا تھا، قبیلہ غسان اور قبیلہ منذر کے بادشاہوں کے سامنے تقریروں کی روایت تاریخ میں ملتی ہے، خطیب وفد ان کے سامنے کھڑا ہوتا، انہیں سلام پیش کرتا، سلام پیش کرنے کا انداز بہت ہی جاذب اور طبیعت کو موہ لینے والا ہوتا تھا، پھر اپنی قوم کی نیابت کرتا ہوا اپنی غرض و غایت پیش کرتا تھا۔



خود اللہ کے رسول ﷺ کے پاس بھی عربوں نے اپنے مقررین بھیجے تھے، وہ مقررین اپنے زور خطابت کے ذریعہ اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے اپنا مدعا رکھتے تھے، پھر نبی ﷺ کی طرف سے بھی کوئی خطیب ہوتا تھا جو ان کے اشکالات و سوالات کے جوابات دیتا تھا، اس سلسلہ میں قبیلہ تمیم کے وفد کا تذکرہ آتا ہے، نبی ﷺ کے سامنے عطار بن حجاب بن زرارہ کا خطبہ مشہور ہے، بہر حال خطبوں اور تقریروں کا ماحول جاہلی دور میں رائج تھا، بادشاہوں، امراء، قوم کے قائدین اور سرداروں کے سامنے مقررین اپنی تقریروں کے ذریعہ غرض و غایت پیش کیا کرتے تھے، ان کے علاوہ بڑے بازاروں میں اور میلوں میں بھی خطبا کھڑے ہو جاتے تھے، اپنی تقریروں کے ذریعہ لوگوں کو نصیحت آمیز باتیں بتاتے تھے، قس بن ساعدہ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ بازار عکاظ میں کھڑے ہو کر لوگوں کو خطاب کرتے تھے، بازار عکاظ دراصل عرب کے مشہور میلوں میں سے ایک ہے، اسی طرح مقررین کبھی اپنی قوم کے لوگوں کو اور کبھی اپنے قریبی رشتہ داروں کو بھی مخاطب کر کے وعظ و نصیحت کرتے تھے، جیسا کہ عامر بن الظرب اور اُشم بن صیفی کے متعلق روایتوں میں ذکر ہے۔

### 3.6 شادیوں کے موقع پر خطابت

شادیوں کے موقع پر بھی تقریروں کا رواج تھا، خاص طور پر شرفا اور با عظمت خاندان کے لوگوں کے یہاں نکاح کے موقع پر یہ تقریریں کی جاتی تھیں، شادی کی پیش کش کرنے والے خاندان کی طرف سے اس گھرانہ کا کوئی صدر یا سرپرست آگے بڑھتا اور ہونے والی دلہن کے سامنے یا اس کے گھرانہ کی شخصیات کے سامنے نوشہ کی خوبیاں اور خصائص بیان کرتا تھا، ساتھی ہی ساتھ نوشہ کے گھرانہ کی تعریف کرتا تھا۔

جاہلی دور میں عورتوں کے سامنے شادی کی پیش کش کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ ان الفاظ کے ذریعہ انہیں مخاطب کیا جاتا تھا: باسمک اللہم ذکرت فلانۃ، وفلان بہا مشغوف، باسمک اللہم، لک ماسألت ولنا ما أعطیت، (ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع کرتے ہوئے بیان کرتا ہوں کہ فلاں خاتون کا تذکرہ آیا، فلاں صاحب اس خاتون سے شادی کے خواہاں ہیں، اللہ کے نام سے بیان کرتا ہوں کہ جو کچھ تم نے مطالبہ کیا وہ تمہارے لیے ہے اور جو کچھ تم نے نوازا وہ ہمارے لیے ہے)۔

شادیوں کے موقع پر خطبہ کی نوعیت یہ ہوتی تھی کہ نوشہ کی طرف سے پیش کش کرنے والا بیان کو دراز کرتا تھا اور دلہن کی طرف سے جواب دینے والے اختصار سے کام لیتے تھے، خطبوں کی نوعیت کے متعلق روشنی ڈالتے ہوئے جاحظ کا کہنا ہے کہ آبادی میں رہنے والوں اور وادیوں اور صحراؤں میں رہنے والوں کے خطبے دو طرح کے ہوتے تھے، ایک تو لمبا ہوتا تھا جب کہ دوسرا مختصر، ان دونوں خطبوں کے لیے الگ الگ مواقع ہوتے تھے اور جدا جدا مقامات بھی ہوا کرتے تھے، لمبے خطبے اپنی اہمیت اور اپنی شان رکھتے تھے، ان میں بہترین جملے اور عمدہ تعبیرات ہوتی تھیں، جہاں تک مختصر خطبوں کا تعلق ہے تو ان کی تعداد زیادہ تھی، روایت کرنے والوں نے انہیں محفوظ رکھا ہے، کیونکہ ان کا یاد رکھنا آسان تھا، خطبوں کی شان اور معیار کی وجہ سے عرب خطبوں کی کافی قدر کرتے تھے، کوئی بھی قبیلہ یا خاندان ایسا نہیں تھا جہاں کوئی خطیب نہ پایا جاتا ہو، جاحظ نے اپنی کتاب ”البيان والتبيين“ میں اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے، اور جابجا ایسے جملے، فقرے اور ادبی شہ پارے نقل کیے ہیں جو اس زمانہ میں خطیبوں کے یہاں استعمال میں آتے تھے، خطبا کے ناموں کا جائزہ لینے کے لیے جب ہم تاریخ کی کتابوں کی طرف توجہ کرتے ہیں تو البیان والتبيين سب سے ممتاز نظر آتی ہے، اس میں خطبا کے ناموں کی کثرت ملتی ہے، مثلاً یثرب کے علاقہ میں قیس بن شماس اور اس کے بیٹے ثابت کے نام ملتے ہیں،

### 3.7 مکہ کے خطبا

مکہ میں بھی خطبا موجود تھے، مکہ کے پرانے دور کے خطبا کے نام ملتے ہیں مثلاً ہاشم، امیہ، نفیل بن عبد العزیٰ جو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دادا تھے، ان ہی کے پاس عبدالمطلب بن ہاشم اور حرب بن امیہ اپنے اختلافات کا مقدمہ لے کر گئے تھے، اس وقت وہاں خطبا کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی، ان کی کثرت کی وجہ بھی سمجھ میں آتی ہے، مکہ میں دار الندوة پایا جاتا تھا، یہ گویا سربراہان قوم کا ایک مرکز تھا، جسے آج کی زبان میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کی پارلیمنٹ تھی، قوم کے سربراہان اور قبائل کے ذمہ داران وہاں جمع ہوتے تھے، باہم تبادلہ خیال کرتے تھے، بات چیت ہوتی تھی، ضرورت کے وقت تقریریں بھی ہوا کرتی تھیں، مکہ چونکہ عرب کا ثقافتی اور تجارتی مرکز تھا، اس لیے وفد آیا کرتے تھے، اس موقع پر نامور خطبا اپنا زور خطابت دکھاتے تھے، ان خطبا میں کچھ معروف و مشہور نام ملتے ہیں، مثلاً عتبہ بن ربیعہ، سہیل بن عمرو، اسی سہیل بن عمرو کے متعلق حضرت عمرؓ نے اللہ کے رسول ﷺ سے کہا تھا کہ اے اللہ کے رسول! اس کے سامنے کے دودانت نکال دیجیے تاکہ بات کرتے وقت اس کی زبان منہ سے باہر نکل جائے اور وہ صاف بات نہ کر پائے، پھر اس کے بعد آپ کے خلاف کوئی بھی خطیب کبھی کھڑا نہیں ہوگا، اللہ کے رسول ﷺ نے جواب دیا: ”لَا أَمْثَلُ فِيمَثَلِ اللَّهِ بِي، وَإِنْ كُنْتُ نَبِيًّا، دَغُهُ يَاعَمْرُ، فَعَسَى أَنْ يَقُومَ مَقَامَاتِ حَمْدِهِ“ (ترجمہ: میں کسی کا مثلی نہیں کرتا ہوں، ورنہ اللہ میرے جسم کا مثلی کر دے گا، خواہ میں نبی ہی کیوں نہ ہوں، عمر اسے اپنی حالت پر چھوڑ دو، ہو سکتا ہے وہ کوئی ایسا مقام حاصل کر لے کہ تم اس کی تعریف کرو گے)۔ مثلی کہتے ہیں کہ جسم کے اعضا میں کسی قسم کی تبدیلی کی جائے، خواہ کسی عضو کو کاٹ کر ہو یا اس کی ہڈیت تبدیل کر کے۔

### 3.8 قبائل عرب کے خطبا

عرب کے دیگر قبائل میں جو لوگ خطابت کے فن میں شہرت یافتہ تھے ان میں عامر بن الظرب کا نام آتا ہے، یہ قبیلہ عدوان سے تعلق رکھتا تھا، ربیعہ بن عذار کا نام ملتا ہے جو قبیلہ اسد سے تھا، حنظلہ بن ضرار جس کا تعلق قبیلہ ضبہ سے تھا، عمرو بن کلثوم کا تعلق قبیلہ تغلب سے تھا، ہانی بن قبیصہ جن کا تعلق قبیلہ شیبان سے تھا، یہ معرکہ ذی قار کے موقع پر خطیب تھے، ابن عمار جن کا تعلق قبیلہ طئی سے تھا، یہ پورے قبیلہ مذجج کے خطیب تھے، اس قبیلہ کے خطبا میں لبید بن ربیعہ العامری کا نام بھی آتا ہے، ہیزان بن شیخ جس کے متعلق اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: بسا اوقات قبیلہ عبس میں خطیب ہوتے ہیں، قبیلہ غطفان سے خویلد بن عمرو اور عثراء بن جابر کے نام ملتے ہیں، اسی طرح قیس بن خارجہ بن سنان کا بھی نام آتا ہے جس نے جنگ داحس اور غبراء کے موقع پر صبح سے شام تک تقریر کی۔

قبیلہ تیمم کے شعلہ بیان مقررین میں سے اکثم بن صیفی کا نام آتا ہے، اسی طرح صمرہ بن صمرہ کا نام بھی ملتا ہے، عطار بن حاجب بن زرارۃ اس قبیلہ کے وفد کا خطیب ہوا کرتا تھا، عمرو بن الہتم المنقری بھی اسی قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا، اس کے متعلق مشہور تھا کہ صحراے عرب میں اس سے بہتر خطیب اس کے معاصرین میں کوئی اور نہیں۔

### 3.9 خطابت میں جادوئی اثر

عربوں کے بیان و خطابت میں جادوئی اثر تھا، خود آپ کے ذریعہ بھی اس کی تائید حاصل ہوئی ہے کہ آپؐ نے فرمایا ”إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ

لِسِحْرًا“ دراصل اس کے پیچھے جو واقعہ ہے وہ یہ کہ روایتوں میں مذکور ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے عمرو بن الاَہتم المنقری سے الزبرقان بن بدر کے متعلق پوچھا، تو عمرو نے جواب میں ”مانع لحوزتہ، مطاع فی اذنیہ“ (ترجمہ: اپنی چیز کسی کو دیتا نہیں ہے، کم حیثیت لوگوں کا پیشوا ہے)، یعنی بخیل طبیعت کا ہے اور کم حیثیت لوگوں کا سردار ہے، زبرقان کو یہ بات پہنچ گئی تو اس نے جواب میں کہا: جو کچھ اس نے کہا ہے اس سے زیادہ کی اسے معلومات بھی نہیں، بہر حال وہ میرے وقار سے بغض رکھتا ہے، عمرو نے اس کے جواب میں کہا کہ اگر اس نے ایسا کہا ہے تو اللہ کی قسم حقیقت یہ ہے کہ میں نے اسے تنگ دل ہی پایا ہے، بے مروت ہے، یعنی انسانیت نام کی کوئی چیز اس کے پاس نہیں ہے، کم حیثیت ہے، فقیر خاندان کا ہے، دولت تو اسے بس حال میں ہی نصیب ہوئی ہے، جب انھوں نے دیکھا کہ ان کی بعد کی رائے پہلی رائے سے ٹکرا رہی ہے اور محسوس کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی آنکھوں میں عدم موافقت کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں تو کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! جب میں اس سے خوش تھا تو میری معلومات میں اس کے متعلق جو سب سے اچھی چیز تھی وہ میں نے آپ کو بتائی، میں نے اپنے پہلے بیان میں کوئی جھوٹ بات نہیں کہی اور بعد کے بیان میں بھی میں نے سچائی ہی بتائی ہے، اس پر آپؐ نے فرمایا: ”إن من البیان لسِحْرًا“، یعنی یقیناً کچھ بیان جادوئی اثر رکھتے ہیں۔

### 3.10 قس بن ساعدہ

قس بن ساعدہ جاہلی دور کے مشہور و معروف خطیب تھے، آپ کا تعلق قبیلہ ایاد سے تھا، اسی لیے ان کے نام کے ساتھ الإیادی کا اضافہ کیا جاتا ہے جو قبیلہ کی طرف نسبت کا پتہ دیتا ہے، تاریخی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کا بیان سنا تھا، یہ بازار عکاظ میں سرخ اونٹنی پر سوار ہو کر بیان کر رہے تھے۔ جاحظ کا کہنا ہے کہ قبیلہ ایاد کی کچھ ایسی خصوصیات تھیں کہ عرب میں کسی اور کے پاس نہیں تھیں۔ خود نبی اکرم ﷺ نے قس بن ساعدہ کی تعریف کی ہے۔ نبیؐ کے ذریعہ ہی ان کا کلام قریش تک اور قوم عرب تک پہنچا ہے۔ اللہ کے نبیؐ کے ذریعہ ہی لوگ قس بن ساعدہ کی خوبیوں سے متاثر ہوئے۔ ان کے صحیح موقف سے لوگوں کو واقفیت ہوئی۔ یہ ایسی سند ہے کہ لوگوں نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ گرچہ ابن حجر نے اس روایت کی سند پر کلام کیا ہے۔ تاہم ڈاکٹر شوقی ضیف کا موقف یہ ہے کہ اس روایت کی سند صحیح ہے اور راویوں کی تعداد بھی بکثرت موجود ہے۔ خطبہ میں لفظ ”أما بعد“ کا استعمال سب سے پہلے قس بن ساعدہ نے ہی کیا تھا۔ ان سے قبل کسی اور خطیب کے خطبہ میں یہ لفظ نہیں ملتا ہے۔ عرب کے دانشوروں اور صاحب حکمت لوگوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ ان کی وفات حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے 600ء میں ہوئی۔ المملک والنحل کے مؤلف محمد بن عبدالکریم الشہرستانی نے انہیں اسلام سے قبل عقیدہ تو حیدر کھنے والوں میں شمار کیا ہے۔ نیز یہ کہ روز جزا و سزا پر ان کا ایمان تھا۔ یہ زہد و تقویٰ کی زندگی بسر کرتے تھے۔ عرب کے مشہور بازار عکاظ میں تشریف آوری ہوتی تھی۔ یہ لوگوں کے ساتھ شانہ بہ شانہ چلتے تھے اور انہیں نصیحت آمیز باتیں بتاتے تھے۔

فن خطابت میں مہارت رکھنے کی وجہ سے قس بن ساعدہ کی شخصیت مثالی تھی حکمت و موعظت میں آپ کا بلند مقام تھا۔ خطابت میں عبور حاصل ہونے کی وجہ سے انہیں پورے عرب کا خطیب مانا جاتا تھا۔ قوت بیان اور تعبیر کی بلاغت میں آپ ممتاز تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ سب سے پہلے خطیب تھے جنھوں نے چھڑی کا سہارا لے کر خطبہ دیا۔ اسی طرح یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے کہا: ”البینۃ علی من ادعی والیمین علی من أنکر“ (ترجمہ: جس نے دعویٰ کیا اس پر دلیل پیش کرنے کی ذمہ داری ہے اور جس نے انکار کیا اس پر قسم کھانا لازم ہے) ان کے متعلق یہ بھی آتا

ہے کہ یہ ناشائستہ اعمال و اطوار کو پسند نہیں کرتے تھے۔ غفلت کی زندگی کو بھی جو موت، موت کے بعد کے مرحلہ اور جزا و سزا سے بے توجہ کر دے ناپسند کرتے تھے۔ آپ کے متعلق منقول ہے کہ فرمایا: یرحمہ اللہ قُتسًا، اِنِّیْ لِأَرْجُو یَوْمَ الْقِیَمَةِ اَنْ یُّبْعَثَ اُمَّةٌ وَحِدَةٌ۔ (ترجمہ: اللہ قس پر رحم فرمائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ قیامت کے دن وہ ایک امت کی حیثیت سے اٹھائے جائیں گے)۔ بازار عکاظ میں اللہ کے رسول ﷺ نے ان کا ایک خطبہ سناتھا اور وہ ذیل میں ذکر کیا جا رہا ہے۔

### 3.11 خطبہ قس بن ساعدہ

”اَیُّهَا النَّاسُ! اسْمَعُوا وَعُوا، مَنْ عَاشَ مَاتَ، وَمَنْ مَاتَ فَاتَ، وَكُلُّ مَا هُوَ آتٍ آتٍ، --- مطر و نبات و أرزاق و أقوات و آباء و أمهات و أحياء و أموات جمع و أشتات، لیل داچ و نهار ساچ، و سماء ذات أبراج، و أرض ذات فجاج، و بحر ذات أمواج، و مہاد موضوع، و سقف مرفوع، و نجوم تمور، و بحر لاتغور، و نجوم تزهز، و بحر تزخر، --- اِنَّ فِی السَّمَاءِ لَخَبْرًا، و اِنَّ فِی الْاَرْضِ لَعِبْرًا، مَا بَالُ النَّاسِ بِذَهْبُونٍ وَ لَا یَرْجِعُونَ؟! اَرَضُوا فَاَقَامُوا، اَمْ تُرِکُوا فَنَامُوا؟! تَبَا لِرَبَابِ الْغَفْلَةِ مِنَ الْاُمَمِ الْخَالِیَةِ وَ الْقُرُونِ الْمَاضِیَةِ یَا مَعْشَرَ اِیَادٍ --- یَا مَعْشَرَ اِیَادٍ: اَیْنَ الْاَبَاءُ وَ الْاَجْدَادُ؟ و اَیْنَ الْفَرَاغَةُ الشَّدَادُ؟ اَلَمْ یَکُونُوا اَکْثَرَ مِنْکُمْ مَالًا وَ اطْوَلَ اَجَالًا؟ طَحَنَهُمُ الدَّهْرُ بِکُلِّکَلِّهِ، وَ مَزَقَهُمُ بِنِطَاطٍ لَّهِ --- یُقْسِمُ (قس) بِاللّٰهِ قَسْمًا لَا اِثْمَ فِیْهِ، اِنَّ لِلّٰهِ دِیْنًا هُوَ اَرْضٰی لَکُمْ وَ اَفْضَلَ مِنْ دِیْنِکُمْ الَّذِیْ اَنْتُمْ عَلَیْهِ، اِنْکُمْ لَنَّاْتُونَ مِنَ الْاَمْرِ مُنْکِرًا“۔

ترجمہ: اے لوگو! سنو اور یاد رکھو۔ جو زندہ ہے اسے موت آئے گی اور جسے موت آئے گی وہ اس دنیا سے رخصت ہو جائے گا۔ جو چیز ہونی ہے وہ ہو کر ہی رہے گی۔ (یعنی جو مقدر ہے وہ ہو کر ہی رہے گا)۔ بارش، پیڑ، پودے، رزق، غذا، آبا و اجداد، مائیں، زندہ مردہ سبھی آئے اور رخصت ہو گئے۔ سیاہ رات، پرسکون دن، سیاروں والا آسمان، شاہراہوں والی زمین، ٹھانٹھیں مارتے ہوئے سمندر، ہموار زمین، بلند آسمان، امنڈتے ستارے، سمندر جن کا پانی کم نہیں ہوتا، روشن ستارے اور پر جوش سمندر..... بے شک آسمان میں سبھی خبریں موجود ہیں اور زمین میں یہ سبھی عبرت کے سامان ہیں۔ کیا بات ہے لوگ اس دنیا سے جاتے ہیں اور واپس نہیں آتے؟! کیا وہاں کی جگہ انہیں راس آگئی کہ وہیں رہ گئے یا یہ کہ انہیں نظر انداز کر دیا گیا تو ویسے ہی پڑے سو رہے ہیں؟! پچھلی قوموں کے اور گزشتہ صدیوں کے غفلت میں پڑے لوگوں کے لیے ہلاکت ہو۔ اے قبیلہ ایاد کے لوگو! اے ایاد کے لوگو! آبا و اجداد کہاں گئے؟ وہ تند خوف رعونی خاندان کہا گیا؟ کیا وہ تم سے مال و دولت میں اور عمروں میں زیادہ نہیں تھے؟ زمانہ نے انہیں اپنی طاقت سے تباہ کر دیا اور اپنی درازی مدت کے ذریعہ ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ قسم ہے اللہ کی اور اس میں کوئی غلطی نہیں، کہ اللہ کے نزدیک ایک طرز زندگی ہے۔ وہ تمہارے لیے زیادہ لائق و سودمند ہے۔ وہ تمہارے اس دین سے بہتر ہے جس پر تم ابھی ہو۔ بے شک تم لوگ ناپسندیدہ کام کرتے ہو۔

### 3.12 خطبہ عبدالمطلب بن ہاشم

جاہلی دور کے خطبات میں عبدالمطلب بن ہاشم کا بھی خطبہ مشہور ہے۔ تاریخ کی کتابوں میں ان سے متعلق ایک خطبہ ملتا ہے یہاں اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔ دراصل بادشاہ سیف بن یزن نے حبشہ کی حکومت بازیا کرنے میں جب کامیابی حاصل کر لی تو عرب کے وفود ان سے ملاقات کے

لیے گئے۔ ان میں سرداران اور شعرا بھی تھے۔ ان وفود نے بادشاہ کو مبارکباد دی۔ اس کی تعریف کی۔ ان ہی وفود میں ایک قریش کا وفد بھی تھا۔ جس میں عبدالمطلب بن ہاشم موجود تھے۔ عبدالمطلب نے بادشاہ سے اظہار خیال کی اجازت چاہی۔ پس انہیں اجازت مل گئی۔ اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے انھوں نے کہا:

فَقَالَ: إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَيُّهَا الْمَلِكُ أَحَلَّكَ مَحَلًّا رَفِيعًا، صَعْبًا مَنِيْعًا، بِإِذَا شَامِخًا، وَأَنْبَتَكَ مَنَبِتًا طَابَتْ أَرْوَمُهُ، وَعَزَّتْ جُرْثُومُهُ، وَثَبَّتْ أَصْلُهُ، وَبَسَقَ فَرْغُهُ، فِي أَكْرَمِ مَعْدِنٍ، وَأَطْيَبِ مَوْطِنٍ، فَأَنْتَ أَبَيْتَ اللَّعْنَ رَأْسَ الْعَرَبِ، وَرَبِيعُهَا الَّذِي بِهِ تَخْصَبُ، وَمَلِكُهَا الَّذِي بِهِ تَنْقَادُ، وَعَمُودُهَا الَّذِي عَلَيْهِ الْعِمَادُ، وَمَعْقِلُهَا الَّذِي إِلَيْهِ يُلْجَأُ الْعِبَادُ، سَلَفَكَ خَيْرُ سَلَفٍ، وَأَنْتَ لَنَا بَعْدَهُمْ خَيْرُ خَلْفٍ، وَلَنْ يَهْلِكَ مَنْ أَنْتَ خَلْفُهُ، وَلَنْ يَحْمِلَ مَنْ أَنْتَ سَلْفُهُ۔

نحنُ أَيُّهَا الْمَلِكُ أَهْلُ حَرَمِ اللَّهِ وَذِمَّتِهِ، وَسَدَنَةُ بَيْتِهِ، أَشْخَصْنَا إِلَيْكَ الَّذِي أَبْهَجَكَ بِكَشْفِ الْكَزْبِ الَّذِي فَدَحَنَّا، فَنَحْنُ وَفَدُ التَّهْنِئَةِ لَا وَفَدُ الْمَرِزَةِ۔

ترجمہ: اے بادشاہ! اللہ نے آپ کو بہت اونچے مقام پر فائز کیا ہے۔ جو ہر ایک کو حاصل نہیں ہوتا۔ یہ اتنا اونچا مرتبہ ہے کہ ہر طرح سے محفوظ ہے، اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، بہت ہی عالی شان اور بلند و بالا رتبہ ہے، اس ذات پاک نے آپ کو ایسے خاندان میں پیدا کیا ہے اور پروان چڑھایا ہے جس کی نسل باوقار ہے، وہ خاندان عزت و عظمت سے سرفراز ہے، اس خاندان کی جڑیں ثابت و پائیدار ہیں، اس کی شاخیں اعلیٰ و ارفع ہیں، ان کا تعلق فضل و کمال والے سرچشمہ سے ہے اور خوشگوار سرزمین سے ہے، آپ سلامت رہیں! آپ تو عرب کے سردار ہیں، اس کی ایسی بہار ہیں جس کے سبب عرب سرسبز و شاداب ہیں، آپ ان کے بادشاہ ہیں جن کی وہ اطاعت کرتے ہیں، ان کے سردار ہیں جن پر ان کا اعتماد اور بھروسہ ہے، ان کا ٹھکانہ ہیں جس کی طرف وہ لوگ پناہ لیتے ہیں، آپ کے آبا و اجداد بہترین پیش رو ہیں اور آپ ان کے بعد کی بہترین نسل ہیں۔ آپ کی پشت پناہی جس کو حاصل ہے وہ کبھی تباہ نہیں ہوگا اور آپ جس کے پیش رو ہیں وہ کبھی گمنا نہیں ہوگا۔

ہم لوگ اے بادشاہ! اللہ کی مقدس زمین کے لوگ ہیں۔ اس کی نگرانی و حفاظت میں رہنے والے ہیں۔ اس کے گھر کے پاسبان ہیں۔ ہمیں آپ کے پاس اسی ذات نے بھیجا ہے جس نے اس مصیبت کو دور کر کے جو ہم پر گراں گزر رہی تھی آپ کو خوشی عطا کی ہے۔ ہم وفد برائے مبارکباد ہیں نہ کہ وفد برائے مصیبت۔

### 3.13 خطابت دور جاہلی کی ضرورت

جاہلی دور میں خطیبوں کی کثرت تھی۔ جسے نظر انداز کرنا مشکل ہے۔ یہ تقریریں مہارت اور تجربات پر مبنی ہوتی تھیں۔ زبان میں فصاحت اور روانی ہوتی تھی، فکر میں گہرائی، اسلوب و انداز میں کشش و جاذبیت ہوتی تھی۔ ان خطبا کو اس معیار پر لانے کا سبب اور ان کے اندر خصائص پیدا کرنے کے پیچھے ان کی سماجی زندگی کے احوال ہیں۔ انہیں مختلف موقعوں پر لوگوں کو خطاب کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ اس طرح کے تقاضے انہیں اکثر و بیشتر پیش آتے تھے۔ جو بھی کوئی سردار کی حیثیت سے ابھرتا یا اس کی شہرت لوگوں میں پھیلتی تو اس کے پس پردہ خطابت کا بہت اہم کردار ہوتا تھا۔ قوت بیان اور لوگوں کے دلوں میں اثر پیدا کر دینے والے اسلوب کی وجہ سے اس سردار کا ستارہ عروج حاصل کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی

کہ اس زمانہ میں یہ خیال غالب رہتا تھا کہ قوم کی قیادت کے لیے یا قبیلہ کی سرداری کے لیے قائد کا فن خطابت پر قدرت رکھنا ضروری ہے۔ تاکہ لوگوں کے دل اس قائد سے وابستہ رہیں۔ لوگ اس کی سحر بانی اور پراثر انداز سے سرشار رہتے تھے۔ اس کی عظمت کا اعتراف کرتے تھے۔ اس پر فخر کرتے تھے۔ جاہلی دور کے فن خطابت پر تبصرہ کرتے ہوئے ادبائے یہاں تک کہا ہے کہ اس زمانہ میں عرب کے نزدیک خطبا کا مقام شعرا کے مقابلہ میں زیادہ بلند اور قابل تعظیم تھا۔ گرچہ اس رائے میں اختلاف ہے۔ لیکن اتنا یقینی ہے کہ قوم کی قیادت اور سرداری کے لیے فن خطابت میں عبور لازم تھا۔

### 3.14 شعرا پر خطبا کی فوقیت کا سبب

یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ شاعر کی فن شاعری پر قدرت اور بلاغت کی وجہ سے دوسری قوموں اور قبیلوں پر اس کا رعب و اثر رہتا تھا۔ لوگ شعرا کی بہت قدر کرتے تھے۔ لیکن جب شعر و شاعری کا ماحول عام ہو گیا۔ شعراء کی کثرت ہو گئی۔ شعر کو بادشاہوں اور سرداروں کی خوشنودی کے لیے تیار کیا جانے لگا۔ ان بادشاہوں کی طرف سے داد و دہش کی امیدیں بیدار ہونے لگیں اور یہی شاعری کا مقصد بن کر رہ گئی۔ نیز حصول منفعت کے لیے شعر کو زیادہ سے زیادہ پرکشش بنانے کی کوشش شروع ہو گئی۔ اشعار کے ذریعہ دوسروں کی بے آبروئی اور ہتک عزت کا ماحول قائم کیا جانے لگا تو شعرا اپنا مقام کھو چکے اور خطیبوں کو فوقیت حاصل ہو گئی۔ اس پس منظر میں جاہل نے اپنے موقف کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ شاعر کو خطیب کے مقابلہ میں بلند درجہ حاصل تھا۔ عرب کو شاعری کی ضرورت زیادہ محسوس ہوتی تھی تاکہ قبائل کی خوبیوں اور محاسن کے تذکرہ کا ذریعہ بن سکے۔ ماضی کے واقعات، جنگ کے حالات اور بہادری و دلیری کی داستانیں اشعار کے ذریعہ بار بار سنائی جاسکیں۔ لیکن جب شعرا اور شعرا کی کثرت ہو گئی تو شاعر کے مقابلہ میں خطیب کا درجہ بلند ہو گیا۔ ڈاکٹر شوقی ضیف نے خطیب کی فوقیت کے پیچھے جو سبب بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ زہیر کے علاوہ عرب کے دیگر شعراء میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ جنگ کے لیے جذبات کو براہیختہ کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے انتقام کی آگ بھڑک اٹھتی تھی۔ جب کہ خطیب اکثر امن اور سلامتی کا پیغام دیتے تھے۔ متحارب قبائل کو باہم قریب کر کے جنگ بندی پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اکثر و بیشتر ان کی پہچان قوم کے ناصح، خیر خواہ اور امین کی حیثیت سے ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ صحیح راستہ بتاتے تھے۔ حفاظت و عافیت کی راہ دکھاتے تھے۔ اس کے برعکس شعرا کے یہاں عیب جوئی، ہجو اور تذلیل کا پہلو غالب رہتا تھا۔ لوگوں پر طرح طرح کے القاب باندھتے تھے۔ حسب و نسب کا مذاق اڑاتے تھے۔ ان کے تاریخی واقعات پر طعن و تشنیع کرتے تھے۔ نیز کمزوریوں اور برائیوں کا اشتہار کرتے تھے۔

### 3.15 خطبا کا انداز و اسلوب

جاہلی دور میں خطبا مخصوص انداز و اسلوب کے حامل ہوا کرتے تھے۔ جب وہ تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو بڑے بڑے بازاروں میں یا مجمع میں اپنی سواری کے اوپر نمودار ہوتے تھے۔ اپنے سر پر عمامہ لپٹ کر رکھتے تھے۔ خطابت کے دوران ہاتھ میں سہارے کے لیے کوئی چھڑی رکھتے تھے یا کوئی اور ایسی چیز جو سہارا دینے کے قابل ہو سکے۔ مثلاً بانسیا نیزہ یا کوئی کمان وغیرہ۔ خطبہ کے لیے اگر خطیب کسی سواری پر کھڑا نہ ہوا تو کسی دوسری اونچی جگہ کا انتخاب کرتا جس پر کھڑا ہو کر قوم کو خطاب کرتا تھا۔ ہاتھ میں چھڑی کا لینا یا کسی اور چیز کا سہارا لے کر خطابت کے لیے منظر عام پر آنا اس بات کی دلیل ہوا کرتا تھا کہ خطیب کسی لمبی تقریر کے ارادہ سے آیا ہے۔ خطیب کی ظاہری ہیئت اس کے ارادہ کا پتہ دیتی تھی۔ یہ

صفت صرف عرب کے خطبا کے ساتھ ہی مخصوص تھی۔ عرب کے علاوہ دوسری قوموں میں خطیب کی یہ صفات نظر نہیں آتی ہیں۔ عرب اپنے اس اسلوب اور انداز سے مشہور و معروف بھی تھے۔ یہ ہیئت رفتہ رفتہ ان کی شناخت بن چکی تھی۔ چنانچہ جب کبھی وہ اپنی ضرورت سے بھی کہیں جاتے تو ان کے ہاتھ میں کوئی چھڑی یا سہارے کی کوئی چیز ساتھ ہوا کرتی تھی۔

### 3.16 خطیب کے اوصاف

خطیب کی شخصیت کے لیے عرب کچھ صفات کو ترجیح دیتے تھے۔ منجملہ یہ کہ جب خطابت کے لیے کھڑا ہوتا مضبوطی کے ساتھ کھڑا رہے۔ ڈھیلے یا ٹیڑھے انداز میں کھڑا نہ ہو۔ برجستہ خطاب کرنے والا ہو۔ دوران خطابت توجہ ادھر ادھر نہ بہکے۔ آواز بلند اور پر وقار ہو۔ اگر خطیب اپنی تقریر کے دوران گلا صاف کرنے کے لیے کھنکھارتا ہے تو یہ معیوب عمل شمار کیا جاتا ہے۔ خطیب اس بات کا خیال رکھے کہ دوران خطابت بدن میں لرزش یا کپکپی طاری نہ ہو۔ بات کرنے میں انقباض یا رکاوٹ کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اپنے خیال کے اظہار میں سوچ سوچ کر الفاظ ادا کرنے کی صورت پیدا نہ ہو۔ زبان میں لکنت یا الفاظ کا واضح شکل میں ادا نہ ہونا پسندیدہ قرار دیا جاتا تھا۔ خطابت کے دوران خطیب کے لیے عیب مانا جاتا تھا کہ وہ ٹھنڈی پر ہاتھ لگائے۔ مونچھوں پر ہاتھ پھیرے یا داڑھی سنوارے۔ ان حرکتوں کو ناشائستہ عمل تصور کیا جاتا تھا۔ عرب تقریروں میں رعب دار اور پراثر آواز پسند کرتے تھے۔ اسی وجہ سے خطبا اپنی تقریروں میں منہ پھیلا کر زوردار آواز کے ساتھ بیان کرتے تھے۔ اپنی تقریروں میں یا بات چیت کرتے وقت نچلے ہونٹ کو ڈھیلا کر کے نیچے لٹکانا اور اپنا بیان جاری رکھنا قابل تعریف خیال کیا جاتا تھا۔ یہ اس بات کی دلیل ہوتی تھی کہ اس کو فن خطابت کا ملکہ حاصل ہے۔ بہر حال یہ سبھی ترجیحات دور جاہلیت کی خطابت سے وابستہ تھیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے منہ پھیلا کر بات کرنا پسند نہیں فرمایا ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: ”میرے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ شخص وہ ہے جو چرب زبان ہو اور منہ پھیلا کر بات کرتا ہو“۔ یعنی خوب زبان چلاتا ہو۔ کسی بھی بات کو پھیلا کر پیش کرتا ہو اور بات کرتے وقت منہ پھیلا کر کمال کی صفت خیال کرتا ہو۔

### 3.17 خطابت کی زبان نثر مرسل تھی یا مسجع

یہ سوال ابھرتا ہے کہ جاہلی دور کے خطبات کی زبان نثر مرسل ہوتی تھی یا مسجع؟ اس سلسلہ میں اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مواقع ایسے ہوتے تھے کہ نثر مرسل کی زبان ہوتی تھی جب کہ دیگر مواقع میں مسجع اسلوب کو ترجیح دی جاتی تھی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ عبدالمطلب بن ہاشم اور حرب بن امیہ کے اختلاف کے موقع پر نفیل بن عبد العزیٰ کے سامنے معاملہ پیش کیا گیا تو اس موقع کی خطابت مسجع اسلوب میں تھی۔ جیسا کہ تاریخ طبری میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ جریر بن عبد اللہ الحلی اور خالد بن ارقطہ الکلبی کے مابین اختلافات کے موقع پر اقرع بن حابس کی تقریر کے متعلق جو ثبوت ملتا ہے اس کی عبارت مسجع ہے۔ ابو عبیدہ نے جریر و فرزدق کے بیچ نقائص کی شرح میں اقرع بن حابس کی خطابت کا ذکر کیا ہے۔ ان کے علاوہ علقمہ بن علاشہ اور عامر بن طفیل کے اختلافات کا تذکرہ الاغانی میں آیا ہے۔ اس مناسبت سے بھی خطابت کا جو نمونہ ملتا ہے وہ مسجع زبان میں ہے۔ خطابت کے ان نمونوں کے پیش نظر جاہلی نے یہ طے کر لیا کہ ان مواقع پر خطابت کا اسلوب عمومی طور پر مسجع ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ جاہلی نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ضمرۃ بن ضمرۃ، ہرم بن قطبہ، اقرع بن حابس اور نفیل بن عبد العزیٰ حکم کے فرائض انجام دیتے تھے۔ ان کا خطاب اس موقع پر مسجع زبان میں ہوا کرتا تھا۔ ربیعہ بن خذار کا بھی یہی طرز تھا۔ جاہلی ایک اور موقع پر خطابت کے اسلوب پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتا ہے کہ

باہمی اختلافات یا تفاخر کے موقع پر یہ لوگ خطابت کے لیے مسجع زبان استعمال کرتے تھے۔ جب کہ حکم کے فریضہ کے علاوہ دوسرے ترغیبی مواقع پر یا صلح کی غرض سے دیے جانے والے خطبوں میں مرسل اسلوب اختیار کرتے تھے۔ اسی طرح آپسی معاہدہ کے موقع پر یا کوئی معاملہ طے کی جاتی تو مرسل اسلوب کو ترجیح دیتے تھے۔ مرسل اسلوب اختیار کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ خطابت بالکل سادہ یا بیزارکن ہوتی تھی۔ یا خشک وغیرہ دلچسپ ہوا کرتی تھی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس مرسل خطابت میں بھی ایسے جملے ہوا کرتے تھے جو سامعین کے جذبات کو براہیختہ کرتے تھے۔ بلاغت کی تعبیریں مخاطب پر اپنا اثر ڈالتی تھیں کہ خطابت کرنے والے لوگوں کے دلوں کو اپنے مقصود کی طرف مائل کرنے میں کامیاب ہو جاتے تھے۔ عربی ادب کی تاریخ میں خطابت کے جوشہہ پارے ملتے ہیں یا چھوٹے چھوٹے جملے اور مختصر گفتگو کے ادبی جواہر نظر آتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب اس زمانہ میں اپنی تعبیرات اور بیانات کو زیادہ سے زیادہ عمدہ اور پرکشش بنانے کی خواہش رکھتے تھے۔ چنانچہ عبارت کبھی مسجع ہوتی تھی کبھی استعارہ کا سہارا لیتے تھے اور کبھی تخیل کی بلندیوں میں پرواز کرتے تھے۔

یوں تو خطابت میں عام طور پر مؤثر اور پرشکوہ الفاظ کا استعمال ہوتا تھا۔ جن میں وزن اور قوت محسوس کی جاتی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ معانی کے اعتبار سے الفاظ مضبوط اور پر زور ہوا کرتے تھے۔ خطبا اپنی بات کا وزن ثابت کرنے کے لیے دلائل پیش کرتے تھے۔ اپنے جذبات اور احساسات کی نمائندگی کے لیے بہترین اور جاذب الفاظ کا انتخاب کرتے تھے۔ جیسا کہ لبید نے ہرم بن قطبہ کی تعریف میں کیا۔ جب کہ اس نے عامر بن طفیل اور علقمہ بن علاشہ کے مسئلہ میں حکم کے فریضہ کی ادائیگی کے وقت تقریر کی تھی۔ اس موقع پر ہرم بن قطبہ نے جو انداز گفتگو اختیار کیا اس کے متعلق لبید کہتا ہے کہ بے شک آپ کو فریضہ حکم کی خصوصیات سے اس طرح نوازا گیا ہے کہ آپ بالکل واضح اور فیصلہ کن بات کرتے ہیں۔ آپ کو صحیح اور غلط کے درمیان فرق کرنے پر زبردست قدرت حاصل ہے۔ صحیح اور غلط کے درمیان تمیز کرنے کا انداز آپ کا ایسا صاف اور شفاف ہوتا ہے جس طرح ایک ماہر قصاب ہڈیوں کو ان کے جوڑے جدا کر دیتا ہے۔ عرب دو ٹوک بیان کو یا خطابت کو اس تیر سے بھی تشبیہ دیتے تھے جو ٹھیک نشانہ پر لگے۔ اس کو ”السہام المصمّیۃ“ کہتے تھے۔ اس زمانہ میں خطبا کو ”مَصَاقِع“ اور ”لُسُن“ کے القاب سے بھی یاد کیا جاتا تھا۔ ”خطیب مَصْقَع“ اس مقرر کو کہتے تھے جو صاحب بلاغت ہو۔ پر اثر بات کرتا ہوں۔ اسی طرح انہیں ”لُسُن“ بھی کہا جاتا تھا۔ یعنی وہ قوم کی زبان تھے۔

عرب میں مشہور تھا کہ زبان کی تکلیف نیزہ کی تکلیف سے کم نہیں ہوتی ہے۔ چنانچہ زبان کے وار سے بچنے کی وہ ہدایت بھی کرتے تھے۔ کیونکہ زبان کو تلوار کے مشابہ قرار دے کر اس کے حملہ کو المناک خیال کرتے تھے۔ خطبا کے اچھے بیانات کو خوبصورت پوشاک سے تشبیہ دی جاتی تھی۔ جس میں جواہرات جڑے ہوں۔ ریشم اور دیباچ سے انہیں آراستہ کیا گیا ہو۔

### معلومات کی جانچ

1. خطابت سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟
2. عربوں کو کن وجوہات سے خطابت میں مہارت حاصل تھی؟
3. جاہلی دور میں خطبہ نکاح کی کیا شکل تھی؟
4. مکہ میں دار الندوة کی کیا اہمیت تھی؟
5. خطبا کو شعر اِرفوقیت کیوں دی جانے لگی تھی؟



### 3.18 اکتسابی نتائج

خطابت کے موضوع پر تاریخ عرب کا جائزہ لینے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جاہلی دور میں خطابت کا معیار کافی بلند تھا۔ عرب زبان و ادب کے شہسوار ہونے کی وجہ سے اس کو کافی اہمیت دیتے تھے۔ جاہلی دور میں عرب کے قبائل آپس میں متحد نہیں تھے۔ ان کے یہاں بکثرت اختلافات رہا کرتے تھے۔ لڑائیاں ہوا کرتی تھیں۔ جنگ و قتال کی صورتحال اکثر پیش آ جاتی تھی۔ دور جاہلی کی شاعری میں اس کے تذکرے بے شمار ملتے ہیں۔ چنانچہ ان جنگوں کے بعد مفاہمت کی کوشش بھی ہوا کرتی تھی۔ مسائل کو حل کرنے کے لیے نشستیں قائم کی جاتی تھیں۔ ان مواقع پر خطبا کا کردار نمایاں ہوا کرتا تھا۔ ان ہی اسباب سے خطابت کا فن اس دور میں خوب پروان چڑھا۔ کبھی تو جنگ پر ابھارنے کے لیے زور خطابت کا استعمال ہوتا تھا اور کبھی حالات کو پر امن بنانے کے لیے ماہرین خطابت اپنا جلوہ دکھاتے تھے۔ عرب چونکہ سفر کثرت سے کیا کرتے تھے۔ لہذا ان کو زندگی کے پیچ و خم کا خوب اندازہ تھا۔ حالات کے نشیب و فراز سے واقفیت بھی کافی تھی۔ تلخ و شیریں احوال کے حقائق کو گہرائی سے سمجھتے تھے۔ اس لیے ان کے پاس پند و نصائح کا وافر ذخیرہ موجود تھا۔ اپنے وسیع تجربات اور نصائح کی بنیاد پر خطابت میں روح پھونک دیتے تھے۔ سامعین ان کی خطابت کی جامعیت اور قوت بیان سے مسحور ہو جاتے تھے۔ ان کی تقریروں میں فصاحت و بلاغت کی چاشنی ہوتی تھی۔ مخاطب کے قلب و ذہن پر بے پناہ اثر مرتب ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ قوم ان خطیبوں کے موقف کی تائید پر آمادہ ہو جاتی تھی۔ خطابت کے ذریعہ صلح و صفائی اور دلوں میں جوڑ پیدا کرنے کا عمل بھی کیا جاتا تھا۔ شادی بیاہ کے موقع پر بھی خطبہ دیا جاتا تھا۔ غرض یہ کہ خطابت اور خطبا کی عرب معاشرہ میں کافی قدر تھی۔ خطبا اپنی ہیئت اور مخصوص انداز سے معاشرہ میں ایک شناخت رکھتے تھے۔

### 3.19 نمونے کے امتحانی سوالات

1. عربوں کی خطابت گویا الہامی کیفیت ہوا کرتی تھی، تبصرہ کیجیے۔
2. جاہلی دور کی خطابت کے مقاصد پر روشنی ڈالیے۔
3. شادیوں کے موقع پر خطابت کے طرز پر اظہار خیال کیجیے۔
4. کس وجہ سے کہا گیا کہ خطابت میں جادوئی اثر ہوتا ہے؟
5. قس بن ساعدہ کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیجیے۔
6. قس بن ساعدہ کی تقریر پر ایک مضمون لکھیے۔
7. خطبہ عبدالمطلب کی خصوصیت پر اپنے خیالات پیش کیجیے۔

### 3.20 فرہنگ

وَعَى	یَعَى	وَعِیَا	یَا دِرْکھنا، محفوظ رکھنا
فَات	یَفُوت	فَوَاتَا	وفات پانا

آئی	یآئی	ایتینا	آنا
آت			آنے والا
رِزْق	ج	أَرْزَاق	رزق
قُوت	ج	أَقْوَات	کھانا، غذا
شَت	یشْتُ	شَتَاتَا	بکھرنا
الشَّت	ج	أَشْتَات	بکھرے ہوئے
دجا	یدجو	دَجُوا اللَّیْلُ	بہت اندھیرا ہونا
سجا	یسجو	سَجُوا اللَّیْلُ	پرسکون ہونا
نُرج	ج	أَبْرَاج	سیارہ
فَجَج	ج	فَجَاج	راستہ
مَہَد	ج	مِہَاد	زمین، گود
سَقْف	ج	سَقُوف	چھت، آسمان
مار	یمور	مَورَا	امنڈنا
غار	یغور	عَورَا	پانی کا زمین کے اندر اتر جانا
زَہَر	یزہر	زَہَرَاوْزُہُورَا	خوبصورت ہونا، خوشنما ہونا
زَخَر	یزخر	زَخَرَاوْزُخُورَا	موج کا اٹھنا
عِبْرَة	ج	عِبْر	عبرت کا سامان، نصیحت
رَضِی	یرضی	رِضَیْ وَرَضُوا نَاخُوشْ	ہونا
رَبّ	ج	أَرْبَاب	والا
أَرْبَابُ الْغَفْلَةِ			غفلت والے
شَدِید	ج	شِدَاد	سخت، تند خو، سخت مزاج
طَحَن	یطحن	طَحْنَا	پیس دینا
کُلْکُل			سینہ، زور، طاقت
مَرَق	یمَرَق	تَمْرِیقَا	پھاڑ دینا
تَطَاوَل			درازی، لمبا ہونا
مُنْکَر			نا پسند دیدہ عمل
ظَفَر	یظفر	ظَفَرَا	کامیابی حاصل کرنا، فتح حاصل کرنا
هَنَّا	یہنَّا	تَهْنِئَة	مبارکباد

استأذن	يستأذن	استئذانا	اجازت چاہنا
أحل	يحل	إحلالا	فائز کرنا
محل			جگہ
صعبا			غیر آسان، ہر ایک کے بس میں نہیں
منيعا			محفوظ
باذخ			بلند
شامخ			اونچا
منبت			پیدا ہونے کی جگہ
طاب	يطيب	طيبا	اچھا ہونا
طابت أرومته			شریف خاندان کا ہونا
عز	يعز	إعزازا	باعزت ہونا
ثبت	يثبت	ثباتا وثبوتا	پائیدار ہونا
بسق	يبسق	بسوقا	نامور ہونا
معدن	ج	معدن	سونے چاندی کی کان
أبت اللغن			آپ سلامت رہیں
خصب	يخصب	خصبا	سرسبز و شاداب ہونا
انقاد	ينقاد	انقيادا	اطاعت کرنا
عمود			سردار
حمل	يحمل	خمو لا	گمنام ہونا
التهنئة			مبارکباد
المَرزئة			مصیبت

### 3.21 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

1. عربی ادب کی تاریخ از ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی
2. عربی ادب کی تاریخ محمد کاظم
3. تاریخ ادب عربی احمد حسن زیات، (ترجمہ: طفیل احمد مدنی)
4. ادب عربی کی مختصر تاریخ ڈاکٹر ابو حاتم خاں
5. تاریخ الأدب العربی (العصر الجاہلی) ڈاکٹر شوقی ضیف

## اکائی 4 ضرب الامثال، حکیمانہ اقوال اور وصیتیں

اکائی کے اجزا

- 4.1 مقصد
- 4.2 تمہید
- 4.3 ضرب الامثال کی تدوین
- 4.4 جاہلی دور کی امثال
- 4.5 جاہلی دور کی امثال کے نمونے
- 4.6 احکام (حکمت کی باتیں)
- 4.7 صاحب حکمت خواتین
- 4.8 حکم (حکمت کی باتیں) کے چند نمونے
- 4.9 ضرب الامثال اور حکم کے درمیان فرق
- 4.10 ضرب الامثال کی ابتدا
- 4.11 مقولہ میں تبدیلی نہیں کی جاتی ہے
- 4.12 امثال فصاحت و بلاغت کا نمونہ
- 4.13 امثال و حکم کی عبارتوں میں موسیقیت
- 4.14 وصایا
- 4.15 وصیت کا نمونہ
- 4.16 اکتسابی نتائج
- 4.17 نمونے کے امتحانی سوالات
- 4.18 فرہنگ
- 4.19 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

#### 4.1 مقصد

- ☆ اس اکائی کے ذریعہ عربی نثر کے نمونوں سے واقفیت ہوگی۔
- ☆ عربی زبان میں مستعمل ضرب الامثال اور اقوال زریں کا تعارف ہوگا۔
- ☆ جاہلی دور کی نثر کی خصوصیات معلوم ہوں گی۔
- ☆ عرب کے معاشرہ میں حکمت و دانائی کا معیار سمجھ میں آئے گا۔
- ☆ عربوں کے یہاں امثال و حکم کی اہمیت سے واقفیت ہوگی۔
- ☆ وصیت کی ضرورت اور فوائد سے آگہی ہوگی۔

#### 4.2 تمہید

جاہلی دور سے لے کر عصر عباسی تک جب نثری نمونوں کی باقاعدہ تدوین شروع ہوئی تب عربی زبان میں کچھ تبدیلیاں آچکی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ عربی زبان و ادب میں نمایاں فرق اس وقت آیا جب جزیرہ نمائے عرب کے لوگوں نے بیرونی تہذیبوں سے روابط شروع کیے۔ اس سلسلہ میں ایرانی تہذیب کا زیادہ اثر بتایا جاتا ہے کیونکہ خلافت عباسیہ کے قیام میں ایرانیوں نے گہری دلچسپی لی تھی اور بھرپور تعاون پیش کیا تھا۔ ان کی وجہ سے جب خلافت وجود میں آگئی تو ایرانی تہذیب کا اثر غالب ہو گیا اور زبان و ادب میں بھی اس کے اثرات منتقل ہوئے۔ اس حقیقت کا اعتراف کرنے کے باوجود ادب بایہ تسلیم کرتے ہیں کہ ضرب الامثال جو زمانہ جاہلیت سے منسوب ہیں وہ اپنی اصلی حالت میں موجود رہیں۔ ان پر کوئی اثر نہیں آیا۔ وہ امثال اپنے حقیقی الفاظ و معانی کے ساتھ رائج ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عربوں نے اپنی زبان میں اور روزمرہ کے استعمال میں ان امثال کو بعینہ باقی رکھا تھا۔ واضح رہے کہ ضرب الامثال میں تبدیلی نہیں کی جاتی ہے، کیونکہ یہ تبدیلی معاشرہ میں مقبول نہیں ہوتی ہے اور خطرہ ہے کہ اس مثل کی جامعیت و معنویت متاثر ہو جائے۔ عرب زبان و بیان کا ذوق رکھتے تھے لہذا اس سلسلہ میں کافی احتیاط برتتے تھے۔ ان کے لیے ضرب الامثال کا یاد رکھنا بھی آسان تھا۔ کیونکہ اکثر امور تحریری شکل کے بجائے زبانی ہی طے پاتے تھے۔ لکھنے کا ماحول بہت کم تھا۔ چنانچہ زبانی استعمال کی وجہ سے یہ امثال ان کی گفتگو میں اور مذاکرات میں رواں تھیں۔ مختصر الفاظ پر مبنی ہونے کی وجہ سے ان کو یاد رکھنا کوئی مشکل عمل نہیں تھا۔ نیز یہ کہ ضرب الامثال آسان فہم ہوتی ہیں۔ ان کے استعمال سے بیان میں جان پڑ جاتی ہے اور مخاطب بھی محفوظ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عرب معاشرہ میں دوران کلام ضرب الامثال کا اہتمام کیا جاتا تھا۔

#### 4.3 ضرب الامثال کی تدوین

ضرب الامثال کی تدوین میں عربوں نے پیش قدمی کی ہے۔ پہلی صدی ہجری کے درمیانی مرحلہ میں انھوں نے اس کی تدوین شروع کر دی تھی۔ صحار العبدی نام کا ایک ماہر انساب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں موجود تھا۔ یہ زمانہ 41ء سے 40ء کی مدت پر مشتمل ہے۔ اس دوران صحار العبدی نے ایک کتاب کی تدوین کی۔ اس کے بعد ایک دوسرے معاصر نے جس کا نام عبید بن شریہ تھا ایک دوسری کتاب کی تدوین کی۔ ڈاکٹر شوقی ضیف نے کتاب الفہرست کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ عبید بن شریہ کی کتاب تقریباً پچاس اوراق پر مشتمل تھی۔ دوسری صدی ہجری میں

ضرب الامثال کی تدوین میں کثرت نظر آتی ہے۔ ان کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مؤلفین نے ان ہی الفاظ و تعبیرات کو جمع کیا ہے جو ضرب المثل کے طور پر رائج تھے۔ مزید یہ خوبی پیدا کر دی کہ ان ضرب الامثال کے پیچھے جو واقعات رونما ہوئے، یعنی جس واقعہ کی بنیاد پر جو مثل وجود میں آئی، اس واقعہ کا بھی ساتھ ساتھ ذکر کر دیا۔ کتابوں کے مطالعہ سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کہانیوں اور داستانوں کا سلسلہ بندھ گیا ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ان امثال کی حقیقت و معنویت اجاگر کرنے کے لیے پس منظر کا تذکرہ ضرورت کے پیش نظر کیا گیا ہے۔ اس سے امثال کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور ان کے استعمال کا صحیح موقعہ سمجھ میں آتا ہے۔ یہ کتابیں گرچہ دوسری صدی ہجری میں لکھی گئیں تاہم عربی زبان و ادب کے ماہرین اس پر اتفاق رکھتے ہیں کہ ان امثال کا تعلق جاہلی دور سے ہے اور ان کے الفاظ بھی بعینہ وہی ہیں جو عصر جاہلی میں رائج تھے۔ بالخصوص عبید بن شریہ کی کتاب مستند ہے جو اس موضوع پر نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ اس کے بعد جو تالیفات وجود میں آئیں ان میں مؤلفین نے جاہلی دور کی امثال اور اسلامی دور کی امثال کے بیچ کوئی تفریق نہیں کی۔ بلکہ سب کو یکجا کر دیا اور حروف تہجی کی ترتیب پر تدوین کر دی۔ چنانچہ بعد کی کتابوں میں جاہلی دور کی امثال کی شناخت مشکل ہو گئی۔ کیونکہ جاہلی دور کی امثال اور اسلامی دور کی امثال کے درمیان تمیز کے لیے کوئی واضح مقیاس مذکور نہیں ہے۔ ہاں اس بنیاد پر کچھ سراغ مل جاتا ہے کہ جب اس دور کا واقعہ پس منظر کے طور پر بیان کیا جا رہا ہو۔ مثلاً کبھی ایسی صورت پیش آ جاتی ہے کہ صاحب کتاب جاہلی دور کی مثل کا تذکرہ کر رہا ہو اور ساتھ میں اس زمانہ کی داستان یا پس منظر بھی بیان کر رہا ہو تو سمجھ میں آ جاتا ہے کہ یہ جاہلی دور کی مثل ہے۔ اس طرح کی امثال ہمیں ملکہ زبائے سے وابستہ کہانیوں میں ملتی ہیں۔

#### 4.4 جاہلی دور کی امثال

دور جاہلیت سے وابستہ مختلف واقعات و داستانوں کے پس منظر میں ضرب الامثال ملتی ہیں۔ مثلاً ”جزاء سِنَمَار“۔ یہ ایک ضرب المثل ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ جاہلی دور میں النعمان بن امرئ القیس اللخمی نے اپنے لیے ایک محل بنوایا جس کا نام ”الخَوَزْنَق“ رکھا۔ اس محل کا بنانے والا ایک رومی معمار تھا۔ اس کا نام سِنَمَار تھا۔ جب محل تیار ہو گیا تو سِنَمَار نے النعمان سے کہا: میں اس محل میں اس ایک مخصوص اینٹ کو جانتا ہوں کہ وہ اگر اپنی جگہ سے گر گئی یا نکال دی گئی تو سارے محل ڈھ جائے گا۔ النعمان نے اس سے پوچھا: تمہارے علاوہ کوئی اور بھی اس راز سے واقف ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ النعمان نے کہا: اب مجھ پر لازم ہو گیا کہ اس اینٹ کو اس حال میں رہنے دوں کہ اس کا جاننے والا کوئی موجود نہ ہو۔ پھر اس نے اس معمار کے خلاف حکم صادر کر دیا تو اسے محل کے اوپر سے نیچے پھینک دیا گیا۔ چنانچہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ جاہلی دور میں اس کی مثال دی جاتی تھی یہ کہتے ہوئے کہ ”جزاء سِنَمَار“ یعنی سزائے سِنَمَار۔

جاہلی دور میں رائج امثال و حکم کی بڑی تعداد آج موجود ہے۔

#### 4.5 جاہلی دور کی امثال کے نمونے

1. إِنْ كُنْتَ رِيحًا فَقَدْ لَاقَيْتَ أَعْصَارًا

اگر تم ہوا ہو تو تمہارا سابقہ آندھی سے پڑ گیا۔

یہ اس موقع پر کہا جاتا ہے جب کوئی شخص خود پسندی کا مزاج رکھتا ہو۔ اپنی شان خود اپنی زبان سے بیان کرتا ہو اور اس وقت اس کا سابقہ کسی

ایسے شخص سے پڑ جائے جو اس کی قدر نہیں کرے بلکہ اس کی کمزوریوں کو اجاگر کر کے اس کی توہین کرے۔

2. قبل الرمي يُراش السهم

تیر چلانے سے پہلے اس میں پر لگا لیے جاتے ہیں۔

یعنی کسی مہم سے پہلے اس کے لیے مطلوبہ تیاری کر لی جاتی ہے۔ یہ مثل نصیحت کے موقع پر کام آتی ہے کہ کسی کو متنبہ کیا جائے کہ اپنے کام کو صحیح

طریقہ پر انجام دینے کے لیے ضروری تیاری پہلے سے کر لی جائے۔

3. تسمع عن المعيدي خير من أن تراہ

معیدی کے متعلق سنا اس کو دیکھنے سے بہتر ہے۔

دراصل المعیدی نام کا ایک شخص تاریخ عرب میں اپنی جو دو سخا، حکمت اور فراخ دلی میں کافی مشہور تھا۔ لوگ اس سے محبت کرتے تھے۔ اس کی شہرت کافی پھیل گئی۔ بادشاہ وقت تک اس کی خبر پہنچی۔ بادشاہ کی خواہش ہوئی کہ اس سے ملاقات کرے تاکہ اس کی حکمت اور سخاوت کا صحیح اندازہ لگا سکے۔ اس نے المعیدی کو اپنے حاشیہ نشین کے ذریعہ بلوایا۔ اپنے دیوان میں آنے کی دعوت دی۔ جوں ہی المعیدی دربار میں داخل ہوا بادشاہ حیرت میں پڑ گیا۔ کیونکہ شکل کے اعتبار سے المعیدی بالکل بد صورت تھا اور لباس بھی اس کا ایک عام آدمی جیسا تھا۔ حالانکہ وہ مال دار اور دولت مند تھا۔ بادشاہ اس کو دیکھ کر ہنس پڑا اور اس وقت اس نے کہا ”تسمع عن المعيدي خير من أن تراہ“، یعنی لوگوں کے بیچ اس کو سیرت اور صفات کے اعتبار سے جاننا بہتر ہے بہ نسبت دیکھنے کے۔

4. إنك لا تجني من الشوك العنب

کانٹے دار درخت سے تم انگور حاصل نہیں کر سکتے ہو۔

کہا جاتا ہے کہ اس مثل کے پس منظر میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک بچہ نے اپنے والد کو باغ میں ایک درخت لگاتے ہوئے دیکھا۔ چند مہینوں میں اس میں میٹھے انگور پیدا ہونے لگے۔ بچہ نے خیال کیا کہ کوئی بھی درخت لگایا جائے تو اس پر انگور پھلنے لگیں گے۔ اسے بھی شوق ہوا۔ ایک دن اسے ایک پودا ملا جو کانٹے دار تھا۔ اس نے اس پودے کو زمین میں لگایا اور پھل کا انتظار کرنے لگا۔ ایک مدت تک انتظار کے باوجود اس میں کوئی انگور پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ کانٹے ہی کانٹے نکلتے آئے۔ اس وقت بچہ کے والد نے اس سے کہا ”إنك لا تجني من الشوك العنب“۔

5. أَنْتَ تَتَّقُوا أَنَا مَتَّقُ فَكَيْفَ نَتَفَقَّ

تم فوراً غصہ ہو جاتے ہو اور میں فوراً رو پڑتا ہوں تو ہم دونوں میں کیسے نباہ ہو سکتا ہے۔

یہ مثل اس موقع پر دی جاتی ہے جب دو افراد کے بیچ جوڑ ممکن نہ ہو کیونکہ دونوں کے مزاج میں اختلاف ہے۔ دونوں کی طبیعت جدا جدا ہے۔

6. مواعيد عرقوب

عرقوب کے وعدے۔

اس مثل کا استعمال ٹال مٹول، وعدہ خلافی، جھوٹ بول کر کسی کو امید دلانے کے پس منظر میں ہوتا ہے۔

اس کے پیچھے واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ عرب میں قوم عمالقمہ میں ایک شخص تھا۔ اس کا نام عرقوب تھا۔ اس کا بھائی ایک مرتبہ اس کے پاس کچھ

ضرورت سے گیا۔ عرقوب نے اس سے کہا کہ اس کھجور کے درخت میں جب پھل آنے لگیں تو وہ پھل تمہیں دوں گا۔ جب پھل نمودار ہوئے تو بھائی حسب وعدہ پھل لینے کے لیے آیا۔ عرقوب نے کہا کہ ابھی ٹھہرو۔ انہیں ذرا ادھ گدرے ہو جانے دو۔ یعنی انہیں آدھا پک جانے دو۔ بھائی چلا گیا۔ جب پھل ادھ گدرے ہو گئے تو مانگنے کے لیے پھر آیا۔ عرقوب نے کہا ابھی کچھ اور ٹھہرو۔ ذرا ان میں نکھار آ جانے دو۔ بھائی چلا گیا۔ جب کھجوروں میں نکھار آ گیا تو وہ پھر آیا۔ عرقوب نے کہا ذرا ان میں رس آ جانے دو تب لینا۔ جب رس آنے لگا تب بھائی نے مطالبہ کیا۔ عرقوب نے کہا ابھی ٹھہر جاؤ انہیں مکمل کھجور کی حالت میں آ جانے دو۔ جب کھجور پوری طرح پک کر تیار ہو گئی تو عرقوب نے ایک رات ساری کی ساری کھجوریں خود توڑ کر رکھ لیں۔ اپنے بھائی کو کچھ بھی نہیں دیا۔ اسی وجہ سے وعدہ خلافی میں کہا جاتا ہے ”موا عید عرقوب“۔

7. سَكَتُ الْفَاوِ نَطَقُ خَلْفًا

ہزار دن چپ رہا اور جب بولا بھی تو غلط۔

اس مثل کا استعمال اس موقع پر ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص طویل مدت تک چپ چاپ رہا ہو اور جب اس نے زبان کھولی تو وہ بھی بے کار بات کے ساتھ۔ خلفاً کے معنی بے کار، بے سود بات ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ اخف بن قیس کا ایک ہم نشین تھا۔ ہمیشہ خاموش رہتا تھا۔ اخف نے اس سے ایک دن کہا کہ تم بھی تو کچھ بولو۔ تو اس نے اس کے جواب میں کہا: اے ابوبدر! کیا آپ مسجد کی اس بالکونی پر چل سکتے ہیں؟ اس پر اخف نے کہا ”سکت ألفا و نطق خلفا“۔ کیونکہ اس نے ایسی بات کہی جس کا کوئی حاصل نہیں تھا۔

8. ضَرْبُ اُخْمَاسٍ لِّاَسْدَاسٍ

کہتا پانچ ہے جب کہ نیت چھ کی ہے۔

یہ مثل اس وقت استعمال کرتے ہیں جب کوئی زبان سے کہتا کچھ ہو اور دل میں کچھ اور غرض پوشیدہ رکھتا ہو۔

اس مثل کے پس منظر میں واقعہ یہ ہے کہ ایک بدو شخص تھا جو صحرا میں رہتا تھا۔ اس کے بچے تھے جو اپنے اہل خانہ سے دور کہیں اونٹ چراتے تھے۔ کافی زمانہ ہو گیا اپنے بچوں سے دور رہتے ہوئے تو انہیں ان سے ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا۔ تاکہ وہاں کچھ دن ساتھ رہیں۔ عربوں کے یہاں معمول تھا کہ سفر سے قبل اپنے اونٹوں کو مشقت برداشت کرنے کی عادت ڈالنے کے لیے پیاسے رکھتے تھے۔ ان میں کوئی چار دن تک پیاسا رکھتا تھا تو اسے وہ ربع کہتے تھے۔ اگر پانچ دن پیاسا رکھے تو اسے خمس کہا جاتا تھا۔ اسی طرح اگر کوئی چھ دن پیاسا رکھے تو اسے سدس کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ ایک دن والد نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ جاؤ اونٹوں کو چار دن اس طرح چراؤ کہ وہ پانی نہ پیئیں۔ بچوں نے وہ اونٹ چار دن والد کے بتائے ہوئے طریقہ پر چرائے لیکن وہ اونٹ کو اس سمت لے کر گئے تھے جو ان کے اہل خانہ کے راستہ کی طرف تھی۔ جب اونٹ چرا کر وہ واپس آ گئے تو والد سے انھوں نے پانچ دن اسی طریقہ پر اونٹ چرانے کی اجازت چاہی۔ والد نے اجازت دے دی۔ ان کی غرض یہ تھی کہ پھر اونٹوں کو اسی راستہ کی طرف لے کر جائیں گے جو ان کے اہل خانہ کی سمت ہے۔ تاکہ وہاں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ کچھ مزید مدت رہنے کا موقع مل جائے۔ پانچ دن مکمل ہونے پر وہ اونٹ لے کر واپس ہوئے۔ پھر لڑکوں نے والد سے اجازت چاہی کہ کیا چھ دن کے لیے اونٹوں کو چرانے لے جائیں؟ والد نے لڑکوں کی غرض بھانپ لی اور سمجھ گیا کہ یہ دراصل چاہتے کیا ہیں۔ چنانچہ اس نے کہا ”مَا أَنْتُمْ إِلَّا ضَرْبُ اُخْمَاسٍ لِّاَسْدَاسٍ، مَا هُمْ تَكْمُ رَعِيْهَا اِنْ مَا هُمْ تَكْمُ



أَهْلُكُمْ“۔ تمہارا پانچ دنوں کا اونٹ چرانا چھ دنوں تک مزید چرانے کی غرض سے تھا۔ تمہارا مقصود اونٹ چرانا نہیں بلکہ بیوی بچوں سے ملنا ہے۔

#### 4.6 حکم (حکمت کی باتیں)

اس کا مطلب ہے حکمت کی باتیں۔ ان باتوں میں نصیحت پنہاں ہوتی ہے۔ موقع کے اعتبار سے بہترین تدبیر کی رہنمائی کی جاتی ہے۔ چونکہ یہ باتیں تجربہ اور دانائی پر مبنی ہوتی ہیں اس لیے انہیں حکم کہتے ہیں۔

جاہلی دور کی نثر میں جس طرح امثال کی کثرت پائی جاتی ہے اسی طرح حکم بھی بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ ان میں سے بعض تو جاہلی زمانہ سے وابستہ ہیں اور بعض تاریخی روایات سے وابستہ ہیں۔ مثلاً لقمان عاد۔ ان کا تعلق یہی قبیلہ سے تھا جو احقاف میں آباد تھا۔ یہ قبیلہ تباہ ہو گیا۔ اسلام سے قبل اس کے آثار بھی مٹ چکے تھے۔ لیکن لقمان کا نام جاہلی دور میں معلومات رکھنے والوں کے بیچ گردش کرتا تھا۔ شعرا بھی اپنے قصائد میں ان کو یاد رکھتے تھے۔ اس سلسلہ میں جاحظ کا بیان ہے کہ پرانے لوگوں میں جن کو جاہ و مرتبہ سرداری، حسن بیان، زور خطابت، حکمت و فطانت اور سیاسی سوجھ بوجھ کے موضوع پر یاد کیا جاتا تھا ان میں سے ایک نام لقمان عاد کا بھی ہے۔ روایتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لقمان قرآن کریم میں بیان کیے گئے لقمان حکیم کے علاوہ ہیں۔ جیسا کہ الثعلبی کی کتاب قصص الانبیاء میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ لقمان عاد کا زمانہ تاریخی طور پر نہایت قدیم ہونے کی وجہ سے ان کی شخصیت سے وابستہ اور ان کی زندگی سے متعلق داستانیں کافی مشہور و معروف تھیں۔ ان داستانوں میں ایسے واقعات ملتے ہیں جن میں لوگوں کے ساتھ ان کے روابط کا پتہ چلتا ہے۔ علمائے تاریخ کا کہنا ہے کہ لقمان عاد کی ایک بلند قامت شخصیت تھی، سر بھی بڑا تھا، وہ طاقتور بھی تھے۔ عجیب و غریب صلاحیتوں کے مالک تھے۔ بڑی حکمت والے تھے۔ واقعہ نگاروں کا کہنا ہے کہ انھوں نے سات گدھوں کی عمر پائی تھی۔ جب کہ ایک گدھ کی عمر عربوں کے عقیدہ کے مطابق اسی (۸۰) برس کی ہوتی ہے۔ ان سات گدھوں میں سب سے آخری گدھ کو بُد کہتے ہیں۔ اس پر ضرب المثل بھی قائم ہو گئی۔ جس چیز کی مدت دراز ہوتی تھی اس کے بارہ میں کہا جاتا تھا ”طال الأبد علی بُد“، یعنی اس پر ایک لمبا زمانہ گزر چکا ہے۔ عصر جاہلی کے آخری زمانہ میں لقمان عاد سے متعلق کئی قصے مشہور ہوئے۔ ان تمام قصوں اور داستانوں کے بیان کی غرض یہی تھی کہ ان سے نصیحت حاصل کی جائے۔ کیونکہ ان قصوں میں عبرت آموز پہلو موجود تھے۔ ان میں سے جو امثال اہل عرب کے بیچ معروف ہوئیں انہیں امثال لقمان کہا جاتا ہے۔

تاریخی حوالوں کا تجزیہ کرتے ہوئے محققین نے یہ موقف واضح کیا ہے کہ لقمان عاد اور لقمان حکیم دو مختلف شخصیتیں ہیں۔ لقمان حکیم کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔ لقمان حکیم سے متعلق نصیحتیں اور وصیتیں مشہور ہیں۔ فقہ اور تفسیر کی کتابوں میں ان کا تذکرہ آتا ہے۔ مثال کے طور پر مؤطا امام مالک اور تفسیر ابی حیان میں لقمان حکیم سے متعلق بیان ملتا ہے۔ جاحظ نے بھی ان کی تعلیمات کا جائزہ لیا ہے۔ یہ تعلیمات دینی بنیادوں پر قائم ہیں۔ ان کی نصیحتیں مذہبی نوعیت کی ہیں۔ جب کہ لقمان عاد کے متعلق جو باتیں وارد ہوئی ہیں وہ مذہبی نوعیت کی نہیں ہیں۔ جاحظ نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ امثال و حکم سے متعلق جو شخصیات مشہور تھیں ان میں مقررین کی خاصی تعداد نظر آتی ہے۔ فصاحت و بلاغت پر قدرت رکھنے والے ماہرین بھی ملتے ہیں۔ اصحاب اقتدار حضرات بھی تھے اور قوم کے سردار پیشوا بھی۔ ان میں چند مشہور نام جو کتابوں میں ملتے ہیں وہ یہ ہیں اکثم بن صیفی، ربیعہ بن خذار، ہرم بن قطبہ، عامر بن الظرب اور لبید بن ربیعہ۔ ان میں سب سے نمایاں اور ممتاز حیثیت اکثم بن صیفی التمیمی اور عامر بن الظرب العدوانی کی تھی۔ اکثم بن صیفی کا شمار طویل العمر لوگوں میں ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اسلام کا زمانہ بھی پایا۔ اپنے اسلام کے

اعلان کا ارادہ بھی کیا۔ اس مقصد سے اللہ کے رسول ﷺ سے ملاقات کے لیے سفر بھی شروع کر دیا تھا۔ لیکن راستہ میں ہی ان کی موت واقع ہو گئی۔ ان کی باتوں میں اکثر ضرب الامثال اور حکمت کے شہ پارے ملتے تھے۔

#### 4.7 صاحب حکمت خواتین

بتایا جاتا ہے کہ جاہلی معاشرہ میں عربوں کے بیچ مرد حضرات کے علاوہ ایسی خواتین بھی موجود تھیں جو حکمت و دانائی کے میدان میں امتیازی مقام رکھتی تھیں۔ ان میں کئی نام ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر صُحْر بنت لقمان، ہند بنت الحسن، جمعہ بنت حابس اور بنت عامر بن الظرب العدوانی۔ عامر بن الظرب کی بیٹی ان تمام خواتین میں زیادہ ہوش مند اور دانش مند تھی۔ تاریخ کی کتابوں میں درج ہے کہ جب عامر بن الظرب کی عمر زیادہ ہو گئی اور اس پر نسیان کا غلبہ ہونے لگا تو اس نے اپنی بیٹی کو ہدایت کی کہ جب ایسا معلوم ہو کہ اس سے کسی معاملہ میں چوک ہو رہی ہے یا کوئی غیر مقصود عمل کے سرزد ہونے کا امکان نظر آئے تو لاٹھی یا چھڑی کے ذریعہ آواز پیدا کر کے اسے متنبہ کیا جائے۔ چنانچہ اس پر مثل قائم ہو گئی۔

”إِنَّ الْعَصَا فُرِعَتْ لَذِي الْحِلْمِ“ یعنی عقل مند کے لیے چھڑی سے آواز کی جاتی ہے۔ ابو الفضل المیدانی نے اپنی کتاب مجمع الامثال میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

#### 4.8 احکام (حکمت کی باتیں) کے چند نمونے

1. من سلک الجدد آمن العثار  
جو ہموار زمین پر چلتا ہے لغزش سے محفوظ رہتا ہے۔  
یعنی معاملات میں عافیت کا راستہ اختیار کرنے والا نقصان اٹھانے سے محفوظ رہتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ انثم بن صفی کا قول ہے۔ جیسا کہ ابو ہلال العسکری نے جمہرۃ الامثال میں بیان کیا ہے۔
2. عی صامت خیر من عی ناطق  
خاموش رہ کر اپنی عدم استطاعت کا اظہار کرنا بہتر ہے بہ نسبت زبان کھول کر اپنی جہالت ظاہر کرنے سے۔
3. یدک منک وإن کانت שלא  
ہاتھ تو اپنا ہی ہے خواہ وہ بے حرکت ہو۔  
یعنی ہاتھ چاہے مفلوج ہو لیکن انسان اس کو خود سے الگ نہیں ہونے دیتا ہے۔ کوئی انسان یہ نہیں چاہے گا کہ فالج زدہ ہاتھ کو کٹوا کر الگ کر دے۔ اسے بہر حال اپنے جسم کا حصہ بنائے رکھتا ہے۔
4. من ضاق صدرہ اتسع لسانہ  
جس کا دل غم و اندوہ سے بھر جاتا ہے اس کی زبان چلنے لگتی ہے۔  
یعنی جو حالت پریشانی میں اس قدر ڈوب جاتا ہے کہ دل بوجھل ہو جاتا ہے تو اس کی زبان حرکت میں آ جاتی ہے۔
5. کلم اللسان أنکی من کلم السنان  
زبان کی باتیں ان کی باتوں سے بہتر ہیں۔

زبان کا زخم نیزہ کے زخم سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔

6. رَبَّ عَجَلَةَ تَهَبْ رَيْثَا

بسا اوقات جلدی کرنے کے نتیجے میں دیر ہو جاتی ہے۔

7. رَبَّ قَوْلْ أَنْفَعُ مَنْ صَوْل

بسا اوقات جسمانی طاقت کے بجائے زبان کا صرف ایک بول زیادہ اثر دکھاتا ہے۔

8. مِنْ مَأْمَنِهِ يُوْتِي الْحَذَرَ

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ محفوظ جگہ پر ہی خطرہ کا اندیشہ ہوتا ہے۔

یعنی انسان جہاں امن و عافیت محسوس کرتا ہے بسا اوقات وہیں اس پر خطرہ منڈلا رہا ہوتا ہے۔

9. مَصَارِعِ الرِّجَالِ تَحْتَ بُرُوقِ الطَّمَعِ

لوگوں کی تباہی امیدوں کے آشیانہ میں ہوتی ہے۔

یعنی بسا اوقات انسان لالچ کے زیر اثر اپنی تباہی کو گلے لگا لیتا ہے۔

10. أَنْجَزَ خُزْمًا وَعَدَ

شریف آدمی جو وعدہ کرتا ہے اسے پورا کرتا ہے۔

#### 4.9 ضرب الامثال اور حکم کے درمیان فرق

عام طور پر ضرب الامثال اور حکم کے درمیان فرق کم ہی نظر آتا ہے۔ ضرب الامثال پر مشتمل عربوں کی جو کتابیں ہمارے سامنے آتی ہیں ان میں حکم اور امثال دونوں ایک ہی فہرست میں شامل ہیں۔ ڈاکٹر شوقی ضیف نے بھی نثر عربی کے ضمن میں جہاں امثال کا ذکر کیا ہے وہیں امثال کے عنوان کے تحت حکم کا بھی تذکرہ کر دیا ہے۔ حکم کے لیے انھوں نے کوئی مستقل عنوان قائم نہیں کیا ہے۔ لیکن امثال و حکم کی نوعیت پر اگر غور کیا جائے تو فرق سمجھ میں آتا ہے۔ ہندوستان کے ادبا میں استاد محمد واضح رشید ندوی کی کتاب تاریخ الادب العربی (العصر الجاہلی) میں امثال و حکم کے فرق پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ انھوں نے دونوں کے لیے علیحدہ فہرست بھی قائم کی ہے۔ امثال کے متعلق واضح رشید ندوی کا کہنا ہے کہ شکل کے اعتبار سے تو امثال حکم کی طرح چھوٹے چھوٹے فقرے پر مشتمل ہوتی ہیں جو اختصار کے ساتھ اپنا مفہوم بیان کرتی ہیں۔ لیکن وہ اتنی مختصر ہوتی ہیں کہ اگر پس منظر کا واقعہ ذہن میں موجود نہ ہو تو ان کے مطلب اور معنویت کا اندازہ نہیں ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر جزائے سنمآر۔ اگر اس مثل کو بیان کیا جائے اور مخاطب اس کے واقعہ سے یا پس منظر سے ناواقف ہو تو اس کو اس مثل کی معنویت اور اہمیت کا اندازہ نہیں ہوگا۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ امثال کا تعلق کسی واقعہ سے یا کسی حادثہ سے ہوتا ہے۔ ان کا استعمال دوران گفتگو ایسی جگہوں پر کیا جاتا ہے جہاں واقعہ کی نوعیت میں مماثلت پائی جاتی ہو۔ مزید یہ کہ امثال کا تعلق عوامی زندگی سے بھی ہوتا ہے۔ یعنی کوئی واقعہ کسی عام آدمی کے تجربہ میں آیا ہو اور وہاں سے یہ مثل چل پڑی ہو یا یہ کہ عام لوگ اپنے معاشرہ میں بول چال کے دوران اس مثل کا یا ان امثال کا استعمال کرتے ہوں۔ عرب میں عوامی بول چال میں امثال کا استعمال بخوبی ہوتا تھا۔ جب

کہ حکم کا تعلق حکمت سے ہے۔ یہ انسان کی عقل مندی اور دانائی کی بنیاد پر موقوف ہیں۔ عرب زندگی کے تجربات سے بہت کچھ سیکھتے تھے اور عقل و فراست کی بنیاد پر ان سے سبق حاصل کرتے تھے۔ اس سبق کو دوسروں تک نصیحت و خیر خواہی کے تقاضہ سے پہنچاتے تھے۔ اس سبق کو مختصر فقرہ میں بہت ہی پر مغز انداز میں پیش کرتے تھے کہ مخاطب اس کو سن لے، سمجھ لے اور یاد بھی کر لے۔ حکم کا تعلق خاص طور پر اس طبقہ سے ہوتا ہے جو عقل مند اور باہوش ہو۔ جسے ہم معاشرہ کے خصوصی طبقہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ امثال کا تعلق عوام سے یا عوامی زندگی سے ہوتا ہے جب کہ حکم کا تعلق خواص سے یا دانشمند طبقہ سے ہوتا ہے۔

#### 4.10 ضرب الامثال کی ابتدا

عربی زبان میں امثال و حکم بہت کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ تاہم بیشتر ضرب الامثال اور حکیمانہ اقوال کے سلسلہ میں اصل قائل کا پتہ نہیں چل سکا ہے۔ کیونکہ عام طور پر قبیلہ کے عام طبقہ کے لوگ ان اقوال کے وجود میں آنے کا سبب بنتے تھے۔ چونکہ معاشرہ میں وہ زیادہ معروف یا شہرت کے درجہ میں نہیں ہوتے تھے اس لیے ان کی طرف توجہ بھی کم دی جاتی تھی۔ یعنی قول تو رائج ہو جاتا تھا لیکن قائل کی طرف نسبت کا اہتمام نہیں کیا جاتا تھا۔ عربوں کی زبان سے محبت اور قدر بھی یہاں سمجھ میں آتی ہے کہ خواہ مثل کہاں سے چلی یہ معلوم ہو یا نہ ہو، مثل کو بذات خود اہمیت دیتے تھے اور اسے زبان کے لیے قیمتی سرمایہ کے طور پر نقل کرتے تھے۔ چنانچہ حکمت کی بات کہنے والا یا ضرب المثل وضع کرنے والا تاریخ کی سلوٹوں میں گم ہو جاتا تھا۔

ان امثال میں کچھ ایسی نوعیت کے مقولے بھی ہوتے ہیں جن کے اصل مقصود یا مراد تک رسائی بظاہر ممکن نہیں۔ اس لیے ان کے صحیح مفہوم یا معنی تک پہنچنے کے لیے ضرب الامثال کی کتابوں سے مدد حاصل کرنا لازمی ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر عربوں کا مقولہ ہے ”بَعِینْ مَا أَرِیْنٰکَ“۔ اس کا معنی ہے ”اَسْرِغْ“، یعنی جلدی کرو۔ جب کہ ظاہری طور پر الفاظ اس معنی کی طرف رہنمائی نہیں کرتے ہیں اور نہ ہی سننے والے کا ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے۔ اس موضوع پر ابوالہلال العسکری نے اپنا تبصرہ پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ایک ایسا مقولہ ہے جس کا معنی سماعی طور پر سمجھا جاتا ہے۔ یعنی لوگ اس مقولہ کو جس معنی میں استعمال کرتے ہیں اس کا ہی اعتبار کیا جائے گا خواہ الفاظ اس معنی کی طرف اشارہ کرتے ہوں یا نہیں۔ کیونکہ عرب اس کو اسی معنی میں استعمال کرتے ہیں اور ہمیں اس کو تسلیم کرنا ہوگا۔ ہم اس میں تبدیلی بھی نہیں کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ضرب المثل میں الفاظ کو بعینہ نقل کیا جاتا ہے۔ معنی کی وضاحت کے لیے اپنی طرف سے الفاظ میں اضافہ یا تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی ہے۔

#### 4.11 مقولہ میں تبدیلی نہیں کی جاتی ہے

اسی طرح کا ایک اور مقولہ ہے ”الصَّیْفُ ضَیَّعَ اللَّبْنِ“۔ یہ اس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جو کسی چیز کو اس کے موقع پر حاصل کرنے میں کوتاہی کرے اور جب موقع ہاتھ سے نکل جائے تو طلب کی کوشش کرے۔ اس مقولہ میں حرف تاء پر کسرہ ہے۔ یہ مثل بہر حال اسی طرح نقل کی جائے گی۔ خواہ مخاطب یا مقصود واحد مذکر ہو یا واحد مؤنث، تشنیہ مذکر ہو یا تشنیہ مؤنث یا پوری جماعت ہو۔ ہر موقع پر ان ہی الفاظ کے ساتھ استعمال کی جائے گی۔ تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

امثال میں قواعد کا اہتمام بھی ناگزیر نہیں ہوتا ہے۔ عرب نحوی اور صرفی قواعد کی مخالفت والی امثال بھی استعمال کیا کرتے تھے۔ حالانکہ زبان

اس زمانہ میں بھی اپنا معیار اور وقار رکھتی تھی۔ تاہم یہ مثل استعمال میں رہی ”اعط القوس باریہا“۔ اس کے معنی ہیں کہ کسی معاملہ میں ذمہ داری اسی کو دی جائے جو مہارت رکھتا ہو۔ یہاں باریہا میں حرف یاء ساکن مستعمل ہے۔ جب کہ نحوی قاعدہ کی بنیاد پر ضابطہ یہ تقاضہ کرتا ہے کہ یاء پر فتح ہونا چاہیے۔ اسی نوعیت کا ایک اور مقولہ ہے ”أجناؤھا أبناؤھا“ اس کے معنی ہیں کہ جن لوگوں نے گھر کو تباہ کیا ان ہی لوگوں نے اس کی تعمیر کی تھی۔ أجناؤھا اور أبناؤھا دراصل جان یعنی جرم کرنے والا اور بان یعنی تعمیر کرنے والا کی جمع ہے۔ جب کہ صرفی قواعد کی بنیاد پر ضابطہ تقاضہ کرتا ہے کہ جمع کے لیے جثاٹھا بٹھا استعمال ہونا چاہیے۔ کیونکہ فاعل کی جمع افعال کے وزن پر نہیں آتی ہے۔ لیکن یہ مثل رائج ہے۔ ہم اس میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتے ہیں۔

گرچہ کچھ امثال ایسی رہی ہیں جو صرفی اور نحوی قواعد سے ہٹ کر رائج تھیں، یہ مقبول بھی ہوئیں۔ لیکن معاملہ ایسا نہیں ہے کہ سبھی اسی نوعیت کی رہی ہوں، بلکہ اکثریت کی حقیقت یہ ہے کہ عربی زبان کے قواعد اور اصول و ضوابط سے ہم آہنگ رہی ہیں۔

#### 4.12 امثال فصاحت و بلاغت کا نمونہ

امثال جاہلی دور کی فصاحت و بلاغت کا بہترین نمونہ ہیں۔ اس طرح کے حکیمانہ اقوال یا ضرب الامثال دراصل عرب کے صاحب فن یا فصاحت و بلاغت ماہرین کی زبان سے ہی نکلتے تھے۔ جن میں اکثم بن صیفی اور عامر بن الظرب جیسے لوگوں کا شمار ہوتا ہے۔ اس قسم کی ضرب الامثال عربوں کے رواں زبان اور شعلہ بیان خطیبوں کی تقریروں میں بہت ملتی ہیں۔ وہ اپنے خطبوں اور تقریروں کو دلچسپ و اثر انگیز بنانے کے لیے موقعہ و مناسبت کے اعتبار سے ان کا بھرپور استعمال کرتے تھے۔ جاحظ اس سلسلہ میں تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اہل عرب میں سے کوئی صاحب بیان کھڑا ہو جاتا اور معاشرہ میں رائج ضرب الامثال سلسلہ وار نقل کرنا شروع کر دیتا۔ لوگ ان ضرب الامثال میں سے صرف ان ہی کو منتخب کرتے تھے جن میں کوئی کام کی بات نظر آتی تھی۔ یا کسی موقعہ سے وہ مقولے کا رآمد نظر آتے تھے۔ شعرا نے بھی خطیبوں کے طرز پر اپنے اشعار میں ان امثال کا استعمال شروع کر دیا تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان امثال میں بڑی تعداد ایسی ہے کہ جن میں موسیقیت پائی جاتی ہے۔ لحن اور وزن کی نوعیت نظر آتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ ضرب المثل شعر کا ایک مصرعہ بن جاتا تھا یا کبھی مکمل شعر بن جاتا تھا۔

اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ امثال کی عبارتیں متوازن الفاظ سے مرکب ہوتی ہیں۔ چنانچہ ان میں ایسا توازن قائم ہو جاتا ہے کہ وہ مسجع عبارتوں سے مشابہ ہو جاتی ہیں۔ نیز ان امثال میں منظر کشی کا اہتمام ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے النظام کا کہنا ہے کہ یہ امثال بلاغت کے منتہی کا بہترین نمونہ ہیں۔ کیونکہ ان میں بہترین تشبیہ ہوتی ہے اور اعلیٰ درجہ کا کنایہ پایا جاتا ہے۔

#### 4.13 امثال و حکم کی عبارتوں میں موسیقیت

امثال و حکم کی عبارتیں جب نظر سے گزرتی ہیں یا سننے میں آتی ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں بہت خوش اسلوبی سے ترتیب دیا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وضع کرنے والوں نے ان میں نغمہ کی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ الفاظ کو موسیقی کی لہروں کے مطابق ڈھالا گیا ہے۔ نتیجہ کے طور پر یہ مقولے مسجع شکل میں سامنے آ گئے۔ کبھی ایسا بھی محسوس ہوتا ہے کہ انہیں کسی شعر کے مصرعہ کے طور پر سجایا گیا ہے اور کبھی یہ احساس گزرتا ہے کہ ان الفاظ کے ذریعہ کوئی خیال پیش کیا جا رہا ہے یا کوئی تصور قائم کیا جا رہا ہے۔ الفاظ میں ہم آہنگی پیدا کر کے مقولہ کو معنی خیز اور مؤثر بنایا جاتا ہے۔ اس

طرح مقولہ میں زور اور وزن پیدا ہو جاتے ہیں۔

عرب دور جاہلیت میں اپنی تقریروں اور خطبات کو نیز اپنی گفتگو کے سلسلہ کو جمالیاتی شعور کی بنا پر زیادہ سے زیادہ پرکشش اور با وقعت بناتے تھے۔ اس میں وہ دلچسپی بھی رکھتے تھے۔ یہ خصوصیت ان کے اندر اس وجہ سے پائی جاتی تھی کہ فطری طور پر وہ بیان و تعبیر میں فصاحت و بلاغت کے دلدادہ تھے۔ اس امر کی طرف قرآن کریم نے بھی اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ کچھ لوگوں کے متعلق فرمان الہی نازل ہوا ”وَلتعرّفنہم فی لحن القول“ اور دوسری جگہ ارشاد باری ہے ”وَمِنَ النَّاسِ مَن یُعْجِبُکَ قَوْلُهُ فِی الْحَیَاةِ الدُّنْیَا“۔ یہ اشارہ ہے اس حقیقت کی طرف کہ ان کی قوت بیانی بلا کی ہے کہ سننے والا اس سے متاثر ہو جائے دراصل یہ عربوں کی خصوصیات میں سے ہے۔ اس پرکشش قوت بیانی کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو نبوت کی تائید میں بلاغت کا اعلیٰ نمونہ عطا کیا اور وہ قرآن کریم ہے۔ یہ کتاب عظیم، بہترین اسلوب اور بیان پر مبنی ہے۔ جس کا آج تک کوئی مد مقابل کھڑا نہیں ہو سکا۔ فرمان الہی ہے ”وَإِنَّ لَکَ تَابِعًا عَزِيزًا لَا یَأْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلًا مِنْ حَکِیمٍ حَمِیدٍ“۔ اس عظیم کتاب کو، اس کے پیغام کو عرب سمجھتے تھے کیونکہ زبان و بیان میں انہیں قدرت حاصل تھی۔ تعبیر کی بلاغت اور نزاکتوں کا انہیں خوب اندازہ تھا۔

#### 4.14 وصایا

عربوں کی نثر کے نمونوں میں وصایا بھی ہیں۔ یہ دراصل وصیتیں ہوتی تھیں۔ خاندان کا کوئی با اثر آدمی یا قبیلہ کا سردار جب اس دار فانی سے کوچ کر رہا ہوتا تھا تو اہل و عیال اور خاندان کے افراد کو جمع کر کے یا قبیلہ کے سربراہ و درہ لوگوں کو مخاطب کر کے اپنی وصیتیں سناتا تھا۔ یہ وصیتیں مرنے والے کے تجربات کا نچوڑ ہوتی تھیں۔ یا کبھی اس کے نامکمل عرائم و ارادہ سے متعلق ہوتی تھیں۔ مثلاً عربوں میں یہ رواج تھا کہ اگر کوئی قبیلہ کسی قبیلہ سے جنگ یا غارت گری کا انتقام نہیں لے سکا، اسی دوران قبیلہ کے سردار کی موت کا وقت آ گیا تو اپنے بعد والوں کو وصیت کر جاتا تھا کہ فلاں قبیلہ سے انتقام لینا ہے۔ یہ وصیتیں مختصر ہوتی تھیں۔ نثر کا بہترین نمونہ ہوتی تھیں۔ مختصر الفاظ میں بڑے مقاصد پنہاں ہوتے تھے۔ مقصود یہ ہوتا تھا کہ یہ پیغام مخاطب کے ذہن میں نقش ہو جائے۔ عرب چونکہ اپنے تجربات و معلومات سینہ بہ سینہ منتقل کرتے تھے، اس لیے ان کے یہاں ان وصایا کی کافی اہمیت تھی۔ اس زمانہ میں کتب و دفاتر کا اہتمام نہیں ہوتا تھا کہ بعد کی نسل کے لیے کوئی تحریری پیغام چھوڑا جائے۔ بلکہ رخصت ہونے والا اپنی زبان سے ہی اہل کنبہ و قبیلہ کو ہدایات دیتا تھا۔ لوگ ان ہدایات کو وصیت کے طور پر نقل کرتے تھے۔ معاشرہ میں پیش رو کی اہمیت و مقام کے اعتبار سے وصیت کی بھی اہمیت ہوا کرتی تھی۔ اسے زندگی کا سرمایہ قرار دیا جاتا تھا۔ ان وصایا میں حکمت کی باتیں بھی ملتی ہیں۔

#### 4.15 وصیت کا نمونہ

اِحْتَضِرْ ذُو الْاِصْبَعِ الْعَدُوَانِی، فِدْعَا ابْنَهُ اُسَیْدَا لِیُو صِیْہ، فَقَالَ: ”یَا بَنِی اِنْ اَبَاکَ قَدْ فَنَی، وَهُوَ حَیٌّ، وَعَاشَ حَتّٰی سَمِ الْعِیْشَ، وَ اِنِّیْ مُوَصِّیْکَ بِمَا اِنْ حَفِظْتَهُ بَلُغْتَ فِیْ قَوْمِکَ مَا بَلُغْتُهُ، فَاحْفَظْ عَنِّیْ، اَلَنْ جَانِبَکَ لِقَوْمِکَ یُحْبُوْکَ، وَتَوَاضَعْ لَهُمْ یَرْفَعُوْکَ، وَابْسُطْ لَهُمْ وَجْہَکَ یَطِیْعُوْکَ، وَلَا تَسْتَأْثِرْ عَلَیْہِمَ بَشِیْءٌ یُّسَوِّدُوْکَ“۔

ترجمہ: ذوالاِصْبَعِ العدوانی کی موت کا وقت جب قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹے اُسید کو بلایا تاکہ اسے کچھ وصیت کرے۔ وصیت کرتے

ہوئے اس نے کہا: اے میرے بیٹے! تمہارا باپ مردہ ہو چکا ہے۔ حالانکہ وہ ابھی با حیات ہے۔ وہ ابھی اس طرح زندہ ہے کہ اپنی زندگی سے مایوس ہو چکا ہے۔ میں تمہیں کچھ وصیت کرتا ہوں کہ اگر تم اس کا خیال رکھو گے تو اپنی قوم میں اس درجہ تک پہنچ جاؤ گے جہاں تک میں پہنچا تھا۔ میری باتوں کو یاد رکھو۔ تم اپنی قوم کے لیے نرم رویہ رکھو وہ تم سے محبت کرے گی۔ تم ان کے ساتھ عاجزی و انکساری کے ساتھ پیش آؤ وہ تمہیں بلند کر دیں گے۔ ان کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملو وہ تمہاری بات مانیں گے اور انہیں کسی معاملہ میں حقیر و کم حیثیت مت سمجھو وہ تمہیں اپنا سردار بنالیں گے۔

### معلومات کی جانچ

1. امثال کی تدوین میں کن لوگوں نے پیش قدمی کی؟
2. امثال کی تدوین کب سے شروع ہوئی؟
3. امثال کے ساتھ پس منظر بیان کرنے کی کیا وجہ رہی؟
4. عصر جاہلی میں امثال و حکم کو کیوں اہمیت دی جاتی تھی؟
5. امثال کی تعریف کیجیے۔
6. حکم کی تعریف کیجیے۔
7. وصایا کی تعریف کیجیے۔

### 4.16 اکتسابی نتائج

عربی نثر میں ضرب الامثال اور حکیمانہ اقوال کی کثرت نظر آتی ہے۔ امثال و حکم کے ذریعہ بات میں قوت اور اثر پیدا ہو جاتا ہے۔ عرب اس غرض سے ان کا اکثر استعمال کرتے تھے۔ روزمرہ کی گفتگو میں اور اپنی تقریروں میں امثال و حکم کے ذریعہ جان پیدا کر دیتے تھے۔ یہ دراصل انسانی زندگی کے تجربات کا انچوڑ ہوتی ہیں۔ امثال و حکم میں فرق یہ ہے کہ امثال کا تعلق عوامی زندگی کے کسی واقعہ سے ہوتا ہے کہ کہیں کوئی واقعہ پیش آیا تو وہاں سے مثل چل پڑی۔ پھر اس واقعہ سے مشابہ کوئی صورتحال پیش آئی تو وہ مثل پیش کر دی گئی۔ جب کہ حکم دراصل حکیمانہ اقوال ہیں۔ ان کا تعلق معاشرہ کے خواص سے ہوتا ہے۔ یعنی عقل و دانش کی بنیاد پر حکما زندگی کے تجربات سے عبرت حاصل کرتے تھے۔ پھر اسے ازراہ نصیحت دوسروں تک منتقل کرتے تھے۔ عربوں کی گفتگو میں حکیمانہ اقوال کی کثرت نظر آتی ہے۔ امثال و حکم چھوٹے چھوٹے فقروں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ موقع کے اعتبار سے جب ان کو نقل کیا جاتا ہے تو بعینہ ان ہی الفاظ کا اہتمام کیا جاتا ہے جو امثال و حکم میں منقول ہیں۔ اپنی طرف سے کسی لفظ کے داخل کرنے یا تبدیل کرنے کی گنجائش نہیں ہوتی ہے۔ امثال و حکم کے ذریعہ زبان و ادب کا معیار سمجھ میں آتا ہے۔ قوم و قبیلہ کے احساس کی گہرائی اور تجربات کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ فصاحت و بلاغت کے بہترین نمونے تصور کیے جاتے ہیں۔ امثال و حکیمانہ اقوال میں خواتین عرب کا بھی کردار رہا ہے۔ تاریخ ادب عربی میں ایسی خواتین کے نام ملتے ہیں جنہوں نے اس میدان میں مقام حاصل کیا تھا۔

امثال و حکم کے علاوہ عربوں میں وصایا کا بھی اہتمام تھا۔ خاندان یا قبیلہ کا بزرگ شخص جب خود کو موت سے قریب محسوس کرتا تھا تو اپنے اہل خانہ یا قبیلہ کے لوگوں کو وصیت کرتا تھا۔ چونکہ اس زمانہ میں تحریر کا رواج نہیں تھا لہذا یہ وصیتیں زبانی طور پر ہی ادا کی جاتی تھیں۔ ان وصیتوں میں

زندگی کے تجربات نظر آتے ہیں۔ یہ وصیتیں کبھی نصیحت کے طور پر کی جاتی تھیں تو کبھی عزائم اور ارادوں کو مکمل کرنے کی ہدایت کے طور پر۔ یہ وصیتیں مختصر الفاظ میں ہوتی تھیں۔ لیکن کافی مؤثر اور دل پذیر ہوتی تھیں۔ ادب عربی میں ان وصیتوں کو کافی اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ انہیں اس زمانہ کے ادبی نمونہ کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔

#### 4.17 نمونے کے امتحانی سوالات

1. امثال کی تدوین کس طرح شروع ہوئی، تبصرہ کیجیے۔
2. امثال و حکم کو زبان کی فصاحت و بلاغت میں کیا درجہ حاصل ہے؟
3. امثال کی اصل کا پتہ چلانا کیوں مشکل ہوتا ہے؟
4. تین امثال لکھ کر ان کا پس منظر بتائیے۔
5. پانچ حکیمانہ اقوال لکھ کر ان کے معانی بتائیے۔
6. خواتین حکماء کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟
7. عربوں کے یہاں وصیت کی اہمیت پر روشنی ڈالیے۔
8. امثال و حکم کی عبارت میں موسیقیت پر اظہار خیال کیجیے۔

#### 4.18 فرہنگ

رمی	یرمی	رماية	تیر چلانا
السهم	(ج)	أسهم	تیر
راش	یریش	ریشا	پر لگانا
جنی	یجنی	جنی، جنیا	پھل توڑنا
شوک	(ج)	أشواک	کانٹا
عنب	(ج)	أعنباب	انگور
هم	یہم	ہما	ارادہ کرنا
رعی	یرعی	رغیا الماشیة	جانور چرانا
قرع	یقرع	قرعاً	آواز پیدا کرنا، کھڑکھڑانا، کھٹکھٹانا
شل	یشل	شلاً	بے حرکت ہونا، مفلوج ہونا
ضاق	یضیق	صیقاً	تنگ ہونا
کلم	(ج)	کَلوم و کلام	زخم



اُنکی	السنان	(ج)	أَسِنَّة	نیزہ	پر زور، زیادہ تکلیف دہ
وہب	يَهَب	وہبا	عطا کرنا، دینا		
صال	يَصُول	صُولاً	زور دکھانا، طاقت استعمال کرنا		
أَمِن	يَأْمَن	أَمناً	محفوظ رہنا		
مَأْمَن			محفوظ ٹھکانا		
حذر	يَحْذَر	حَذْراً	متنبہ ہونا		
صَرَع	يَصْرَع	صَرَعا	پچھاڑنا		
بَرْق	(ج)	بُرُوق	روشنی، چمک		
طَمَع	يَطْمَع	طَمْعاً	لاچ، حرص کرنا		
أَنْجَز	يُنْجِز	إِنْجَازاً	وعدہ پورا کرنا		
حَزْ	(ج)	أَحْزَار	آزاد انسان، شریف آدمی		
جَنَى	يَجْنِي	جِنَايَةً	جرم کرنا		

#### 4.19 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

1. عربی ادب کی تاریخ ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی
2. عربی ادب کی تاریخ محمد کاظم
3. تاریخ ادب عربی احمد حسن زیات، (ترجمہ: طفیل احمد ندوی)
4. ادب عربی کی مختصر تاریخ ڈاکٹر ابو حاتم خاں
5. تاریخ الأدب العربی (العصر الجاہلی) ڈاکٹر شوقی ضیف

## اکائی 5: قرآنی اقتباسات

اکائی کے اجزا

- 5.1 مقصد
- 5.2 تمہید
- 5.3 متن سبق
- 5.4 متن کا ترجمہ
- 5.5 لغوی تحقیق
- 5.6 ادبی صنف کا تعارف
- 5.6.1 صنف کی ہیئت و صورت
- 5.7 متن سبق کا موضوع
- 5.8 متن سبق کی توضیح و تشریح
- 5.8.1 شانِ نزول
- 5.8.2 صحابہ میں کوئی فاسق نہیں
- 5.8.3 معاشرے کو امن کا گہوارہ بنانا
- 5.8.4 شانِ نزول
- 5.8.5 معاشرے سے ظلم کا خاتمہ ہو
- 5.8.6 شانِ نزول
- 5.8.7 مذاق اڑانے کی شرعی ممانعت
- 5.8.8 طعنہ دینے کی مذمت
- 5.8.9 بدگمانی کا شرعی حکم
- 5.8.10 عیب تلاش کرنے کی ممانعت

عیب چھپانے کی فضیلت	5.8.11
انسان کی عزت و حرمت کی حفاظت میں تعلیمات قرآن کا کردار	5.8.12
نسب کے ذریعے فخر و تکبر کرنے کی مذمت	5.8.13
عزت و شرف کا معیار پرہیزگاری ہے	5.8.14
متن کی خصوصیات	5.9
اسلوبی خصوصیات	5.10
اکتسابی نتائج	5.11
نمونے کے امتحانی سوالات	5.12
مطالعے کے لیے معاون کتابیں	5.13

## 5.1 مقصد

اس اکائی میں آپ:

☆ قرآن مجید کی سورۃ الحجرات کے نص کو پڑھیں گے۔

☆ سورہ حجرات میں بیان کردہ ان تعلیمات کو جانیں گے جو معاشرے کو امن کا گہوارہ بنانے کے لیے مدد و معاون ثابت ہوتی ہیں۔

## 5.2 تمہید

قرآن کریم اس رب عظیم عزوجل کا بے مثل کلام ہے، اس نے اپنا یہ کلام سید المرسلین، تاجدار کائنات، حبیب رب العالمین ﷺ پر نازل فرمایا تاکہ اس کے ذریعے آپ ﷺ انسانوں کو گناہوں کے تاریک راستوں سے نکال کر صحیح اور مستقیم راستے کی طرف ہدایت دیں اور ان کے لیے دنیا و آخرت میں فلاح و کامرانی کی راہیں آسان فرمائیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں قرآن مجید ہر نافع علم پر مشتمل ہے یعنی اس میں گزشتہ واقعات کی خبریں اور آئندہ ہونے والے واقعات کا علم موجود ہے، ہر حلال و حرام کا حکم اس میں مذکور ہے اور اس میں ان تمام چیزوں کا علم ہے جن کی لوگوں کو اپنے دنیوی، دینی، معاشی اور اخروی معاملات میں ضرورت ہے۔ نزول قرآن مجید کی ابتداء رمضان کے بابرکت مہینے میں ہوئی اور روح الامین حضرت جبرئیل علیہ السلام کو نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں اسے لانے کا شرف حاصل ہوا اور شبِ معراج کچھ آیات بلا واسطہ بھی عطا ہوئیں۔ قرآن مجید کو دنیا کی فصیح ترین زبان یعنی عربی زبان میں نازل کیا گیا تاکہ لوگ اسے سمجھ سکیں اور عرب کے رہنے والوں اور کفارِ قریش کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہے اور وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم اس کلام کو سن کر کیا کریں گے جسے ہم سمجھ ہی نہیں سکتے۔ قرآن مجید کو حالات و واقعات کے حساب سے تھوڑا تھوڑا کر کے تقریباً 23 سال کے عرصے میں نازل کیا گیا تاکہ اس کے احکام پر عمل کرنا مسلمانوں پر بھاری نہ پڑے اور نبی کریم ﷺ کے قلب اطہر کو مضبوطی حاصل ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی امت پر بہت بڑا احسان ہے۔

قرآن مجید کی وہ اصطلاحات جن کے معنی و مفہوم کو قرآن اور صاحبِ قرآن کی وضاحت کے بغیر سمجھنا ناممکن ہے جیسے ایمان، اسلام، نفاق، شرک، کفر، روح، نفس، بعث، صلوة، زکوٰۃ، حج، صوم، ربا، صدقہ اور انفاق وغیرہ، ان سب کا معنی نہ تو عربی لغت سے متعین کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی سمجھا جاسکتا ہے بلکہ ان کے معنی و مفہوم کے تعین کے لیے حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی طرف رجوع کرنا بہر صورت لازمی ہے اور ان کا جو معنی و مفہوم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے بیان فرمایا ہے اسے بلا تردد تسلیم کرنا ضروری ہے اور جو لوگ قرآن مجید کی ان اصطلاحات کے معاملے میں صراطِ مستقیم سے بہک گئے ان کے بہکنے کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے وحیِ ربانی کے بجائے لغتِ عرب کے ذریعے سمجھنے کی کوشش کی۔

## 5.3 متن سبق

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْلُدُوا بِنَبِيٍّ إِلَهُ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (1) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَزِفُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ (2) إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ (3) إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنَ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (4) وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (5) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ

تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ (6) وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ (7) فَضَلَّاهُمُ اللَّهُ وَنِعْمَةً اللَّهُ عَلَيْهِمْ حَكِيمٌ (8) وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِن فَاءَتْ فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (9) إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (10) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِاللِّقَابِ بئسَ الإِسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (11) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبَ بَعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ (12) يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّن ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتَقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (13)۔

#### 5.4 متن کا ترجمہ

اے ایمان والو! (کسی بھی معاملہ میں) اللہ اور اس کے رسول کے آگے نہ بڑھو، ڈرتے رہو بے شک اللہ سنتا اور جانتا ہے۔ ۱۔ اے اہل ایمان! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کرو اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے چلا کر بولتے ہو (اس طرح) ان کے روبرو چلا کر نہ بولا کرو (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے (نیک) اعمال برباد ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔ ۲۔ جو لوگ پیغمبر الہی کے سامنے دبی آواز سے بولتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے چن لیا ہے ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے۔ ۳۔ جو لوگ تم کو حجروں کے پیچھے سے آواز دیتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں۔ ۴۔ اور اگر وہ صبر کیے رہتے یہاں تک کہ تم خود نکل کر ان کے پاس جاتے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔ ۵۔ مومنو! اگر کوئی بدکردار تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کر لیا کرو (ایسا نہ ہو) کہ کسی قوم کو نادانی سے نقصان پہنچا دو پھر تم کو اپنے کیے پر نادم ہونا پڑے۔ ۶۔ اور جان رکھو کہ تم میں اللہ کے پیغمبر ہیں اگر بہت سی باتوں میں وہ تمہارا کہا مان لیا کریں تو تم مشکل میں پڑ جاؤ لیکن اللہ نے تم کو ایمان کی محبت عطا کی اور اس کو تمہارے دلوں میں سجا دیا اور کفر اور گناہ اور نافرمانی سے تم کو میزا کر دیا یہی لوگ راہ ہدایت پر ہیں۔ ۷۔ (یہ سب) اللہ کے فضل اور احسان سے ہے اور اللہ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔ ۸۔ اور اگر مومنوں میں سے کوئی دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرادو اور اگر ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے پس جب وہ رجوع کرے تو دونوں فریق میں مساوات کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف سے کام لو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ ۹۔ مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرادیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ ۱۰۔ اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے (تمسخر کریں) ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہوں اور اپنے (مومن بھائی) کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا بُرا نام رکھو ایمان لانے کے بعد بُرا نام (رکھنا) گناہ ہے اور جو توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔ ۱۱۔ اے اہل ایمان! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو کہ بعض گمان گناہ ہیں اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے کیا تم میں

سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے (تو غیبت نہ کرو) اور اللہ کا ڈر رکھو بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ ۱۲۔ لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو اور اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبردار ہے۔

## 5.5 لغوی تحقیق

امَنُوا	ایمان سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب	وہ ایمان لائے
لَا تَقْلُدُوا	تقدیم سے جس کے معنی آگے بڑھنے کے ہیں فعل نہی کا صیغہ جمع مذکر حاضر	آگے مت بڑھو
لَا تَرْفَعُوا	رفع سے امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر	آوازوں کو بلند مت کرو
أَصْوَاتُكُمْ	صوت کی جمع جس کے معنی آواز کے ہیں، أصوات مضاف کم ضمیر جمع مذکر حاضر مضاف الیہ تمہاری آواز	
لَا تَجْهَرُوا	جہڑ سے فعل نہی کا صیغہ جمع مذکر حاضر	چلا کر مت بولو
أَنْ تَخْبَطَ	(سمع) خبط جس کے معنی مٹنے اور اکارت ہو جانے کے ہیں	کہ ضائع ہو جائے
لَا تَشْعُرُونَ	شعور سے جس کے معنی بذریعہ حس جاننے کے ہیں، فعل مضارع منفی کا صیغہ جمع مذکر حاضر	تمہیں خبر نہ ہو
يَغْضُونَ	غض مصدر (نصر) سے جس کے معنی جھکانے اور نیچا کرنے کے ہیں فعل مضارع کا صیغہ جمع نہی آواز سے بولتے ہیں	
	مذکر غائب	
يَنَادُونَكَ	مناداة مصدر (مفاعلة) سے مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب، کم ضمیر واحد مذکر حاضر	تم کو آواز دیتے ہیں
الْحُجَرَاتِ	حجرة (گھروں کی چار دیواری) کی جمع	کمرے
تَخْرُجُ	خروج (نکلنا) سے مضارع کا صیغہ واحد مذکر حاضر	تم خود نکلتے
فَاسِقٌ	اسم فاعل واحد مذکر فسق اور فسوق کے لغوی معنی کھجور کا اپنے چھلکے کے اندر سے نافرمان/بدکار	
	باہر نکل آنا اصطلاح شریعت میں حدود شریعت سے نکل جانا، اللہ کی اطاعت سے خارج ہونے والا	
فَتَبَيَّنُوا	تبیین جس کے معنی ظاہر ہونے اور واضح ہو جانے کے ہیں سے امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر	تم تحقیق کر لو، تم کھول لو
تُصِيبُوا	إصابة سے مضارع کا صیغہ جمع مذکر حاضر	تم جا پڑو/تم پہنچاؤ
فَتُصِيبُوا	اصباح سے مضارع کا صیغہ جمع مذکر حاضر، عامل کے آنے سے نون اعرابی حذف ہو گیا	پس تم ہو جائے
نَادِمِينَ	واحد نادم پشیمان، اسم فاعل جمع مذکر منصوب نکرہ	پشیمان/شرمندہ ہونے والے

يُطِيعُكُمْ

طوع (مادہ) اطاعة (مصدر) سے جس کے معنی حکم ماننے کے ہیں مضارع واحد مذکر غائب کم وہ تمہاری اطاعت کرے ضمیر مفعول

طَائِفَتَانِ

طائفة کا تثنیہ بحالت رفع

دو گروہ، دو جماعتیں

فَأَصْلَحُوا

اصلاح سے امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر

تم صلح کرادو/ تم ملاپ کرادو

لَا يَسْخَرُ

سَخَرُ مصدر (سمخ) سے نہی کا صیغہ واحد مذکر غائب

مذاق نہ بنائے

امتحان

امتحان جس کے معنی آزمانے اور جانچنے کے ہیں سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب

آزمایا

ولا تلمزوا

(ضرب) لَمَزَ جس کے معنی عیب چینی کرنے اور عیب لگانے کے ہیں سے فعل نہی کا صیغہ جمع مذکر حاضر اور نہ عیب لگاؤ

ولا تنازوا

تَنَازَّ (آپس میں برنامہ نکالنا اور ایک دوسرے کو چڑانا) یہاں چونکہ لانا ہی ہے اس لیے فعل نہی ہے اور نہ باہم چڑاؤ

بالألقاب

لقب کی جمع: لقب ہے ایک وہ جو عزت و شرف کے اعتبار سے ہو، دوسرے وہ جو برے القاب سے

چڑانے کے لیے رکھ دیا جائے یہاں دوسری قسم مراد ہے

ولا تجسسوا تجسس (جاسوسی کرنا، کھوج لگانا) سے فعل نہی جمع مذکر حاضر اور نہ ایک دوسرے کی ٹٹول میں

رہو

ولا يغتب

اغْتَابَ (مصدر) باب افتعال سے واحد مذکر غائب نہی

پس پشت برانہ کہے

شعوبا

شعب کی جمع (شعب وہ ایک برادری ہے جوشاخ درشاخ پھیل گئی ہو، عرب میں قبیلہ کی تدریجی ذاتیں/شاخیں

تقسیم کثرت سے قلت کی طرف حسب ترتیب ہے: پہلے شَعْبٌ پھر قَبِيلَةٌ پھر عِمَارَةٌ پھر بَطْنٌ تھر

فَخِذْ پھر فَصِيلَةٌ

قبائل

جمع قبيلة (اس گروہ کو کہتے ہیں جو ایک ہی باپ کی نسل ہو)

قبیلے

## 5.6 ادبی صنف کا تعارف

قرآن کریم جہاں رعنائی خیال اور بلندی مضامین و مقاصد پر مشتمل ہے، اسی طرح دلکش اور مؤثر اسلوب اور حسین و جمیل طرز بیان بھی قرآن کا خصوصی وصف ہے، بلکہ بسا اوقات بلند اور نادر مضامین بھی بھونڈے اور فرسودہ پیرایہ بیان کی وجہ سے اپنی تاثیر کھودیتے ہیں اس کے برعکس بعض پامال اور معمولی باتیں بھی اپنی جادو بیانی اور جدت ادا کی وجہ سے معجز نما بن جاتی ہیں۔ قرآن پاک جو عربی ادب کا بے بدل اور لازوال نمونہ ہے اس کا سب سے بڑا اعجاز یہ ہے کہ بلند معانی اور الہامی تعلیمات کے ساتھ اس نے وہ اسلوب بیان اختیار کیا جس کی نظیر پیش کرنے سے اہل عرب عاجز رہ گئے۔ قرآن سے پہلے عربوں کے یہاں یا تو شعر تھا یا پھر نثر میں کاہنوں کے اقوال تھے جن میں لفظی صنایع نمایاں ہوتی تھیں۔ اثر یا تو شعر کا مسلم تھا یا جادو کا۔ معانی کے لحاظ سے کاہنوں کے اقوال بالکل ہی کھوکھلے اور اشعار تعقل و تدبر سے عاری ہوتے تھے۔ جب قرآن سامنے آیا تو سب حیران رہ گئے کہ اس کو کس صنف میں داخل کیا جائے۔ ناقابل انکار تاثیر کا خیال کرتے تو اس کو شعر یا سحر کے خانے میں رکھ دیتے حالانکہ قرآن کا شعر یا سحر نہ

ہونا ایک بدیہی بات تھی۔ نثر کی ظاہری شکل پر نظر جاتی تو قول کا ہن کے علاوہ اور کوئی دوسری صنف ہی نہ تھی۔ دراصل قرآن نے اپنی بات کو پیش کرنے کے لیے جو وسیلہ اختیار کیا اس کی خوبی یہ ہے کہ اس میں نہ تو بحر ہے نہ وزن ہے اور نہ قافیہ کا التزام۔ وہ سجع کے اس بوجھ سے بھی آزاد ہے جو کاہنوں کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ وہ اپنے سادہ اسلوب میں دل میں اتر جانے والی تاثیر رکھتا ہے۔ قرآن کا قالب نثری ہے جو چھوٹے چھوٹے گٹھے ہوئے جملوں پر مشتمل ہے۔ ایسے جملے کہ ان کو ملا کر پڑھتے وقت وہ نغمہ اور صوت کے لحاظ سے ایک دوسرے کی نظیر معلوم ہوتے ہیں۔ اس نے نظم و ترتیب اور اجمال و تفصیل کا وہ بہترین نمونہ پیش کیا کہ اہل عرب دنگ رہ گئے، ہر شاعر اور ادیب کی فصاحت و بلاغت کا ایک مخصوص میدان ہوتا ہے۔ اس میدان کا مرد دوسرے میدان میں بالکل ناکام ثابت ہوتا ہے مثلاً عربی میں امرؤ القیس رزم و بزم اور غزل کا امام ہے۔ اس سے خوف و ہیبت کا مضمون ادا نہیں ہو سکتا، یہ تو نابغہ ذبیانی کا کام ہے۔ لیکن نابغہ سے حسن طلب نہیں ہو سکتا یہ تو اعشیٰ کا کام ہے۔ زہیر رغبت و امید میں بے نظیر ہے۔ لیکن قربان جائے قرآن کے اسلوب پر ہر مضمون کو بلیغانہ و فصیحانہ اسلوب میں بیان کرتا ہے خواہ وہ ترغیب و ترہیب ہو یا رزم و بزم، جنت و جہنم کا بیان ہو یا پھر دنیا کی مذمت کا ذکر، انبیاء و صالحین کے کردار کا تذکرہ ہو یا پھر گزرے ہوئے سرکشوں اور باغیوں کی عبرت آموز داستانِ حیات، ہر ایک کو اسی مضمون کے مناسب جوش و خروش اور پر شوکت و پر عظمت لفظ و نظم میں بیان کرتا ہے۔ پھر مخاطب بھی ہر قسم کے ہیں۔ اعلیٰ درجے کے ماہرین فنون بھی، تو متوسط طبقہ کے فصیح و بلیغ نیز احرار قسم کے انسان بھی، قرآن کریم باوجود کہ بیان کی جملہ اقسام پر مشتمل ہے لیکن اس کے تینوں قسموں کے مخاطب بیک وقت متاثر ہوتے ہیں اور ہر کوئی سمجھنے پر مجبور ہوتا ہے کہ قرآن کا اصل خطاب اسی سے ہے۔

#### 5.6.1 صنف کی ہیئت و صورت

قرآن کریم نہایت معجز کلام ہے، اس کا اعجاز اس کے ہر لفظ میں نظر آتا ہے، اعجاز کے جتنے پہلو ہیں، بلاغت، فصاحت، حذف، واختصار، معانی و مطالب کی اثر انگیزی اور ترکیب اور بناوٹ کا حسن، صوتی ہم آہنگی یہ سارے اوصاف قرآن کریم کے تمام ہی سورتوں میں علی وجہ الاکمل پائے جاتے ہیں، اختصار اور ایجاز قرآن کریم کے اسلوب کا امتیازی وصف ہے اور اس وصف میں اس کا اعجاز نہایت نمایاں ہے، قرآن کریم چونکہ قیامت تک کے ہر زمانے کی رہنمائی کے لیے آیا ہے، اس لیے اس نے مختصر جملوں میں وہ وسیع مضامین سمیٹ دیے ہیں کہ ہر دور اور ہر زمانے میں اس سے ہدایت حاصل کی جاسکتی ہیں۔ چودہ سو سال گزر جانے پر بھی اس کے مضامین پرانے نہیں ہوئے، اس عرصے میں انسانی زندگی نے کتنے پلٹے کھائے، کیسے کیسے عظیم انقلابات رونما ہوئے، لیکن قرآن کریم سدا بہار رہا اور رہے گا۔ وہ تاریخ کی کتاب نہیں، مگر تاریخ کا مستند ترین مآخذ ہے، وہ سیاست و قانون کی کتاب نہیں، لیکن اس نے چند مختصر جملوں میں سیاست اور جہاں بانی کے وہ اصول بیان فرما دیے ہیں، جو رہتی دنیا تک انسانیت کی رہنمائی کریں گے۔ وہ فلسفہ اور سائنس کی کتاب نہیں، لیکن اس نے فلسفہ اور سائنس کے بہت سے عقدے کھول دیے ہیں۔ وہ معاشیات اور عمرانیات کی کتاب نہیں، لیکن دونوں موضوعات پر اس نے اختصار کے ساتھ ایسی جامع ہدایات دے دی ہیں کہ دنیا کے علوم و فنون سینکڑوں ٹھوکریں کھانے کے بعد آج ان کے قریب پہنچ رہے ہیں۔ قرآن کے خوبصورت نغموں کی آواز ایسی نغمگی ایجاد کرتی ہے کہ جو کانوں کو بھلی لگتی ہے، بہت سے عیسائی عربوں نے قرآن کے انداز کی تعریفیں کی ہیں اور مستشرقین میں سے بھی جو عربی سے آشنا تھے انھوں نے قرآن کی فصاحت و لطافت اور ظرافت کو بہت سراہا ہے، جب قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے تو اس کی خاص جاذبیت سننے والے کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے، یہ قرآن کی مٹھاس اور دلنشین آواز ہی تو تھی جس نے سرزنش کرنے والی آوازوں کو خاموش کر دیا اور شریعت رسولؐ کے جسم میں روح پھونک دی اور اسے ناقابلِ تقلید بنا



دیا، وسیع عربی نظم و نثر اور عرب ادبیات کے دامن میں فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے قرآن سے بلند پایہ اور پر مایہ کتاب موجود نہیں ہے اور نہ کوئی ایسا عظیم اثر موجود ہے کہ جس کا موازنہ قرآن سے کیا جاسکے، قرآن کے عرب و غیر عرب پر اس حد تک گہرے اثرات ہیں کہ وہ اس کے سامنے بے اختیار نظر آتے ہیں۔

قرآن مجید اللہ کا کلام ہے، اس کا لفظ لفظ اعجاز سے بھرا ہوا ہے، دنیا میں بسنے والے ہر انسان کو اس میں خطاب کیا گیا ہے اور ہر ایک کی ذہنی سطح کا اس میں خیال رکھا گیا ہے، اس کی مختلف آیتوں اور مختلف سورتوں میں انسان کی رہنمائی کا پورا سامان موجود ہے، اس کے کسی گوشہ گوشہ نہیں چھوڑا گیا، کوئی بھی اگر کھلے دل سے اس کا مطالعہ کرتا ہے تو خواہ وہ ہدایت سے کتنا ہی دور ہو، حقائق اس کے سامنے کھلنے لگتے ہیں اور آہستہ آہستہ وہ اپنے پیدا کرنے والے سے قریب ہوتا جاتا ہے، اس کی تلاوت قرب الہی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، اس میں زندگی کا جو دستور دیا گیا ہے وہ پوری دنیا کے لیے سلامتی اور ترقی کا ضامن ہے، سماجی و اخلاقی نظام جو اس میں بنایا گیا ہے وہ کسی بھی سماج کے لیے منارہ نور کی حیثیت رکھتا ہے۔

سورہ حجرات جو صرف اٹھارہ آیتوں پر مشتمل ہے، سماج کے لیے ایک عظیم رہبر سورہ ہے، جس میں عقیدہ و اخلاق کی تعلیمات کے ساتھ انسانی حقائق کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ عقل پر سے پردے ہٹتے چلتے جاتے اور ایسے بلند آفاق سامنے آتے ہیں جن کی طرف انسانی عقل کی رسائی بغیر رہبری کے ممکن نہیں تھی، اس میں دل کی غذا اور روح کی شفا کا ایسا سامان موجود ہے کہ اگر اس کو اختیار کر لیا جائے تو سکون و اطمینان کی حقیقی دولت انسان کو نصیب ہوتی ہے۔

اس میں دنیا کے قیام و بقا اور صلاح کے بنیادی اصول بیان کیے گئے ہیں اور پھر اس کو باقی رکھنے کا طریقہ بھی بتایا گیا ہے اور ایسے صاف ستھرے سماج کی تشکیل کی گئی ہے جو اشرف المخلوقات کے لیے ضروری ہے اور اس پر اس کی کامیابی کا انحصار ہے۔

## 5.7 متن سبق کا موضوع

اس سورت کا موضوع مسلمانوں کو ان آداب کی تعلیم دینا ہے جو اہل ایمان کے شایان شان ہیں۔ ابتدائی پانچ آیتوں میں ان کو وہ ادب سکھایا گیا ہے جو انہیں اللہ اور اس کے رسول کے معاملے میں ملحوظ رکھنا چاہیے۔ پھر یہ ہدایت دی گئی ہے کہ ہر خبر پر یقین کر لینا اور اس پر کوئی کارروائی کر گزرنے کا مناسب نہیں ہے۔ اگر کسی شخص یا گروہ یا قوم کے خلاف کوئی اطلاع ملے تو غور سے دیکھنا چاہیے کہ خبر ملنے کا ذریعہ قابل اعتماد ہے یا نہیں۔ قابل اعتماد نہ ہو تو اس پر کارروائی کرنے سے پہلے تحقیق کر لینا چاہیے کہ خبر صحیح ہے یا نہیں۔ اس کے بعد بتایا گیا ہے کہ اگر کسی وقت مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو اس صورت میں دوسرے مسلمانوں کو کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہیے۔ پھر مسلمانوں کو ان برائیوں سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے جو اجتماعی زندگی میں فساد برپا کرتی ہیں اور جن کی وجہ سے آپس کے تعلقات خراب ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کا مذاق اڑانا، ایک دوسرے پر طعن کرنا، ایک دوسرے کے برے برے نام رکھنا، بدگمانیاں کرنا، دوسرے کے حالات کی کھوج کرید کرنا، لوگوں کو پیٹھ پیچھے ان کی برائیاں کرنا، یہ وہ افعال ہیں جو بجائے خود بھی گناہ ہیں اور معاشرے میں بگاڑ بھی پیدا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نام بنام ان کا ذکر فرما کر انہیں حرام قرار دے دیا ہے۔ اس کے بعد قومی اور نسلی امتیازات پر ضرب لگائی گئی ہے جو دنیا میں عالمگیر فسادات کے موجب ہوتے ہیں۔ قوموں اور قبیلوں اور خاندانوں کا اپنے شرف پر فخر و غرور اور دوسروں کو اپنے سے کمتر سمجھنا اور اپنی بڑائی قائم کرنے کے لیے دوسروں کو گرانا، ان اہم اسباب میں سے ہے جن کی بدولت

دنیا ظلم سے بھر گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مختصر سی آیت نازل فرما کر اس برائی کی جڑ کاٹ دی ہے کہ تمام انسان ایک ہی اصل سے پیدا ہوئے ہیں اور قوموں اور قبیلوں میں ان کا تقسیم ہونا تعارف کے لیے ہے نہ کہ تفاخر کے لیے اور ایک انسان پر دوسرے انسان کی فوقیت کے لیے اخلاقی فضیلت کے سوا اور کوئی جائز بنیاد نہیں ہے۔

## 5.8 متن سبق کی توضیح و تشریح

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدُمُوا...: اے ایمان والو! آگے نہ بڑھو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا ادب و احترام ملحوظ رکھنے کی تعلیم دی ہے اور آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اجازت کے بغیر کسی قول اور فعل میں اصلا ان سے آگے نہ بڑھنا تم پر لازم ہے کیونکہ یہ آگے بڑھنا رسول کریم ﷺ کے ادب و احترام کے خلاف ہے جب کہ بارگاہ رسالت میں نیاز مندی اور آداب کا لحاظ رکھنا لازم ہے اور تم اپنے تمام اقوال و افعال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو گے تو یہ ڈرنا تمہیں آگے بڑھنے سے روکے گا اور ویسے بھی اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ تمہارے تمام اقوال کو سنتا اور تمام افعال کو جانتا ہے اور جس کی ایسی شان ہے اس کا حق یہ ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔

اس آیت کے شان نزول سے متعلق مختلف روایات ہیں، ان میں سے دو روایات درج ذیل ہیں:

- (1) چند لوگوں نے عید الاضحیٰ کے دن سرکارِ دو عالم ﷺ سے پہلے قربانی کر لی تو ان کو حکم دیا گیا کہ دوبارہ قربانی کریں۔
  - (2) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ بعض لوگ رمضان سے ایک دن پہلے ہی روزہ رکھنا شروع کر دیتے تھے، ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی اور حکم دیا گیا کہ روزہ رکھنے میں اپنے نبی ﷺ سے آگے نہ بڑھو۔ (مدارک، حجرات: ۱، ص: ۱۱۵۰-۱۱۴۹)
- آیت: لَا تَقْدُمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ سے متعلق چند باتیں ملاحظہ ہوں:

- (1) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سید المرسلین ﷺ کی شان اتنی بلند ہے کہ ان کی بارگاہ کے آداب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمائے ہیں۔
- (2) اس آیت میں اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ دونوں سے آگے نہ بڑھنے کا حکم فرمایا گیا حالانکہ اللہ تعالیٰ سے آگے ہونا ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ وہ نہ زمانہ میں ہے نہ کسی مکان میں اور آگے ہونا یا زمانے میں ہوتا ہے یا جگہ میں، معلوم ہوا کہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ سے آگے نہ بڑھو، ان کی بے ادبی دراصل اللہ تعالیٰ کی بے ادبی ہے۔

- (3) حضور پر نور ﷺ کے خادم کی حیثیت سے یا کسی ضرورت کی بنا پر آپ سے اجازت لے کر آگے بڑھنا اس ممانعت میں داخل نہیں ہے، لہذا احادیث میں جو بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے آگے آگے چلنا مذکور ہے وہ اس آیت میں داخل نہیں کیونکہ ان کا چلنا خادم کی حیثیت سے تھا، یونہی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا امامت کروانا بھی اس میں داخل نہیں کیونکہ آپ کا یہ عمل حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی اجازت سے تھا۔

- (4) علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: علمائے کرام چونکہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وارث ہیں اس لیے ان سے آگے بڑھنا بھی اس ممانعت میں داخل ہے اور اس کی دلیل حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی وہ روایت ہے جس میں آپ فرماتے ہیں: حضور

اقدرس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آگے چلتے ہوئے دیکھا تو ارشاد فرمایا اے ابودرداء! کیا تم اس کے آگے چلتے ہو جو تم سے بلکہ ساری دنیا سے افضل ہے۔ (روح البیان ۱/۹، ۲۶)

یاد رہے کہ یہ ادب ان علمائے کرام کے لیے ہے جو اہل حق اور باعمل ہیں کیونکہ یہی علماء درحقیقت انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وارث ہیں جب کہ بدنہ ہوں کے علماء اور بے عمل عالم اس ادب کے مستحق نہیں ہیں۔

مفسرین نے اس آیت کے شان نزول کے بارے میں مختلف روایات ذکر کی ہیں، ان میں سے چند روایات درج ذیل ہیں:

(1) حضرت ابن ابی ملیکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: دو بہترین حضرات ہلاک ہونے کے قریب جا پہنچے تھے، ہوا یوں کہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی بارگاہ میں اس وقت اپنی آوازیں اونچی کر دی تھیں جب بنو تمیم کے سوار بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تھے، ان میں سے ایک صاحب نے بنی مجاشع کے بھائی اقرع بن حابس کی طرف اشارہ کیا کہ انہیں ان کی قوم کا حاکم بنادیا جائے اور دوسرے نے ایک اور شخص کی جانب اشارہ کیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: آپ یہ کہہ کر میری مخالفت کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: میں تو آپ کی مخالفت کرنا نہیں چاہتا۔ یہ گفتگو کرتے ہوئے ان دونوں حضرات کی آوازیں بلند ہو گئیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ۔ (بخاری، کتاب التفسیر: ۳/۳۳۱، حدیث: ۴۸۴۵)

صحیح بخاری شریف کی دوسری روایت میں ہے، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہی واقعہ مروی ہے، البتہ اس کے آخر میں یہ ہے کہ اس گفتگو کے دوران ان کی آوازیں بلند ہو گئیں تو اس معاملے میں یہ آیت نازل ہوئی يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْذِفُوا إِلَيْهَا يُسَاقُ إِلَيْكُمْ وَهُمْ يَوْمًا يَأْوِسُ السَّامِعُونَ۔ (بخاری، کتاب التفسیر: ۳/۳۳۲، حدیث: ۴۸۴۷) اس صورت میں اس شان نزول کا تعلق آیت نمبر 1 اور 2 دونوں سے ہے۔

(2) دوسرا شان نزول یہ بیان ہوا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی بارگاہ میں منافقین اپنی آوازیں بلند کیا کرتے تھے تاکہ کمزور مسلمان اس معاملے میں ان کی پیروی کریں، اس پر مسلمانوں کو بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم میں آواز بلند کرنے سے منع کر دیا گیا تاکہ منافق اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوں (قرطبی: ۲/۸۰، ۲۲۰، الجزء السادس عشر)

نیز یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے کوئی بے ادبی سرزد ہوئی ہو جس پر انہیں تنبیہ کی گئی ہو، عین ممکن ہے کہ پیش بندی کے طور پر انہیں یہ آداب تعلیم فرمائے گئے ہوں اور بے ادبی کی سزا سے آگاہ کیا گیا ہو۔

آیت: لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ کے نزول کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا حال:

جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بہت محتاط ہو گئے اور تاجدار رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے گفتگو کے دوران بہت سی احتیاطوں کو اپنے اوپر لازم کر لیا تاکہ آواز زیادہ بلند نہ ہونے پائے، نیز اپنے علاوہ دوسروں کو بھی اس ادب کی سختی سے تلقین کرتے تھے، اسی طرح آپ کے وصال ظاہری کے بعد آپ کے روضہ انور کے پاس خود بھی آواز بلند نہ کرتے اور دوسروں کو بھی آواز اونچی کرنے سے منع کرتے تھے، یہاں اسی سے متعلق چند واقعات ملاحظہ ہوں:

(1) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جب یہ آیت یا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ نازل ہوئی تو میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ﷺ، اللہ تعالیٰ کی قسم! آئندہ میں آپ سے سرگوشی کے انداز میں بات کیا کروں گا۔ (کنز العمال، کتاب الاذکار ۱/۲۱۴، الجزء الثانی، الحدیث: ۴۶۰۴)

(2) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: یہ آیت نازل ہونے کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال یہ تھا کہ آپ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی بارگاہ میں بہت آہستہ آواز سے بات کرتے تھے حتیٰ کہ بعض اوقات حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو بات سمجھنے کے لیے دوبارہ پوچھنا پڑتا کہ کیا کہتے ہو۔ (ترمذی، کتاب التفسیر ۵/۱۷۷، حدیث: ۳۲۷۷)

(3) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور (اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے) کہنے لگے: میں اہل نارسے ہوں۔ (جب یہ کچھ عرصہ بارگاہ رسالت میں حاضر نہ ہوئے تو) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کا حال دریافت فرمایا، انھوں نے عرض کی: وہ میرے پڑوسی ہیں اور میری معلومات کے مطابق انہیں کوئی بیماری بھی نہیں ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے کہا: یہ آیت نازل ہوئی ہے اور تم لوگ جانتے ہو کہ میں تم سب سے زیادہ بلند آواز ہوں (اور جب ایسا ہے) تو میں جہنمی ہو گیا۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ صورت حال حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے ارشاد فرمایا: (وہ جہنمی نہیں) بلکہ وہ جنت والوں میں سے ہیں۔ (مسلم، کتاب الایمان: ۱۸۷)

إِنَّ الَّذِينَ يَغْضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ...: بے شک جو لوگ اللہ کے رسول کے پاس اپنی آوازیں نیچی رکھتے ہیں۔  
شان نزول: جب یہ آیت یا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ نازل ہوئی تو اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور کچھ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بہت احتیاط لازم کر لی اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی خدمت اقدس میں بہت ہی پست آواز سے عرض معروض کرتے (جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے)، ان حضرات کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی اور ان کے عمل کو سراہتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا بے شک جو لوگ ادب اور تعظیم کے طور پر اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی بارگاہ میں اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے پرہیزگاری کے لیے پرکھ لیا (اور ان میں موجود پرہیزگاری کو ظاہر فرمادیا) ہے، ان کے لیے آخرت میں بخشش اور بڑا ثواب ہے۔ (جلائین مع صاوی، حجرات: ۳، ۵، ۱۹۸۸، ۱۹۸۷)

آیت إِنَّ الَّذِينَ يَغْضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ سے معلوم ہوتا ہے کہ:

- (1) تمام عبادات بدن کا تقویٰ ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا ادب دل کا تقویٰ ہے۔
- (2) اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دل تقویٰ کے لیے پرکھ لیے ہیں تو جو انہیں معاذ اللہ فاسق مانے وہ اس آیت کا منکر ہے۔
- (3) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم انتہائی پرہیزگار اور اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرنے والے تھے کیونکہ جس نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا رسول مان لیا اور آپ کی اس قدر تعظیم کی کہ آپ کے سامنے اس ڈر سے اپنی آواز تک بلند نہ کی کہ کہیں بلند آواز سے بولنے کی بنا پر اس کے اعمال ضائع نہ ہو جائیں تو اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کا خوف کتنا زیادہ ہوگا۔

(4) حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بخشش یقینی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بخشش کا اعلان فرما دیا ہے۔

(5) ان دونوں بزرگوں کا اجر و ثواب ہمارے وہم و خیال سے بالا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے عظیم فرمایا ہے۔

حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی معذوری کے باوجود اپنے اوپر یہ لازم کر لیا تھا کہ وہ کبھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز بلند نہیں کریں گے، ان کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ہم اہل جنت میں سے ایک شخص کو اپنے سامنے چلتا ہوا دیکھتے تھے اور جب پیامہ کے مقام پر مسیلمہ سے جنگ ہوئی تو حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ مسلمانوں کا ایک گروہ شکست کھا گیا ہے، یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا: ان لوگوں پر افسوس ہے، پھر حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے اس طرح جنگ نہیں کیا کرتے تھے۔ پھر یہ دونوں ڈٹ گئے اور لڑائی کرتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں خواب میں دیکھا، انھوں نے فرمایا: فلاں شخص میری ذرع اتار کر لے گیا ہے اور وہ لشکر کے کونے میں گھوڑے کے پاس پتھر کی ہنڈیا کے نیچے رکھی ہوئی ہے، لہذا آپ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جائیں اور انہیں اس کی خبر دیں تاکہ وہ میری ذرع واپس لے سکیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جائیں اور ان سے عرض کریں: مجھ پر قرض ہے، تاکہ وہ میرا قرض ادا کر دیں اور میرا فلاں غلام آزاد ہے۔ چنانچہ ان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی خبر دی تو انھوں نے ذرع اور گھوڑے کو اسی طرح پایا جیسے حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا تھا، انھوں نے ذرع لے لی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس خواب کی خبر دی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیت کو نافذ کر دیا۔ حضرت مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: مجھے اس وصیت کے علاوہ کوئی ایسی وصیت معلوم نہیں جو کسی کی وفات کے بعد نافذ کی گئی ہو۔ (صاوی: ۳، ۵، ۱۹۸۸)۔

إِنَّ الدِّينَ يَنَازِلُكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُورَاتِ ---: بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں۔

### 5.8.1 شان نزول

بنو تمیم کے چند لوگ دو پہر کے وقت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے، اس وقت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آرام فرما رہے تھے، ان لوگوں نے حجروں کے باہر سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو پکارنا شروع کر دیا اور حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لے آئے، ان لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جلالت شان کو بیان فرمایا گیا کہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں اس طرح پکارنا جہالت اور بے عقلی ہے۔ (مدارک، الحجرات: ۴، ص ۱۱۵) وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا ---: اور اگر وہ صبر کرتے۔

اس آیت میں ان لوگوں کو ادب کی تلقین کی گئی کہ انہیں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو پکارنے کی بجائے صبر اور انتظار کرنا چاہئے تھا یہاں تک کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خود ہی مقدس حجرے سے باہر نکل کر ان کے پاس تشریف لے آتے اور اس کے بعد یہ لوگ اپنی عرض پیش کرتے۔ اگر وہ اپنے اوپر لازم اس ادب کو بجالاتے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا اور جن سے یہ بے ادبی سرزد ہوئی ہے اگر وہ توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں بخشے والا اور ان پر مہربانی فرمانے والا ہے۔ (روح البیان، حجرات: ۵، ۹، ۶۸)

اس آیت سے مزید دو باتیں معلوم ہوئیں:

(1) اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے دربار شریف کے آداب اللہ تعالیٰ نے بنائے اور اسی نے سکھائے ہیں یاد رہے کہ یہ آداب صرف انسانوں پر ہی جاری نہیں بلکہ جنوں، انسانوں اور فرشتوں سب پر جاری ہیں اور یہ آداب کسی خاص وقت تک کے لیے نہیں بلکہ ہمیشہ کے لیے ہیں۔

(2) اکابرین کی بارگاہ کادب کرنا بندے کو بلند درجات تک پہنچاتا ہے اور دنیا و آخرت کی سعادتوں سے نوازتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا۔۔۔: اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لو۔

ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے جس میں کسی کی شکایت ہو تو صرف اس کی بات پر اعتماد نہ کرو بلکہ تحقیق کر لو کہ وہ صحیح ہے یا نہیں کیونکہ جو فسق سے نہیں بچا وہ جھوٹ سے بھی نہ بچے گا تا کہ کہیں کسی قوم کو انجانے میں تکلیف نہ دے بیٹھو پھر ان کی برأت ظاہر ہونے کی صورت میں تمہیں اپنے کیے پر شرمندہ ہونا پڑے۔

مفسرین نے اس آیت کا شان نزول یہ بیان کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنی مصطلق سے صدقات وصول کرنے بھیجا، زمانہ جاہلیت میں ان کے اور ان کے درمیان دشمنی تھی، جب حضرت ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے علاقے کے قریب پہنچے اور ان لوگوں کو خبر ہوئی تو اس خیال سے کہ حضرت ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے بھیجے ہوئے ہیں، بہت سے لوگ ان کی تعظیم کے لیے ان کا استقبال کرنے آئے، لیکن حضرت ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گمان کیا کہ یہ پرانی دشمنی کی وجہ سے مجھے قتل کرنے آرہے ہیں، یہ خیال کر کے حضرت ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس ہو گئے اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے (اپنے گمان کے مطابق) عرض کر دیا کہ حضور! صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں نے صدقہ دینے سے منع کر دیا اور مجھے قتل کرنے کے درپے ہو گئے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حالات کی تحقیق کے لیے بھیجا، حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ وہ لوگ اذانیں کہتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور ان لوگوں نے صدقات پیش کر دیے۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ صدقات لے کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور واقعہ عرض کیا، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (مدارک، حجرات ۶: ص: ۱۱۵۲، روح البیان: ۶، ۷۱/۹، ۷۰)

## 5.8.2 صحابہ میں کوئی فاسق نہیں

یاد رہے کہ اس آیت میں بطور خاص حضرت ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فاسق نہیں کہا گیا بلکہ ایک اسلامی قانون بیان کیا گیا ہے لہذا اس آیت کی بنا پر انہیں فاسق نہیں کہہ سکتے، جیسا کہ علامہ احمد صاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اس آیت کے نزول کا سبب اگرچہ حضرت ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے لیکن فاسق سے مراد بطور خاص حضرت ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں ہیں کیونکہ آپ فاسق نہیں بلکہ عظیم صحابی ہیں۔ (صاوی، حجرات ۶، ۷۱/۵، ۱۹۹۱، ۱۹۹۰)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس آیت کے پیش نظر کسی شخص کا حضرت ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فاسق کا اطلاق کرنا بڑی خطا ہے کیونکہ انھوں نے وہم اور گمان کیا جس میں خطا کر گئے اور خطا کرنے والے کو فاسق نہیں کہا جاتا۔ (تفسیر کبیر، حجرات ۶: ۱۰/۹۸)

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت کے نزول کا سبب اگرچہ حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہی ہو، لیکن یہ نہیں ہے کہ آیت میں بطور

خاص آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہی فاسق کہا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس واقعے میں یا اس سے پہلے ان سے کوئی ایسا کام سرزد نہیں ہوا جس کی بنا پر انہیں فاسق کہا جاسکے اور اس واقعے میں بھی انھوں نے بنو مصطلق کی طرف جو بات منسوب کی تھی وہ اپنے گمان کے مطابق صحیح سمجھ کر کی تھی اگرچہ حقیقت میں وہ غلط تھی اور یہ ایسی چیز نہیں جس کی بنا پر کسی کو فاسق قرار دیا جاسکے۔

### 5.8.3 معاشرے کو امن کا گہوارہ بنانا

اس آیت سے معلوم ہوا کہ دین اسلام ان کاموں سے روکتا ہے جو معاشرتی امن کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں اور وہ کام کرنے کا حکم دیتا ہے جن سے معاشرہ امن و سکون کا گہوارہ بنتا ہے، جیسے مذکورہ بالا آیت میں بیان کیے گئے اصول کو اگر ہم آج کل کے دور میں پیش نظر رکھیں تو ہمارا معاشرہ امن کا گہوارہ بن سکتا ہے کیونکہ ہمارے ہاں لڑائی جھگڑے اور فسادات ہوتے ہی اسی وجہ سے ہیں کہ جب کسی کو کوئی اطلاع دی جاتی ہے تو وہ اس کی تصدیق نہیں کرتا بلکہ فوراً غصہ میں آجاتا ہے اور وہ کام کر بیٹھتا ہے جس کے بعد ساری زندگی پریشان رہتا ہے۔ اسی طرح ہمارے ہاں خاندانی طور پر جو جھگڑے ہوتے ہیں وہ اسی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ چاہے وہ ساس بہو کا معاملہ ہو یا شوہر و بیوی کا کہ تصدیق نہیں کی جاتی اور لڑائیاں شروع کر دی جاتی ہیں۔

آیت: اِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ:

- (1) ایک شخص اگر عادل ہو تو اس کی خبر معتبر ہے۔
- (2) حاکم یک طرفہ بیان پر فیصلہ نہ کرے بلکہ فریقین کا بیان سن کر ہی کوئی فیصلہ کرے۔
- (3) غیبت کرنے والے اور چغل خور کی بات ہرگز قبول نہ کی جائے۔
- (4) کسی کام میں جلدی نہ کی جائے ورنہ بعد میں پچھتانا پڑ سکتا ہے۔

وَاعْلَمُوا أَنِّي فِيكُمْ رَسُولُ اللَّهِ۔۔۔ اور جان لو کہ تم میں اللہ کے رسول تشریف فرما ہیں۔

اس آیت اور اس کے بعد والی آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اے ایمان والو! جان لو کہ تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کے رسول تشریف فرما ہیں، اگر تم میں سے کوئی ان سے جھوٹ بولے گا تو اللہ تعالیٰ انہیں خبردار کر دے گا اور وہ (اس کے حکم سے) تمہارا حال ظاہر کر کے تمہیں رسوا کر دیں گے، لہذا تم ان سے کوئی باطل بات نہ کہو اور یاد رکھو کہ اگر تمہارے بتائے ہوئے بہت سے معاملات میں وہ تمہاری بات ہی مانیں اور تمہاری رائے کے مطابق حکم دیدیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم ضرور مشقت میں پڑ جاؤ گے لیکن اللہ تعالیٰ نے تم پر رحم کرتے ہوئے انہیں اس سے بچا لیا اور تمہارے دل میں ایمان کی محبت ڈال دی اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا ہے جس کی برکت سے تم رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حکم عدولی نہیں کرتے اور کفر، حکم عدولی اور نافرمانی تمہیں ناگوار کر دی ہے جس کے باعث تم نافرمانی سے متنفّر ہو، ایسے ہی لوگ رشد و ہدایت والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے حق راستے پر قائم ہیں اور اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ ان کے احوال کا علم رکھنے والا اور ان پر انعام فرمانے میں حکمت والا ہے۔ (مدارک، حجرات: ۸، ۷، ص ۱۱۵۲)

آیت: وَاعْلَمُوا أَنِّي فِيكُمْ رَسُولُ اللَّهِ سے معلوم ہونے والی چند اہم باتیں:

- (1) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں جھوٹ بولنا سخت گناہ ہے۔

- (2) ایمان پیارا معلوم ہونا اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے۔
- (3) ایمان کا کمال اپنی کوشش سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے نصیب ہوتا ہے۔
- (4) گناہ نہ کرنا بھی کمال ہے لیکن گناہ سے دل میں نفرت پیدا ہو جانا بڑا کمال ہے کیونکہ یہ نفرت گناہوں سے مستقل طور پر بچا لیتی ہے۔
- (5) تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کفر و فسق اور گناہ سے دلی بیزار ہیں، ان کے دلوں میں ایمان، تقویٰ اور رشد و ہدایت ایسی رچ گئی ہے جیسے گلاب کے پھول میں رنگ و بو۔

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا ---: اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو تم ان میں صلح کروادو۔

#### 5.8.4 شان نزول

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ دراز گوش پر سوار ہو کر تشریف لے جا رہے تھے، اس دوران انصار کی مجلس کے پاس سے گزر رہا تو وہاں تھوڑی دیر ٹھہرے، اس جگہ دراز گوش نے پیشاب کیا تو عبد اللہ بن ابی نے ناک بند کر لی۔ یہ دیکھ کر حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا حضور اکرم ﷺ کے دراز گوش کا پیشاب تیرے مشک سے بہتر خوشبو رکھتا ہے۔ نبی رحمت ﷺ تو تشریف لے گئے لیکن ان دونوں میں بات بڑھ گئی اور ان دونوں کی قومیں آپس میں لڑ پڑیں اور ہاتھ پائی تک نوبت پہنچ گئی، صورت حال معلوم ہونے پر سرکارِ دو عالم ﷺ واپس تشریف لائے اور ان میں صلح کرادی، اس معاملے کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی اور ارشاد فرمایا گیا اے ایمان والو! اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو تم سمجھا کر ان میں صلح کروادو، پھر اگر ان میں سے ایک دوسرے پر ظلم اور زیادتی کرے اور صلح کرنے سے انکار کر دے تو مظلوم کی حمایت میں اس زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف پلٹ آئے، پھر اگر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف پلٹ آئے تو انصاف کے ساتھ دونوں گروہوں میں صلح کروادو اور دونوں میں سے کسی پر زیادتی نہ کرو (کیونکہ اس جماعت کو ہلاک کرنا مقصود نہیں بلکہ سختی کے ساتھ راہِ راست پر لانا مقصود ہے) اور صرف اس معاملے میں ہی نہیں بلکہ ہر چیز میں عدل کرو، بے شک اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے تو وہ انہیں عدل کی اچھی جزا دے گا۔ (مدارک، الحجرات: ۹، ص: ۱۱۵۳)

آیت: وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا سے جو باتیں معلوم ہوتی ہیں وہ ملاحظہ ہو:

- (1) جنگ و جدال گناہ ہے، مگر یہاں دونوں فریقوں کو مومن فرمایا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ گناہ کفر نہیں ہے۔
- (2) مسلمانوں میں صلح کرانا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔
- (3) غلط فہمی کی وجہ سے بادشاہ اسلام کی مخالفت یا اس سے جنگ کرنے والا کافر اور فاسق نہیں بلکہ مومن ہے۔
- (4) سلطان اسلام باغیوں سے جنگ کرے یہاں تک کہ وہ اپنی بغاوت سے باز آجائیں۔
- (5) یہ جنگ جہاد نہ ہوگی، نہ ان باغیوں کا مال غنیمت ہوگا، نہ ان کے قیدی لونڈی غلام بنائے جائیں گے بلکہ ان کا زور توڑ کر ان سے برادرانہ سلوک کیا جائے گا۔

#### 5.8.5 معاشرے سے ظلم کا خاتمہ ہو

ظلم ایک ایسا بدترین فعل ہے جس سے انسان اپنے بنیادی حق سے محروم ہو کر اذیت اور کرب کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور یہ وہ



عمل ہے جس سے جھگڑے اور فسادات جنم لیتے، لوگ بغاوت اور سرکشی پر اتر آتے اور اصول و قوانین ماننے سے انکار کر دیتے ہیں جس کے نتیجے میں انسانی حقوق تلف ہوتے اور معاشرے کا امن و سکون تباہ ہو کر رہ جاتا ہے، دین اسلام چونکہ انسانی حقوق کا سب سے بڑا محافظ اور معاشرتی امن کو برقرار رکھنے کا سب سے زیادہ حامی ہے اسی لیے اس دین نے انسانی حقوق تلف کرنے اور معاشرتی امن میں بگاڑ پیدا کرنے والے ہر فعل سے روکا ہے اور ان چیزوں میں ظلم کا کردار دوسرے افعال کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے اس لیے اسلام نے ظلم کے خاتمے کے لیے بھی انتہائی احسن اقدامات کیے ہیں تاکہ لوگوں کے حقوق محفوظ رہیں اور وہ امن و سکون کی زندگی بسر کریں، ان میں سے ایک اقدام لوگوں کو یہ حکم دینا ہے کہ وہ ظالم کو روکیں اور دوسرا اقدام ظالم کو وعیدیں سننا ہے تاکہ وہ خود اپنے ظلم سے باز آجائے، معاشرتی امن کو قائم کرنے اور اس کی راہ میں حائل ایک بڑی رکاوٹ ظلم کو ختم کرنے میں اسلام کا کردار سب سے زیادہ ہے اور اس کی کوششیں دوسروں کے مقابلے میں کہیں زیادہ کارگر ہیں کیونکہ جب لوگ ظالم کو ظلم کرنے سے روک دیں گے تو وہ ظلم نہ کر سکے گا اور ظالم جب اتنی ہولناک وعیدیں سنے گا تو اس کے دل میں خوف پیدا ہوگا اور یہی خوف ظلم سے باز آنے میں اس کی مدد کرے گا، یوں معاشرے سے ظلم کا جڑ سے خاتمہ ہوگا اور معاشرہ امن و سکون کا پر لطف باغ بن جائے گا۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ۔۔۔۔۔: مسلمان (ایک دوسرے کے) بھائی بھائی ہیں۔

ارشاد فرمایا: مسلمان تو آپس میں بھائی بھائی ہی ہیں کیونکہ یہ آپس میں دینی تعلق اور اسلامی محبت کے ساتھ مربوط ہیں اور یہ رشتہ تمام دنیوی رشتوں سے مضبوط تر ہے، لہذا جب کبھی دو بھائیوں میں جھگڑا واقع ہو تو ان میں صلح کرادو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ تم پر رحمت ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور پرہیزگاری اختیار کرنا ایمان والوں کی باہمی محبت اور الفت کا سبب ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے۔ (مدارک، حجرات: ۱۰، ص: ۱۱۵۳)

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنے باہمی تعلقات سمجھنے اور اس کے تقاضوں کے مطابق عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ۔۔۔۔۔: اے ایمان والو! مرد دوسرے مردوں پر نہ ہنسیں۔

## 5.8.6 شان نزول

اس آیت مبارکہ کے مختلف حصوں کا نزول مختلف واقعات میں ہوا ہے اور آیت کے زیر تفسیر حصے کے نزول سے متعلق دو واقعات درج ذیل ہیں:

(1) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اونچا سنتے تھے، جب وہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی مجلس شریف میں حاضر ہوتے تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم انہیں آگے بٹھاتے اور ان کے لیے جگہ خالی کر دیتے تاکہ وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے قریب حاضر رہ کر کلام مبارک سن سکیں۔ ایک روز انہیں حاضری میں دیر ہو گئی اور جب مجلس شریف خوب بھر گئی اس وقت آپ تشریف لائے اور قاعدہ یہ تھا کہ جو شخص ایسے وقت آتا اور مجلس میں جگہ نہ پاتا تو جہاں ہوتا وہیں کھڑا رہتا۔ لیکن حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے تو وہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے قریب بیٹھنے کے لیے لوگوں کو ہٹاتے ہوئے یہ کہتے چلے کہ جگہ دو جگہ یہاں تک کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے اتنے قریب پہنچ گئے کہ ان کے اور حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے درمیان میں صرف ایک شخص رہ گیا، انھوں نے اس سے بھی کہا کہ جگہ دو، اس نے کہا: تمہیں جگہ مل گئی ہے اس لیے بیٹھ جاؤ۔ حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ غصہ میں آکر اس کے پیچھے بیٹھ گئے۔ جب دن خوب روشن ہوا تو حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا جسم دبا کر کہا: کون؟ اس نے کہا: میں فلاں شخص

ہوں۔ حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی ماں کا نام لے کر کہا: فلائی کا لڑکا۔ اس پر اس شخص نے شرم سے سر جھکا لیا کیونکہ اس زمانے میں ایسا کلمہ عار دلانے کے لیے کہا جاتا تھا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(2) حضرت ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: یہ آیت بنی تمیم کے ان افراد کے بارے میں نازل ہوئی جو حضرت عمار، حضرت خباب، حضرت بلال، حضرت صہیب، حضرت سلمان اور حضرت سالم وغیرہم غریب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی غربت دیکھ کر ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا گیا کہ مرد مردوں سے نہ ہنسیں، یعنی مال دار غریبوں کا، بلند نسب والے دوسرے نسب والوں کا، تندرست اپانچ کا اور آنکھ والے اس کا مذاق نہ اڑائیں جس کی آنکھ میں عیب ہو، ہو سکتا ہے کہ وہ ان ہنسنے والوں سے صدق اور اخلاص میں بہتر ہوں۔ (خازن، حجرات: ۱۱، ۴/۱۶۹)

آیت کے دوسرے شان نزول سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص میں فقر، محتاجی اور غربتی کے آثار نظر آئیں تو ان کی بنا پر اس کا مذاق نہ اڑایا جائے، ہو سکتا ہے کہ جس کا مذاق اڑایا جا رہا ہے وہ مذاق اڑانے والے کے مقابلے میں دینداری کے لحاظ سے کہیں بہتر ہو۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جن کے بال بکھرے ہوئے اور غبار آلود ہوتے ہیں، ان کے پاس دو پرانی چادریں ہوتی ہیں اور انہیں کوئی پناہ نہیں دیتا (لیکن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کا رتبہ و مقام یہ ہوتا ہے کہ) اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم کھالیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں کام کرے گا تو اللہ تعالیٰ وہ کام کر کے ان کی قسم کو سچا کر دیتا ہے۔ (ترمذی، کتاب المناقب: ۵/۴۵۹، حدیث: ۳۸۸۰)

حضرت حارث بن وہب خزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں جنتی لوگوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟ یہ ہر وہ شخص ہے جو کمزور اور (لوگوں کی نگاہوں میں) گرا ہوا ہے، اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی قسم سچی کر دے گا۔ (ترمذی، کتاب صف جہنم، ۱۳۔ باب ۲/۲۷۲، حدیث: ۲۶۱۴)

وَلَا نِسَاءَ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ: اور نہ عورتیں دوسری عورتوں پر ہنسیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان ہنسنے والیوں سے بہتر ہوں۔

## 5.8.7 شان نزول

آیت مبارکہ کے اس حصے کے نزول سے متعلق دو روایات درج ذیل ہیں:

(1) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے متعلق نازل ہوئی ہے، انھوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چھوٹے قد کی وجہ سے شرمندہ کیا تھا۔

(2) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: آیت کا یہ حصہ ام المؤمنین حضرت صفیہ بنت حی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حق میں اس وقت نازل ہوا جب انہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ایک زوجہ مطہرہ نے یہودی کی بیٹی کہا۔ (خازن، الحجرات: ۱۱، ۴/۱۶۹)

اس واقعے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو معلوم ہوا کہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انہیں یہودی کی لڑکی کہا ہے، (اس پر انہیں رنج ہوا اور) آپ رونے لگیں، جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور انہیں روتا ہوا پایا تو ارشاد فرمایا تم کیوں رورہی ہو؟ عرض کی: حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مجھے یہودی کی لڑکی

کہا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم نبی زادی ہو، تیرے چچا نبی ہیں اور نبی کی بیوی ہو، تو تم پر وہ کیا فخر کرتی ہیں اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا اے حفصہ! (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ (ترمذی، کتاب المناقب، باب فضل ازواج النبی ۴۷۴/۵، حدیث: ۳۹۲۰)

نوٹ: آیت مبارکہ میں عورتوں کا جدا گانہ ذکر اس لیے کیا گیا کہ عورتوں میں ایک دوسرے کا مذاق اڑانے اور اپنے آپ کو بڑا جاننے کی عادت بہت زیادہ ہوتی ہے، نیز آیت مبارکہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عورتیں کسی صورت آپس میں ہنسی مذاق نہیں کر سکتیں بلکہ چند شرائط کے ساتھ ان کا آپس میں ہنسی مذاق کرنا جائز ہے، جس میں نہ فحش ہو نہ ایذائے مسلم، نہ بڑوں کی بے ادبی، نہ چھوٹوں سے بد لٹائی، نہ وقت و محل کے نظر سے بے موقع، نہ اس کی کثرت اپنی ہمسر عورتوں سے جائز ہے۔

### 5.8.8 مذاق اڑانے کی شرعی ممانعت

اہانت اور تحقیر کے لیے زبان یا اشارات یا کسی اور طریقے سے مسلمان کا مذاق اڑانا حرام و گناہ ہے کیونکہ اس سے ایک مسلمان کی تحقیر اور اس کی ایذا رسانی ہوتی ہے اور کسی مسلمان کی تحقیر کرنا اور دکھ دینا سخت حرام اور جہنم میں لے جانے والا کام ہے۔ (جہنم کے خطرات، ص: ۱۷۳)

وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ: اور آپس میں کسی کو طعن نہ دو۔ یعنی قول یا اشارے کے ذریعے ایک دوسرے پر عیب نہ لگاؤ کیونکہ مومن ایک جان کی طرح ہے جب کسی دوسرے مومن پر عیب لگایا جائے گا تو گویا اپنے پر ہی عیب لگایا جائے گا۔ (روح المعانی، حجرات: ۱۱، ۱۳/۴۲۴)

### 5.8.9 طعنہ دینے کی مذمت

(۱) حضرت ابوورداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بہت لعن طعن کرنے والے قیامت کے دن نہ گواہ ہوں گے نہ شفیع۔ (مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب النهی عن لعن الدواب وغیرہا، ص: ۱۲۰۰، حدیث: ۸۵/۲۵۹۸)

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا مومن نہ طعن کرنے والا ہوتا ہے، نہ لعنت کرنے والا، نہ فحش کہنے والا بے ہودہ ہوتا ہے۔ (ترمذی، کتاب البر والصلة: ۳/۳۹۳، حدیث: ۱۹۸۴)

اللہ تعالیٰ ہمیں طعنہ دینے سے محفوظ فرمائے، آمین۔

وَلَا تَنَابَزُوا بِاللِّقَابِ: اور ایک دوسرے کے برے نام نہ رکھو۔ برے نام رکھنے سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، ان میں سے تین اقوال درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: ایک دوسرے کے برے نام رکھنے سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے کسی برائی سے توبہ کر لی ہو تو اسے توبہ کے بعد اس برائی سے عار دلائی جائے۔ یہاں آیت میں اس چیز سے منع کیا گیا ہے۔

حدیث پاک میں اس عمل کی وعید بھی بیان کی گئی ہے، جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اپنے بھائی کو اس کے کسی گناہ پر شرمندہ کیا تو وہ شخص اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ وہ اس

گناہ کا ارتکاب نہ کر لے۔ (ترمذی: ۵۳- باب، ۲۲۶/۴، الحدیث: ۲۵۱۳)

(2) بعض علما نے فرمایا برے نام رکھنے سے مراد کسی مسلمان کو کتا یا گدھایا سو رکھنا ہے۔

(3) بعض علماء نے فرمایا کہ اس سے وہ القاب مراد ہیں جن سے مسلمان کی برائی نکلتی ہو اور اس کو ناگوار ہو، لیکن تعریف کے القاب جو سچے ہوں ممنوع نہیں، جیسے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لقب عتیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذوالنورین اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ابوتراب اور حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سیف اللہ تھا اور جو القاب گویا کہ نام بن گئے اور القاب والے کو ناگوار نہیں وہ القاب بھی ممنوع نہیں، جیسے اعش اور اعرج وغیرہ۔ (خازن، حجرات: ۱۱، ۱۷۰/۴)

يُسُّ الْأَسْمَ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ: مسلمان ہونے کے بعد فاسق کہلانا کیا ہی برانام ہے۔ ارشاد فرمایا: مسلمان ہونے کے بعد فاسق کہلانا کیا ہی برانام ہے تو اے مسلمانو! کسی مسلمان کی ہنسی بنا کر یا اس کو عیب لگا کر یا اس کا نام بگاڑ کر اپنے آپ کو فاسق نہ کہلا اور جو لوگ ان تمام افعال سے توبہ نہ کریں تو وہی ظالم ہیں۔ (خازن، حجرات: ۱۱، ۱۷۰/۴)

آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ سے تین مسئلے معلوم ہوئے:

- (1) مسلمانوں کی کوئی قوم ذلیل نہیں، ہر مومن عزت والا ہے۔
  - (2) عظمت کا دار و مدار محض نسب پر نہیں تقویٰ و پرہیزگاری پر ہے۔
  - (3) مسلمان بھائی کو نسبی طعنہ دینا حرام اور مشرکوں کا طریقہ ہے آج کل یہ بیماری مسلمانوں میں عام پھیلی ہوئی ہے۔ نسبی طعنہ کی بیماری عورتوں میں زیادہ ہے، انہیں اس آیت سے سبق لینا چاہیے نہ معلوم بارگاہ الہی میں کون کس سے بہتر ہو۔
- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ۔۔۔۔۔ اے ایمان والو! بہت زیادہ گمان کرنے سے بچو۔

آیت کے اس حصے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو بہت زیادہ گمان کرنے سے منع فرمایا کیونکہ بعض گمان ایسے ہیں جو محض گناہ ہیں لہذا احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ گمان کی کثرت سے بچا جائے۔ (ابن کثیر، حجرات: ۱۲، ۷/۳۵۲)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہاں آیت میں گمان کرنے سے بچنے کا حکم دیا گیا (کیونکہ گمان ایک دوسرے کو عیب لگانے کا سبب ہے، اس پر قبیح افعال صادر ہونے کا مدار ہے اور اسی سے خفیہ دشمن ظاہر ہوتا ہے اور کہنے والا جب ان امور سے یقینی طور پر واقف ہوگا تو وہ اس بات پر بہت کم یقین کرے گا کہ کسی میں عیب ہے تاکہ اسے عیب لگائے، کیونکہ کبھی فعل بظاہر قبیح ہوتا ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا اس لیے کہ ممکن ہے کرنے والا اسے بھول کر رہا ہو یا دیکھنے والا غلطی پر ہو۔ (تفسیر کبیر، الحجرات: ۱۲، ۱۰/۱۱۰)

علامہ عبداللہ بن عمر بیضاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: یہاں آیت میں گمان کی کثرت کو مبہم رکھا گیا تاکہ مسلمان ہر گمان کے بارے میں محتاط ہو جائے اور غور و فکر کرے یہاں تک کہ اسے معلوم ہو جائے کہ اس گمان کا تعلق کس صورت سے ہے کیونکہ بعض گمان واجب ہیں، بعض حرام ہیں اور بعض مباح ہیں۔ (بیضاوی، حجرات: ۱۲، ۵/۲۱۸)

گمان کی کئی اقسام ہیں، ان میں سے چار یہ ہیں: (1) واجب، جیسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا گمان رکھنا۔ (2) مستحب، جیسے صالح مومن کے ساتھ نیک گمان رکھنا۔ (3) ممنوع حرام۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ برا گمان کرنا اور یونہی مومن کے ساتھ برا گمان کرنا۔ (4) جائز، جیسے فاسق معلن

کے ساتھ ایسا گمان کرنا جیسے افعال اس سے ظہور میں آتے ہوں۔

حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: گمان دو طرح کا ہے، ایک وہ کہ دل میں آئے اور زبان سے بھی کہہ دیا جائے۔ یہ اگر مسلمان پر برائی کے ساتھ ہے تو گناہ ہے۔ دوسرا یہ کہ دل میں آئے اور زبان سے نہ کہا جائے، یہ اگرچہ گناہ نہیں مگر اس سے بھی دل کو خالی کرنا ضروری ہے۔ (مدارک، حجرات: ۱۲، ص ۱۱۵۵)

#### 5.8.10 بدگمانی کا شرعی حکم

مسلمان پر بدگمانی خود حرام ہے جب تک ثبوت شرعی نہ ہو۔ مسلمانوں پر بدگمانی حرام اور حتی الامکان اس کے قول و فعل کو وجہ صحیح پر حمل واجب ہے۔

بدگمانی کی مذمت اور اچھا گمان رکھنا: دین اسلام وہ عظیم دین ہے جس میں انسانوں کے باہمی حقوق اور معاشرتی آداب کو خاص اہمیت دی گئی اور ان چیزوں کا خصوصی لحاظ رکھا گیا ہے اسی لیے جو چیز انسانی حقوق کو ضائع کرنے کا سبب بنتی ہے اور جو چیز معاشرتی آداب کے برخلاف ہے اس سے دین اسلام نے منع فرمایا اور اس سے بچنے کا تاکید کے ساتھ حکم دیا ہے، جیسے ان اشیا میں سے ایک چیز بدگمانی ہے جو کہ انسانی حقوق کی پامالی کا بہت بڑا سبب اور معاشرتی آداب کے انتہائی برخلاف ہے، اس سے دین اسلام میں خاص طور پر منع کیا گیا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا (بنی اسرائیل) اور اس بات کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے آپ کو بدگمانی سے بچاؤ کہ بدگمانی بدترین جھوٹ ہے، ایک دوسرے کے ظاہری اور باطنی عیب مت تلاش کرو، حرص نہ کرو، حسد نہ کرو، بغض نہ کرو، ایک دوسرے سے روگردانی نہ کرو اور اے اللہ کے بندوں بھائی بھائی ہو جاؤ۔ (مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الظن والتجسس)

وَلَا تَجَسَّسُوا: اور تجسس نہ کرو۔ اس آیت میں دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ مسلمانوں کی عیب جوئی نہ کرو اور ان کے پوشیدہ حال کی جستجو میں نہ رہو جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی ستاری سے چھپایا ہے۔

#### 5.8.11 عیب تلاش کرنے کی ممانعت

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کے پوشیدہ عیب تلاش کرنا اور انہیں بیان کرنا ممنوع ہے، یہاں اسی سے متعلق ایک عبرت انگیز حدیث پاک ملاحظہ ہو، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے ان لوگوں کے گروہ، جو زبان سے ایمان لائے اور ایمان ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوا، مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور ان کی چھپی ہوئی باتوں کی ٹٹول نہ کرو، اس لیے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی چھپی ہوئی چیز کی ٹٹول کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی پوشیدہ چیز کی ٹٹول کرے (یعنی اسے ظاہر کر دے) گا اور جس کی اللہ (عزوجل) ٹٹول کرے گا یعنی عیب ظاہر کرے گا اس کو رسوا کر دے گا، اگرچہ وہ اپنے مکان کے اندر ہو۔ (ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی الغیبة: ۳/۵۴، حدیث: ۴۸۸۰)

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی غیبت کرنا اور ان کے عیب تلاش کرنا منافق کا شعار ہے اور عیب تلاش کرنے کا انجام ذلت و رسوائی ہے کیونکہ جو شخص کسی دوسرے مسلمان کا عیب تلاش کر رہا ہے، یقیناً اس میں بھی کوئی نہ کوئی عیب ضرور ہوگا اور ممکن ہے کہ وہ عیب ایسا ہو جس کے ظاہر ہونے سے وہ معاشرے میں ذلیل و خوار ہو جائے لہذا عیب تلاش کرنے والوں کو اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ ان کی اس حرکت کی بنا پر کہیں اللہ تعالیٰ ان کے وہ پوشیدہ عیوب ظاہر نہ فرمادے جس سے وہ ذلت و رسوائی سے دوچار ہو جائیں۔

#### 5.8.12 عیب چھپانے کی فضیلت

- (1) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے کسی مسلمان کے عیب پر پردہ رکھا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیوب پر پردہ رکھے گا۔ (بخاری، کتاب المظالم والغصب، باب لا یظلم المسلم ۱۲۶/۲، حدیث: ۲۴۴۲)
- (2) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص ایسی چیز دیکھے جس کو چھپانا چاہیے اور اس نے پردہ ڈال دیا یعنی چھپا دی تو ایسا ہے جیسے موودہ یعنی زندہ زمین میں دبا دی جانے والی بچی کو زندہ کیا (ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی المستر علی المسلم ۴/۳۵۷، حدیث: ۴۸۱۹)

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے بھائیوں کے عیب چھپانے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

لوگوں کے عیب تلاش کرنے کی بجائے اپنے عیبوں کی اصلاح کی جائے: جو شخص لوگوں کے عیب تلاش کرنے میں رہتا ہے اسے خاص طور پر اور تمام لوگوں کو عمومی طور پر چاہیے کہ کسی کے عیب تلاش کرنے کے بجائے اپنے اندر موجود عیبوں کو تلاش کرنے اور ان کی اصلاح کرنے کی کوشش کریں کہ اسی میں ان کی اور دوسروں کی دنیا و آخرت کا بھلا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی آنکھ میں تنکادیکھتا ہے اور اپنی آنکھ کو بھول جاتا ہے۔ (شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: جب تم اپنے ساتھی کے عیب ذکر کرنے کا ارادہ کرو تو اس وقت اپنے عیبوں کو یاد کرو۔ (شعب الایمان)

#### 5.8.13 انسان کی عزت و حرمت کی حفاظت میں تعلیمات قرآن کا کردار

قرآن کی نظر میں ایک انسان کی عزت و حرمت کی قدر بہت زیادہ ہے اور اگر وہ انسان مسلمان بھی ہو تو اس کی عزت و حرمت کی قدر اسلام کی نظر میں مزید بڑھ جاتی ہے، اسی لیے قرآن نے ان تمام افعال سے بچنے کا حکم دیا ہے جن سے کسی انسان کی عزت و حرمت پامال ہوتی ہو، ان افعال میں سے ایک فعل کسی کا عیب تلاش کرنا اور اسے دوسروں کے سامنے بیان کر دینا ہے جس کا انسانوں کی عزت و حرمت ختم کرنے میں بہت بڑا کردار ہے، اس وجہ سے جہاں اس شخص کو ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس کا عیب لوگوں کے سامنے ظاہر ہو جائے وہیں وہ شخص بھی لوگوں کی نفرت اور ملامت کا سامنا کرتا ہے جو عیب تلاش کرنے اور انہیں ظاہر کرنے میں لگا رہتا ہے، یوں عیب تلاش کرنے والے اور جس کا عیب بیان کیا جائے، دونوں کی عزت و حرمت چلی جاتی ہے، اس لیے دین اسلام نے عیبوں کی تلاش میں رہنے اور انہیں لوگوں کے سامنے شرعی اجازت کے بغیر بیان

کرنے سے منع کیا اور اس سے باز نہ آنے والوں کو سخت وعیدیں سنائیں تاکہ ان وعیدوں سے ڈر کر لوگ اس برے فعل سے باز آجائیں اور سب کی عزت و حرمت کی حفاظت ہو۔

وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُم مِّنْ بَعْضٍ: اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ اس آیت میں تیسرا حکم یہ دیا گیا کہ ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو، کیا تم میں کوئی یہ پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے، یقیناً یہ تمہیں ناپسند ہوگا، تو پھر مسلمان بھائی کی غیبت بھی تمہیں گوارا نہ ہونی چاہیے کیونکہ اس کو پیٹھ پیچھے برا کہنا اس کے مرنے کے بعد اس کا گوشت کھانے کی مثل ہے کیونکہ جس طرح کسی کا گوشت کاٹنے سے اس کو ایذا ہوتی ہے اسی طرح اس کی بدگوئی کرنے سے اسے قلبی تکلیف ہوتی ہے اور درحقیقت عزت و آبرو گوشت سے زیادہ پیاری ہے۔

شان نزول: جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم جہاد کے لیے روانہ ہوتے اور سفر فرماتے تو ہر دو مال داروں کے ساتھ ایک غریب مسلمان کو کر دیتے کہ وہ غریب ان کی خدمت کرے اور وہ اسے کھلائیں پلائیں، یوں ہر ایک کا کام چلے، چنانچہ اسی دستور کے مطابق حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو آدمیوں کے ساتھ کیے گئے تھے، ایک روز وہ سو گئے اور کھانا تیار نہ کر سکے تو ان دونوں نے انہیں کھانا طلب کرنے کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بچن کے خادم حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، ان کے پاس کھانے میں سے کچھ باقی رہا نہ تھا، اس لیے انھوں نے فرمایا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی آکر کہہ دیا تو ان دونوں رفیقوں نے کہا: اسامہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے بخل کیا۔ جب وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا میں تمہارے منہ میں گوشت کی رنگت دیکھتا ہوں۔ انھوں نے عرض کی: ہم نے گوشت کھایا ہی نہیں۔ ارشاد فرمایا تم نے غیبت کی اور جو مسلمان کی غیبت کرے اس نے مسلمان کا گوشت کھایا۔ (خازن، الحجرات: ۱۲، ۱۴، ۱۷۰)

اس آیت میں غیبت کرنے سے منع کیا گیا اور ایک مثال کے ذریعے اس کی شاعت اور برائی کو بیان فرمایا گیا ہے، کثیر احادیث میں بھی اس کی شدید مذمت بیان کی گئی ہے جیسے:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا چیز ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی زیادہ جانتے ہیں۔ ارشاد فرمایا تم اپنے بھائی کا وہ عیب بیان کرو جس کے ذکر کو وہ ناپسند کرتا ہے۔ عرض کی گئی: اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے کہ اگر میرے بھائی میں وہ عیب موجود ہو جسے میں بیان کرتا ہوں۔ ارشاد فرمایا: تم جو عیب بیان کر رہے ہو اگر وہ اس میں موجود ہو جب ہی تو وہ غیبت ہے اور اگر اس میں وہ عیب نہیں ہے تو پھر وہ بہتان ہے۔ (مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب تحریم الغیبة، ص ۱۳۹، حدیث: ۷۰، ۲۵۸۹)

(۲) حضرت ابوسعید اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت چیز ہے۔ لوگوں نے عرض کیا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم، غیبت زنا سے زیادہ سخت کیسے ہے؟ ارشاد فرمایا مرد زنا کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور غیبت کرنے والے کی توبہ تک مغفرت نہ ہوگی جب تک وہ معاف نہ کر دے جس کی غیبت کی ہے۔ (شعب الایمان، الرابع والاربعون من شعب الایمان... الخ، فصل فیما ورد... الخ، ۳۰۶/۵، حدیث: ۶۷۴۱)

ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ انہیں غور سے پڑھے اور غیبت سے بچنے کی بھرپور کوشش کرے، فی زمانہ اس حرام سے بچنے کی بہت زیادہ ضرورت

ہے کیونکہ آج کل مسلمانوں میں یہ بلا بہت پھیلی ہوئی ہے اور وہ اس سے بچنے کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتے اور ان کی بہت کم مجلسیں ایسی ہوتی ہیں جو چغلی اور غیبت سے محفوظ ہوں۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ۔۔۔۔۔ اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔

ارشاد فرمایا: اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ایک عورت حضرت حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پیدا کیا اور جب نسب کے اس انتہائی درجہ پر جا کر تم سب کے سب مل جاتے ہو تو نسب میں ایک دوسرے پر فخر اور بڑائی کا اظہار کرنے کی کوئی وجہ نہیں، سب برابر ہو اور ایک جد اعلیٰ کی اولاد ہو، اس لیے نسب کی وجہ سے ایک دوسرے پر فخر کا اظہار نہ کرو اور ہم نے تمہاری مختلف قومیں، قبیلے اور خاندان بنایا تاکہ تم آپس میں ایک دوسرے کی پہچان رکھو اور ایک شخص دوسرے کا نسب جانے اور اس طرح کوئی اپنے باپ دادا کے سوا دوسرے کی طرف اپنے آپ کو منسوب نہ کرے، نہ یہ کہ اپنے نسب پر فخر کرنے لگ جائے اور دوسروں کی تحقیر کرنا شروع کر دے۔ (مدارک، الحجرات، تحت الآیۃ: ۱۳، ص: ۱۱۵۶)

یاد رہے کہ دنیا میں وہ امور اگرچہ کثیر ہیں کہ جن کی وجہ سے فخر و تکبر کیا جاتا ہے لیکن نسب ان میں سب سے بڑا مرہبہ کیونکہ مال، حسن اور بزرگی کی وجہ سے کیا جانے والا تکبر ہمیشہ نہیں رہتا بلکہ ان چیزوں کے ختم ہونے پر تکبر بھی ختم ہو جاتا ہے جب کہ نسب کی وجہ سے کیا جانے والا تکبر ختم نہیں ہوتا، اسی لیے یہاں بطور خاص اسے ذکر کیا گیا۔ (تفسیر کبیر، الحجرات: ۱۳، ۱۰/۱۱۳)

#### 5.8.14 نسب کے ذریعے فخر و تکبر کرنے کی مذمت

فخر و تکبر کے اسباب میں سے ایک اہم سبب اپنے نسب کے ذریعے دوسروں پر تکبر کرنا ہے، اس کے بارے میں امام محمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: جس آدمی کا نسب اچھا ہو وہ دوسرے نسب والوں کو حقیر جانتا ہے اور بعض لوگ حسب و نسب کے ذریعے اس طرح تکبر کرتے ہیں کہ گویا دوسرے لوگ ان کی ملکیت میں اور ان کے غلام ہیں، وہ ان سے میل جول کرنے اور ان کے پاس بیٹھنے سے نفرت کرتے ہیں اور اس کا نتیجہ ان کی زبان پر یوں آتا ہے کہ تکبر کرتے ہوئے دوسروں کو گھٹیا قسم کے الفاظ سے پکارتے ہوئے کہتے ہیں: تم کون ہو؟ تمہارا باپ کون ہے؟ میں فلاں کا بیٹا فلاں ہوں، تمہیں مجھ سے بات کرنے یا میری طرف دیکھنے کا کیا حق ہے؟ تو مجھ جیسے لوگوں سے بات کرتا ہے اور مجھ سے اس قسم کی گفتگو کرتا ہے؟ وغیرہ

یہ ایک ایسی پوشیدہ رگ ہے کہ کوئی بھی نسب والا اس سے خالی نہیں ہوتا اگرچہ وہ نیک اور باعمل ہو، لیکن بعض اوقات حالت اعتدال پر ہونے کی صورت میں یہ بات ظاہر نہیں ہوتی اور جب اس پر غصے کا غلبہ ہو تو وہ اس کے نور بصیرت کو بجھا دیتا ہے اور اس قسم کی گفتگو اس کی زبان پر آ جاتی ہے۔

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں ایک شخص سے میری تکرار ہو گئی تو میں نے کہا: اے کالی عورت کے بیٹے! تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے ابو ذر! صاع پورا نہیں بھرا جاتا، سفید عورت کے بیٹے کو سیاہ عورت کے بیٹے پر کوئی فضیلت نہیں۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں لیٹ گیا اور اس شخص سے کہا: اٹھو اور میرے رخسار کو پامال کر دو۔

دیکھیے کس طرح نبی اکرم ﷺ نے انہیں تنبیہ فرمائی جب انھوں نے سفید خاتون کا بیٹا ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو افضل سمجھا اور یہ



بات خطا اور نادانی ہے اور دیکھیے کہ انھوں نے کس طرح توبہ کی اور اپنے آپ سے تکبر کے درخت کو اس شخص کے تلوے کے ذریعے جڑ سے اکھاڑ پھینکا جس کے مقابلے میں تکبر کیا گیا تھا کیونکہ آپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ تکبر کو صرف عاجزی کے ذریعے ختم کیا جاسکتا ہے۔

اسی سلسلے میں مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی موجودگی میں دو آدمیوں نے ایک دوسرے پر فخر کا اظہار کیا، ایک نے کہا: میں فلاں کا بیٹا فلاں ہوں تم کون ہو؟ تمہاری تو ماں ہی نہیں۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے دو آدمیوں نے ایک دوسرے پر فخر کیا، ان میں سے ایک نے کہا: میں فلاں کا بیٹا فلاں ہوں، اس طرح وہ نوپشتیں شمار کر گیا اور کہا: تیری تو ماں ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف وحی بھیجی کہ جس نے فخر کا اظہار کیا ہے اس سے فرما دیجیے: وہ نوکی نوپشتیں جہنم میں جائیں گی اور تم ان کے ساتھ دسویں ہو گے۔ (مسند امام احمد، مسند الانصار، حدیث عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ... الخ، ۸/۳۴، حدیث: ۲۱۲۳۶)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لوگوں کو اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرنا چھوڑ دینا چاہیے وہ جہنم میں کوئلہ بن گئے یا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کیڑوں سے بھی زیادہ ذلیل ہیں جو اپنے ناک سے گندگی کو دھکیلتے ہیں۔ (احیاء علوم الدین، کتاب ذم الکبر والعجب، بیان ما بہ التکبر: ۴۳۲-۴۳۱)

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ: بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ آیت کے اس حصے میں وہ چیز بیان فرمائی جا رہی ہے جو انسان کے لیے شرافت و فضیلت کا سبب ہے اور جس سے اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عزت حاصل ہوتی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تم میں سے زیادہ عزت والا وہ شخص ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں جاننے والا اور تمہارے باطن سے خبردار ہے۔ شان نزول: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کے بازار میں تشریف لے گئے، وہاں ملاحظہ فرمایا کہ ایک حبشی غلام یہ کہہ رہا تھا: جو مجھے خریدے اس سے میری یہ شرط ہے کہ مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں پانچوں نمازیں ادا کرنے سے منع نہ کرے۔ اس غلام کو ایک شخص نے خرید لیا، پھر وہ غلام بیمار ہو گیا تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لیے تشریف لائے، پھر اس کی وفات ہو گئی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تدفین میں تشریف لائے، اس کے بارے میں لوگوں نے کچھ کہا تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (مدارک، الحجرات: ۱۳، ص: ۱۱۵۶)

#### 5.8.15 عزت و شرف کا معیار پرہیزگاری ہے

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عزت و فضیلت کا مدار نسب نہیں بلکہ پرہیزگاری ہے لہذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ نسب پر فخر کرنے سے بچے اور تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اسے عزت و فضیلت نصیب ہو، چند احادیث ملاحظہ ہوں:

(1) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: فتح مکہ کے دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کا غرور اور ایک دوسرے پر خاندانی فخر دور کر دیا ہے اور اب صرف دو قسم کے لوگ ہیں: (1) نیک اور متقی شخص جو کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معزز ہے۔ (2) گناہگار اور بد بخت آدمی، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ذلیل و خوار ہے۔ تمام لوگ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ہیں اور حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ

(ترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سور الحجرات، ۵/۱۷۹، حدیث: ۳۲۸۱)

(2) حضرت عدا بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں حج الوداع کے دن نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے منبر اقدس کے نیچے بیٹھا ہوا تھا، آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی، پھر فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ** ”تو کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں اور نہ ہی کسی عجمی کو عربی پر فضیلت حاصل ہے، کسی کا لے کو گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں اور نہ ہی کسی گورے کو کالے پر فضیلت حاصل ہے بلکہ فضیلت صرف تقویٰ و پرہیزگاری سے ہے تو جو متقی اور پرہیزگار ہے وہ افضل ہے“ (معجم الکبیر، عدا بن خالد بن ہوزہ العامری، ۱۸/۱۲، حدیث: ۱۶)

(3) حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا تو بندوں کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اس حال میں کہ وہ غیر مختون ہوں گے اور ان کی رنگت سیاہ ہوگی، تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: اے میرے بندو! میں نے تمہیں حکم دیا اور تم نے میرے حکم کو ضائع کر دیا اور تم نے اپنے نسبوں کو بلند کیا اور انہی کے سبب ایک دوسرے پر فخر کرتے رہے، آج کے دن میں تمہارے نسبوں کو حقیر و ذلیل قرار دے رہا ہوں، میں ہی غالب حکمران ہوں، کہاں ہیں متقی لوگ؟ کہاں ہیں متقی لوگ؟ بے شک اللہ تعالیٰ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ (تاریخ بغداد، ذکر من اسمہ علی، حرف الالف من آباء العلیین، ۲/۶۱۷-۶۱۸، علی بن ابراہیم العمری القزوی، ۱۱/۳۳۷)

## 5.9 متن کی خصوصیات

اس سورہ مبارکہ کی آیتوں کی تعداد اگرچہ صرف اٹھارہ ہے، لیکن اس میں نہایت اہم موضوعات بیان کیے گئے ہیں جن پر اعتقاد اخلاق، سیرت و کردار کا مکمل تعمیر کیا جاسکتا ہے اور جن کی برکت سے معاشرے میں انس، محبت اور ایثار کی فضا پیدا کی جاسکتی ہے۔

1۔ سب سے پہلے بارگاہ رسالت کے ادب و احترام کے بارے میں حتمی احکام صادر فرمائے، صاف صاف بتا دیا کہ کان کھول کر سن لو، اگر تم نے گستاخانہ لہجے میں میرے پیارے حبیب ﷺ کی بارگاہ اقدس میں اپنی آواز بھی اونچی کی تو عمر بھر کے اعمال صالحہ نیست و نابود ہو جائیں گے۔ میرا پیارا رسول ﷺ آرام فرما ہو تو باہر کھڑے ہو کر آوازیں مت دو، بلکہ خاموشی سے انتظار کرو۔ جس وقت حضور ﷺ تشریف لائیں، اس وقت اپنی معروضات پیش کرو۔ مختلف طریقوں سے بارگاہ نبوت کے ادب و احترام کا نقش لوح دل پر ثبت فرمایا تاکہ بھولے سے بھی کوئی مومن یہ گستاخی نہ کر بیٹھے۔ اسی طرح جب احادیث رسول بیان کی جا رہی ہے تو بھی یہی ادب ملحوظ ہونا چاہیے۔

2۔ اس کے بعد مسلمانوں کو بتایا کہ اتنے سادہ لوح بھی نہ بن جانا کہ جس کسی نے کوئی بات کہہ دی، فوراً اسے پلے باندھ لیا اور اس پر اپنے رد عمل کا اظہار کر دیا۔ جب بھی کوئی غیر معتبر آدمی کوئی بات آکر بتائے تو پہلے خوب چھان بین کر لیا کرو، پھر کوئی قدم اٹھایا کرو، ورنہ شدید ندامت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

3۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کے بارے میں صریح اعلان کر دیا کہ ہم نے ایمان کو ان کا محبوب بنا دیا ہے اور ان کی آنکھوں میں اسے یوں آراستہ کر دیا ہے کہ وہ اسے چھوڑ کر کسی غیر کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ اس کے ساتھ ساتھ کفر و فسوق کی نفرت اور بغض ان کے

دل میں یوں پیدا کر دیا ہے کہ وہ اس کی طرف مائل ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ جن نفوس قدسیہ کی حالت کلام الہی میں ان نورانی الفاظ سے بیان کی گئی ہو، ان کے ایمان کے بارے میں شک کرنا اور ان کے دامن عمل پر کچھ اچھا لانا بدبختی اور محرومی کی انتہا ہے۔

4۔ انسانی معاشرے میں تعلقات کا کشیدہ ہو جانا قطعاً بعید از امکان نہیں۔ اگر ایسی صورت حال پیدا ہو جائے اور اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں دست و گریبان ہو جائیں، تو دوسرے مسلمانوں کو خاموش تماشائی بننے کی اجازت نہیں، بلکہ انہیں حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور ان کے درمیان صلح کرادیں اور اپنا پورا اثر و رسوخ بھی استعمال کریں۔ پھر بھی اگر ایک فریق صلح پر آمادہ نہ ہو تو اس کی امداد کریں جو حق پر ہے۔

5۔ اس میں تصریحات کردی کہ مومن زمین کے کسی گوشہ میں آباد ہو، کوئی بولی بولتا ہو، کسی بھی نسل سے متعلق ہو، جب وہ اس دین کو قبول کر لیتا ہے، تو وہ اخوت اسلامی کے رشتے میں پرو دیا جاتا ہے۔ بیگانگی اور مغائرت کے سارے حجابات یکلخت اٹھ جاتے ہیں۔

6۔ اللہ تعالیٰ اسلامی معاشرے کو صحت مند بنیادوں پر استوار کر کے ترقی اور خوش حالی کی راہ پر گامزن دیکھنا چاہتا ہے، اس لیے ان تمام باتوں سے سختی کے ساتھ روک دیا جو دلوں میں نفرت، حقارت، حسد اور عداوت کی تخم ریزی کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کا مذاق اڑانا، ایک دوسرے کی عیب جوئی اور نکتہ چینی کرنا، چغلی کھانا، ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرنا وغیرہ یہ سب ایسی چیزیں ہیں جن سے دل ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگتے ہیں، اس لیے اہل ایمان کو حکم دیا کہ وہ ان چیزوں سے دور رہیں۔

7۔ اس کے بعد ان تمام باطل امتیازات کا قلع قمع کر دیا جو انسانی معاشرے کو رنگ، نسل، زبان، دولت وغیرہ کی بنیادوں پر متحارب گروہوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ انہیں بتا دیا کہ تم سب آدم و حوا کی اولاد ہو اور تمہاری قدر و منزلت کا معیار دولت، حکومت وغیرہ نہیں بلکہ تمہارا تقویٰ ہے۔ جو زیادہ متقی ہوگا، اللہ تعالیٰ کی جناب میں اسی کا مقام بلند ہوگا۔

8۔ آخر میں بتا دیا کہ اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں۔ جو دین اسلام کو قبول کرتے ہیں، وہ اسلام پر کوئی احسان نہیں کرتے، بلکہ اللہ تعالیٰ کا ان پر احسان ہے کہ اس نے اس دین حق کو قبول کرنے کی انہیں توفیق عطا فرمائی۔

## 5.10 اسلوبی خصوصیات

(1) اس سورت کی اسلوبی خصوصیت یہ ہے اس میں جگہ جگہ ”یا ایہا الذین آمنوا“ کے ذریعے مومنوں کو خطاب کیا گیا ہے، یعنی مقصود یہ ہے کہ اس میں ہر خطاب اور ہر حکم اتنی اہمیت کا حامل ہے کہ اس پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں آواز کو بلند نہ کیا جائے، یعنی کبھی بھی یہ ادب لا پرواہی اور غفلت کی وجہ سے تم سے نہ رہ جائے، اسی طرح اس کے مختلف مواقع سے اس سورت میں ”یا ایہا الذین آمنوا“ سے خطاب کیا گیا ہے۔ اسی طرح ان صیغوں میں ”یا“ اور ”الذین“ سے عمومی خطاب کو بتلایا گیا ہے۔

(2) نہی اور نفی کے سیاق میں فعل کا واقعہ ہونا جیسے: ”لا تقدّموا“ ”لا تجہروا“ ”لا یسخر“ ”لا تلمزوا“ ”ولا تنازروا“ ”لا تجسسوا“ یعنی ہر قسم کے تقدم، بلندی آواز، مذاق، طعن کرنا، آپس میں ایک دوسرے پاس القاب چسپاں کرنا، ایک دوسرے کی جاسوسی کرنا عمومی انداز میں کسی طرح جائز نہیں ہے۔

(3) اس طرح کے تمام جملے جو قرآن مجید کے اعجاز کی حیثیت رکھتے ہیں، جن میں ”إن جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا أن تصیباوقوما بجهالة“

إنما المؤمنون اخوة“ اسی طرح ”لا یسخر قوم من قوم عسی أن یكونوا خیرا منهم ولا نساء من نساء عسی أن ینکحن خیرا منهن“، ”ولا تلمزوا انفسکم، ولا تنازروا بالالقباب“ ”اجتنبوا کثیرا من الظن“، ”ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا ید حب أحدکم أن ید کل لحم أخیه متبیا فکرمتموه“، ”إنا خلقناکم من ذکر وانثی وجعلنا شعوبا وقبائل لتعارفوا“ اسی طرح ”إن اکرمکم عند اللہ اتقاکم“ اس طرح کے جملے یہ فصاحت و بلاغت اور جامعیت، اسلوب اور خوبی، حسن و خوبصورتی اور معانی و مطالب کا سمندر اپنے اندر لیے ہوئے ہیں، جس کا اندازہ عربیت سے واقف اور اس کی خوبصورتی اور ادبیت سے واقف شخص اچھی طرح لگا سکتا ہے، اس میں اخلاقیات کے بڑے بڑے پیمانے بتائے گئے ہیں اور یہی وہ سورت ہے، جس میں اصول حیات کے بڑے بڑے اصول بیان کیے گئے ہیں۔

## 5.11 اکتسابی نتائج

قرآن مجید اللہ کا وہ کلام ہے جو حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر نازل کیا گیا، قرآن درحقیقت انسان کو زندگی اور بندگی کا سلیقہ و طریقہ بتانے کے لیے نازل ہوا، انسانی زندگی کا تعلق دو طرح کا ہے: ایک انسان کا تعلق اپنے خالق پروردگار سے ہے، دوسرا انسان کا تعلق مخلوق سے ہے۔ کامیاب انسان وہ ہے جو ان دونوں تعلقات کو بہتر بنائے یعنی اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی اچھا ہو اور مخلوق کے ساتھ بھی اچھا ہو۔ قرآن درحقیقت زندگی اور بندگی کے اصول اور آداب سکھانے اور بتانے کے لیے نازل کیا گیا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بعثت کا کلیدی مقصد بھی یہی تھا کہ انسان کو اس کی زندگی کے مقصد سے آگاہ کیا جائے اور اس کو حقیقی انسان بنایا جائے۔

سورہ حجرات میں انہی تعلیمات کی طرف تبلیغ انداز میں اشارہ کیا گیا ہے چنانچہ پہلی آیت میں ایمان والوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے آگے نہ بڑھو اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو یقیناً اللہ تعالیٰ سننے اور جاننے والا ہے، اس آیت میں ایمان والوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ادب، احترام اور تعظیم کا حکم دیا گیا اور تبلیغ انداز میں یہ اشارہ دیا گیا ہے کہ رسول علیہ السلام کا ادب خدا کا ادب ہے اور رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بے ادبی خدا کی بے ادبی ہے۔

دوسری آیت میں بارگاہ رسالت میں گفتگو کے آداب بتائے گئے نبی علیہ السلام کی آواز سے اپنی آواز کو بلند کرنے سے منع کیا گیا اور آپس میں ایک دوسرے کو نام لے کر پکارنے کی طرح نبی علیہ السلام کو پکارنے سے روکا گیا اور تنبیہ کی گئی کہ اگر تم نبی علیہ السلام کی آواز پر اپنی آواز کو بلند کرو گے یا نام لے کر عام آدمیوں کی طرح پکارو گے تو تمہارے تمام نیک اعمال ضائع ہو جائیں گے اور تمہیں خبر بھی نہ ہوگی۔

تیسری آیت میں بارگاہ نبوی کا ادب کرنے والوں کی فضیلت اور عظمت بیان کی گئی کہ وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی آوازوں کو پست کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جنکے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے چن لیا اور ان کے لیے مغفرت اور بہت بڑا ثواب ہے۔

چوتھی آیت میں بے ادبی کرنے والوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا: اے حبیب ﷺ آپ کو جو لوگ حجرات کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر لوگ عقل نہیں رکھتے۔ پانچویں آیت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے در دولت پر حاضری کے آداب بتائے گئے اور فرمایا گیا کہ یہ لوگ نبی کو پکارنے کے بجائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد تک صبر کرتے اور انتظار کرتے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا اور اللہ بخشنے والا اور خوب رحم کرنے والا ہے۔

چھٹی آیت میں کامیاب زندگی اور پر امن و پرسکون زندگی کا ایک اصول بتایا گیا اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بات کی اطلاع دے تو اس کی بات پر بغیر تحقیق کے بھروسہ نہ کریں ہو سکتا ہے وہ بات صحیح نہ ہو پھر فساد اور جھگڑا ہوگا۔

ساتویں آیت میں یہ عقیدہ دیا گیا کہ تم یہ یقین کرو کہ تمہارے اندر اللہ کے رسول ﷺ موجود ہیں اگر وہ بہت سارے امور میں تمہاری بات مانیں گے تو تم مشقت میں پڑ جاؤ گے لیکن اللہ نے ایمان کو تمہارے لیے پسندیدہ اور محبوب بنایا اور اس کو تمہارے دلوں میں مزین فرمایا اور تمہارے نزدیک کفر اور گناہ اور نافرمانی کو ناپسندیدہ اور مبغوض بنا دیا یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ آٹھویں آیت میں اللہ کے فضل اور اس کی نعمت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

نویں آیت میں مسلمانوں کو آپس میں صلح اور صفائی کا راستہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا اور آپسی اختلافات کو پر امن اور صلح کے ذریعہ دور کرنے کا حکم دیا گیا اس کے باوجود اگر کوئی گروپ نہ مانے بلکہ بغاوت کرے تو بغاوت کرنے والوں سے مقابلہ کرنے کا حکم دیا گیا یہاں تک کہ وہ باغی گروپ حکم الہی کی طرف لوٹ کر آئے اگر وہ باغی گروپ اللہ کے احکام کی طرف لوٹ کر آجائیں تو دوڑنے والے گروہوں کے درمیان صلح کرانے کا حکم دیا گیا۔

دسویں آیت میں یہ بات واضح کی گئی کہ آپسی جھگڑے سے ایمان والوں کو بچنا چاہیے لیکن بشری تقاضوں کی وجہ سے اگر دو اشخاص یا دو جماعتوں یا دو خاندانوں کے درمیان جھگڑا ہو جائے تو تیسرے کو چاہیے کہ وہ دونوں کے درمیان صلح کرائے کیونکہ تمام ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

آیت نمبر گیارہ سے تیرہ تک ان تین آیتوں میں حسن معاشرت اور حسن اخلاق کی تعلیم دی گئی ایک دوسرے کا مذاق اڑانے سے منع کیا گیا اور ایک دوسرے کی تحقیر کرنے سے روکا گیا اور ایک دوسرے کو برے نام اور برے القاب سے پکارنے سے منع کیا گیا ہے اور بدگمانی سے بچنے کا حکم دیا گیا اور ایک دوسرے کے حالات اور شخصی معاملات کے بارے میں تجسس اور ٹوہ میں لگنے سے منع کیا گیا ہے اور ایک دوسرے کی غیبت کرنے سے منع کیا گیا ہے غیبت کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے برابر قرار دیا گیا ہے پھر آخر میں یہ واضح کیا گیا کہ بلندی، شرافت، بزرگی اور عظمت کا معیار حسب و نسب یا دنیوی وجاہت یا عہدہ نہیں ہے بلکہ بلندی اور بزرگی اور عزت کا معیار اللہ تعالیٰ کے پاس تقویٰ ہے اور جو تقویٰ اختیار کرے گا وہ اللہ کے پاس سب سے زیادہ معزز و مکرم اور محبوب ہوگا اور جو تقویٰ اختیار نہیں کرے گا وہ ذلیل و خوار ہے۔

## 5.12 نمونے کے امتحانی سوالات

1۔ درج ذیل عبارت پر اعراب لگائیے اور اس کا ترجمہ کیجیے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ (6) وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَزَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ (7) فَضَلَّاهُم مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (8) وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَتَأْتِلُوا إِلَيْهَا تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنَّ فَاءَ ت فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ

وَأَقْسَطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ۔

2۔ درج ذیل عبارت کا بحوالہ متن تشریح و توضیح کیجیے؟

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (10) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُوا قَوْمًا مِنْ قَوْمٍ عَسَى أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءً مِنْ نِسَاءٍ عَسَى أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الْأَسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَمْ يَتُبْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (11) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبَ بَعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ (12) يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (13)

3۔ مندرجہ ذیل الفاظ کے معانی بتائیے:

لا تقدموا، ولا تجهروا، تحبط، يغضون، تفي إلى امر الله، يسخر، ولا تلمزوا، ولا تنابزوا

4۔ قرآن کی تاریخ کا مختصر خلاصہ بیان کیجیے۔

5۔ ”سورہ حجرات“ کا خلاصہ بیان کیجیے۔

6۔ ادبی صنف کا تعارف اور اس کی ہیئت و صورت کو قلم بند کیجیے؟

7۔ ”سورہ حجرات“ کے متن کی خصوصیات اور اس کی اسلوبی امتیازات کو تحریر کیجیے؟

## 5.13 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

1۔ القرآن الکریم

2۔ التحریر والتنوير محمد بن طاهر عاشور

3۔ تفسير الكشاف للكشاف

## اکائی 6 : حدیث کے اقتباسات

اکائی کے اجزا	
6.1 مقصد	
6.2 تمہید	
6.3 متن سبق	
6.3.1 از صحیح بخاری	
6.3.2 از صحیح مسلم	
6.3.3 از جامع ترمذی	
6.4 صاحب متن کا تعارف	
6.4.1 امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ	
6.4.2 امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ	
6.4.3 امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ	
6.5 متن کا ترجمہ	
6.5.1 بخاری شریف	
6.5.2 مسلم شریف	
6.5.3 ترمذی	
6.6 لغوی تحقیق	
6.7 متن سبق کی توضیح و تشریح	
6.7.1 متن بخاری	
6.7.2 وفد عبدالقیس	
6.7.3 وفد عبدالقیس کی آمد کا سبب	

- 6.7.4 متن مسلم
- 6.7.5 متن ترمذی
- 6.8 متون مذکورہ کی خصوصیات
- 6.9 اسلوبی خصوصیات
- 6.10 اکتسابی نتائج
- احادیث بخاری
- احادیث مسلم
- احادیث ترمذی
- 6.11 نمونے کے امتحانی سوالات
- 6.12 مطالعے کے لیے معاون کتابیں



## 6.1 مقصد

اس اکائی میں طلبہ دراصل احادیث مبارکہ کی حقیقت اور ان کی ادبی حیثیت اور ان کا ادبی مقام و مرتبہ اور چند ایک مختلف موضوعات: ایمانیات، علم، علم دین کے سیکھنے اور سکھانے اور اعمال صالحہ کے اختیار کرنے اور اعمال سیئہ سے بے رغبتی اور کنارہ کشی، نفاقت و پاک دامنی، سخاوت و فیاضی کو اپنانے، اللہ کی نعمتوں کے شکر ادا کرنے اور صحیح اشعار، جو دینی امور حکم و امثال پر مبنی ہوان کی ترغیب اور غیر دینی اشعار جو انسان کو آخرت سے غافل کر دیں اس سے اجتناب پر مشتمل، بخاری، مسلم، ترمذی سے منتخبہ احادیث کو جانیں گے اور اس سے حاصل ہونے والے مختلف آداب اور اصول دین کی جانکاری حاصل کر سکیں گے اور اس کے علاوہ صاحب صحیح بخاری و مسلم و ترمذی اور ان کے احوال اور ان کی کتابوں کی اہمیت و افادیت کی بھی جانکاری حاصل کریں گے۔

## 6.2 تمہید

قرآن کے بعد مسلمانوں کے نزدیک سب سے زیادہ قابل احترام سرمایہ علم احادیث رسول مقبول ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو قرآن کے مطالب کے ادراک اور دیگر دنیوی امور کی رہبری کے لیے نصیحتیں کیں، زندگی کے اہم مسائل عام فہم اور سہل انداز میں حل کیا اور یہی منقولات مسلمانوں کے مصائب اور مشکلوں میں شمع ہدایت بن گئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جو سیاسی اختلافات پیدا ہوئے ان میں مختلف جماعتوں نے اپنی تائید کے لیے نئی احادیث گھڑنی شروع کیں یا اصل احادیث کو توڑ مروڑ کر اپنے مطلوبہ مطالب سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کیں جیسے خوارج کے مقابلے میں مہلب بن ابی صغره کیا کرتا تھا، یہ اختلافات اتنے شدید ہو گئے کہ اصل احادیث کی تحقیق کے سلسلے میں فن حدیث کی بنا پڑی، اسی زمانے میں حدیثوں کے مختلف نام قرار پائے مثلاً صحیح، حسن، ضعیف، مرسل، منقطع، شاذ اور غریب۔

اسلام میں حدیث کی سب سے بڑی پہلی کتاب جو اکثر علما کے نزدیک صحیح معنوں میں کتاب کہلانے کی مستحق ہے، وہ ابن شہاب زہری (م ۱۳۴) کی کتاب ہے، اس کے بعد حدیث میں تصنیف و تالیف کا کام تیزی سے شروع ہوا اور اس فن کی باقاعدہ کتاب موطا امام مالک (۱۷۹ھ) میں وجود میں آئی، اس کے بعد تیسری صدی ہجری میں امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند لکھی، اس کے بعد حدیث کی وہ کتابیں مرتب ہوئیں جنہیں صحاح یعنی صحیح حدیثوں کا مجموعہ کہا جاتا ہے، اس قسم کی کتابیں چھ ہیں، صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور نسائی۔

## 6.3 متن سبق

### 6.3.1 از صحیح بخاری

(۱) حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو إِدْرِيسَ عَائِدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ عِبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - وَكَانَ شَهِيدًا بَدْرًا، وَهُوَ أَحَدُ النَّقَبَائِ لَيْلَةَ الْعُقْبَةِ - أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ وَحَوْلَهُ عِصَابَةٌ مِنْ أَصْحَابِهِ: (يَا يُعُونِي عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا، وَلَا تَسْرِقُوا، وَلَا تَزْنُوا، وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ، وَلَا تَأْتُوا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُونَهُ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ، وَلَا تَعْصُوا فِي مَعْرُوفٍ - فَمَنْ وَفَى مِنْكُمْ فَأَجْزُهُ عَلَى اللَّهِ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا ثُمَّ

سَتَرَهُ اللَّهُ فَهُوَ إِلَى اللَّهِ، وَإِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ، وَإِنْ شَاءَ عَاقَبَهُ) (فَبَايَعْنَاهُ عَلَى ذَلِكَ) (حديث: ١٨، باب: ١١)

(2) حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَامِرُ بْنُ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَنْ سَعْدِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَعْطَى رَهْطًا - وَسَعْدٌ جَالِسٌ - فَتَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ رَجُلًا هُوَ أَعْجَبُهُمْ إِلَيَّ - فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا لَكَ عَنْ فَلَانٍ؟ فَوَاللَّهِ إِنِّي لَأَرَاهُ مُؤْمِنًا - فَقَالَ: ((أَوْ مُسْلِمًا)) فَسَكَتُ قَلِيلًا - ثُمَّ عَلَنِي مَا أَعْلَمُ مِنْهُ فَعَدْتُ لِمَقَالَتِي فَقُلْتُ مَا لَكَ عَنْ فَلَانٍ فَوَاللَّهِ لَأَرَاهُ مُؤْمِنًا فَقَالَ أَوْ مُسْلِمًا فَسَكَتُ قَلِيلًا ثُمَّ عَلَنِي مَا أَعْلَمُ مِنْهُ فَعَدْتُ لِمَقَالَتِي - وَعَادَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ: ((يَا سَعْدُ، إِنِّي لَأَعْطِي الرَّجُلَ وَغَيْرَهُ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْهُ، خَشْيَةً أَنْ يَكُنْهُ اللَّهُ فِي النَّارِ)) - وَرَوَاهُ يُونُسُ وَصَالِحٌ وَمَعْمَرٌ وَابْنُ أَخِي الزُّهْرِيِّ عَنِ الزُّهْرِيِّ - (حديث: ٢٤، باب إذا لم يكن الإسلام على الحقيقة)

(3) حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ وَاصِلِ الْأَحْدَبِ عَنِ الْمَعْزُورِ قَالَ لَقِيتُ أَبَا ذَرٍّ بِالرَّبَذَةِ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ وَعَلَى غَلَامِهِ حُلَّةٌ، فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ: إِنِّي سَابَيْتُ رَجُلًا فَعَيَّرْتُهُ بِأَمِّهِ، فَقَالَ لِي النَّبِيُّ ﷺ: ((يَا أَبَا ذَرٍّ، أَعَيَّرْتَهُ بِأَمِّهِ؟ إِنَّكَ أَمْرٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ - إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ، جَعَلَهُمُ اللَّهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ - فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ، وَلْيَلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ، وَلَا تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ، فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَأَعِينُوهُمْ)) - (حديث: ٣١، باب المعاصي من أمر الجاهلية)

(4) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ قَالَ: كُنْتُ أَفْعُدُ مَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ يَجْلِسُنِي عَلَى سَرِيرِهِ، فَقَالَ: أَقِمْ عِنْدِي حَتَّى أَجْعَلَ لَكَ سَهْمًا مِنْ مَالِي: فَأَقِمْتُ مَعَهُ شَهْرَيْنِ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ لَمَّا أَتَوْا النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ الْقَوْمُ - أَوْ مَنْ الْوَفْدُ -)) قَالُوا: رِبِيعَةٌ - قَالَ: ((مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ - أَوْ بِالْوَفْدِ - غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامَى)) فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّا لَا نَسْتَطِيعُ أَنْ نَأْتِيكَ إِلَّا فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ، وَبَيْنَنَا وَبَيْنَكَ هَذَا الْحَيُّ مِنْ كُفَّارٍ مُضَرٍّ، فَمُرْنَا بِأَمْرٍ فَضَّلْ نُخْبِرُ بِهِ مَنْ وَرَاءَنَا، وَنَدْخُلُ بِهِ الْجَنَّةَ وَنَسْأَلُكَ عَنْ الْأُشْرَبَةِ، فَأَمَرَهُمْ بِأَرْبَعٍ وَنَهَاَهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ: أَمَرَهُمْ بِالْإِيمَانِ وَحَدَهُ، قَالَ: ((أَتَدْرُونَ مَا الْإِيمَانُ بِاللَّهِ وَحَدَهُ؟)) قَالُوا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: ((شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، وَإِقَامُ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ، وَصِيَامُ رَمَضَانَ، وَأَنْ تُعْطُوا مِنَ الْمَغْنَمِ الْخُمْسَ)) وَنَهَاَهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ: ((عَنِ الْحَنْتَمِ، وَالذُّبَائِ وَالنَّقِيرِ، وَالْمَرْقَةِ)) - وَرَبَّمَا قَالَ: الْمُقْتِيرُ - وَقَالَ: ((اخْفَظُوا هُنَّ وَأَخْبِرُوا بِهِنَّ مَنْ وَرَاءَكُمْ)) - (حديث: ٥٣، باب أداء الخمس من الإيمان)

## 6.3.2 از صحيح مسلم

(1) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ النَّاسِ وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ يَقْبِضُ الْعُلَمَاءَ حَتَّى إِذَا لَمْ يَبْقَ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُوسًا جُهَالًا فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا -

(2) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَابْنُ حُجْرٍ قَالُوا حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ يَعْنُو ابْنُ جَعْفَرٍ عَنِ الْعَلَاءِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ دَعَا إِلَى هُدًى كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورٍ مَنْ تَبِعَهُ لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا وَمَنْ دَعَا إِلَى ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ آثَامٍ مَنْ تَبِعَهُ لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا -

(3) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَرُحَيْمِرُ بْنُ حَزْبٍ وَاللَّفْظُ لِقُتَيْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي وَأَنَا مَعَهُ حِينَ يَذْكُرُنِي إِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَالٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَالٍ هُمْ خَيْرُ مِنْهُمْ وَإِنْ تَقَرَّبَ مِنِّي شَبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا وَإِنْ أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً.

(4) حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَقَ الْمُسَيَّبِيُّ حَدَّثَنِي أَنَسُ بْنُ يَغْنِيٍّ ابْنُ عِيَاضٍ أَبَا صَمْرَةَ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ بَيْنَمَا ثَلَاثَةُ نَفَرٍ يَتَمَشَّوْنَ أَخَذَهُمُ الْمَطَرُ فَأَوُوا إِلَى غَارٍ فِي جَبَلٍ فَانْحَطَّتْ عَلَى فَمِّ غَارِهِمْ صَخْرَةٌ مِنَ الْجَبَلِ فَانْطَبَقَتْ عَلَيْهِمْ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ انْظُرُوا أَعْمَالًا عَمِلْتُمُوهَا صَالِحَةً لِلَّهِ فَأَدْعُوا اللَّهَ تَعَالَى بِهَا لَعَلَّهُ يَفْرَجَ جُهَا عَنْكُمْ فَقَالَ أَحَدُهُمُ اللَّهُمَّ إِنَّهُ كَانَ لِي وَالِدَانِ شَيْخَانِ كَبِيرَانِ وَأَمْرٌ أَتَى وَلِي صَبِيَّةً صِغَارًا رُغِيَ عَلَيْهِمْ فَأَذَارَ حُثَّ عَلَيْهِمْ حَلَبْتُ قَبْدَأْتُ بَوَالِدَيْ فَسَقَيْتُهُمَا قَبْلَ بَنِيَّ وَأَنَّهُ نَأَى بِي ذَاتَ يَوْمٍ الشَّجَرِ فَلَمَّ اتَّ حَتَّى أَمْسَيْتُ فَوَجَدْتُهُمَا قَدْ نَامَا فَحَلَبْتُ كَمَا كُنْتُ أَخْلَبُ فَجِئْتُ بِالْحَلَابِ فَقُمْتُ عِنْدَ رُؤُوسِهِمَا أَكْرَهُ أَنْ أُوقِظَهُمَا مِنْ نَوْمِهِمَا وَأَكْرَهُ أَنْ أُسْقِيَ الصَّبِيَّةَ قَبْلَهُمَا وَ الصَّبِيَّةُ يَتَضَاعُونَ عِنْدَ قَدَمِي فَلَمْ يَزَلْ ذَلِكَ دَائِبِي وَدَائِبُهُمْ حَتَّى طَلَعَ الْفَجْرُ فَإِنْ كُنْتُ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُ ذَلِكَ ابْتِغَاءً وَجْهَكَ فَافْرَجْ لَنَا مِنْهَا فُرْجَةً نَرَى مِنْهَا السَّمَاءَ فَقَرَجَ اللَّهُ مِنْهَا فُرْجَةً فَرَأَوْا مِنْهَا السَّمَاءَ وَقَالَ الْآخَرُ اللَّهُمَّ إِنَّهُ كَانَتْ لِي ابْنَةٌ عَمٌّ أَحَبَّيْتُهَا كَأَشَدِّ مَا يَحِبُّ الرِّجَالُ النِّسَاءَ وَطَلَبْتُ إِلَيْهَا نَفْسَهَا فَأَبَتْ حَتَّى أَتَيْتُهَا بِمِائَةِ دِينَارٍ فَبِغَيْتُ حَتَّى جَمَعْتُ مِائَةَ دِينَارٍ فَجِئْتُهَا بِهَا فَلَمَّا وَقَعْتُ بَيْنَ رِجْلَيْهَا قَالَتْ يَا عَبْدَ اللَّهِ أَتَى اللَّهَ وَلَا تَفْتَحُ الْخَاتَمَ إِلَّا بِحَقِّهَا فَقُمْتُ عَنْهَا فَإِنْ كُنْتُ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُ ذَلِكَ ابْتِغَاءً وَجْهَكَ فَافْرَجْ لَنَا مِنْهَا فُرْجَةً فَقَرَجَ لَهُمْ وَقَالَ الْآخَرُ اللَّهُمَّ إِنِّي كُنْتُ اسْتَأْجَرْتُ أَجِيرًا يَفْرُقُ أَرْزُ فَلَمَّا قَضَى عَمَلَهُ قَالَ أَعْطِنِي حَقِّي فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ فَرَقَهُ فَرَغِبَ عَنْهُ فَلَمْ أَرْزُ أَرْزَعُهُ حَتَّى جَمَعْتُ مِنْهُ بَقْرًا وَرِعَاءَهَا فَجَاءَنِي فَقَالَ أَتَى اللَّهَ وَلَا تَطْلُبْنِي حَقِّي قُلْتُ أَذْهَبَ إِلَى تِلْكَ الْبَقْرِ وَرِعَاءَهَا فَخَذْتُهَا فَقَالَ أَتَى اللَّهَ وَلَا تَسْتَهْزِئْ بِي فَقُلْتُ إِنِّي لَا أَسْتَهْزِئُ بِكَ خُذْ ذَلِكَ الْبَقْرَ وَرِعَاءَهَا فَأَخَذَهُ فَذَهَبَ بِهِ فَإِنْ كُنْتُ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُ ذَلِكَ ابْتِغَاءً وَجْهَكَ فَافْرَجْ لَنَا مَا بَقِيَ فَقَرَجَ اللَّهُ مَا بَقِيَ.

### 6.3.3 از جامع ترمذی

(1) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْيَاسِ عَنْ صَالِحِ بْنِ أَبِي حَسَّانٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُولُ ((إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ يُحِبُّ الطَّيِّبَ نَظِيفٌ يُحِبُّ النَّظَافَةَ كَرِيمٌ يُحِبُّ الْكَرَّمَ جَوَادٌ يُحِبُّ الْجُودَ فَتَطَفُّوا أَرَاهُ قَالَ أَفْنَيْتُكُمْ وَلَا تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ)).

(2) حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الرَّغْفَرَانِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ أَنْ يَرَى أَثَرِ نِعْمَتِهِ عَلَى عَبْدِهِ.

(3) حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ فِي عُمْرَةِ الْقَضَاءِ وَعَبَدَ اللَّهُ بْنُ رُوْحَةَ بَيْنَ يَدَيْهِ يَمْشِي وَهُوَ يَقُولُ: خُلُّوا ابْنِي الْكُفَّارِ عَنْ سَبِيلِهِ الْيَوْمَ نَضْرِبُكُمْ عَلَى تَنْزِيلِهِ صَرْبًا يَزِيلُ

الْهَام عَنْ مَقِيلِهِ وَيَذْهَلُ الْخَلِيلَ عَنْ خَلِيلِهِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: يَا ابْنَ رَوَاحَةَ بَيْنَ يَدَيِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي حَرَمِ اللَّهِ تَقُولُ الشُّعْرُ: فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((خَلِّ عَنْهُ يَا عُمَرُ، فَلَيْهِ أَسْرَعُ فِيهِمْ مِنْ نَصْحِ النَّبْلِ)).

(4) حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ عُثْمَانَ بْنِ عِيسَى الرَّمْلِيُّ حَدَّثَنَا عَمِي يَحْيَى بْنُ عِيسَى عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((لَأَنْ يَمْتَلِيَّ جَوْفُ أَحَدِكُمْ فَيَحَايِرَهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَمْتَلِيَّ شُعْرًا)).

## 6.4 صاحب متن کا تعارف

### 6.4.1 امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

نام محمد بن اسماعیل، کنیت ابو عبد اللہ، لقب امیر المؤمنین فی الحدیث۔ ۱۳ شوال شب جمعہ ۱۹۴ھ مقام بخارا میں آپ کی ولادت ہوئی، آپ کی پرورش ایک علمی گھرانے میں ہوئی کیونکہ آپ کے والد بھی بڑے محدثین میں سے تھے، بچپن ہی میں آپ کے والد کا انتقال ہو گیا، اسی لیے آپ والدہ ماجدہ کے سایہ عاطفت میں پروان چڑھے، مؤرخین کے بیان کے مطابق بچپن میں آپ کی بینائی چلی گئی تھی، آپ کی والدہ ماجدہ بینائی کی واپسی کے لیے الحاح و زاری کے ساتھ بارگاہ رب العالمین میں دعا کرتی رہیں، آپ کی والدہ نے ایک شب خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں: اے خاتون! اللہ نے تمہاری گریہ و زاری کی وجہ سے تمہارے بیٹے کی بینائی لوٹا دی، چنانچہ جب صبح ہوئی تو کیا دیکھتی ہیں کہ امام بخاری کی بینائی لوٹ آئی۔ آپ نے علم کی جستجو اور خاص طور پر طلب حدیث کے لیے مختلف اسلامی ممالک کے طویل سفر کیے، تقریباً ایک ہزار (1000) اساتذہ سے شرف تلمذی حاصل کی، آپ کے اساتذہ میں امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، یحییٰ بن معین، فضل بن دکین جیسے اپنے وقت کے سربراہان و علمائے کرام کے نام آتے ہیں، آپ کے شاگردوں میں امام مسلم، ابن خزیمہ اور امام ترمذی جیسے ائمہ حدیث کا شمار ہوتا ہے۔ آپ کی بے شمار تصانیف ہیں جن میں شہرہ آفاق تصنیف الجامع الصحیح ہے جو بخاری شریف کے نام سے علمی حلقوں میں مشہور و معروف ہے، اس کتاب کو باتفاق محدثین قرآن مجید کے بعد (اصح الکتاب بعد کتاب اللہ) سب سے صحیح ترین کتاب کا درجہ حاصل ہے۔ حدیث شریف کی چھ مستند کتب میں سب سے پہلے بخاری شریف کا نام آتا ہے۔ آپ کو تقریباً چھ لاکھ حدیثیں زبانی یاد تھیں جن میں سے آپ نے چند ہزار احادیث کو منتخب کر کے بخاری شریف کو مرتب کیا، بخاری شریف کی تبویب، تہذیب و تدوین میں تقریباً سولہ سال کا عرصہ لگا، حدیث شریف کے تین آپ کے ادب کا یہ حال تھا کہ آپ ہر حدیث کو لکھنے سے پہلے غسل کیا کرتے اور دو رکعت نماز ادا کرتے اور پھر حدیث شریف لکھتے تھے۔ آپ کے زہد و ورع کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ آپ سمندری جہاز میں سفر کر رہے تھے، آپ کے پاس اشرفیوں کی ایک تھیلی تھی، جو آپ نے اپنے سفر کے ایک ساتھی کے سامنے اس کا ذکر کیا تھا، دوران سفر اس شخص نے شور مچایا اور کہا کہ میرے پاس اشرفیوں کی ایک تھیلی تھی جو چوری ہو گئی ہے، نوراً مسافرین کے سامان کی تلاشی شروع ہو گئی تو امام بخاری نے اشرفیوں کی تھیلی لوگوں کی نظر بچا کر آہستہ سے سمندر کی نذر کر دی، جب آپ کی بھی تلاشی لی گئی اور تھیلی نہیں ملی تو لوگوں نے اس شخص کو برا بھلا کہا کہ تو نے خواہ مخواہ مسافروں کو پریشان کیا، جب جہاز ایک مقام پر لنگر انداز ہوا اور لوگ بکھر گئے تو اس شخص نے امام بخاری سے پوچھا: آپ نے وہ تھیلی کیا کی تو آپ نے جواب دیا کہ اس تھیلی کا حقیقت میں میں ہی مالک تھا لیکن میں نے وہ تھیلی سمندر کی نذر کر دی، تو اس شخص نے پوچھا: کیا آپ کو اشرفیوں کے ضائع ہونے کا غم نہیں آپ نے جواب دیا اگر مجھ پر چوری کا الزام آتا تو اس سے محدثین اور

امت اسلامیہ میں میرا اعتماد کھو جاتا، میں نے بڑی محنت اور جانفشانی سے یہ ثقاہت، اعتماد اور بھروسہ حاصل کیا ہے چند اشرافیوں کے عوض میں اس کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔ مقام خرنک میں سن ۲۵۶ھ یکم شوال کو آپ کا وصال ہوا۔ حافظ ابن حجر کے قول کے مطابق بخاری شریف میں موجود احادیث کی تعداد مکررات کو شامل کر کے (7307) سات ہزار تین سو ستانوے ہے۔

#### 6.4.2 امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ

اسم گرامی مسلم، کنیت ابوالحسن، لقب عساکر الدین، وطن نیشاپور تھا جو خراسان کا مشہور و معروف مردم خیز شہر ہے جو تیسری صدی ہجری میں اسلامی دنیا کا باوقار علمی مرکز تھا۔ آپ نسباً عرب کے مشہور قبیلہ قشیر سے تعلق رکھتے تھے اس لیے قشیری کہلائے آپ کے سن ولادت میں اختلاف ہے مگر راجح قول یہ ہے کہ ۲۰۶ھ میں بمقام نیشاپور پیدا ہوئے۔

تحصیل علم: امام مسلم کا زمانہ علم حدیث کی نقل و روایت اور تدریس کا زریں عہد تھا۔ علم حدیث کے بڑے بڑے مراکز اسلامی شہروں میں قائم ہو چکے تھے، جہاں اکابر محدثین کے فیض عام جاری تھا۔ نیشاپور خود علم حدیث کے اہم مراکز میں شمار کیا جاتا تھا جہاں حدیث کے بڑے بڑے حلقے قائم تھے۔ امام مسلم نے ابتدائی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد بارہ سال کی عمر میں جب کہ عقل و فہم میں استواری اور حفظ میں پختگی آ جاتی ہے، عقیدت و احترام کے جذبے اور حسن نیت و خلوص کے ساتھ اس کوچہ میں قدم رکھا اور پوری سعی بلیغ سے خراسان، عراق، حجاز، شام، بغداد اور مصر کے محدثین سے کسب فیض کیا اور اس علم میں دستگاہ حاصل کیا۔

فضل و کمال: امام مسلم نے اپنے دور کی علمی چشموں سے فیض پایا تھا اور انھوں نے دریائے علم میں غواصی کر کے لعل و جوہر اپنے دامن میں سمیٹے تھے۔ آپ کی خداداد ذہانت طبعی قوت حافظہ و ضبط دیکھ کر آپ کے اساتذہ ششدر رہ جاتے۔ اپنے وقت کے جلیل القدر محدث امام مسلم کے استاد امام اسحاق بن راہویہ آپ کے بارے میں کہا کرتے تھے ”ای رجل هذا“ خدا جانے یہ کتنا بلند انسان ہوگا۔

اسحاق بن منصور نے امام مسلم کی طرف دیکھا اور آپ کی عظمت و بزرگی پر نظر کرتے ہوئے کہا ”ان نعدم الخیر ما ابقاک اللہ للمسلمین“ جب تک خدا آپ کو مسلمانوں کے لیے زندہ رکھے گا بھلائی ہمارے ہاتھ سے نہ جائے گی۔ آپ نے عمر بھر میں نہ کسی کی غیبت کی اور نہ کسی کو مارا اور نہ کسی کو گالی دی۔ صحیح و سقیم حدیث کی پہچان میں اپنے تمام معاصرین میں ممتاز تھے بلکہ بعض امور میں ان کو امام بخاری پر بھی ترجیح و فضیلت حاصل ہے۔

تصنیف و تالیف: حافظ ذہبی امام مسلم کو صاحب تصانیف کثیرہ قرار دیتے ہیں، آپ کے مشہور تصانیف سے چند یہ ہیں: صحیح مسلم، مسند کبیر، الاسماء و الکنی، جامع کبیر، کتاب العلل، کتاب التمیم، کتاب الوجدان، کتاب الافراد، کتاب الاقران، کتاب اولاد الصحابة، کتاب اوہام المحدثین وغیرہ۔

وفات: زندگی کے آخری ایام تک حدیث رسول کی تلاش و جستجو کا حیرت انگیز انہماک قائم رہا ایک دن مجلس مذاکرہ میں امام مسلم سے ایک حدیث کے بارے میں استفسار کیا گیا، اس وقت آپ اس حدیث کے بارے میں کچھ نہ بتا سکے گھر آ کر کتابوں میں اس کی تلاش شروع کر دی، قریب ہی کھجور کا ایک ٹوکرا رکھا ہوا تھا، امام مسلم حدیث کی تلاش کے دوران ایک ایک کھجور اٹھا اٹھا کر کھاتے رہے حدیث تلاش کرنے میں غرق و انہماک کا عالم یہ تھا کہ کھجوروں کی مقدار کی جانب آپ کی توجہ نہ ہو سکی اور حدیث ملنے تک کھجوروں کا سارا ٹوکرا خالی ہو گیا اور غیر ارادی طور پر کھجوروں

کا زیادہ کھالینا ہی آپ کی موت کا سبب بن گیا اس طرح ۲۴ رجب ۲۶۱ھ اتوار کے دن شام کے وقت علم حدیث کا درخشندہ ستارہ غروب ہو گیا اور دوسرے دین اس عظیم محدث کو ہزاروں سوگواروں نے نماز جنازہ کے بعد سپرد خاک کر دیا۔

صحیح المسلم: عالم اسلام میں جن کتابوں کو صحاح کے نام سے شہرت حاصل ہے ان میں بلاشبہ صحیح بخاری کا مرتبہ سب سے بلند ہے مگر اس کے بعد جس کتاب کا نام لیا جاتا ہے وہ امام مسلم کی الجامع الصحیح ہے۔ حسن ترتیب و تدوین کے اعتبار سے یہ کتاب صحیح بخاری پر بھی فوقیت رکھتی ہے۔ حافظ نیشاپوری کہتے ہیں: ”ما فتح ادب السماء کتاب اصح من کتاب مسلم“ آسمان کے نیچے مسلم کی صحیح سے بڑھ کر اصح اور کوئی کتاب نہیں۔ وجہ تالیف: جامع صحیح کی وجہ تالیف کچھ یوں ہے کہ بعض تلامذہ نے امام مسلم سے یہ درخواست کی کہ احادیث صحیح کا ایک ایسا مجموعہ تیار کریں جس میں بلا تکرار احادیث کو جمع کیا جائے چنانچہ اس درخواست پر امام مسلم نے صحیح کو تالیف فرمایا۔ صحیح مسلم میں مکررات کو چھوڑ کر احادیث کی تعداد چار ہزار ہے۔

خصوصیات مسلم: صحیح مسلم میں شرائط اخذ حدیث امام بخاری سے بھی سخت ہے امام مسلم نے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ اپنی صحیح میں صرف ایسی حدیث بیان کریں گے جس کو کم سے کم دو ثقہ تابعین نے دو صحابیوں سے روایت کیا ہو اور یہی شرط تمام طبقات تابعین و تبع تابعین میں ملحوظ رکھی ہے یہاں تک کہ سلسلہ اسناد ان تک ختم ہو۔ وہ صرف راویوں کی عدالت پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ شرط شہادت کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں۔ حدیثوں کی صحت کے معاملہ میں صرف اپنی رائے پر ہی اعتما نہیں کیا بلکہ ان احادیث کا اندراج فرمایا جو مشائخ وقت کے نزدیک بالاتفاق صحیح تھیں۔

#### 6.4.3 امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

اسم گرامی محمد کنیت ابو عیسیٰ آپ کی ولادت مشہور قول کے مطابق بہ مقام شہر ترمذ ۲۰۹ھ میں ہوئی، یہ شہر جیون کے ساحل پر آباد ہے۔ تحصیل علم: امام ترمذی نے جس زمانے میں آنکھ کھولی آپ کے گرد و پیش کا سارا ماحول علم و فضل کے غلغلوں سے معمور تھا۔ انھوں نے اپنی فطرت مناسبت علم اور قوت حفظ و ضبط کے ساتھ ابتدا میں اپنے شہر کے محدثین سے کسب فیض کیا پھر اسلامی شہروں کی رحلت فرمائی اور اپنے دامن کو علم حدیث کی دولت سے مالا مال کیا۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں: ”طاف البلاد و سمع خلقا من الخراسانیین و العراقیین و الحجازیین“ انھوں نے متعدد شہروں کا سفر کیا خراسان، عراق اور حجاز کے ارباب کمال سے سماع کیا۔

قوت حافظہ: قدرت نے انہیں غیر معمولی قوت حافظہ و ضبط عطا فرمائی تھی، جب حدیث کو ایک بار سن لیتے ہمیشہ کے لیے حافظہ میں محفوظ ہو جاتی۔ ایک مرتبہ ایک شیخ سے حدیث کے دو جز نقل کیے مگر اب تک انہیں پڑھ کر سنانے کا موقع نہیں ملا تھا۔ مکہ مکرمہ کے راستے میں اتفاقاً ان سے ملاقات ہوئی، امام ترمذی نے نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر ان سے ان اجزا کے قرأت کی درخواست پیش کی شیخ نے قبول فرمالیا اور کہا: ان اجزا کو نکالو، میں پڑھتا ہوں تم مقابلہ کرتے جاؤ، امام ترمذی نے تلاش کیا تو اتفاقاً وہ اجزا ان کے پاس نہ تھے، شیخ نے قرأت شروع کیا ان کی نظر سارے کاغذ پر پڑی، اس بات پر شیخ کو غصہ آیا فرمایا: کیا تم مذاق کرتے ہو؟ امام صاحب نے پورا واقعہ بیان کیا اور کہا وہ مکتوب اجزا میرے پاس نہیں ہیں لیکن مجھے لکھے ہوئے سے زیادہ محفوظ ہیں اور پھر امام ترمذی نے وہ ساری حدیثیں زبانی سنا دیں۔ شیخ اس پر متعجب ہوئے اور فرمایا: ایک بار سننے سے ساری حدیثیں یاد ہو گئیں ہیں؟ امتحان اپنی چالیس غریب حدیثیں پڑھیں امام ترمذی نے ان کو صحت کے ساتھ پڑھ کر سنا دیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ بعض محدثین نے ابو عیسیٰ کا امتحان لیا اور اپنی چالیس غریب حدیثیں ان کے سامنے پڑھیں جو ابو عیسیٰ ترمذی نے اسی وقت زبانی پڑھ کر سنا دیں اور وہ

بولے ”ماربت مثلک“ میں آپ جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔

تصانیف: امام ترمذی بلند پایہ مصنف بھی تھے حدیث رجال اور علل کے ساتھ صحابہ تابعین، تبع تابعین اور ائمہ فقہ کے اقوال و آراء میں درجہ کمال رکھتے تھے۔ ان کی اہم تصانیف درج ذیل ہیں: (۱) جامع ترمذی، (۲) کتاب العلل، (۳) کتاب التاريخ، (۴) کتاب الزہد، (۵) کتاب الاسماء والکنی، (۶) کتاب الشمائل النبویۃ۔

وفات: ۱۳ رجب المرجب ۲۷۹ھ کو بمقام ترمذ آپ کا انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔

جامع الترمذی: امام ترمذی کی جامع آپ کی سبھی تصنیفات میں سب سے زیادہ مشہور و مقبول ہے۔ مجموعی حدیثی فوائد کے لحاظ سے اس کتاب کو تمام کتابوں پر فوقیت دی گئی ہے۔ اول یہ کہ اس کی ترتیب عمدہ ہے اور تکرار نہیں دوم اس وجہ سے کہ اس میں فقہاء کا مذہب اور اس کے ساتھ ساتھ ہر ایک کا استدلال بیان کیا گیا ہے۔ سوم اس وجہ سے کہ اس میں حدیث کے انواع مثلاً صحیح، حسن، ضعیف، غریب اور معلل بہ علل وغیرہ بیان کیا گیا ہے، چہارم اس وجہ سے کہ اس میں راویوں کے نام ان کے القاب اور کنیت کے علاوہ ان فوائد کو بھی بیان کیا گیا ہے جن کا علم الرجال سے تعلق ہے۔

خصوصیات جامع ترمذی: اس کی تمام حدیثیں کسی نہ کسی امام محدث فقیہ کی معمول بہا ہیں۔ اس میں روایات کی تکرار بہت قلیل ہے ایک ہی مسئلہ کے متعلق مختلف روایتوں کی جانب اشارہ بھی کر دیا ہے۔ جرح و تعدیل کی رو سے سند میں جو بھی عیب و ہنر ہوتا ہے اس کو ظاہر کر دیتے ہیں۔ فقہی حدیثوں میں فقہائے مذاہب کے استنباطات دلائل اور ان کے اختلافات اور اس پر رائے بھی ظاہر کر دیتے ہیں۔ رواۃ کے نام کنیت اور القاب کے اجمال کی تفصیل کر دیتے ہیں۔ اگر دو حدیثوں میں تعارض ہو تو بسا اوقات تعارض دفع کرنے کے لیے کوئی توجیہ اور تاویل پیش کرتے ہیں اور کبھی رفع تعارض کے لیے تعارض حدیثوں میں سے کسی ایک کا منسوخ ہونا بیان کر دیتے ہیں۔

## 6.5 متن کا ترجمہ

### 6.5.1 متن بخاری

(۱) عبادہ بن صامتؓ جو بدر کی لڑائی میں شریک تھے اور لیلیۃ العقبۃ کے (۱۲) نقیبوں میں سے ایک تھے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت جب آپ کے گرد صحابہ کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی فرمایا کہ مجھ سے بیعت کرو اس بات پر کہ اللہ کی ذات و صفات میں کسی کو شریک نہ کرو گے، چوری نہ کرو گے، زنا نہ کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گے اور نہ عمدہ کسی پر کوئی ناحق بہتان باندھو گے اور کسی بھی اچھی بات میں نافرمانی نہ کرو گے، جو کوئی تم میں (اس عہد کو) پورا کرے گا تو اس کا ثواب اللہ کے ذمے ہے اور جو کوئی ان (بری باتوں) میں سے کسی کا ارتکاب کرے اور اسے دنیا میں (اسلامی قانون کے تحت) سزا دی گئی تو یہ سزا اس کے (گناہوں کے) لیے بدلہ ہو جائے گی اور جو کوئی ان میں سے کسی بات میں مبتلا ہو گیا اور اللہ نے اس کے (گناہ) کو چھپا لیا تو پھر اس کا (معاملہ) اللہ کے حوالہ ہے، اگر چاہے تو معاف کرے اور اگر چاہے تو سزا دے۔

(عبادہؓ کہتے ہیں کہ) پھر ہم سب نے ان (سب باتوں) پر آپ ﷺ سے بیعت کر لی۔

(۲) حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چند لوگوں کو کچھ عطا فرمایا اور سعد بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے، (یہ کہتے ہیں کہ) آپ نے ان میں سے ایک شخص کو نظر انداز کر دیا جو مجھے ان میں سب سے زیادہ پسندیدہ تھا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے فلاں سے کیوں

اعراض فرمایا؟ خدا کی قسم! میں تو اسے مومن سمجھتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ مومن یا مسلمان؟ کچھ دیر میں خاموش رہا، اس کے بعد اس شخص کے متعلق جو مجھے معلومات تھیں انھوں نے مجھے مجبور کیا تو میں نے دوبارہ وہی بات عرض کی کہ آپ نے فلاں سے کیوں اعراض فرمایا؟ خدا کی قسم! میں تو اسے مومن سمجھتا ہوں، حضور نے فرمایا کہ مومن یا مسلم؟ پھر جو کچھ مجھے اس شخص کے بارے میں معلوم تھا اس نے تقاضا کیا تو میں نے پھر وہی بات عرض کی، حضور ﷺ نے پھر اپنا جملہ دہرایا، اس کے بعد آپ نے فرمایا: اے سعد! کوئی مجھے زیادہ عزیز ہوتا ہے اس کے باوجود میں دوسرے کو اس خوف کی وجہ سے (مال) دیتا ہوں کہ کہیں (وہ اپنے افلاس یا ایمان میں پختہ نہ ہونے کی وجہ سے اسلام سے نہ پھر جائے اور) اللہ اسے آگ میں اوندھے منہ نہ ڈال دے۔

(3) حضرت معرور سے نقل کیا گیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے مقام ربذہ میں حضرت ابوذرؓ سے ملاقات کی، ان کے بدن پر جیسی پوشاک تھی ویسی ہی ان کے غلام کے جسم پر بھی تھی، میں نے اس کا سبب دریافت کیا تو کہنے لگے میں نے ایک شخص (یعنی غلام) کو برا بھلا کہا، میں نے اس کو اس کی ماں کے حوالہ سے عار دلائی تو رسول اللہ ﷺ نے (یہ حال معلوم کر کے) مجھ سے فرمایا کہ اے ابوذر! کیا تم نے اسے ماں (کے نام) سے غیرت دلائی؟ بے شک تم ایک ایسے شخص ہو جس میں ابھی بھی جاہلیت کا کچھ اثر باقی ہے، تمہارے ماتحت لوگ تمہارے بھائی ہیں، اللہ نے (کسی مصلحت کی وجہ سے) انہیں تمہارے قبضے میں دے رکھا ہے لہذا جس کے ماتحت اس کا کوئی بھائی ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ اس کو وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے اور وہی پہنائے جو خود پہنتا ہے اور ان کے ذمے کوئی ایسا کام سپرد مت کرو جو ان پر بوجھ ہو اور اگر ان کے حوالے کوئی ایسا سخت کام کرو تو تم خود بھی ان کی مدد کرو۔

(4) حضرت ابو جہرہ سے روایت ہے کہ میں حضرت ابن عباسؓ کے پاس بیٹھا کرتا تھا تو وہ مجھے اپنی چار پائی پر بٹھا لیتے تھے، (ایک دفعہ) آپ نے مجھ سے فرمایا: میرے پاس کچھ دن ٹھہرنا کہ میں اپنے مال میں سے کچھ حصہ تمہارے لیے مقرر کر دوں، تو میں دو ماہ تک ان کی خدمت میں رہا، پھر (ایک دن) کہنے لگے کہ جب (قبیلہ) عبد القیس کا وفد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ان سے دریافت کیا کہ کس قبیلہ کے لوگ ہیں؟ یا یہ وفد کہاں کا ہے؟ انھوں نے عرض کیا، ہم ربیعہ کے لوگ ہیں، آپ نے فرمایا خوش آمدید ان لوگوں کو یا اس وفد کو، یہ ہمارے پاس اس حال میں آئے ہیں کہ وہ نہ رسوا ہوں گے نہ پشیمان (یعنی ان کا آنا مبارک ہے)، وہ کہنے لگے یا رسول اللہ! ہم آپ کی خدمت میں حرمت والے مہینہ کے سوا کسی اور وقت حاضر نہیں ہو سکتے، کیونکہ ہمارے اور آپ کے درمیان کفار مضر کا یہ قبیلہ حائل ہے، لہذا ہمیں کوئی ایسی قطعی بات بتلا دیجیے جسے ہم اپنے پیچھے رہ جانے والوں کو بھی بتا دیں (جو یہاں نہیں آسکے) اور جس کی وجہ سے ہم جنت میں جا سکیں، انھوں نے آپ ﷺ سے برتنوں کے بارے میں پوچھا، آپ ﷺ نے انہیں چار باتوں کا حکم دیا اور چار قسم کے برتنوں کو استعمال میں لانے سے منع فرمایا، ان کو حکم دیا کہ ایک اکیلے اللہ پر ایمان لاؤ، پھر آپ نے پوچھا کہ جانتے ہو ایک اکیلے اللہ پر ایمان لانے کا مطلب کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کو اس کا زیادہ علم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ ادا کرنا اور چار قسم کے برتنوں کے استعمال سے آپ نے انہیں منع فرمایا، سبز لاکھی مرتبان سے اور کدو کے خول سے بنے ہوئے برتن سے، لکڑی کے کھودے ہوئے برتن سے اور روغنی برتن سے، ورنہ ما قال المقیر (اور شاید آپ نے المقیر فرمایا، المزفت اور المقیر کے معنی ایک ہی ہیں) اور فرمایا کہ ان باتوں کو خوب یاد رکھ لو اور اپنے پیچھے رہ جانے والوں کو (جو یہاں نہیں آسکے) بتادو۔



## 6.5.2 متن مسلم

(1) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا : بے شک اللہ تعالیٰ علم کو بندوں سے یکنخت نہیں چھینے گا، لیکن علما کی موت کے ذریعہ علم کو اٹھالے گا یہاں تک کہ جب (روئے زمین) پر کوئی عالم دین باقی نہ رہے گا تو لوگ جابلوں کو اپنا رہنما بنالیں گے، ان سے سوال کیا جائے گا تو وہ بغیر علم کے جواب دیں گے، سو وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

(2) حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو کوئی کسی کو نیکی کی دعوت دے تو اس کو اس کی پیروی کرنے والوں کے برابر ثواب ملے گا اور اس سے ان کے ثواب میں کچھ بھی کمی نہ ہوگی اور جو کوئی کسی کو گمراہی کی دعوت دے تو اس کو اس کی پیروی کرنے والوں کے گناہوں کے برابر گناہ ہوگا اور اس سے ان کے گناہوں میں کچھ بھی کمی نہ ہوگی۔

(3) حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کرتا ہوں، جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں اسے تنہائی میں یاد کرتا ہوں، اگر وہ مجلس میں میرا ذکر کرے تو میں اس سے بہتر مجلس میں اس کا ذکر کرتا ہوں، اگر وہ ایک بالشت میرے قریب آتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ میرے قریب آتا ہے تو میں دو ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں (میری رحمت) اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔

(4) حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین آدمی جا رہے تھے کہ ان کو بارش نے آلیا، تو انھوں نے پہاڑ کے ایک غار میں پناہ لی، اتنے میں غار کے منہ پر پہاڑ کی ایک چٹان آگری اور یہ لوگ بند ہو گئے، پھر انھوں نے ایک دوسرے سے کہا تم لوگوں نے جو نیک اعمال اللہ کی خوشنودی کے لیے کیے ہیں ان پر غور کرو اور ان اعمال کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ تم سے یہ مصیبت دور کر دے گا، سو ان میں سے ایک نے یہ دعا کی: اے اللہ! میرے بوڑھے ماں باپ تھے، میری بیوی تھی اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے تھے، بکریاں چرا کر جن کی میں پرورش کیا کرتا تھا، جب میں شام کے وقت بکریوں کو لے کر ان کے پاس واپس آتا تو دودھ دھوتا اور اپنے بچوں سے پہلے اپنے ماں باپ کو دودھ پلاتا، ایک دن کی بات ہے کہ میں (بکریاں چراتے چراتے) بہت دور نکل گیا، جس کی وجہ سے میں رات سے پہلے نہ لوٹ سکا، جب میں پہنچا تو ماں باپ سو چکے تھے، میں نے حسب معمول دودھ دوا اور ایک برتن میں دودھ ڈال کر ماں باپ کے سر ہانے کھڑا ہو گیا، میں انہیں نیند سے بیدار کرنا ناپسند کرتا تھا اور مجھے ان سے پہلے بچوں کو دودھ پلانا بھی گوارا نہ تھا، جب کہ بچے میرے قدموں کے پاس بھوک کی وجہ سے بلک رہے تھے، فجر طلوع ہونے تک میرا اور ان کا بونہی معاملہ رہا، اے اللہ! یقیناً تو جانتا ہے کہ میں نے یہ عمل تیری رضا جوئی کے لیے کیا تھا تو تُو ہمارے لیے کچھ کشادگی کر دے جس سے ہمیں اس غار سے آسمان نظر آجائے، سو اللہ تعالیٰ نے کچھ کشادگی کر دی اور انھوں نے اس غار سے آسمان کو دیکھ لیا۔

پھر دوسرے آدمی نے دعا کی کہ اے اللہ! میری ایک چچا زاد بہن تھی جس سے میں ایسی محبت کرتا تھا جیسے مرد عورتوں سے محبت کرتے ہیں، میں نے اس سے مقاربت کی درخواست کی، اس نے انکار کیا اور کہا پہلے سو دینار لاؤ، میں نے بہت مشقت اٹھا کر سو دینار جمع کیے اور اس کے پاس وہ دینار لے کر گیا، جب میں اس کے ساتھ جنسی عمل کرنے کے لیے بیٹھا تو اس نے کہا: اے اللہ کے بندے! اللہ سے ڈر! اور ناجائز طریقہ سے مہر نہ توڑ، سو میں اسی وقت اس سے الگ ہو گیا، اے اللہ! یقیناً تو جانتا ہے کہ میں نے یہ فعل تیری رضامندی کے لیے کیا تھا، پس تُو ہمارے لیے اس غار کو

کچھ اور کھول دے، تو اللہ نے غار کو (مزید) کھول دیا۔

تیسرے شخص نے کہا: اے اللہ! میں نے ایک مزدور کو ایک فرق (آٹھ کلو وزن) چاول کی مزدوری پر رکھا تھا، جب اس نے اپنا کام پورا کر لیا تو اس نے کہا: مجھے میری اجرت دو، میں نے اسے فرق دینا چاہا تو وہ منہ پھیر کر چلا گیا، میں ان چاولوں کی کاشت کرتا رہا، یہاں تک کہ میں نے اس (کی آمدنی) سے بیل اور چرواہے جمع کر لیے، پھر ایک دن وہ شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا: اللہ سے ڈر اور میرا حق نہ مار، میں نے کہا: تم ان بیلوں اور ان کے چرواہوں کے پاس جاؤ اور انہیں لے لو، اس نے کہا: اللہ سے ڈر اور میرے ساتھ مذاق نہ کر، میں نے کہا: میں تمہارے ساتھ مذاق نہیں کر رہا ہوں، یہ بیل اور چرواہے لے لو، تو وہ ان کو لے کر چلا گیا، یقیناً تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام تیری رضا جوئی کے لیے کیا تھا، تو غار کا باقی ماندہ حصہ بھی کشادہ کر دے، سو اللہ نے غار کا باقی ماندہ حصہ بھی کشادہ کر دیا۔

### 6.5.3 متن ترمذی

- (1) صالح بن ابی حسان کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن المسیب کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے، پاکیزگی کو پسند کرتا ہے، نظیف (صاف) ہے صفائی کو پسند کرتا ہے، فیاض ہے فیاضی کو پسند کرتا ہے، سخی ہے سخاوت کو پسند کرتا ہے، پس تم صاف ستھرا رکھو (راوی صالح کہتے ہیں) میرا خیال ہے کہ فرمایا (سعید بن المسیب نے) اپنے آنگنوں کو اور یہود کی مشابہت اختیار نہ کرو۔
- (2) عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے بندے پر اپنی نوازش کا اثر دیکھے۔
- (3) حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی ﷺ مکہ میں عمرۃ القضاء کے لیے داخل ہوئے جب کہ عبد اللہ بن رواحہؓ آپ کے آگے چل رہے تھے اور وہ مندرجہ ذیل اشعار پڑھ رہے تھے۔

اے کافروں کی اولاد آپ (ﷺ) کے راستہ سے ہٹ جاؤ
آپ (ﷺ) پر نازل شدہ کتاب کے حکم سے آج ہم تمہیں ماریں گے
ایسی مار جو کھوپڑی کو اس کی جگہ سے جدا کر دے
اور دوست کو دوست سے غافل کر دے

- حضرت عمرؓ نے کہا: اے ابن رواحہ! کیا تم اللہ کے رسول کے سامنے اور اللہ کے حرم میں اشعار پڑھتے ہو؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عمر! تم انہیں پڑھنے دو، یہ اشعار کفار پر تیر سے زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں۔
- (4) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ تم میں سے کسی کا پیٹ پیپ سے بھر جائے اور وہ پیپ بھی ایسا ہو جو اس کے پیٹ کو سڑا کر بگاڑ دے اور فاسد کر دے تو بھی وہ اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ وہ اشعار سے بھر جائے۔

### 6.6 لغوی تحقیق

بخاری شریف

شہد (باب سمع) شہودا	گواہی دینا، حاضر ہونا، موجود رہنا
أشہد (باب افعال)	گواہ بنانا، حاضر کرنا
شاهد يشاهد (باب مفاعلة)	معاینہ کرنا
نقیب ج نقباء	قوم کا سردار، نگران کار، افسر، صدر
عصابة ج عصاب	جماعت
بايع يبائع (باب مفاعلة)	بیعت کرنا، عہد کرنا
أشرك (باب افعال)	شریک کرنا، شرک کرنا
شرك (باب سمع)	شریک ہونا
اشترك (باب افتعال)	باہم شریک ہونا
سرق (باب ضرب) سرقا وسرقا وسرقا	چوری کرنا
سرق (باب سمع)	پوشیدہ ہونا
زنا زنى (باب ضرب)	زنا کرنا
قتل يقتل (باب نصر) قتلا	مارڈالنا، قتل کرنا
بہتان	کذب، جھوٹ، افترا
افتري يفتري (باب افتعال)	کسی پر تہمت لگانا، کسی کے متعلق بے بنیاد بات کہنا
عصى يعصى (باب ضرب) عصيانا و نافرمانى کرنا	
معصية	
معروف	بھلی بات، خیر
وفى يفي (باب ضرب)	پورا کرنا
أجر ج أجور	بدلہ
عاقب (باب مفاعلة)	سزا دینا
كفارة ج كفارات	تدارک، گناہ کا کفارہ
أصاب (باب افعال)	پانا
ستر يستر (باب نصر)	چھپانا، پردہ پوشی کرنا
عفا يعفو (باب نصر) عن	معاف کرنا، درگزر کرنا
رھط ج أرھط، أرھاط	تین سے دس تک کا گروہ، دس آدمیوں کی ٹولی جس میں عورت نہ ہو

عطا کرنا، دینا	أعطى يعطى (باب افعال)
چھوڑنا	ترك (باب نصر)
دیکھنا	رأى يرى رؤية (باب فتح)
سمجھنا، خیال کرنا، گمان کرنا	رئى يرى (فعل مجهول)
خاموش رہنا	سكت (باب نصر) سکو تا
لوٹنا	عاد (باب نصر)
گفتگو، بات، قول	مقالة ج مقالات
غالب ہونا	غلب (باب ضرب)
ڈرنا	خشى يخشى خشية
منہ کے بل گرانا	كبت (باب نصر)
مقام کا نام	رَبْذَه
پوشاک	حلة ج خلل
باہم گالی گلوچ کرنا	ساب (مفاعلة)
گالی دینا، آڑے ہاتھوں لینا	سب (باب نصر)
عار دلانا، شرم دلانا، کسی کے فعل کو قابل مذمت قرار دینا	عير (باب تفعیل)
غلام، ماتحت	خول
کھلانا	أطعم (باب افعال)
کھانا	أكل يأكل (باب نصر)
پہنانا	ألبس (باب افعال)
پہننا	لبس (باب سمع)
دشوار کام کا حکم دینا	كلف (باب تفعیل)
مدد کرنا	أعان (باب افعال)
بیٹھنا	قعد يقعد (باب نصر) قعودا
بٹھانا	أجلس (باب افعال)
تخت، چارپائی	سرير سور
قیام کرنا، رہنا	أقام (باب افعال)

مقرر کرنا	جعل (باب فتح)
حصہ	سہم ج سہام
ذلیل ہونا، رسوا ہونا، مصیبت میں پڑنا	خزّی (باب سمع) خزیّا
ذلیل و خوار، رسوا	خزّیان ج خزّایا
نادم ہونا، پشیمان ہونا	ندامی، ندم (باب سمع) ندامة
کر سکتا	استطاع (باب استفعال)
آنا	أتی یأتی (باب ضرب)
مہینہ	شہر ج شہور، أشهر
قبیلہ	حیّ ج أحياء
معاملہ	أمر ج أمور
آگاہ کرنا، بتانا، اطلاع دینا	أخبر (باب افعال)
تجربہ سے جاننا (باب کرم) پوری طرح آگاہ ہونا	خبر (باب نصر)
پیچھے	وراء
داخل ہونا	دخل (باب نصر)
جنت، باغ	جَنّة ج جنات، جنان
ڈھال	جُنّة
چھینا	جنّ یجن (باب ضرب)
پینے کی چیز	شراب ج أشربة
حکم دینا	أمر (باب نصر)
روکنا	نہی ینہی (باب فتح) عن
جاننا	دری (باب ضرب) درایة
دینا	أتی یؤتی (باب افعال)
زکات	زکاة
روزے	صیام
مال غنیمت	مغنم
مٹکا، مٹی کا سبز ٹھیلیا یا روغنی مرتبان اور روغنی گھڑا ہوتا تھا۔	حنتم

دباء	کدو، (یہ ایک قسم کا کدو ہے جو خشک ہوتا ہے اور اس کے اندر سے کرید کر تخم کو پھینک دیا جاتا ہے یہ اندر سے بہترین برتن ہے)۔
نقییر	یہ بھی ایک برتن ہے لوگ کھجور کے درخت کا تنا اندر سے تراش کر کھوکھلا بنایا کرتے تھے اور پھر اس میں شراب بناتے اور رکھتے تھے۔
مزفت	یہ وہ برتن ہے جس پر وہ لوگ سیاہ تار کول مل لیا کرتے تھے، یعنی روغن زفت یا روغن قار جو کشتیوں پر ملا جاتا تھا۔
مقییر	یہ وہ برتن ہے جس پر سیاہ تار کول ملا جاتا تھا
حفظ (باب سمع)	حفاظت کرنا، یاد کرنا، یاد رکھنا
مسلم شریف	
قبض (باب ضرب)	اٹھالینا
انتزع (افتعال)	چھین لینا
اتخذ (افتعال)	بنالینا
رأس جردؤوس	سردار
جاهل ج جہال	ناواقف
أفنى (باب إفعال)	فتویٰ دینا، شرعی مسئلہ میں رہنمائی کرنا
ضلّ (باب ضرب)	گمراہ ہونا
أضلّ (افعال)	گمراہ کرنا
دعا (باب نصر) الی	بلانا، دعوت دینا
دعا علی	بددعا دینا
هدی (باب ضرب سے مصدر ہے)	ہدایت
تبع (باب سمع)	پیچھے چلنا، اتباع کرنا
نقص (باب نصر) نقصا	کم کرنا
نقص (باب نصر) نقصانا	کم ہونا
إثم ج آثم	گناہ
عبد ج عباد	بندہ
ملاً	جماعت

تقرب (باب تفعّل)	قریب ہونا، تقرب حاصل کرنا
شبر	بالشت
ذراع ج اذرع	ایک گز
ہرول پھرول ہرولة (باب فعلل، رباعی دوڑنا، بھاگنا)	مجرد
نفر ج انفار	تین سے دس تک مردوں کی جماعت
تمشی (باب تفعّل)	چلنا
مطر ج أمطار	بارش
أوی (باب ضرب)	پناہ لینا
غار ج غیران، أغوار	غار
جبل ج جبال	پہاڑ
انحطّ (انفعال)	اترنا
صخرة ج صخر	چٹان
طبق (باب سمع)	بند ہونا
فرج (باب ضرب)، فرج (باب تفعّل)	کھولنا، کشادہ کرنا
صبی ج صبیة و صبیان	بچے
رعی (باب فتح)	نگرائی کرنا، لحاظ کرنا، خیال رکھنا
أراح (باب افعال)	شام کے وقت باڑہ کی طرف اونٹوں کو واپس لانا
حلب (باب نصر و ضرب)	دوہنا
سقی (باب ضرب) سقیا	پلانا، سیراب کرنا
نأى بنأى	دور ہونا
أمسى یمسی (باب افعال)	شام میں داخل ہونا
وجد (باب ضرب)	پانا
وجد علی	ناراض ہونا
نام ینام نوما	سونا
الحلاب	دودھ دوہنے کا برتن

سر	رأس ج رؤوس
بیدار کرنا، جگانا	أوقظ (باب افعال)
نا پسند کرنا	كره (باب سمع) كراهة
مجبور کرنا	أكره (باب افعال)
بھوک یا مار سے بلبلانا	تضاغى (باب تفاعل)
قدم، پیر	قدم ج أقدام
آنا	قدم (باب سمع) قدوما
سابق ہونا، آگے بڑھنا	قدم (باب نصر)
پرانا ہونا	قدم (باب كرم) قدامة و قدما
عادت	دأب
نکلنا، ظاہر ہونا، روشن ہونا	طلع (باب نصر)
طلب کرنا، چاہنا	ابتغى يبتغى (باب افتعال)
اللہ کی خوشنودی چاہنا	ابتغاء وجه الله
آسمان	سماء ج سماوات
چاہنا	أحب (باب افعال)
مرد	رجل ج رجال
انکار کرنا	أبى يأبى
دینار	دينار ج دنانير
تھکنا	تعب (باب سمع)
جمع کرنا	جمع (باب فتح)
ڈرنا	اتقى يتقى
کھولنا	فتح (باب فتح)
انگوٹھی، مہر	خاتم ج خواتم، ختم
کرایہ پر لینا	استأجر (استفعال)
کرایہ پر دینا	أجر (باب نصر و ضرب)
مزدور، نوکر، ملازم	أجير ج أجراء



اَزَزْ	چاول
قضی (باب ضرب)	پورا کرنا
قضی علی	کام تمام کرنا
عرض (باب ضرب)	پیش کرنا
رغب (باب سمع) عن	بے توجہی اختیار کرنا، اعراض کرنا
زرع (باب فتح)	بونا، بیج ڈالنا
راعِج رعاء	چرواہا، مویشی کا نگہبان
ظلم (باب ضرب) الحق	گھٹانا
استهزأ (باب استفعال)	مذاق کرنا، ٹھٹھا کرنا
سنن الترمذی	
طیب	پاکیزہ
نظیف	صاف ستھرا
نظف (باب کرم) نظافة	صاف ستھرا ہونا
نظف (باب تفعیل)	پاک کرنا، صاف کرنا
جواد	سخی
فناء ج أفنية	صحن
تشبه (باب تفعیل)	مشابہت اختیار کرنا
نعمة ج نعم، أنعم	نعمت، نوازش
خلی (باب تفعیل)	چھوڑنا، آزاد کرنا
سبیل ج سبل	راستہ
أزال (باب افعال)	ہٹا دینا
هام (و) هامة	کھوپڑی، ہر چیز کا سرا، دھڑ پر بھی اطلاق ہوتا ہے
مقیل	جگہ، مقام
أذهل (باب افعال)	غافل کر دینا
نضح فلانا بالنبل (باب فتح و ضرب)	تیر اندازی کرنا
نبل ج نبال، أنبال، نبلان	تیر

## 6.7 متن سبق کی توضیح و تشریح

## 6.7.1 متن بخاری

حضرت عبادہؓ کی کنیت ابوالولید ہے اور یہ انصاری ہیں، یہ نقباء میں سے ہیں، عقبہ اولی ثانیہ اور ثالثہ تینوں میں شریک رہے، اسی طرح بدر اور دیگر تمام غزوات میں بھی شریک ہوئے ہیں، حضرت عمرؓ نے ان کو شام کا قاضی بنایا تھا، یہ حمص میں رہے پھر فلسطین چلے گئے اور رملہ یا بیت المقدس میں ۳۴ھ میں انتقال کر گئے، ان کی عمر ۷۲ سال تھی۔

أَنْ لَا تَشْرَكَوَا: شرک سے مراد شرک اصغر یعنی ریاکاری ہے یا یہ تجدید بیعت ہے اور مستقبل میں شرک سے بچنے کی ہدایت اور تلقین ہے، ورنہ تو مسلمان پہلے سے توحید پر ہوتا ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ: چونکہ عرب میں قتل اولاد کا رواج تھا اس لیے خصوصیت سے یہ بیعت لی گئی، عرب میں دو قسم کے لوگ دو مختلف کمزوریوں کی وجہ سے اولاد کو قتل کرتے تھے، ایک تو وہ لوگ تھے جو فی الحال مفلس و فقیر تھے، یہ اولاد کا بوجھ اٹھانے سے عاجز تھے اس لیے اولاد کو قتل کرتے تھے، قرآن کریم نے ان سے کہا: وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ۔

دوسرے وہ لوگ تھے جو فی الحال تو خوش حال تھے لیکن ان کو خطرہ تھا کہ آئندہ اولاد بڑھنے سے ہم فقیر ہو جائیں گے تو وہ اولاد کو قتل کرتے تھے، ان کے لیے قرآن کریم نے یہ اعلان کیا: وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةً إِمْلَاقٍ، کہ تمہیں آئندہ کا خوف فقر دامن گیر نہیں ہونا چاہیے۔ وَلَا تَأْتُوا بَبْهَتَانٍ: بھتان بھت سے مبہوت اور متحیر کرنے کے معنی میں ہے، یہ وہ جھوٹ ہے جو سننے والے کو حیرت میں ڈال دیتا ہے، بعض نے کہا کہ اس سے مراد تہمت لگانا ہے۔

وَلَا تَعْصُوا فِي مَعْرُوفٍ: معروف کا ذکر یہاں ذکر العام بعد الخاص کی قبیل سے ہے کہ خاص خاص چیزوں کے بعد عام معروف کا ذکر کیا، معروف میں اوپر ذکر کردہ تمام احکام عمومیت کی بنا پر داخل ہو گئے ہیں۔ معروف و منکر وہ ہے جس کا حسن و قبح شریعت سے معلوم ہو۔

فَمَنْ وَفِيَ: وفی تخفیفاً و تشدیداً دونوں طرح پڑھا گیا ہے، علامہ طیبی نے لکھا ہے کہ وفی یہ ہے کہ کوئی کام پورا اور مکمل کیا جائے، لہذا اس ثواب کا مستحق وہ شخص ہوگا جو تمام حقوق و عہود کو حسن و خوبی انجام دے۔

فَعُوقِبَ بِهِ: یعنی اس مرتکب گناہ پر شرعی حد جاری کی گئی، فہو كفارة له: یہ حکم شرک کے علاوہ دیگر گناہوں کے لیے ہے، کیونکہ شرک ناقابل معافی گناہ ہے۔

فَسْتَرَاهُ اللَّهُ عَلَيْهِ: یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہ پر پردہ ڈالا ہے تو اس شخص کو چاہیے کہ وہ بھی گناہ کا تذکرہ لوگوں کے سامنے نہ کرے بلکہ

خفیہ طور پر توبہ کرے، پس قاعدہ یہ ہے کہ خلوت کی معصیت کی توبہ خلوت میں ہے اور جلوت کی جلوت میں۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ساتویں مسلمان تھے، آپؓ کی کنیت ابواسحاق ہے، آپؓ نے انیس سال کی عمر میں نماز کی فرضیت کا حکم نازل ہونے پہلے اسلام قبول کیا، آپؓ غزوہ بدر، حدیبیہ اور دیگر جنگوں میں شریک رہے، آپؓ کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے اور آپؓ مستجاب الدعوات تھے، حضرت عمرؓ نے خلیفہ کے انتخاب کے لیے جن چھ افراد پر مشتمل شوری بنائی تھی اس کے ایک رکن آپؓ بھی تھے، مدینہ سے دس میل فاصلہ پر واقع مقام عقیق میں آپؓ کا انتقال ہوا اور جنت البقیع میں تدفین عمل میں آئی، آپؓ کی وصیت کے مطابق آپؓ کو انہی کپڑوں میں کفنایا گیا جنہیں آپؓ جنگ بدر میں زیب تن کیے ہوئے تھے، سن وفات کے بارے مؤرخین کے درمیان اختلاف ہے، کسی نے ۵۵ ہجری بتایا تو کسی نے ۵۸ ہجری اور کسی نے ۵۴ ہجری، وفات کے وقت آپؓ کی عمر ستر سے متجاوز تھی۔

فترک رسول اللہ ﷺ ر جلا هو أعجبهم الی: حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں روایت کیا ہے کہ یہ صاحب جن کو چھوڑ دیا تھا اور ان کو نہیں دیا تھا ان کا نام جمیل بن سراقہ الضمری تھا، سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ وہ مجھے ان میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ تھے۔  
 او مسلما: علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ ”او“ یہاں بل کے معنی میں ہے، یعنی آنحضرت ﷺ بتانا چاہتے ہیں کہ ایمان ایک باطنی امر ہے اس پر حکم نہ لگاؤ، صرف ظاہر پر حکم لگاؤ جو کہ اسلام ہے، لہذا ان کو مسلم کہو، مومن نہ کہو، اس جیسی روایتوں کی بنیاد پر بعض علما اسلام اور ایمان میں فرق کے قائل ہیں، نیز اس روایت سے اس بات کا جواز ملتا ہے کہ مالی اعانت کے ذریعہ کمزور مسلمان کے دین کو بچانے کی فکر کی جانی چاہیے۔  
 جب آنحضرت ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی حضرت جمیل کو مومن قرار دینے کے بارے میں ایک طرح سے تردید فرمائی کہ ”تمہیں مسلم کہنا چاہیے تھا“ تو اس سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ آنحضرت ﷺ کو حضرت جمیل کے صادق الایمان ہونے کے بارے میں شک تھا کہ ان کا ایمان سچا ہے یا نہیں اور یہ گویا ایک طرح سے ان کی منافق ہونے کا اظہار ہے۔

لیکن یہ معنی سمجھنا صحیح نہیں، کیونکہ اس کی دلیل یہ ہے کہ دوسری روایت میں حضرت جمیل کی فضیلت خود حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت ابوذرؓ سے پوچھا کہ جمیل کے بارے میں آپؓ کی کیا رائے ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ جیسے اور مسلمان ہوتے ہیں ایسے وہ بھی ہیں، اسی طرح آپ ﷺ نے ایک اور شخص کے بارے میں پوچھا کہ اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے تو انھوں نے فرمایا کہ ”ہو من سادات الناس“ وہ سادات میں سے ہیں، بہت اعلیٰ درجے کی قائدانہ صلاحیت ان کے اندر ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”دوسرے آدمیوں سے اگر پوری زمین بھر جائے تو جمیل ان سے بھی زیادہ افضل ہیں“ تو وہاں حضور ﷺ نے حضرت جمیل کی فضیلت کی شہادت دی۔

حضرت معمر بن سوید تابعین میں سے ہیں۔ مشہور قول کے مطابق حضرت ابوذر غفاریؓ کا نام جندب بن جنادہ ہے، آپؓ قدیم الاسلام ہیں، آپؓ چوتھے یا پانچویں مسلمان ہیں، اسلام قبول کرنے کے بعد آپؓ وطن واپس ہو گئے اور غزوہ خندق کے بعد مدینہ طیبہ حاضر ہو کر آپ ﷺ کے وصال تک آپؓ کی صحبت میں رہے، حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے بعد آپؓ ملک شام چلے گئے، حضرت عثمانؓ دور خلافت میں حضرت معاویہؓ کی شکایت کی وجہ سے امیر المؤمنین نے آپؓ کو مقام ربذہ میں سکونت اختیار کرنے کا مشورہ دیا، آپؓ کی وفات مقام ربذہ میں سن ۳۲ھ میں ہوئی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے آپؓ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

ربذہ: مدینہ منورہ سے کچھ فاصلہ پر چھوٹی سی بستی ہے۔

فعیرتہ بأمہ: میں نے اس کو اس کی ماں کے حوالہ سے عار دلائی، حضرت ابوذرؓ کا یہ واقعہ حضرت بلال حبشیؓ کے ساتھ پیش آیا تھا، آپ نے بلال حبشیؓ کو یا ابن السوداء کہا تھا۔

انک امرؤ فیک جاہلیۃ: تم ایسے آدمی ہو کہ تمہارے اندر جاہلیت کا کچھ اثر ہے، حضرت ابوذرؓ نے یا ابن السوداء کہا تھا، یہ جملہ نفس الامر کے اعتبار کے سے غلط نہیں تھا، کیونکہ حضرت بلال حبشیؓ تھے اور ان کی والدہ سوداء ہی ہوں گی تو اس واسطے سے ”یا ابن السوداء“ کہنے میں جھوٹ نہیں تھا، لیکن اس کو بھی نبی کریم ﷺ نے جاہلیت سے تعبیر فرمایا، اس لیے کہ اگرچہ کہ یہ جملہ نفس الامر کے مطابق تھا لیکن نفس الامر کے مطابق ہونے کے باوجود عار دلانا مقصود تھا، ذلیل کرنا مقصود تھا جس سے مسلمان کی دل آزاری ہوتی تھی۔

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر کوئی بات نفس الامر میں صحیح ہو، لیکن اس کو بر ملا اظہار کرنے سے دوسرے آدمی کی تذلیل ہوتی ہو یا اس کی دل آزاری ہوتی ہو تو یہ بھی گناہ کبیرہ ہے۔

آپ ﷺ نے جوں ہی انک امرؤ فیک جاہلیۃ فرمایا تو حضرت ابوذرؓ کسی تاویل و توجیہ یا اپنی غلطی کا عذر بیان کیے بغیر بس فوراً بلا تاخیر زمین پر لیٹ گئے اس طرح کہ اپنے رخسار زمین سے ملا دیے اور کہا کہ اس وقت تک نہیں اٹھاؤں گا جب تک کہ حضرت بلال آکر پاؤں میرے رخسار پر نہ رکھیں، چنانچہ اسی طرح لیٹے رہے حضرت بلال کو بلایا گیا حضرت بلال نے آکر پاؤں رکھا تب وہاں سے اٹھے۔

إخوانکم خولکم جعل اللہ تحت ایدیکم الخ: زمانہ جاہلیت میں حر (آزاد) غلام کی بنسبت بدرجہا افضل ہوتا تھا، لہذا غلام کی توہین و تذلیل کوئی مانع نہیں رکھتی تھی، سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس منشا کو قطع فرمایا جس منشا کی بنیاد پر حضرت بلال کو عار دلائی گئی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا یہ تصور کہ غلام کوئی ادنیٰ درجہ کی چیز ہے جاہلی تصور ہے، اسلام میں ان کا یہ مقام ہے کہ ”إخوانکم خولکم“ کہ تمہارے جو غلام ہیں وہ تمہارے بھائی ہیں۔

وہ غلامی جس کا رواج جاہلیت میں تھا اور جاہلیت میں صرف عرب میں نہیں بلکہ روم و ایران میں سب جگہ غلاموں کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کیا جاتا تھا، سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس کو اخوت اور بھائی چارہ بنا دیا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نبی اکرم ﷺ کے چچا زاد بھائی ہیں، ہجرت سے تین سال قبل مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے تھے، حضور ﷺ کے وصال کے وقت آپؓ کی عمر تیرہ سال تھی، آنحضرت ﷺ نے ان کے کمالِ ادب سے خوش ہو کر تفقہ فی الدین، حکمت اور تفسیر قرآن میں مہارت کی دعا مانگی تھی، اس لیے وہ گفتگو میں فصیح الناس تھے، علم میں اعلم الناس تھے اور شکل میں اجمل الناس تھے، لمبے قد کے مالک تھے، جب پیدل چلتے تو سواری پر معلوم ہوتے تھے، دودفعہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا تھا۔

حضرت عمرؓ اپنے دورِ خلافت میں ان کو عمر رسیدہ صحابہؓ پر مقدم رکھتے تھے اور ان سے مشورہ لیتے تھے، آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے، ۷۱ سال کی عمر میں ۶۸ھ میں انتقال کر گئے، طائف میں جامع مسجد ابن عباس کے مکتبہ ابن عباس میں مدفون ہیں۔

6.7.2 وفد عبدالقیس

عبدالقیس بحرین کا ایک بڑا قبیلہ تھا، یہ وفد چالیس افراد پر مشتمل تھا اور قبیلہ ربیعہ بنو نزار سے ان کا تعلق تھا جو قبیلہ مضر کے مقابل تھے، یہ وفد

مدینہ منورہ کب آیا تھا؟ اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کب حاضری دی تھی؟ اکثر علما اور شارحین حدیث کے قول کے مطابق یہ وفد سن ۸ھ میں آیا تھا اور یہ لوگ برضا و رغبت خود مسلمان ہو کر آئے تھے، مشہور مورخ علامہ واقدی اور قاضی عیاض نے اس قول کو اختیار کیا ہے، امام مغازی ابن اسحاق اور ابن کثیر وغیرہ اہل تاریخ کے نزدیک یہ وفد ۹ھ میں آیا تھا، ابن اثیر نے اس وفد کی آمد کو ۱۰ھ میں بتایا ہے۔

تحقیق کے بعد یہ بات رائج معلوم ہوتی ہے کہ یہ وفد دو دفعہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا تھا، ایک مرتبہ ۵ھ میں اور دوسری دفعہ ۹ھ میں حاضر خدمت ہوا تھا۔

### 6.7.3 وفد عبد القیس کی آمد کا سبب

بحرین کے لوگ تاجر تھے، ان میں سے ایک تاجر منقذ بن حیان بغرض تجارت مدینہ منورہ آئے تھے، آنحضرت ﷺ سے ان کی ملاقات ہوئی، نبی اکرم ﷺ نے دلچسپی سے اہل بحرین کے شرفاء کے حالات ان سے معلوم کیے اور خصوصیت سے ایک صاحب مندر بن عائد کے حالات دریافت کیے، آنحضرت ﷺ نے منقذ بن حیان کو اسلام کی دعوت دی وہ مسلمان ہو گئے اور کچھ ضروری چیزیں اسلام کی سیکھ کر واپس وطن جانے لگے، آنحضرت ﷺ نے بحرین کے سرداروں کے نام خط لکھ کر ان کے حوالہ کر دیا، منقذ بن حیان یہ خط لے کر بحرین پہنچے اور مندر بن عائد ملقب بـ ”اشج عبد القیس“ کے ہاتھ میں دے دیا، منقذ بن حیان اشج عبد القیس کے داماد تھے، ان کی بیوی اشج کی بیٹی تھیں، وہ منقذ بن حیان کو عبادت کرتے ہوئے دیکھتی تھیں اور حیران ہوتی تھیں، انھوں نے اپنے والد اشج سے اس کا تذکرہ کیا کہ میرے شوہر کی جب سے مدینہ سے واپسی ہوئی ہے وہ عجیب و غریب عبادات میں مشغول رہتے ہیں، اشج نے جب آنحضرت ﷺ کا خط کھول کر پڑھا اور بیٹی سے اسلام کے بارے میں سنا تو وہ مسلمان ہو گئے، پھر انھوں نے مجمع میں یہ خط پڑھ کر سنایا، لوگ مسلمان ہو گئے اور پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری دی، اس دفعہ یہ وفد تیرہ آدمیوں پر مشتمل تھا۔

من القوم أو من الوفد: اس کلام میں راوی کو شک ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ”من القوم“ فرمایا تھا یا ”من الوفد“ فرمایا تھا، یہ صحابہ کرامؓ کی کمال درجہ کی احتیاط اور ان کی اعلیٰ ذہانت اور امانت اور حضور ﷺ سے بے انتہا محبت تھی کہ لفظی تغیر کو بھی گوارا نہیں کرتے تھے، لفظ ”أو“ کے بعد ”قال“ پڑھا جاتا ہے، حضور ﷺ کا ان لوگوں سے یہ سوال یا تو تعارف کے لیے تھا یا طلب انست کی غرض سے تھا، یہ آپ ﷺ کی عام عادت کریمہ تھی جس میں عموماً محبت کا پہلو ہوتا تھا۔

غیر خزیایا: خزیایا، خزیان کی جمع ہے اور خزی ذلت و رسوائی کے معنی میں ہے۔

ولاندامی: یہ ندماں کی جمع ہے جو نادم پشیمان کے معنی میں ہے۔

اس کا مطلب یہ کہ یہ لوگ خوش دلی کے ساتھ اسلام قبول کیے، جنگ و جدال کی نوبت نہیں آئی جس کا انجام آخر کار رسوائی اور ذلت ہوتا ہے۔ الشہر الحرام: الشہر الحرام سے تقدس و احترام کے چار مہینے مراد ہیں جن میں تین ایک ساتھ ہیں اور ایک الگ ہے، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم ایک ساتھ ہیں اور رجب الگ ہے۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہاں اس وفد نے الشہر الحرام سے صرف رجب کا مہینہ مراد لیا ہے، کیونکہ قبیلہ مضر کے لوگ رجب کا احترام بے حد کرتے تھے حتیٰ کہ رجب کا نام رجب مضر ہو گیا تھا۔

أمر فصل: فصل کا ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ یہ فاصل کے معنی میں ہے جو حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن امر ہو یا فصل مفصل کے معنی

میں ہے کہ ہمیں خوب تفصیل سے بتا دیجیے تاکہ ہم کسی اور کے محتاج نہ ہوں۔

و سالوہ عن الأثرية: أشربة جمع شراب بمعنى مشروب ہے اور جواب سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے گویا فرمایا کہ تم تو مشروب کے بارے میں پوچھتے ہو میں تو ان مشروبات کے لیے استعمال کیے جانے والے برتنوں کو بھی جائز نہیں سمجھتا جن میں کبھی شراب رکھنے بنانے اور پینے کا عمل ہوا کرتا تھا، کیونکہ یہ برتن شراب کی یاد تازہ کر دیتے ہیں، ان سے روکنا بھی تاکیدی حکم ہے تاکہ شراب سے بھی مکمل اجتناب و نفرت ہو جائے، جب اس کی نفرت صحابہ کے دلوں میں گھر کر گئی تب برتن رکھنے کی اجازت بھی مل گئی۔

و نہاہم عن أربع: یعنی آنحضرت ﷺ نے ان کو چار قسم کے ایسے برتنوں سے منع فرمایا جس میں وہ لوگ شراب بناتے تھے، جن کے مسامات (سوراخ) بند ہوتے تھے اور اس میں بہت جلدی شراب بنتی تھی اور جلدی نشہ آتا تھا۔

الحنتم: مٹکا، مٹی کا سبز ٹھیلیا یا روغنی مرتبان اور روغنی گھڑا ہوتا تھا۔

الدباء: یہ ایک قسم کا کدو ہے جو خشک ہوتا ہے اور اس کے اندر سے کرید کر تخم کو پھینک دیا جاتا ہے یہ اندر سے بہترین برتن ہے۔  
النقیور: یہ بھی ایک برتن ہے لوگ کھجور کے درخت کا تناندر سے تراش کر کھوکھلا بنایا کرتے تھے اور پھر اس میں شراب بناتے اور رکھتے تھے۔  
المنزف: یہ وہ برتن ہے جس پر وہ لوگ سیاہ تار کول مل لیا کرتے تھے، یعنی روغن زفت یا روغن قارجو کشیتوں پر ملا جاتا تھا۔

6.7.4 متن مسلم

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص قرشی انتہائی زاہد و عابد تھے، زمانہ جاہلیت میں بھی آپ لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور سریانی زبان میں آپ کو مہارت تھی، اپنے والد سے پہلے آپ نے اسلام قبول کیا اور رسول اللہ ﷺ سے آپ نے کتابت حدیث کی اجازت طلب کی تو آپ کو اجازت مل گئی، حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں مختصر مدت کے لیے آپ کوفہ کے گورنر رہے، سن ۶۵ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

لا یقبض العلم: اللہ تعالیٰ چونکہ بے انتہا فیاض اور نہایت سخی ہے اور عموماً سخی آدمی جب سخاوت کر کے کسی پر فیاضی کرتا ہے تو پھر اس سے واپس نہیں لیتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی جب کسی پر علم کا انعام کرتا ہے تو پھر اس سے چھینتا نہیں ہے، ہاں علم کے اٹھنے اور ختم ہونے کی صورت یہ ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ علما کو اٹھا لیتا ہے، جب بڑے بڑے علما اٹھ جاتے ہیں تو ان کی جگہ خالی رہ جاتی ہے اور چونکہ لوگ مسائل معلوم کرنے میں علما کی طرف ہی رجوع کرتے ہیں لہذا جب علماء کی قلت ہوگی تو مسائل معلوم کرنے کے لیے لوگ جاہلوں کو اپنا بڑا اور پیشوا بنالیں گے ظاہر ہے کہ جب وہ جاہل ٹھہرے تو غلط مسائل بتائیں گے اور غلط فتوے دیں گے، لہذا وہ خود بھی گمراہ ہو جائیں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیں گے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کے نام کے بارے میں محدثین کے درمیان شدید اختلاف ہے، تاہم محدثین آپ کا نام عبدالرحمن بن صخر بتاتے ہیں، آپ قبیلہ دوس سے تھے، سن ۷ھ خیبر کے سال آپ مشرف بہ اسلام ہوئے اور شب و روز نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں رہے، اسی وجہ سے آپ تمام صحابہ میں کثیر الحدیث ہیں، محدثین کے قول کے مطابق آپ کی روایتوں کی تعداد ۷۴۷۵۳ ہے، آپ کا قیام اکثر مدینہ میں رہا اور وہیں آپ کی وفات سن ۵۹ھ ہوئی۔

مثل أجود من تبعه: یعنی ایک نے نیک کام پر خود بھی عمل کیا اور دوسروں کو بھی بلایا، اب جس نے بھی اس نیک کام میں اس کی پیروی کی تو اس کے عمل کا ثواب بھی اس بلانے والے کو ملے گا جب کہ اس پیروی کرنے والے کے ثواب میں بھی کمی نہیں آئے گی، کیونکہ الدال علی الخیر کفاعلہ سے

اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو امت کے اچھے اعمال سے وہ خزانے ملیں گے جن کا حساب بھی نہیں لگایا جاسکتا، اسی طرح کسی برائی کی بنیاد ڈالنے والے کا بھی یہی حکم ہے۔

أنا عند ظن عبدي بي: یعنی میرا بندہ میرے متعلق جو نیت اور گمان رکھتا ہے میں اسی کے موافق فیصلہ کرتا ہوں، مثلاً اگر کوئی شخص میرے متعلق یہ گمان قائم کرے کہ میرا رب مجھے معاف کریگا تو میں اس کو معاف کر دیتا ہوں اور اگر میرے متعلق اس کی نیت یہ ہو کہ میرا رب معاف نہیں کرے گا تو میں اس کو معاف نہیں کروں گا، اس لیے بندہ کو اپنے رب کے ساتھ حسن ظن رکھنا چاہیے۔

وإن أتانني يمشياً تيته هرولة: احادیث شریفہ میں وارد اس طرح کے جملوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اپنے بندوں کے گناہوں کو بخشنے کے لیے کوئی نہ کوئی بہانہ ڈھونڈتی رہتی ہے، لہذا جو بندہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے جس قدر تیزی دکھاتا ہے اس سے کہیں زیادہ رحمت الہی اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن امیر المؤمنین عمرؓ کی کنیت ابو عبد الرحمن ہے، دور جاہلیت میں بھی آپ کے گھرانے کا شمار قریش کے معزز گھرانوں میں ہوتا تھا، آپ کی پرورش اسلام میں ہوئی، آپ انتہائی جری اور بہادر تھے، اپنے والد کے ساتھ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی، فتح مکہ میں شریک رہے، آپ کی پیدائش اور وفات مکہ میں ہوئی، ساٹھ سال کے طویل عرصہ تک آپ نے لوگوں کی شرعی مسائل میں رہنمائی فرمائی، کتب حدیث میں آپ کی ۲۶۳۰ روایتیں ہیں، آپ اتباع سنت میں شہرت رکھتے تھے، آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے، مکہ میں وفات پانے والے آپ آخری صحابی ہیں، آپ کی وفات سن ۷۳ھ میں ہوئی۔

اس حدیث شریف میں تین آدمیوں کا واقعہ مذکور ہے جو بارش سے بچنے کے لیے کسی غار میں پناہ لیے تھے کہ پتھر لڑھکے غار کے منہ پر آگرا جس کی وجہ سے غار سے باہر نکلنے کا راستہ بند ہو گیا اور ان تینوں نے اپنے سب سے زیادہ مقبول عمل کو اللہ کی بارگاہ میں بطور وسیلہ پیش کر کے مصیبت سے نجات حاصل کی، اس سے معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ کا وسیلہ لینا جائز ہے اور نیک اعمال دفع مضرت کے لیے بہترین وسیلہ ہیں۔ پہلے شخص کے عمل سے والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی خدمت کو اہل و عیال کی خدمت پر ترجیح دینے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ دوسرے شخص کے عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ گناہ پر قدرت رکھنے کے باوجود اللہ کے ڈر سے گناہ سے کنارہ کشی اختیار کرنا تقرب الی اللہ کا سبب اور تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرنا دعا کی قبولیت کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ تیسرے شخص کے عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حقوق العباد کا پاس و لحاظ رکھنے، امانت داری اور دیانتداری کا مظاہر کرنے سے اللہ راضی ہوتا ہے اور مصیبت کی گھڑی میں بندہ کو وہ بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا جیسے اس شخص کی دیانتداری کے صلہ میں اللہ نے اس سے مصیبت ٹلا دی۔

6.7.5 متن ترمذی

حضرت سعید بن مسیب مخزومی قرشیؓ کی کنیت ابو محمد ہے، آپ کا لقب سید التالبعین ہے، مدینہ کے فقہائے سبعہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے، آپ بیک وقت حدیث، فقہ اور زہد و وعدہ کے جامع تھے، سلطانی عطایا آپ قبول نہیں کرتے تھے بلکہ تیل کی تجارت کے ذریعہ اپنی گذر بسر کیا کرتے تھے، حضرت عمرؓ کے احکام اور فیصلوں کے حافظ تھے حتیٰ کہ آپ کو راوی عمر کہا جانے لگا، سن ۹۴ھ مدینہ میں آپ کی وفات ہوئی۔

اس حدیث شریف میں نظافت و نفاست اور سخاوت کی ترغیب دی گئی ہے، اللہ تعالیٰ ان صفات سے متصف ہے لہذا بندوں کو بھی تخلقوا

باخلاق اللہ کے بموجب ان اوصاف سے آراستہ و پیراستہ ہونا چاہیے۔

ولا تشبهوا بالیہود: یہودیوں کی مشابہت اختیار نہ کرو، یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ یہود اپنے گھروں کے صحن اور آنگن کو کوڑے کرکٹ سے ناپاک و گندا رکھا کرتے تھے۔

سند اس طرح ہے: عمرو بن شعیب بن محمد بن عبد اللہ بن عمرو بن عاص قرشی سہمی۔

اس حدیث سے اظہارِ نعمت کا استجاب معلوم ہوتا ہے، یعنی آدمی کو چاہیے کہ اللہ نے اس کو جن نعمتوں سے بہرہ ور کیا ہے اس کا اظہار کرے، تاکہ ایک طرف اللہ کا شکر ادا ہو تو دوسری طرف غریب لوگوں کو اس کی مال داری معلوم ہو تاکہ اگر وہ اس سے اپنی ضرورتیں بیان کرنا چاہیں تو بیان کر سکیں، انعامات الہیہ اور فراوانی نعمت کے باوجود خستہ حالت میں رہنا شریعت میں ناپسندیدہ ہے۔

حضرت انس بن مالک انصاریؓ کی کنیت ابو حمزہ یا ابو ثمامہ ہے، آپ کی پیدائش مدینہ میں ہوئی اور بچپن ہی میں اسلام قبول کیا، آپؓ کو دس سال تک آپ ﷺ کی خدمت کا شرف حاصل رہا، مدینہ سے دمشق چلے گئے اور پھر وہاں سے بصرہ منتقل ہو گئے اور وہیں آپ کا انتقال ہوا، بصرہ میں وفات پانے والے آپ آخری صحابی ہیں، سن وفات کے بارے میں اختلاف ہے، مشہور قول کے مطابق آپ کی وفات سن ۹۳ھ میں ہوئی۔

اس حدیث سے شعر و شاعری کی اجازت معلوم ہوتی ہے، اسلام میں شعر و شاعری کی مذمت دراصل شاعری کے ذریعہ حاصل کیے جانے والے اغراض فاسدہ کے پیش نظر ہے، جس میں بے جا مدح سرائی اور ناحق کسی کی بھجگوئی، شراب کی تعریف و توصیف، عورتوں کے حسن و جمال کا اس انداز سے نقشہ کھینچنا کہ جس سے پڑھنے والے کے شہوانی جذبات و خواہشات بھڑک اٹھیں، البتہ اگر شاعری کا استعمال اچھے مقاصد کے حصول کے لیے ہو تو اسلام میں اس کی اجازت ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے، اس کے علاوہ بھی آپ ﷺ کا حضرت حسانؓ کے ساتھ معاملہ اور آپؓ کو اپنی موجودگی میں منبر پر کھڑا کر کے شعر پڑھنے کا حکم دینا اور آپ ﷺ کا یہ قول مبارک ”ان من الشعر لحکمة“ یہ سب اس امر کی واضح دلیل ہے کہ تائیدِ دین و نصرتِ حق کے لیے شعر و شاعری کو بھی وسیلہ بنانا درست ہے۔

راہِ یزیدہ زیہا: وہ بیماری اور مواد جو پیٹ کو خراب کر دے، مطلب یہ ہے کہ غلط اشعار یا کثرت سے شعر و شاعری کو معمول بنانا موزی بیماری سے بھی زیادہ تباہ کن ہے، کیونکہ شاعری میں انہماک انسان کو بہت سے ضروری اور اہم کاموں سے غافل کر دیتا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ تم میں سے کسی کے پیٹ کا پیپ سے بھر جانا اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ وہ اشعار سے بھر جائے۔

قیح سے خون اور پیپ مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ کسی آدمی کا پیٹ بدھضمی اور خون و پیپ سے بھر جائے یہ اس سے بہتر کہ اس کا پیٹ نامناسب اور خلاف شرع اشعار سے بھر جائے، اس حدیث شریف میں بے ہودہ اور بے جا مبالغہ پر مبنی اشعار کی مذمت بیان کی گئی ہے۔

## 6.8 متون مذکورہ کی خصوصیات

ان احادیث مبارکہ کے متن سے بہت سارے دینی اور اسلامی اصول مستخرج اور مستنبط ہوتے ہیں:

1- دین اسلام میں بیعت لینا ایک مسنون عمل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے دین اسلام پر کاربند رہنے، ہجرت کرنے، میدان



جہاد میں ثابت قدم رہنے، فواحش و منکرات کو چھوڑنے، سنت پر عمل کرنے اور بدعات و رسوم سے دور رہنے کی بیعت لی تھی اور حدود گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں۔

2- جس کے اندرونی حالات کا علم نہ ہو اسے مومن نہیں سمجھنا چاہیے؛ کیوں کہ باطن پر اللہ کے علاوہ اور کون مطلع ہو سکتا ہے؟ البتہ اس کے ظاہری حالات کے پیش نظر اسے مسلمان کہہ سکتے ہیں۔

3- کسی کو کسی طرح عار نہ دلایا جائے گرچہ وہ غلام ہوں، یعنی یہ کہیں اے سیاہ فام غلام، یہ غلام اور نوکر بھی انسان ہیں، یہ ہمارے بھائی ہیں، جو خود کھائے اسے کھلائے، جو پہنے اسے پہنائے، جو کام ان سے نہ ہو سکتا ہو وہ اس میں ان کا ہاتھ بٹائے

4- آنے والے مہمانوں کا خوش آمدید کہنا اسلامی ادب ہے، نیز ایک مسلمان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ علم و ایمان کو دوسرے سکھائے اپنے سینے میں صرف محفوظ کر کے نہ رکھے انہیں امور دین: ایمان لانا یعنی اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، نماز ٹھیک طریقے سے ادا کرنا، زکوٰۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا، شراب جیسے حرام چیزوں سے بچنے کی تاکید کرنا چاہیے۔

5- یہ بتلایا گیا کہ آخری زمانے میں علم کے اٹھائے جانے کی شکل یہ ہوگی کہ علما اٹھا لیے جائیں گے جس کے نتیجے میں لوگ جاہلوں کو اپنا مقتدا بنالیں گے، وہ خود گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو گمراہ کریں گے۔

6- شریعت اور دین کا ایک اصول یہ ہے کہ جو شخص راہ ہدایت کے طرف بلائے تو اس کو بھی اجر ملتا ہے اور اور جو راہ راست پر چلتا ہے اس کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی، اگر کوئی شخص کسی کو برائی کی دعوت دیتا ہے تو اس دعوت دینے والے کو بھی اتنا ہی گناہ ملتا ہے جتنے گناہ کرنے والے کو گناہ ملتا ہے، گناہ کرنے والے کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ (یعنی اگر کوئی تعلیم، علم یا عبادت یا ادب کا اس حکم دے تو لوگ اس پر خواہ اس کی زندگی میں یا اس کے مرنے کے بعد عمل کریں اس کا ثواب اس کو ملتا رہتا ہے)

7- اور یہ بھی بتلایا گیا کہ بندہ جتنا اللہ عزوجل کے قربت حاصل کرتا ہے اللہ عزوجل کی رحمت عنایت اور توفیق اس کی جانب اتنی متوجہ ہوتی ہے، جس کو مثال سے سمجھا گیا کہ میں بندہ کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں، اگر وہ مجھے دل میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اپنے جی میں یاد کرتا ہوں، اگر مجمع میں یاد کرتا ہے تو اس سے بہتر مجمع میں اس کو یاد کرتا ہوں، ایک بالشت بڑھ کر آتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف آتا ہوں اور ایک ہاتھ نزدیک ہوتا ہے تو دونوں ہاتھوں کے پھیلاؤ کے برابر یعنی ایک باع قریب ہوتا ہو، چل کر آتا ہے تو میں اس کے پاس دوڑ کر آتا ہوں۔

8- ایک اصول یہ بھی بتلایا گیا کہ اعمال صالحہ کے ذریعہ وسیلہ لے کر آدمی دعا کرتا ہے تو اللہ عزوجل اس کی دعا کو قبول فرماتے ہیں۔

9- مومن کو نظیف، نظافت پسند، داتا اور سخی ہونا چاہیے کہ کیوں کہ جس ذات پر وہ ایمان رکھتا ہے وہ پاکیزہ ذات وہ پاکی کو پسند کرتی ہے، وہ سخی ہے سخاوت کو پسند کرتی ہے۔

10- اگر انسان کو اللہ نے نعمت دی ہے تو سخاوت، کار خیر میں خرچ اور خود اپنی ذات اور اہل و عیال پر خرچ کی ذریعہ اللہ کے انعامات اور عطا اور داد و ہش کا اثر اس پر دیکھائی دینا چاہیے۔

11- اور یہ معلوم ہوا کہ دینی امور اور حکم و امثال اور کفار کے دفاع میں اشعار کہے جاسکتے ہیں، جن اشعار کے اشتغال سے دنیا سے بے رغبتی ہوتی ہو ان میں مشغولیت شرعی اعتبار سے نہایت قبیح چیز ہے۔

## 6.9 اسلوبی خصوصیات

1۔ احادیث رسول کی اسلوبی خصوصیت یہ ہوتی ہیں کہ مفہوم کی ادائیگی اور الفاظ کی اجتماعی ترکیب نہایت مضبوط ہوتی ہے اور مفہوم کی ادائیگی کے لیے نہایت فصیح و بلیغ جملے استعمال ہوتے ہیں، جو ہر موقع ہر محل ہوتے ہیں، جس میں بالکل موقع اور محل کے لحاظ سے کوئی کمی نہیں ہوتی۔ ”إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ النَّاسِ وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتَّىٰ إِذَا لَمْ يَبْقَ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُسًا جُهًا لَا فَسَلُوا فَاِفْتُوا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَآصَلُّوا۔

اس حدیث رسول پر غور کیجیے اس میں علم کے اٹھ جانے جو کہ علما کے اٹھائے جانے سے ہوگا، پھر لوگ جاہلوں کو اپنا سردار اور مقتدا بنائیں گے اور وہ بغیر جانکاری اور علم بتائیں جس کے نتیجے میں خود گمراہ ہوں گے دوسروں کو گمراہ کریں گے۔ پہلے ”قبض“ اور اس سے بلیغ لفظ ”انزاع“ پھر قبض علما کے سلسلے میں ”یقبض بقبض العلماء“ کی تعبیر پھر اس کے بعد پھر ”قبض“ اور ”انزاع“ کے استعمال کے بجائے ”لم یتدرک“ کا استعمال “پھر ”فضلوا و اذلوا“ میں گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے کی مفہوم کی ادائیگی اس میں جو حسن اور خوبصورت اور مفہوم کی ادائے گی جامعیت وہ اپنے نظیر آپ ہے۔

2۔ اس طرح الفاظ کا تکرار بھی کلام میں حسن اور خوبصورتی کو پیدا کرتا ہے، اس حدیث رسول ”أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي وَأَنَا مَعَهُ حِينَ يَذْكُرُنِي“ اِنْ ذَكَرْنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي وَإِنْ ذَكَرْنِي فِي مَلَأَا ذَكَرْتُهُ فِي مَلَأَا هُمْ خَيْرٌ مِنْهُمْ وَإِنْ تَقَرَّبَ مِنِّي شَبَّوْا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذَرَأًا وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذَرَأًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا وَإِنْ أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً۔“ آپ ذرا غور کیجیے، اس کی چاشنی اور مٹھاس کو محسوس کیجیے کہ اس میں مصدر ”ذکر“ کا استعمال مختلف مواقع سے ”یذکرني“، ”ذکرته“ ”ذکرني“ ”ذکرته“ کبھی ماضی کبھی مضارع، ”تقرب“ اور ”تقربت“ پھر ”تقرب“ اور ”تقربت“ کا استعمال، ”مشی“ کے مقابل میں ”هرولة“ کے ذریعہ تیز رفتاری کو بتلانے کا یہ بلیغ انداز میں یہ احادیث نبویہ کی اسلوبی خصوصیت سے تعلق رکھتا ہے۔

3۔ اس حدیث نبوی کے اسلوب اور طرز و انداز اور مقفّع مسجع اور بے ساختہ جملوں اور اس کی ترکیب و بندش بھی ادبی اسلوب اعلیٰ نمونہ کا درجہ رکھتی ہے: ”إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ يُحِبُّ الطَّيِّبَ نَظِيفٌ يُحِبُّ النَّظَافَةَ كَرِيمٌ يُحِبُّ الْكَرَمَ جَوَادٌ يُحِبُّ الْجُودَ فَتَنَظَّفُوا“ دیکھیے ہر جملہ ”إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ“ ”يُحِبُّ الطَّيِّبَ“ ”نَظِيفٌ“ ”يُحِبُّ النَّظَافَةَ“ ”كَرِيمٌ“ ”يُحِبُّ الْكَرَمَ“ ”جَوَادٌ“ ”يُحِبُّ الْجُودَ“ پر غور کیجیے، الفاظ کی بندش اور مٹھاس اور تراکیب کی مضبوطی عربی کے جانکار کو ششدر اور حیران کر دے گی، عام فہم انداز میں اس قسم کا سہل انداز ترکیب جس میں ادب کا اعلیٰ نمونہ بھی نظر آئے جو سہل ممتنع کا جامع شاید کسی کے کلام میں مل سکے، یہ زبان نبوت کی معجزہ کلامی ہے اور بس۔

4۔ ہم وزن، ہم صوت اور ہم آہنگ الفاظ کا استعمال یہ جناس اور طباق کے قبیل سے ہوا کرتا ہے، جس کا بکثرت استعمال کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ملتا ہے حدیث کے یہ الفاظ ”بَايَعُونِي عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا، وَلَا تَسْرِقُوا، وَلَا تَزْنُوا، وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ، وَلَا تَأْتُوا بِبَهْتَانٍ تَفْتَرُوهُ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ، وَلَا تَعْصُوا فِي مَعْرُوفٍ۔ فَمَنْ وَفَى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا ثُمَّ سَتَرَهُ اللَّهُ فَهُوَ إِلَى اللَّهِ، وَإِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ، وَإِنْ شَاءَ عَاقَبَهُ“ جس میں خاص طور پر ”أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا“

لا تشرکوا“ ولا تسرفوا، ولا تسرقوا، ولا تنزوا، ولا تقتلوا، ولا تأتوا ببہتان“، ’ولا تعصوا فی معروف“ یہ الفاظ ہم مختلف معانی کے حامل ہونے کے باوجود ان کا وزن اور آہنگ ای طرح کی جمال اور خوبصورتی پیدا کرتا ہے۔

5۔ اور کلام رسول میں بکثرت یہ خوبی پائی جاتی ہے کہ دو مفہوم مخالف معانی کو بتلانے کے لیے ایک طرح کی الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں، مثبت اور منفی دونوں جملوں میں معانی کی ادائیگی کے لیے ایک طرح کے ہی الفاظ ہوتے ہیں، جیسے مذکورہ بالا حدیث میں سزا اور عقاب اور عفو اور درگزر کے ایک ہی طرح کے یا ہم وزن الفاظ کا استعمال ہوا ہے غور کیجیے ”وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ“ عقاب اور سزا میں بھی اصاب کے الفاظ کا استعمال ”وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا ثُمَّ سَتَرَهُ اللَّهُ فَهُوَ إِلَى اللَّهِ، وَإِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ، وَإِنْ شَاءَ عَاقَبَهُ“ اور عفو و درگزر کے موقع سے بھی ”وَمَنْ أَصَابَ“ کا استعمال یہ حسن و خوبصورتی پیدا کرتا ہے۔

6۔ اسی طرح کبھی کلام رسول میں ایک ہی طرح کے الفاظ کو پہلا مطلقاً ذکر کیا جاتا ہے اور اس کے احکام کے بیان کے تحت انہیں الفاظ کو تھوڑی سے تبدیلی کے ساتھ دہرایا جاتا ہے جس کی وجہ سے کلام میں حسن اور خوبی پیدا ہو جاتی ہے، دیکھیے حدیث ”إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ، جَعَلَهُمُ اللَّهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ۔ فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ، وَلْيَلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ، وَلَا تَكْلِفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ، فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَأَعِينُوهُمْ“ یہاں پہلے فرمایا ”إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ“ ”جَعَلَهُمُ اللَّهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ“ ان دونوں مفہوموں کو جمع کرتے ہوئے، انہیں الفاظ کا دوبارہ استعمال کیا گیا، ”فَمَنْ كَانَ تَحْتَ يَدِهِ“ یہ احادیث رسول کی خصوصیت ہے، اسی طرح ”فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ“ اور ”وَلْيَلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ“ وغیرہ استعمال یہ کلام بہت زیادہ خوبصورتی اور حسن پیدا کرتا ہے۔

## 6.10 اکتسابی نتائج

### احادیث بخاری

(1) اس حدیث سے پتہ چلا کہ دین اسلام میں بیعت لینا ایک مسنون عمل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے دین اسلام پر کاربند رہنے، ہجرت کرنے، میدان جہاد میں ثابت قدم رہنے، فواحش و منکرات کو چھوڑنے، سنت پر عمل کرنے اور بدعات و رسوم سے دور رہنے کی بیعت لی تھی، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حدود گناہوں کا کفارہ ہیں۔

(2) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس کے اندرونی حالات کا علم نہ ہو اسے مومن نہیں سمجھنا چاہیے؛ کیوں کہ باطن پر اللہ کے علاوہ اور کون مطلع ہو سکتا ہے؟ البتہ اس کے ظاہری حالات کے پیش نظر اسے مسلمان کہہ سکتے ہیں۔

(3) اس روایت سے پتہ چلا کہ کسی کو کسی طرح عار نہ دلا یا جائے گرچہ وہ غلام ہوں، یعنی ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ: اے سیاہ فام کے بیٹے! پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کسی کو عار دلانے سے منع کیا اور فرمایا کہ یہ غلام تمہارے بھائی، جو خود کھائے اسے کھلائے، جو پہنے وہی پہنے، جو کام ان سے نہ ہو سکتا ہو وہ اس میں ان کا ہاتھ بٹائیں۔

(4) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنے والے مہمانوں کو خوش آمدید کہنا اسلامی ادب ہے، نیز ایک مسلمان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ علم و ایمان کو دوسروں کو سکھائے اپنے سینے میں صرف محفوظ کر کے نہ رکھے یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ ربیعہ کے لوگوں کے دین کے اہم امور ایمان لانا یعنی

اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، نماز ٹھیک طریقے سے ادا کرنا، زکوٰۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت سے پانچواں حصہ ادا کرنا اور شراب سازی کے چار برتنوں بڑے مشکوں، کدو سے تیار کردہ پیالوں، لکڑی کے تراشے ہوئے پیالوں اور تارکول سے رنگے ہوئے روغنی برتنوں سے انہیں منع فرمایا۔

### احادیث مسلم

(1) حضرت عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل علم کو نہیں اٹھائیں گے دلوں سے علم کو مٹا دیا جائے؛ بلکہ اللہ عزوجل علما کو اٹھالیں گے، جب کوئی عالم باقی نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنالیں گے، یہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو گمراہ کریں گے۔

(2) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص راہ ہدایت کے طرف بلائے تو اس کو بھی اجر ملتا ہے اور اور جو راہ راست پر چلتا ہے اس کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی، اگر کوئی شخص کسی کو برائی کی دعوت دیتا ہے تو اس دعوت دینے والے کو بھی اتنا ہی گناہ ملتا ہے جتنے گناہ کرنے والے کو گناہ ملتا ہے، گناہ کرنے والے کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ (یعنی اگر کوئی تعلیم، علم یا عبادت یا ادب کا اس حکم دے تو لوگ اس پر خواہ اس کی زندگی میں یا اس کے مرنے کے بعد عمل کریں اس کا ثواب اس کو ملتا رہتا ہے۔

(3) اس حدیث میں یہ فرمایا گیا کہ بندہ جتنا اللہ عزوجل کے قربت حاصل کرتا ہے اللہ عزوجل کی رحمت عنایت اور توفیق اس کی جانب اتنی متوجہ ہوتی ہے، جس کو مثال سے سمجھا گیا کہ میں بندہ کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں، اگر وہ مجھے دل میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اپنے جی میں یاد کرتا ہوں، اگر مجمع میں یاد کرتا ہے تو اس سے بہتر مجمع میں اس کو یاد کرتا ہوں، ایک بالشت بڑھ کر آتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف آتا ہوں اور ایک ہاتھ نزدیک ہوتا ہے تو دونوں ہاتھوں کے پھیلاؤ کے برابر یعنی ایک باغ قریب ہوتا ہو، چل کر آتا ہے تو میں اس کے پاس دوڑ کر آتا ہوں۔

(4) یہ ایک حدیث ہے جس میں ایک مرتبہ بنی اسرائیل چند لوگ دوران سفر بارش ہونے کی وجہ سے ایک غار میں رکے اور جب وہ اندر چلے گئے تو پہاڑ کی چٹان نیچے گری اور اس نے غار کے منہ کو ڈھک لیا، جس کی وجہ سے وہ پریشان ہوئے اور انھوں نے اپنے مختلف اعمال، ماں باپ کی خدمت، زنا کاری سے بچنے اور مزدوری کو بڑھا کر اس کے پرورش کر کے دینے کے اعمال کا واسطہ دے کر اللہ سے عاجزی سے دعا کی تو اس کے نتیجے میں وہ چٹان ان سے ہٹ گئی اور وہ اپنے گھر چلے گئے۔

### احادیث ترمذی

(1) اس حدیث میں کہ نفاذت، سخاوت کو اللہ عزوجل پسند کرتے ہیں؛ کیوں کہ خود اللہ عزوجل نظیف ہیں پاکیزہ، خود سخی ہیں، اس لیے نفاذت اور سخاوت کو پسند فرماتے ہیں، اس لیے نبی کریم ﷺ نے سفائی و ستھرائی کے اختیار کرنے کو فرمایا۔

(2) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے اگر انسان کی نعمت دی ہے تو اللہ عزوجل اس بات کو پسند کرتے ہیں اس کے اوپر ان نعمتوں کے اثرات ظاہر ہوں، اگر اللہ نے مال و دولت دی ہے تو اس کے مالدار ہونے کے اثرات و نشانات اس پر ہونے چاہیے، سخاوت، کار خیر، امور خیر میں خرچ کرنا، خود اپنے لیے اور اپنے اہل و عیال کے لیے خرچ کرنا وغیرہ۔

(3) اس روایت میں حضرت عبداللہ بن رواحہ کے کفار کے ہجو میں کچھ اشعار نبی کریم ﷺ کے موجودگی میں پڑھنے کا ذکر ہے جس پر حضرت عمر

رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اس طرح اشعار پڑھتے تو ہو تو نبی کریم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے روکنے سے منع فرمایا کہ یہ اشعار کفار پر تیروں کی طرح اثر کرتے ہیں۔

(4) اس دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے اشعار کی مستقل مشغولیت کو منع کرتے ہوئے فرمایا جو اشعار انسان کو دینی امور سے غافل کر دیں کے کسی کا پیٹ پیپ سے بھر جائے جس پیپ کی وجہ سے اس کا پیٹ بھی سڑنے لگے یہ اس سے بہتر ہے کہ اس کے پیٹ میں اشعار موجود ہوں، یعنی شعر گوئی جو آخرت سے غفلت کا ذریعہ بنے وہ محبوب نہیں ہے۔

## 6.11 نمونے کے امتحانی سوالات

- 1۔ درج ذیل عبارت پر اعراب لگائیے اور اس کا ترجمہ کیجیے؟  
 أخبرني أبو ادريس عائد الله بن عبد الله، أن عبادة بن الصامت رضي الله عنه، وكان شهيد بدرا، وهو أحد النقباء ليلة العقبة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: وحوله عصابة من أصحابه، ”بايعوني على أن لا تشرکوا بالله شيئا، ولا تسرقوا، ولا تزنوا، ولا تقتلوا أولادكم، ولا تأتوا بيهتان فتفترونه بين أيديكم، وأرجلكم، ولا تعصوا في معروف، فمن في منكم فأجره على الله، ومن أصاب من ذلك شيئا فعوقب في الدنيا فهو كفارة له، ومن أصاب من ذلك شيئا ثم ستره الله فهو إلى الله، وإن شاء عفا عنه، وإن شاء عاقبه“ فبايعناه على ذلك۔
- 2۔ درج ذیل عبارت کا بحوالہ متن تشریح و توضیح کیجیے؟  
 عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي وَأَنَا مَعَهُ جَنِينَ يَذْكُرُنِي إِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَأٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَأٍ هُمْ خَيْرٌ مِنْهُمْ وَإِنْ تَقَرَّبَ مِنِّي شَبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا وَإِنْ أَتَانِي يَمْسِي أَتَيْتُهُ هَرَوَلَةً۔
- 3۔ مندرجہ ذیل الفاظ کے معانی بتائیے  
 عاقب، افتري، ساب، ندامی، مغنم، حنتم، دباء، نقیر، مزفت، هرولة، طبق۔
- 4۔ حدیث کی تاریخ کا مختصر خلاصہ بیان کیجیے۔
- 5۔ احادیث بخاری کا خلاصہ بیان کیجیے۔
- 6۔ صنف کا تعارف اور اس کی ہیئت و صورت کو قلم بند کیجیے۔
- 7۔ احادیث رسول کے متن کی خصوصیات اور اس کی اسلوبی امتیازات کو تحریر کیجیے۔

## 6.12 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

- 1۔ فتح الباری لابن حجر العسقلانی
- 2۔ شرح النووی علی صحیح مسلم
- 3۔ العرف الشذی شرح جامع الترمذی

## اکائی 7: عصر اسلامی کا نمونہ خطابت

اکائی اجزا

7.1 مقصد

7.2 تمہید

7.2.1 خطابت کی لغوی

7.2.2 خطابت کی اصطلاحی تعریف

7.2.3 خطابت کے عناصر

7.2.4 خطابت کا اسلوب

7.2.5 عصر اسلامی میں خطابت

7.2.6 عصر اسلامی میں خطابت کی امتیازی خصوصیات

7.2.7 عصر اسلامی کے ممتاز خطبا

7.3 اغراض و مقاصد

7.4 متن سبق: الْأَصْحَابُ الْحَاضِرُونَ - خُطْبَةُ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ

7.5 صاحب متن کا تعارف

7.5.1 پیدائش اور حالات زندگی

7.5.2 اخلاق اور خداداد صلاحیتیں

7.5.3 نثری آثار

7.5.4 نبج البلاغة

7.6 متن کا ترجمہ

7.7 لغوی تحقیق

7.8 ادبی صنف کا تعارف

- 7.9 متن سبق کا موضوع
- 7.10 متن سبق کی توضیح و تشریح
- 7.10.1 خطبہ کا پس منظر
- 7.10.2 مضمون
- 7.11 متن کی خصوصیات
- 7.11.1 معنی اور مضمون کے اعتبار سے
- 7.11.2 سامعین کو مطمئن کرنے کے اعتبار سے
- 7.11.3 ترغیب و ترہیب کا استعمال
- 7.12 اسلوبی خصوصیات
- 7.13 اکتسابی نتائج
- 7.14 نمونے کے امتحانی سوالات
- 7.15 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

## 7.1 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے سے عصر اسلامی میں فن خطابت کے عروج، خطابت کے عناصر، اس کے اسلوب، خطابت کے اقسام اور حضرت علیؑ کی بلاغت و فصاحت اور عربی ادب میں آپ کے گرانقدر اضافہ کے تعلق سے معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔

## 7.1 تمہید

قبل اس کے کہ دور اسلام کے ایک عظیم خطیب حضرت علیؑ کی تقریر کا متن اور اس کی ادبی خوبیوں اور آپ کی عمدہ صلاحیتوں پر گفتگو ہو بہتر ہے کہ فن خطابت کی اہمیت اور اس کی ضرورت، دینی و سیاسی حلقوں میں اس کے اثرات سے متعلق تمہیدی گفتگو کی جائے جس کے پیش نظر تفصیل درج ذیل ہیں۔

### 7.2.1 خطابت کی لغوی تعریف

عوام سے اجتماعاً ہم کلام ہونے کا نام خطابت ہے

### 7.2.2 خطابت کی اصطلاحی تعریف

خطابت اصطلاحاً اس فن کا نام ہے جس کا مقصد و موعظ عوام سے خطاب کرنا اور ان کے دل و دماغ میں اپنی غایت و منشا اتارنا ہے۔

خطابت میں ترغیب و ترہیب دونوں ہیں۔

### 7.2.3 خطابت کے عناصر

(۱) خود مقرر یا خطیب جو اپنے فن اور شخصیت کی معرفت عوام سے خطاب کرتا ہے

(۲) اس کا پیام یا موضوع، جس کا اظہار انفرادی اور مقصود اجتماعی ہوتا ہے

(۳) سامعین و حاضرین جن سے خطاب کیا جاتا ہے

### 7.2.4 خطابت کا اسلوب

اس اسلوب میں معانی اور الفاظ کا زور نمایاں ہوتا ہے، دلیل و برہان اور تروتازہ عقل کی قوت ظاہر ہوتی ہے، اس اسلوب میں ایک خطیب اور مقرر اپنے سامعین کے ارادے سے ہم کلام ہوتا ہے تاکہ ان کے عزائم اور خیالات کو براہِ محنت کر کے ان کے حوصلوں کو بلند کرے، سامعین کے دلوں میں خطیب کا مقام و مرتبہ، اس کا زور بیان، اس کی دلیل کی مضبوطی، اس کی آواز کا اتار چڑھاؤ، اس کا حسن بیان اور دوران خطابت اس کے اشارات ان سب چیزوں سے اس اسلوب کی تاثیر بڑھ جاتی ہے۔

اس اسلوب کی نمایاں خصوصیت الفاظ کی تکرار، مترادفات کا استعمال، کہاوتوں کا بیان کرنا، بھاری بھر کم اور زوردار کلمات کا استعمال کرنا ہے۔

اس اسلوب میں بہتر یہ ہوتا ہے مختلف تعبیریں یکے بعد دیگرے بدلتی رہیں، اخبار سے استفہام کی طرف اور استفہام سے تعجب کی طرف اور تعجب سے انکار کی طرف یعنی مقرر ایک مضمون کو مختلف پیرایوں سے بار بار بیان کرے، مترادف الفاظ استعمال کرے، کہاوت و امثال بیان کرے، نیز تعبیرات بدلتا رہے، کبھی خبر کی شکل میں، کبھی استفہام کی شکل میں، کبھی تعجب کے انداز میں، کبھی انکار کی صورت میں اپنا بیان پیش کرے، ایک ہی



تعبیر نہ اختیار کرے، نیز بیان میں ایسی جگہ کے جہاں مضمون پورا ہو، سامعین کے دلوں کو تشفی ہو۔

## 7.2.5 عصر اسلامی میں خطابت

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ جب بھی کسی ملک یا قوم میں کوئی تحریک یا مشن ابھرتی ہے خواہ وہ سیاسی ہو یا مذہبی یا سماجی یا معاشرتی، اس کو روشناس کرانے، ملک یا قوم میں اس کا تعارف کرانے کے لیے سب سے پہلے خطابت یا تقریر ہی کو اس کا ذریعہ اور وسیلہ بنایا جاتا ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس ذریعہ سے اپنی بات پڑھے لکھے لوگوں، اصحاب فکر و نظر اور سوجھ بوجھ رکھنے والے طبقہ سے لے کر ان پڑھ اور معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والے طبقہ تک آسانی سے پہنچائی جاسکتی ہے اور اسی ذریعہ سے اس بات کا بھی بڑی حد تک فوری طور پر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کبھی ہوئی بات کا کتنا اثر سننے والوں پر ہوا کیونکہ مخاطب سامنے ہوتا ہے اور پورا ماحول اپنی نظروں میں، چنانچہ عمل اور رد عمل اپنی جلوہ سامانیوں کے ساتھ آپ کی نگاہ کے سامنے ایک حقیقت عریاں بن کر آ جاتی ہے جسے ہم اصطلاح میں اثر کہتے ہیں، اس اثر کے پیدا ہونے کا انحصار مقرر کے اپنی تحریک یا مشن سے قلبی لگاؤ، اس سے خلوص، حق و حقیقت سمجھ کر سامعین کے سامنے عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ پورے جوش و خروش، اپنی زبان و بیان کی پوری توانائیوں اور انداز گفتار کی پوری رعنائیوں اور یقین و اعتقاد کی پوری طاقت اور قوت کے ساتھ پیش کرنے پر ہے کہ دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے، یہی وجہ ہے کہ انسانی تاریخ کے ہر موڑ پر جب بھی کوئی تحریک ابھری، خواہ وہ مذہبی ہو یا سیاسی، اس کی دعوت دینے والے خطابت اور تقریر کے ماہر اور یکتائے روزگار خطیب رہے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ خدا نے ہر زمانہ اور ہر قوم میں اپنے پیغمبروں کو اس حربہ سے پوری طرح مسلح کر کے اور اثر اندازی کے اس ذریعہ کو پوری طرح استعمال کرنے کی صلاحیت سے متصف کر کے مبعوث کیا، جنہوں نے اس کے سہارے ملک و قوم کے قوائے ذہنیہ و فکریہ میں ایک نمایاں تغیر اور ان کی زندگی میں ایک انقلاب عظیم برپا کر دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ دین مسیحی کے آنے کے بعد، تاریخ کا سب سے اہم واقعہ آنحضرت ﷺ کے ذریعہ اسلام کی دعوت کا ظہور ہے، جو ایسے مذہبی، سیاسی اور سماجی و معاشرتی حالات میں ظاہر ہوئی جنہوں نے سب سے پہلے جزیرہ نمائے عرب اور اس کے بعد ساری دنیا کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی، کیوں کہ اس نے عہد پارینہ کے کھنڈروں پر ایک ایسی نئی دنیا تعمیر کرنے کی دعوت دی جس میں انسان کی مادی ضروریات کو عدل و انصاف کے ساتھ پوری ہونے کی یقین دہانی کے ساتھ اس کے دل و دماغ کی غذا فراہم کرنے کی بھی ضمانت دی گئی تھی اور اس کی بنیاد و مرکز اور محور قرآن کو قرار دیا گیا جسے خدا نے اپنے آخر پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ انسانوں تک پہنچایا۔

اسلام کی دعوت بڑی حد تک نئی، اچھوتی اور بڑی دور رس نتائج کی حامل تھی، اس لیے اس کے داعی حضرت محمد ﷺ کو اللہ نے اس کو فروغ دینے کے لیے ہر قسم کے اوصاف سے متصف اور ہر قسم کے اسلحہ سے مسلح کر کے بھیجا اور ان میں سب سے بڑا موثر حربہ اور ذریعہ زبان تھی اور اس کا مظہر خطابت یا تقریر۔

چنانچہ تمام نقادوں اور علما کا اتفاق ہے کہ آپ اپنے عہد کے سب سے بڑے فصیح و بلیغ مقرر اور موثر خطیب تھے، آنحضرت ﷺ کے بعد آپ کے چار خلفائے خطابت میں اس زمانہ میں ممتاز رہے، یہ حضرات سربراہ مملکت ہونے کے اعتبار سے زبان و بیان اور اثر اندازی میں مثالی مقررین سمجھے جاتے ہیں لیکن ان میں بحیثیت ادیب اور مثالی مقرر حضرت علیؓ اس زمانہ میں سب سے ممتاز تھے۔

## 7.2.6 عصر اسلامی میں خطابت کی امتیازی خصوصیات:

صدر اسلام کی خطابت کا اگر زمانہ اہلیت کی خطابت سے موازنہ کریں تو ہمیں مندرجہ ذیل خصوصیات نظر آئیں گی:

(۱) صدر اسلام میں پہلی مرتبہ جمعہ اور عیدین میں اور حج کے موقعہ پر خالص دینی تقریر کا رواج ہوا، ان کے علاوہ آنحضرت ﷺ اور خلفائے حسب موقعہ وعظ وارشاد کی تقریریں بھی کیں۔

(۲) دینی و سیاسی پارٹیوں کے قیام اور حکومت و خلافت کے افتتاح کے موقعہ کی تقریریں، جیسے حضرت ابوبکرؓ کا وہ خطبہ جو آپ نے خلیفہ منتخب ہونے پر سقیفہ بنی ساعدہ میں دیا تھا، جس کے بعد خلافت کے مسئلہ میں اختلاف ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔

(۳) تقریروں میں اثر اندازی کی ایسی قوت کا پایا جانا جس سے بعض وقت سخت دل بھی پگھل کر موم ہو جاتے تھے اور غصہ سے سرخ آنکھیں آنسوؤں کی لڑیاں پروئے لگتی تھیں، جیسے آنحضرت ﷺ کی وہ تقریر جو آپ نے انصار کے سامنے اس وقت کی تھی جب آپ کو مال غنیمت کے تقسیم کے سلسلہ میں انصار کی شکایت پہنچی تھی اور جسے سن کر سب زار و قطار رونے لگے تھے اور ایک زبان ہو کر بول پڑے تھے کہ نہیں آپ کا فیصلہ دل و جان سے قبول اور آپ کی ذات گرامی سب سے زیادہ محبوب و مقبول ہے۔

(۴) کاہنوں اور پروہتوں کے مسجع و مقفی جملوں کے بجائے، خوبصورت چیدہ اور موزوں الفاظ کے سہارے، ایسے فصیح و بلیغ جملوں کا استعمال جن کے ذریعہ معانی و مطالب واضح طریقہ سے سامع کے دل و دماغ میں اتر جاتے تھے جس کا انداز اور اسلوب اتنا پسندیدہ ہوتا تھا کہ تقریر شہ پارہ بن جاتی تھی۔

(۵) اس زمانہ میں پہلی دفعہ اللہ کی حمد و ثناء سے تقریر کی ابتدا۔

(۶) لوگوں کو اپنی بات سمجھانے اور مختلف مسائل میں انھیں قائل کرنے کے لیے قرآن کریم کے انداز سے مدد اور طریقہ استدلال کا استعمال اور موقعہ محل کے لحاظ سے کبھی لمبی اور کبھی اتنی مختصر تقریر کرنا کہ چند جملوں پر ختم ہو جائے۔

## 7.1.7 عصر اسلامی کے ممتاز خطبا

عصر اسلامی کے سب سے ممتاز سب سے بڑے، بے مثال و بے نظیر، فصاحت و بلاغت میں لاثانی خطیب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ کے بعد آپ کے خلفا کا مقام و مرتبہ ہے، ان میں بھی حضرت علی کی شخصیت زبان و بیان، فصاحت و بلاغت میں ممتاز ہے۔

## 7.3 متن سبق: الْأَصْحَابُ الْحَاضِرُونَ - حُطْبَةُ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ:

تَحَدَّثَ ابْنُ عَائِشَةَ فِي إِسْنَادٍ ذَكَرَهُ أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ انْتَهَى إِلَيْهِ أَنَّ خِيْلًا لِمُعَاوِيَةَ وَرَدَتْ الْأَنْبَارَ فَقَتَلُوا عَامِلًا لَهُ يُقَالُ لَهُ حَسَّانُ بْنُ حَسَّانٍ، فَخَرَجَ مُغَضَّبًا يَجُزُّ ثَوْبَهُ حَتَّى أَتَى التَّخِيلَةَ وَاتَّبَعَهُ النَّاسُ فَرَفَى رِبَاوَةً مِنَ الْأَرْضِ، فَحَمِدَ اللَّهُ وَأَثْنَى عَلَيْهِ وَصَلَّى عَلَى نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ قَالَ:

أَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّ الْجِهَادَ بَابٌ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ، فَمَنْ تَرَكَهُ رَغْبَةً عَنْهُ أَلْبَسَهُ اللَّهُ الدُّلَّ، وَسَيَمَّا الْخَسْفُ وَذِيَّتْ بِالصَّغَارِ، وَقَدْ دَعَوْتُكُمْ إِلَى حَرْبٍ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَيْلًا وَنَهَارًا، سِرًّا وَإِعْلَانًا، وَقُلْتُ لَكُمْ: اغْزَوْهُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَغْزَوْكُمْ، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! مَا غَزِي

قَوْمٌ قُطُفِي غُفْرٍ دَارِهِمْ إِلَّا ذَلُوا فَتَخَذَلْتُمْ وَتَوَاكَلْتُمْ وَثَقَلْ عَلَيْكُمْ قَوْلِي، وَاتَّخَذْتُمُوهُ وَرَاءَكُمْ ظَهْرِيَا حَتَّى شَنَنْتَ عَلَيْكُمْ الْغَارَاتِ .  
وَهَذَا أَخُو غَامِدٍ قَدْ وَرَدَتْ حَيْلُهُ الْأَنْبَارُ وَقَتْلُوا حَسَنَانَ بْنِ حَسَانَ، وَرِجَالًا مِنْهُمْ كَثِيرًا أَوْ نِسَاءً. وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ بَلَغَنِي أَنَّهُ كَانَ  
يَدْخُلُ عَلَى الْمَرْأَةِ الْمُسْلِمَةِ وَالْمُعَاهِدَةِ فَتَنْتَزِعُ أَحْجَالَهُمَا وَرَعْتُهُمَا ثُمَّ انْصَرَفُوا مُؤَفَّرِينَ لَمْ يَكَلِّمْ أَحَدٌ مِنْهُمْ كَلِمًا، فَلَوْ أَنَّ أَمْرًا  
مُسْلِمًا مَاتَ مِنْ دُونِ هَذَا أَسَفًا مَا كَانَ عِنْدِي فِيهِ مَلُومًا، بَلْ كَانَ بِهِ عِنْدِي جَدِيرًا. يَا عَجَبًا كُلَّ الْعَجَبِ! عَجَبَ يَمِيتُ الْقُلُوبَ وَيَشْغُلُ  
الْفُهُمَ، وَيَكْثُرُ الْأَخْزَانُ مِنْ تَطَاوُرِ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ عَلَى بَاطِلِهِمْ، وَفَشَلِكُمْ عَنْ حَقِّكُمْ، حَتَّى أَصْبَحْتُمْ غَرَضًا تَرْمُونَ وَلَا تَرْمُونَ، وَيَغَارُ  
عَلَيْكُمْ وَلَا تُغَيِّرُونَ، وَيُعَصِّي اللَّهُ فِيكُمْ وَتَرْضَوْنَ، إِذَا قُلْتُ لَكُمْ: اغْرُوهُمْ فِي الشِّتَاءِ قُلْتُمْ: هَذَا أَوَانٌ قَرِيبٌ وَصَرَّ، وَإِنْ قُلْتُ لَكُمْ: اغْرُوهُمْ  
فِي الصَّيْفِ قُلْتُمْ: هَذِهِ حَمَارَةٌ الْقَيْطِ، أَنْظِرْنَا يَنْصَرِمِ الْحَرْبُ عَنَّا. فَإِذَا كُنْتُمْ مِنَ الْحَرْبِ وَالْبَزْدِ تَفْزَوْنَ، فَأَنْتُمْ وَاللَّهُ مِنَ السَّيْفِ أَفْرُ، يَا أَشْبَاهَ  
الرِّجَالِ وَلَا رِجَالٍ وَيَا طَعَامَ الْأَحْلَامِ، وَيَا غُفُولَ رِبَاتِ الْحِجَالِ! وَاللَّهِ! لَقَدْ أَفْسَدْتُمْ عَلَيَّ رَأْيِي بِالْعِصْيَانِ، وَلَقَدْ مَلَأْتُمْ جَوْفِي غَيْظًا  
حَتَّى قَالَتْ قُرَيْشٌ: ابْنُ أَبِي طَالِبٍ رَجُلٌ شَجَاعٌ، وَلَكِنْ لَا رَأْيَ لَهُ فِي الْحَرْبِ. اللَّهُ دَرُّهُمْ! وَمِنْ ذَا يَكُونُ أَعْلَمُ بِهَا مِنِّي أَوْ أَشَدُّ لَهَا مِرَاسًا،  
فَوَاللَّهِ! لَقَدْ نَهَضْتُ فِيهَا وَمَا بَلَغْتُ الْعُشْرَيْنِ، وَلَقَدْ نَيْفْتُ الْيَوْمَ عَلَى السَّيِّئِينَ، وَلَكِنْ لَا رَأْيَ لِمَنْ لَا يَطَاعُ—يَقُولُهَا ثَلَاثًا—.

#### 7.4 صاحب متن کا تعارف

##### 7.4.1 پیدائش اور حالات زندگی

امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ ہجرت سے اکیس سال قبل پیدا ہوئے، گھریلو معاشی حالات کی کمزوری کی وجہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آپ کے زیر کفالت رہے، جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان کیا تو اس وقت آپ قریب البلوغ تھے، آپ کے زیر کفالت رہے، جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان کیا تو اس وقت آپ قریب البلوغ تھے، آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید و حمایت میں بہت سی نمایاں خدمات انجام دیں، غزوہ تبوک کے سوا تمام غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے، کیونکہ غزوہ تبوک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنے گھر والوں کی نگرانی کے لیے پیچھے چھوڑ دیا تھا، جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ رسول بنے، آپ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ، پھر شوری کے ذریعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا، جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا تو حجاز میں لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیعت نہ کی، کیونکہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت عثمان کے قتل اور قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے بدلہ نہ لینے کی بنا پر ناراض تھے، شامیوں نے اس سلسلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حمایت کی، پھر تو فتنہ کا بازار گرم ہو گیا، اتحاد اسلامی کی گرہیں کھل گئیں، مسلمانوں کی قوت کمزور ہو گئی اور مسلمان واضح طور پر دو گروہوں میں بٹ گئے، ایک دوسرے کے دشمن بن گئے اور طویل عرصہ تک آپس میں قتل و غارت گری ہوتی رہی، دونوں میں سے کسی ایک کی حکومت مستحکم ہوئے بغیر تلواتیں نیاموں میں واپس نہ گئیں، خوارج نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ اس فتنہ کے تین بڑے محرکین کو قتل کر دیا جائے جو کہ معاویہ، عمرو بن عاص اور علی ہیں، چنانچہ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ ابن ابی الحکم کے حصہ میں آئے، اس نے آپ رضی اللہ عنہ کو بے خبری کے عالم میں 40ھ میں مسجد کوفہ میں شہید کر دیا، آپ رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت چار سال اور تقریباً نو ماہ بنتی ہے۔

## 7.4.2 آپ کے اخلاق اور خدا وادصلاحیتیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ قوی الاعضاء اور گھٹیلے جسم کے مالک تھے، نہایت جنگ جوار اور بہادر تھے، انہیں اس بات کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں تھی کہ موت ان پر حملہ کرے یا وہ موت پر حملہ کریں، ان کی ذات تفقہ فی الدین میں سند و حجت اور تقویٰ میں کامل نمونہ تھی، حق کے معاملہ میں نہایت سخت اور بڑے خود اعتماد تھے، دینی اور دنیاوی امور میں کسی قسم کی نرمی کے قائل نہ تھے، یہی ان کا بلند کردار تھا جو ان کے مخالف فہم و فراست کے مالک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے معاون ثابت ہوا۔

رسول اکرم ﷺ کے بعد اسلاف میں ہمیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی فصیح و بلیغ نظر نہیں آتا اور نہ خطابت میں کوئی ان کے ہم پلہ ہوا، آپ رضی اللہ عنہ وہ مردودانا تھے جن کے بیان سے حکمت و دانائی کے چشمے اہلتے تھے اور ایسے مقرر تھے جن کی زبان پر بلاغت ٹپکتی تھی، ایسے واعظ تھے جو دلوں اور کانوں کو موہ لیتے تھے، آپ کی تحریر دقیق اور اسکت دلائل سے پر ہوتی تھی اور ایسے قادر الکلام تھے جس کہ جس موضوع پر چاہتے تھے تقریر لیتے تھے، آپ رضی اللہ عنہ بالاتفاق مسلمانوں کے سب سے بڑے خطیب اور انشا پرداز ہیں، جہاد کی ترغیب میں آپ کے خطبات، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجے گئے خطوط اور دنیا کے وصف میں لکھی گئی تحریر اور اشترنجی کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ (بشرطیکہ صحیح ہو) یہ چیزیں عربی زبان کے معجزات اور بشری عقل کے بے نظیر شاہکار ہیں۔

## 7.4.3 نثری آثار

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کلام تین محوروں کے گرد گھومتا ہے:

(۱) خطبات و فرامین

(۲) خطوط و رسائل

(۳) حکم و نصائح

اسی ترتیب سے شریف رضی نے ان کو ”نچ البلاغۃ“ نام کی کتاب میں جمع کر دیا ہے اور اس نے کہا کہ ”یہ کتاب اپنا مطالعہ کرنے والے کے لیے بلاغت کے دروازے کھولتی ہے اور فصاحت تک پہنچانے میں مدد کرتی ہے، اس میں معلم اور متعلم دونوں کی تشنگی کی سیرابی ہے، عابد اور زاہد سبھی کی ضروریات کا سامان ہے، اثنائے کلام میں جگہ جگہ توحید اور عدل پر مبنی بحثیں ہیں جو علمی پیاس بجھاتی ہیں اور شکوک و شبہات کا پردہ چاک کرتی ہیں لیکن بعض ناقدین کا خیال ہے کہ اس کتاب میں اکثر خطبے وغیرہ بعد میں درج کر دیے گئے ہیں اور آپ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ عبدالحلیم ندوی نے اپنی کتاب عربی ادب کی تاریخ میں ”نچ البلاغۃ“ پر سیر حاصل بحث کی ہے، افادہ کے پیش نظر ذیل میں اس کو نقل کیا جاتا ہے:

حضرت علیؑ کے نثری شاہ پارے تین قسم کے ہیں:

(۱) تقریریں اور احکامات

(۲) خطوط و نوٹس

(۳) پسند و نصائح، عقل و دانش کے مقولے

آپ کے شہ پاروں کے ان تینوں قسموں کو کتاب ”نہج البلاغۃ“ میں جمع کر دیا گیا ہے۔

#### 7.4.4 نہج البلاغۃ

”نہج البلاغۃ“ کو الشریف الرضی نے ترتیب دیا ہے، اس کام کو انھوں نے ۱۰۰۹ھ مطابق ۱۶۰۰ھ میں اسی ترتیب سے مکمل کیا ہے جس کا ذکر اوپر ہوا اور کہا ہے کہ ”میں نے ان تینوں قسموں کو الگ الگ ابواب میں جمع کر دیا، لیکن ہو سکتا ہے کہ جو کچھ میں نے جمع کیا ہے، اس میں ترتیب و تبویب کی وہ خوبی نہ ملے جو ہونی چاہیے۔۔۔ الخ، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کتاب کے مضامین میں تاریخی تسلسل مفقود ہے۔

علماء اور نقادوں میں اس بارے میں شدید اختلاف ہے کہ ”نہج البلاغۃ“ میں جو مضامین، تقریریں اور مقولے حضرت علیؑ کے نام سے جمع کیے گئے ہیں وہ واقعی ان کے ہی ہیں یا ان کے جمع کرنے والوں نے اپنی طرف سے گڑھ کر ان کے نام سے اس کتاب میں منسوب کر دیے ہیں۔

شوقی ضیف کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے بہت سی تقریریں اپنی یادگار چھوڑی ہیں لیکن وہ تقریریں (خطب) مراد نہیں ہیں جو کتاب ”نہج البلاغۃ“ میں ملتی ہیں، کیونکہ ان کی اکثریت من گھڑت ہے اور حضرت علیؑ کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں، اس بات کی طرف بہت سے علماء نے اشارہ کیا ہے، پھر ان علماء میں اس بات پر اختلاف ہے کہ ”نہج البلاغۃ“ میں حضرت علیؑ کے نثری شہ پاروں کو جمع کرنے کا یہ کام الشریف الرضی متوفی ۴۳۶ھ نے کیا ہے یا یہ کام ان کے بھائی الشریف الرضی متوفی ۴۰۶ھ نے سرانجام دیا، چنانچہ ابن خلکان نے اپنی کتاب ”وفیات الاعیان“ میں اول الذکر کا تذکرہ لکھتے ہوئے کہا ہے کہ لوگوں کے درمیان کتاب ”نہج البلاغۃ“ کے بارے میں جو امام علی بن ابی طالبؑ کے کلام کا مجموعہ ہے اختلاف ہے، الشریف الرضی نے اس کو جمع کیا یا ان کے بھائی الرضی نے اسے جمع کیا ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ حضرت علیؑ کے کلام کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ اس شخص کا کلام ہے جس نے اسے جمع کیا ہے اور ان کی طرف منسوب کر دیا ہے۔“

اسی بات کو یافعی نے ”مرآۃ الجنان“ میں اور ابن العمدان نے ”شذرات الذہب“ میں دہرایا ہے ذہبی نے ”میزان الاعتدال“ میں اس بات کو زور دے کر کہا ہے کہ شریف مرتضیٰ ہی وہ شخص ہے جس نے ”نہج البلاغۃ“ وضع کیا ہے۔ ابن حجر عسقلانی نے بھی ”لسان المیزان“ میں انھیں کے نقطہ نظر کو اپنایا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جو شخص بھی ”نہج البلاغۃ“ کا مطالعہ کرے گا وہ پورے وثوق سے کہہ دے گا کہ یہ حضرت علیؑ پر جھوٹی تھوپی ہوئی چیز ہے، کیوں کہ اس میں سیدین ابوبکرؓ اور عمرؓ پر کھلی ہوئی گالی موجود ہے اور ان کی بے عزتی کی باتیں ہیں، اس میں ایسا تناقض (یعنی ایک بات کہنے کے بعد دوسری جگہ اسی کے خلاف بات کہنا) اور اتنی رکیک چیزیں (یعنی معیار سے گری ہوئی چیزیں) اور ایسی عبارتیں ہیں کہ جس شخص کو بھی قریش اور صحابہ کے مزاج سے اور ان کے علاوہ متاخرین میں ان لوگوں کے مزاج سے جو ان کے بعد آئے واقفیت ہوگی، اسے پختہ یقین ہو جائے گا کہ کتاب کا زیادہ حصہ باطل ہے

نجاشی متوفی ۴۵۰ھ نے اپنی کتاب ”الرجال“ میں خیال ظاہر کیا ہے کہ نہج البلاغۃ کا مؤلف الشریف الرضی ہی ہے۔ یہ بات خود الرضی اور اس کتاب کے شارحین کی گواہی سے صحیح ثابت ہو جاتی ہے، کیونکہ اس نے اس کی تفسیر کی پانچویں جلد میں خود ہی ذکر کیا ہے کہ ”اسی نے اس کو لکھا ہے اور خود ہی اس کا نام ”نہج البلاغۃ“ رکھا ہے، اس بات کو اپنی کتاب ”مجازات الآثار النبویہ“ میں بھی ذکر کیا ہے۔

ابن الحدید متوفی ۶۵۵ھ نے کتاب کی اپنی تشریح میں اعتراف کیا ہے کہ اس کے خطبات الشریف الرضی کی کارستانی ہیں

ابن میثم کا بھی نہج البلاغۃ کی شرح میں یہ خیال ہے کہ یہ الشریف الرضی کی تصنیف ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ”نہج البلاغۃ“ الشریف الرضی کی کارستانی اور اسی کی گڑھی ہوئی چیز ہے، مگر ایسا لگتا ہے کہ پوری کتاب اس کی تالیف نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے بہت سے ارباب الہوی اور فصیح شیعوں نے بہت سے خطبے اور اقوال حضرت علیؑ کی طرف منسوب کر دیے ہیں، اس بات کی تصدیق مسعودی نے ”مروج الذهب“ میں جو کچھ لکھا ہے اس سے ہو جاتی ہے، مسعودی کہتے ہیں کہ تمام جگہوں میں کی گئی تقریروں میں سے جن کو لوگوں نے زبانی یاد کر لیا تھا ان کی تعداد چار سو اسی (۴۸۰) کے اوپر ہے جنہیں حضرت علیؑ فی البدیہہ دیا کرتے تھے، لوگوں نے انہیں کو قولا اور عملا اختیار کر لیا، ایسا لگتا ہے کہ الشریف الرضی کو کچھ مواد مل گیا جس سے اس نے اپنی کتاب گڑھ لی اور اس مواد کی بنیاد سمیع پر ہے اور یہی اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت علیؑ کی طرف اس کی نسبت جھوٹ ہے، کیونکہ یہ بات عقل کے خلاف ہے کہ حضرت علیؑ سمیع کو استعمال کرتے جب کہ رسول کریم ﷺ نے سمیع کو استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان نے بھی اس سے پوری طرح پرہیز کیا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علیؑ کی تقریروں کو سمجھنے کے لیے اس کتاب پر اعتماد کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ اس سلسلہ میں پہلے مصادر رجوع کرنا ضروری ہے جیسے جاحظ کی ”البيان والتبيين“ ہے، جاحظ نے حضرت علیؑ کے بعض خطبات، ان کا کلام اور ان کی پند و نصائح کا کچھ حصہ نقل کیا ہے ان باتوں کے علاوہ بعض جانوروں اور چڑیوں مثلاً مور وغیرہ کا وصف اس کتاب میں ملتا ہے جو ظاہر ہے صدر اسلام کی بات نہیں ہے، کیونکہ مدینہ اور مکہ جیسے شہروں میں مور، تیتڑ جیسے چڑیوں کا وجود کہاں تھا، یہ سب باتیں عباسی عہد کی ایجاد ہیں اور یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ کتاب کے اکثر مضامین من گھڑت ہیں، مگر حنا الفاخوری نے اپنی کتاب ”الحجید فی الادب العربی“ میں اس کتاب کے جعلی ہونے کی بہت سی دلیلیں دینے کے بعد کہا ہے کہ ”مگر یہ سب دلیلیں اتنی کمزور ہیں کہ ان سے پورا اطمینان نہیں ہوتا“، اس کے بعد انھوں نے کوشش کی ہے کہ ”نہج البلاغۃ“ میں جو کچھ آیا ہے اس کو صحیح ثابت کریں چنانچہ انھوں نے ہر الزام کی تردید یا تاویل کرنے کی کوشش کی ہے جو دل کو نہیں لگتی اور ایسا لگتا ہے کہ محض بات کی پیچ کر رہے ہیں، کوئی معقول اور مطمئن کرنے والی دلیل نہیں پیش کر سکے ہیں۔

نہج البلاغۃ کی اہمیت و افادیت:

کتاب ”نہج البلاغۃ“ عربی زبان و ادب کی مشہور ترین کتاب ہے، اسی لیے جب سے یہ منظر عام پر آئی ہے علماء، ادبا اور نقادوں کی توجہ کا مرکز اور مطالعہ و مناقشہ کا محور رہی ہے، کیوں کہ یہ ہر قسم کے مضامین کا خزانہ ہے، چنانچہ اس میں دین و سیاست، لاؤ لشکر، نظم و نسق، امور مملکت اور رموز سلطنت اور سماج و معاشرہ سے متعلق بڑی قیمتی اور مفید معلومات جمع کر دی گئی ہیں، اس لیے مختلف ملکوں میں اس کی طباعت ہوئی اور کئی لوگوں نے اس کی شرح لکھی، جن میں مشہور دو شرحیں ہیں، ایک ابن ابی الحدید کی اور دوسری امام محمد عبدہ کی۔

## 7.5 متن کا ترجمہ

ابن عائشہ نے اپنی مذکورہ سند سے بیان کیا کہ علیؑ کو خبر ملی کہ معاویہؓ کا ایک سوار دستہ انبار میں داخل ہوا اور ان کے ایک گورنر کو قتل کر دیا جن کا نام حسان بن حسان تھا، تو آپؐ غضب ناک ہو کر چادر گھسیٹتے ہوئے نکلے، یہاں تک کہ مقام خلیلہ آئے اور لوگ بھی آپؐ کے پیچھے پیچھے ہو لیے، پھر آپؐ ایک بلند ٹیلے پر چڑھ گئے اور اللہ کی حمد و ثنائیاں کی اور نبی ﷺ پر درود بھیجا پھر فرمایا:

اما بعد! بے شک جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے اور جو شخص اس سے بیزار ہو کر اسے چھوڑ دیتا ہے اللہ اسے ذلت و رسوائی کا لباس پہنا دیتا ہے اور وہ ذلیل و خوار ہوتا ہے، میں نے شب و روز تمہیں اس قوم سے لڑنے کی دعوت دی، خفیہ بھی اور علانیہ بھی اور میں نے تم سے کہا کہ ان پر یلغار کرو قبل اس کے کہ وہ تم پر یلغار کریں، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کسی قوم سے ان کے اندرون ملک جنگ نہیں لڑی گئی مگر وہ ذلیل و رسوا ہوئے، تم نے باہمی امداد ترک کر دی اور ایک دوسرے پر تکیہ کر کے بیٹھ گئے، (جب میں نے تم سے حملہ کی بات کی) تو تم پر میری بات گراں گزری اور تم نے اس کو پس پشت ڈال دیا، یہاں تک کہ تم پر حملے کیے گئے اور قبیلہ غامد کا ایک شخص اپنے گھوڑ سواروں کے ساتھ انبار میں داخل ہوا اور انھوں نے حسان بن حسان کو قتل کر دیا اور اہل انبار میں سے بہت سے مرد اور عورتوں کو تہ تیغ کر دیا، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ لوگ مسلمان اور ذمی عورتوں کے پاس گئے اور ان کے پازیب اور بالیاں چھین کر صحیح سلامت اپنے اکثر سواروں کے ساتھ واپس ہو گئے، ان میں سے کسی کو معمولی خراش تک نہ آئی، اس حادثہ کے صدمہ سے اگر کسی مسلمان کی موت ہو جاتی ہے تو میرے نزدیک وہ قابل ملامت نہیں ہے بلکہ وہ میرے نزدیک لائق تحسین ہے، ہائے رے تعجب! یہ سوچ کر دل بیٹھ جاتا ہے، عقل حیرت میں پڑ جاتی ہے اور رنج و الم بڑھ جاتا ہے کہ یہ لوگ باطل پر ہونے کے باوجود آپس میں متحد اور باہمی تعاون کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور تم حق پر ہوتے ہوئے بھی بزدلی اور پست ہمتی کا شکار ہو، یہاں تک کہ تم ان کے لیے نشانہ بن گئے، وہ تم پر تیر چلاتے ہیں اور تم نہیں چلاتے، وہ تم پر حملہ کرتے ہیں اور تم نہیں کرتے، تمہارے درمیان اللہ کی نافرمانی کی جاتی ہے اور تم اس سے راضی رہتے ہو، جب میں تم سے کہتا ہوں کہ ان سے جاڑے میں لڑو تو تم کہتے ہو یہ سخت سردی کا موسم اور جاڑے کا وقت ہے اور اگر میں کہتا ہوں کہ ان سے موسم گرما میں لڑو تو تم کہتے ہو کہ شدت کی گرمی ہے، گرمی ختم ہونے تک ہمیں مہلت دیجیے، پس جب تم سردی اور گرمی سے فرار اختیار کرتے ہو تو بخدا تم تلوار سے تو اور زیادہ فرار اختیار کرو گے۔

اے مردوں کی شبیہ رکھنے والے نامردو! اور اے بے وقوفوں! اور اے عورتوں کی عقل رکھنے والو! خدا کی قسم تم نے نافرمانی کر کے میری رائے کو بگاڑ دیا اور مجھ میں غصہ کی آگ بھردی ہے، یہاں تک کہ قریش کہنے لگے کہ یقیناً ابوطالب کا بیٹا بہادر ہے لیکن جنگی امور کا ماہر نہیں، اللہ ہی کے لیے ان کی خوبی ہے (انھوں نے کیا خوب کہا)، مجھ سے بڑھ کر جنگ کے بارے میں کون جانتا ہے اور مجھ سے بڑھ کر کس کو اس کا تجربہ ہو سکتا ہے، قسم بخدا! جنگ میں اس وقت سے ہوں جب کہ میں بیس سال کا بھی نہ تھا اور آج میری عمر ساٹھ سال سے متجاوز ہے، لیکن اس شخص کی کوئی رائے نہیں ہو سکتی جس کی اطاعت ہی نہ کی جائے، آپؐ نے اس بات کو تین مرتبہ دہرایا۔

## 7.6 لغوی تحقیق

تحدث يتحدث تحدثا (باب تفعّل)	بیان کرنا، روایت کرنا
خیل	مجاز گھوڑ سواروں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے
وردیر دورودا (باب ضرب)	آنا
انبار	بغداد کے مغربی فرات پر واقع ایک شہر کا نام

نخيلة	ایک مقام کا نام
رقی یرقی (باب سمع) رقی الجبل	پہاڑ چڑھنا
رباوة	ٹیلہ، اونچی زمین
الخسف	ذلت و رسوائی
سامه خسفا	ذلیل کرنا
دیث یدیث تدیثا (باب تفعیل)	ذلیل و رسوا کرنا
صغار	ذلت و ظلم
عقر الدار	گھر کا درمیان (گھر کا درمیانی حصہ)
تخاذل یتخاذل تخاذلا (باب تفاعل)	ایک دوسرے کی مدد چھوڑ دینا، باہم مدد چھوڑ دینا
تواکل یتواکل تواکلا (باب تفاعل)	ایک دوسرے پر بھروسہ کرنا
رغب یرغب رغبة ورغبا (باب سمع) عن	اعراض کرنا
شَنَ یَشَن الغارة شَنًا (باب نصر)	ہر طرف سے حملہ کرنا
حجل ج أحجال	پازیب
رَعَثَ، رَعَثَ ج رعاث، جیع رُعْث	بالی
ظھري ج ظھاري	وہ کام جس کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا جائے اور اس کو بھلا دیا جائے
موفورین	صحیح سلامت اور کثیر تعداد کے ساتھ
کلم یکلم کلما (باب ضرب) فلانا	زخمی کرنا
أسف یأسف أسفا (باب سمع)	افسوس کرنا
ظفر مطلوبه یظفر ظفرا (باب سمع)	اپنے مطلوب کو پانا، حاصل کرنا
ظفر به	فتح پانا، غلبہ پانا
جدیر	لائق، مناسب
تظافر القوم یتظافر تظافرا (باب تفاعل)	ایک دوسرے کی مدد کرنا
فشل	جنگ یا مصیبت کے وقت کمزوری اور ہزدلی
أغار یغیر إغارة (باب إفعال)	حملہ کرنا
أوان	وقت
قُر	سخت سردی



صبر	شدت کی سردی
حمازة ج حماز	گرمی کی شدت
قیظ ج أقیاظ و قیوظ	گرمی کی شدت، گرمی کا موسم
أنظر ينظر إنظارا (باب إفعال)	مہلت دینا
انصرم ينصرم انصراما (باب انفعال)	کٹ جانا، ختم ہونا
طغام الأحلام	بے وقوف، کم عقل
حجلة ج حجال	وہ پردہ جو گھر کے اندر دلہن کے لیے ڈالا جاتا ہے
غیظ	غصہ، ناراضگی
در	خوبی، کمال
نیف ینیف تنیفا (باب تفعیل)	زائد ہونا
مارس الأمر یمارس ممارسۃ و مراسا (باب مفاعلة)	کوئی کام مسلسل کرنا
غزایغزو غزوا (باب نصر)	دشمن سے جہاد کے لیے جانا

## 7.7 ادبی صنف کا تعارف

متن کا تعلق نثری اصناف ادب میں خطابت سے ہے، خطابت کی بنیاد زبان اور اس کا مقصد اپنے سامعین کو مطمئن کرنا اور انہیں اپنے مدعا کی طرف مائل کرنا ہے، ایک ماہر خطیب اس مقصد کے حصول کے لیے بہتر سے بہتر ذرائع استعمال کرتا ہے:

مقرر مختلف وسائل کو اختیار کرتے ہوئے سامعین کو اس بات پر مطمئن کرتا ہے کہ اس نے جو نظریہ اپنایا ہے وہ صحیح ہے اور فریق مخالف کا نظریہ غلط ہے، مختلف دلائل و براہین سے وہ اپنی بات ثابت کرتا ہے۔

وہ سامعین کے جذبات کو حرکت دیتے ہوئے یا تو ماحول کو پرسکون بنا دیتا ہے یا پھر ماحول کو گرمادیتا ہے، وہ اپنے افکار و خیالات کو اس طرح وضاحت کے ساتھ پیش کرتا ہے کہ وہ محسوسات معلوم ہونے لگتے ہیں اور سامعین متاثر ہوتے چلے جاتے ہیں پھر خطیب کے ساتھ ان کا یہ تاثر اس درجہ بڑھ جاتا ہے کہ خطیب اپنے مقصد کو آسانی حاصل کر لیتا ہے۔

اس تاثیر کو پیدا کرنے میں سامعین کی عقلی سطح کی رعایت اور ان کے نفسیات کو سمجھنا ضروری ہوتا ہے، نیز مطلب کی مکمل وضاحت، معانی اور الفاظ کی قوت، کلام کی رنگینی، بلاغت سے بھرپور ایجاز، موسیقی سے متصف جملے، نظریہ کی صداقت اور دلائل و براہین کی کثرت انتہائی اہم ہے۔

## 7.8 متن سبق کا موضوع

لوگوں کی غفلت و لاپرواہی پر تنبیہ کرتے ہوئے انہیں جہاد کی ترغیب دینا اور دشمن سے مقابلہ کے لیے ان کی حمیت کو ابھارنا۔

## 7.9 متن سبق کی توضیح و تشریح

## 7.9.1 خطبہ کا پس منظر

حضرت علیؓ کو اطلاع ملی کہ حضرت معاویہؓ کے ایک لشکر نے سفیان الغامدی کی قیادت میں انبار میں داخل ہو کر خوب قتل و غارتگری کی اور وہاں پر متعین حضرت علیؓ کے گورنر کو قتل کر دیا، عام لوگ بھی اس کی لوٹ کھسوٹ سے محفوظ نہیں رہے یہاں تک کہ اس نے مسلمان اور ذمی عورتوں کے پازیب، کنگن اور بالیاں چھین کر صحیح سلامت واپس ہو گیا، انبار کے لوگوں نے ان سے کسی طرح کی مزاحمت نہیں کی اور نہ ہی اس وحشیانہ کارروائی کا انھوں نے مقابلہ کیا، اس حادثہ نے آپ کو غضبناک بنا دیا اور اسی وقت آپ نے لوگوں میں یہ تاریخی خطبہ دیا جس نے خطبہ الانبار کے نام سے تاریخی اور ادبی کتابوں میں شہرت پائی۔

## 7.9.2 مضمون

حضرت علیؓ نے اپنے خطبہ کو انتہائی پرسکون اور باوقار انداز میں شروع کیا، اپنے متبعین کو جہاد کی ترغیب دی اور دشمنوں سے مقابلہ کرنے پر ابھارا، جہاد کی فضیلت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے ان کے لیے جنت کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔ پھر انہیں آگاہ کیا کہ اگر وہ جہاد اور دشمنوں کے مقابلہ سے اعراض کرتے ہیں اور اس مقدس فریضہ سے روگردانی کرتے ہیں تو اللہ کے عذاب کے مستحق قرار پائیں گے، ذلت و رسوائی ان کا مقدر بن جائے گی اور اللہ کی رحمت اور اس کی عنایتوں سے دور ہو جائیں گے، بزدلی اور پستی ان کی علامت ہو جائے گی اور دنیا کے لوگوں کے لیے وہ ایسا لقمہ تر بن جائیں گے کہ ہر ایک ان کو اپنا نشانہ اور اپنی ظالمانہ کارروائیوں کا تختہ مشق بنائے گا اور ان کے ساتھ ہمیشہ نازیبا سلوک روا رکھا جائے گا۔

جہاد کی ترغیب و فضیلت بیان کرتے ہوئے آپ کا اسلوب جس وقار و متانت کا مظہر تھا وہ بدل جاتا ہے اور آپ اپنے متبعین کی بزدلی اور کاہلی، حق کی نصرت سے دوری اور آپسی عدم تعاون پر سرزنش کرتے ہیں، انہیں یاد دلاتے ہیں کہ آپؓ نے انہیں شب و روز جنگ کے لیے نکلنے کی دعوت دی، آپؓ نے خفیہ اور علانیہ انہیں جنگ کے لیے آمادہ کیا، لیکن وہ بزدل اور کمزور تھے کہ ان ترغیبات کے باوجود جنگ کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں کر پائے اور طرح طرح کے عذر لنگ پیش کرتے ہوئے جنگ سے روگردانی کرتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کی فوج گھر میں گھس آئی، نیک و بد کی تمیز کیے بغیر قتل و غارتگری کر گزری۔

پھر آپؓ نے اپنے مخاطبین کی حمیت و غیرت کو لاکارتے ہوئے فرمایا کہ دشمنوں نے اس پر بس نہیں کیا کہ وہ تمہارے مردوں کو قتل کرتے بلکہ انھوں نے تمہاری عورتوں کی عزت و آبرو کی بے حرمتی کی، ان سب کے باوجود وہ صحیح سلامت اس طرح لوٹ گئے جیسے وہ شکار کر کے واپس ہوئے ہوں، انہیں ذرا ساز و ختم نہیں آیا اور نہ ہی کسی نے ان سے قابل ذکر مقابلہ کیا۔

پھر تیسرے فقرے میں حضرت علیؓ نے دشمنوں کے باطل پر مضبوطی سے جمرے رہنے اور باطل کی مدد کرنے پر اور اپنی قوم کے حق پر ہونے کے باوجود بزدلی دکھانے اور حق کی مدد نہ کرنے پر تعجب کا اظہار کیا، پھر آپؓ کا غصہ انتہا کو پہنچ گیا تو سامعین کو یہ کہہ کر عار دلایا کہ ”یا أشباه الرجال و لا رجال“ آپؓ نے انہیں مردانگی سے خالی قرار دیا، یہ وہ عار ہے جس پر ہر مرد اپنی جان کی بازی لگانا پسند کرتا ہے، آپؓ نے انہیں عقل و خرد اور ہمت میں عورتوں اور بچوں کے مثل ٹھہرایا، یعنی ایک مرد کی حمیت و غیرت کو ابھارنے کے لیے جتنے وسائل ہو سکتے ہیں ان سب کا حضرت علیؓ نے استعمال

کیا۔

تقریر کے اختتامی کلمات میں آپ فرماتے ہیں کہ تمہاری کاہلی اور بزدلی کی وجہ سے قریش مجھے اب یہ طعنہ دینے لگے ہیں کہ مجھے جنگ کا تجربہ نہیں حالانکہ بچپن سے ہی میں ایک جنگجو ہوں اور ابھی میری عمر بیس سال بھی نہیں تھی کہ میں جنگ کا مرد میدان رہا اور اب میری عمر ساٹھ سے متجاوز ہے، جنگ کا جتنا طویل تجربہ مجھے ہے وہ کسی اور کو حاصل نہیں، یہ کہہ آپ یہ ثابت کرتے ہیں کہ جنگ کی ناکامی کا ذمہ دار میں نہیں بلکہ تم ہو، پھر ایک انتہائی مؤثر کلمہ پر اپنی تقریر یوں ختم کرتے ہیں ”ولکن لا رأي لمن لا يطاع“۔

## 7.10 متن کی خصوصیات

### 7.10.1 معنی اور مضمون کے اعتبار سے

(۱) خطبہ کے اجزا آپس میں اس طرح مربوط اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں کہ سارے خطبہ میں موضوع کی وحدت اور یکسانیت اور مکمل ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

(۲) اس خطبہ میں مافی الضمیر کا مکمل اظہار ہے، چھوٹے چھوٹے جملے اور مانوس الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے اور ان کو منطقی انداز میں مرتب کیا گیا ہے، موضوع کی تقسیم میں انتہائی باریک بینی سے کام لیا گیا ہے، پہلے تمہید ہے، اس کے بعد اپنے مدعا کو اس انداز سے تدریجاً پیش کیا گیا ہے کہ سامعین کے شعور و احساس کو ہمیز لگاتا ہے۔

### 7.10.2 سامعین کو مطمئن کرنے کے اعتبار سے

(۳) حضرت علیؓ نے اپنے متبعین پر ثابت کر دیا کہ وہ لوگ بزدل ہیں اور اپنے دعویٰ کی دلیل یہ کہہ کر دی کہ ”وقد دعوتكم الى حرب هؤلاء القوم ليلا ونهارا، سرا وعلانا، وقلت لكم: اغزوهم من قبل أن يغزوكم، فوالذي نفسي بيده! ما غزي قوم قط في عقر دارهم إلا ذلوا فاختاذلتم وتواكلتم وثقل عليكم قولي، واتخذتموه وراءكم ظهريا، حتى شنت عليكم الغارات۔۔۔

”إذا قلت لكم: اغزوهم في الشتاء قلتهم: هذا أو أن قرو صر، وإن قلت لكم: اغزوهم في الصيف قلتهم: هذه حمارة القيظ، أنظرونا ينصرم الحر عنا، فإذا كنتم من الحر والبر تدفرون، فأنتم والله من السيف أفر۔۔۔

(۴) آپؐ نے اپنے حق پر ہونے اور فریق مخالف کے گمراہ ہونے پر، اپنے متبعین کی کارستانی اور مخالفین کے موقف کی مکمل وضاحت فرمائی (من تظافرو هؤلاء القوم على باطلهم، وفشلكم عن حقكم)

(۵) قریش کی رائے کا رد و ابطال کیا تا کہ اپنے ساتھیوں میں اعتماد بحال ہو سکے اور فنون سپاہ گری میں اپنی مہارت، جنگی تجربہ و قائدانہ صلاحیت کا بھرپور اظہار کیا، تاکہ لوگ آپؐ کے جھنڈے تلے جمع ہو کر جو انمردی کے ساتھ جہاد کریں۔

(لله درهم! ومن ذا يكون أعلم مني أو أشد لهما مراسا، فوالله! لقد نهضت فيها وما بلغت العشرين، ولقد نيفت اليوم على الستين)

### 7.10.3 اپنی بات کو مؤثر کرنے کے لیے ترغیب و ترہیب کا استعمال

(۶) آپؐ نے ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ (إن الجهاد باب من أبواب الجنة) ہر مسلم کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ وہ جنت میں داخل ہو، لہذا اس موقع

پر جہاد کی فضیلت بیان کرتے ہوئے اس کو جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ قرار دینا سامعین کے دلوں میں اثر پیدا کرتا ہے اور انہیں جہاد کی طرف راغب کرتا ہے۔

(۷) تربیاً فرمایا کہ (فمن تركه رغبة عنه ألبسه الله الذل، وسيمما الخسف، وديث بالصغار) تاکہ جو لوگ ابھی تک خواب غفلت میں ہیں اور جہاد سے بے رخی اختیار کر رہے ہیں انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ ان کے اس طرح روگردانی کرنے سے وہ سرخرو ہو کر باعزت زندگی نہیں گزار سکتے، بلکہ دنیا میں بھی انہیں ذلت و رسوائی کا سامنا ہوگا اور آخرت میں بھی انہیں نقصان اٹھانا پڑے گا، کیونکہ (الجہاد باب من أبواب الجنة) ہے۔

(۸) حمیت وغیرت کو ابھارنا جس کے لیے بزدل سے بزدل انسان بھی جان کی بازی لگانے اور مارنے مرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے یعنی عورت کی حفاظت اور اس کی عفت و عصمت کا تحفظ اور اس کا دفاع، آپؐ نے اس کا تذکرہ کیا (والذي نفسي بيده! لقد بلغني أنه كان يدخل على المرأة المسلمة والمعاهدة فتزعج أحجالهما ورعتهما، ثم انصرفوا موفورين، لم يكلم أحد منهم كلمة، فلو أن امرأ مسلمة مات من دون هذا أسفاما كان عندي فيه ملوما، بل كان به عندي جديرا)

## 7.11 اسلوبی خصوصیات

(۱) افکار و خیالات کی توانائی کے ساتھ ایسے الفاظ کا استعمال جن کا بدل مشکل ہے، موضوع کی مناسبت سے ایسے جملوں کا استعمال جو انتہائی پر تاثیر اور سامعین میں جوش پیدا کرتے ہیں (هذا أو ان قرو صر، هذه حمارة القبط، فأنتم والله من السيف أفر، يا أشباه الرجال ولا رجال، ويا طعام الأحمال، ويا عقول ربات الحجال، ولقد ملأتم جوفى غيظا)

(۲) ایجاز، جگہ جگہ عبارتوں میں ایجاز کو ملحوظ رکھا گیا ہے، مختصر الفاظ میں ڈھیر سارے معانی کو سمیٹا گیا ہے (من نظا فرفر هؤلاء القوم على باطلهم، و فشلكم عن حقكم، يا أشباه الرجال ولا رجال)

(۳) جملوں کے اواخر میں موزونیت و موسیقیت پائی جاتی ہے جو سامعین میں دل چسپی اور رغبت پیدا کرتی ہے (ليلا ونهارا، سرا وإعلانا، يغار عليكم ولا تغفرون، وتغزون ولا تغزون)

(۴) سجع کے مقابلہ اسلوب مرسل کا استعمال، جہاں کہیں سجع دکھائی دیتا ہے وہ بغیر تکلف کے ہے، سجع کی کوشش نہیں کی گئی۔

(۵) کلام کی رنگینی، خبر و انشا کا استعمال

(۶) اپنی بات کو مؤثر پیرایہ میں پیش کرنے کے لیے قسیمیہ جملوں اور حروف تاکید کا کثرت سے استعمال (فوالذي نفسي بيده، فأنتم والله من السيف أفر، فوالله! لقد نهضت فيها وما بلغت العشرين)

اس خطبہ سے اس زمانہ کے سیاسی سماجی حالات پر روشنی پڑتی ہے، اسی طرح حضرت علیؑ کی شخصیت ابھر کر آتی ہے کہ آپ کو کس طرح مسلمانوں اور ذمیوں کا اہتمام ہوا کرتا تھا اور ان کی حفاظت کی فکر لاحق رہتی تھی۔

## 7.12 اکتسابی نتائج

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مدینہ میں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کی گئی تو اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی

اللہ عنہ ملک شام کے گورنر تھے، جب ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کے لیے کہا گیا تو انھوں نے یہ مطالبہ رکھا کہ پہلے قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ سے انتقام لیا جائے پھر بیعت ہوگی، قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ کی قطعی شناخت نہ ہونے کی بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ انتقام کو مؤخر کرنا چاہتے تھے لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے مطالبہ پر مصر رہے اس معاملہ نے طول پکڑا جس کے نتیجے میں عالم اسلام دو گروہوں میں بٹ گیا، اہل شام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حامی تھے اور آپس میں جنگ و جدال کا سلسلہ چل پڑا، اسی کی ایک کڑی انبار کا واقعہ ہے۔

حامیان علی رضی اللہ عنہ میں دہشت پیدا کرنے کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سن 39ھ میں سفیان بن عوف کو چھ ہزار گھوڑ سواروں کے ساتھ عراق کے اطراف و اکناف پر حملہ کرنے لیے بھیجا، یہ لشکر انبار میں داخل ہوا، خوب لوٹ کھسوٹ اور قتل و غارت گری کر کے صحیح سلامت واپس ہو گیا، اس موقع پر انبار میں متعین حضرت علی کے تقریباً پانچ سو افراد پر مشتمل فوجی دستہ میں سے چار سو افراد میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے لیکن کچھ مخلصین ڈٹے رہے اور انھوں نے بڑی دلیری سے دشمن کا مقابلہ کیا جن میں حسان بن حسان بھی تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انبار کے گورنر تھے، آخر کار وہ بھی مارے گئے، اس واقعہ کی اطلاع جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو آپ نہایت غضب ناک ہو کر نکلے اور مقام نخیلہ پہنچ کر آپ نے وہ تاریخی خطبہ دیا جو فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ معیار پر ہونے کی وجہ سے فن خطابت کا شاہکار قرار پایا۔

حضرت علی نے اپنی تقریر کی ابتدا میں لوگوں کو جہاد کی فضیلت اور اس کی اہمیت بتاتے ہوئے اس سے روگردانی کرنے والوں کو انجام سے باخبر کیا، یہ وہ موقع تھا کہ فساد اور خون خرابہ کی وجہ سے لوگوں کے دل مغموم و افسردہ تھے، ایک طرف انہیں دلاسا بھی دینا تھا اور کوتاہیوں پر تنبیہ بھی کرنی تھی تو دوسری طرف ان کی غلطیوں کی نشاندہی کرتے ان کی غیرت کو لکارنا تھا، آپ نے جہاد کرتے ہوئے جو شہید ہو گئے تھے ان کے لیے جہاد کی فضیلت بیان کرتے ہوئے جنت کی خوشخبری سنائی اور جہاد سے منھ موڑنے اور بے اعتنائی اختیار کرنے والوں کو ذلت و رسوائی کے خوف ناک انجام سے متنبہ کیا، اس کے بعد آپ نے لوگوں کو یاد دلایا کہ میں نے تمہیں بار بار جہاد کی دعوت دی اور ان دشمنوں کا مقابلہ کرنے کو کہا لیکن تم نے میری بات پر کان نہیں دھرا اور غفلت کا شکار رہے، جس کے نتیجے میں تمہیں آج کا یہ برادن دیکھنا پڑا، آپ نے اپنی مسلسل کوششوں اور لوگوں کی بے حسی کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جب کبھی میں نے تمہیں موسم سرما میں جہاد کے لیے کہا تو تم نے سردی کا عذر پیش کیا اور جب گرمیوں میں کہا تو تم نے گرمی کا بہانہ کیا، دن گزرتے گئے، دشمن جری ہوتا گیا اور تم بزدل ہوتے گئے یہاں تک کہ وہ تمہارے درمیان آئے اور قتل و غارتگری کر کے سب کچھ چھین کر صحیح سلامت واپس چلے گئے اور تم دیکھتے تکتے رہ گئے، کیا اس وقت بھی تمہاری غیرت نہیں جاگی جب وہ تمہاری عورتوں کے پیروں سے پایزب اور کانوں سے بالیاں اتار کر لے گئے؟ لوگوں کی بے غیرتی پر اپنے گہرے دکھ اور صدمہ کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مسلمان کے لیے یہ حادثہ اتنا شرمناک ہے کہ اگر وہ مارے غیرت کے مر بھی جائے تو اس پر افسوس نہیں ہونا چاہیے۔

تقریر کے آخری حصہ میں اپنے غم و غصہ کا مکمل اظہار فرماتے ہوئے آپ نے کہا: اور مردمانا مردوں، کم عقلو اور بے وقوفوں! تمہاری بزدلی اور نافرمانی نے میرے منصوبے کو ناکام بنادیا یہاں تک کہ قریش نے میرے تعلق سے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ ابوطالب کے بیٹے کا بہادری اور جوانمردی میں جواب نہیں لیکن اسے جنگ کا تجربہ نہیں، قریش کی اپنے قول میں نا انصافی اور حقائق سے روگردانی پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ بھلا مجھ سے زیادہ اس کا علم اور تجربہ کس کو ہو سکتا ہے، میری عمر بیس سے بھی کم تھی اس وقت سے میں جنگ کر رہا ہوں اور آج میری عمر ساٹھ سے متجاوز ہے، لیکن وہ شخص کیا کر سکتا ہے جس کی بات ہی نہ مانی جائے، آپ نے اس کو بنا کہ جملہ کوتاہیوں پر متبہ دہرا کر اپنی تقریر ختم فرمادی۔

## 7.13 نمونے کے امتحانی سوالات

- ۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حیات و خدمات پر ایک جامع نوٹ تحریر کیجیے۔
- ۲۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبہ کا بلاغی ناحیہ سے تجزیہ کیجیے۔
- ۳۔ اسلوب خطابی کو مد نظر رکھتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کلام کی خوبیوں کو نمایاں کیجیے۔
- ۴۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبہ کا خلاصہ قلمبند کیجیے۔
- ۵۔ خطبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پس منظر کو واضح کیجیے۔
- ۶۔ خطبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالیے۔
- ۷۔ حسب ذیل عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے بحوالہ متن سیاق و سباق واضح کیجیے۔  
يَا أَشْبَاهَ الزَّجَالِ وَلَا رِجَالٍ وَيَا طَعَامَ الْأَخْلَامِ، وَيَا عَقُولَ رَبَّاتِ الْحِجَالِ! وَاللَّهِ! لَقَدْ أَفْسَدْتُمْ عَلَيَّ رَأْيِي بِالْعَصِيَانِ، وَلَقَدْ مَلَأْتُمْ جَوْفِي غَيْظًا حَتَّى قَالَتْ قُرَيْشٌ: ابْنُ أَبِي طَالِبٍ رَجُلٌ شَجَاعٌ، وَلَكِنْ لَا رَأْيَ لَهُ فِي الْحَزْبِ. اللَّهُ دَرُّهُمْ! وَمِنْ ذَايَكُونُ أَعْلَمُ بِهِمَا مِنِّي أَوْ أَشَدُّ لَهَا مَرَأْسًا
- ۸۔ مندرجہ ذیل عبارت پر اعراب لگائیے اور ترجمہ کیجیے۔  
يا عجباً كل العجب! عجب يميم القلب ويشغل الفهم ويكثر الاحزان من تظافر هؤلاء القوم على باطلهم، وفشلكم عن حقكم، حتى اصبحتم غرضا ترمون ول ترمون، ويغار عليكم ول تغيرون، ويعصى الله فيكم وترضون، اذا قلت لكم: اغزوهم في الشتاء قلتهم: هذا اوان قروصر، وان قلت لكم: اغزوهم في الصيف، قلتهم: هذه حمارة القيظ، انظرونا ينصرم الحر عنا. فاذا كنتم من الحر والبرد تفرون، فانتم والله من السيف افر.

## 7.13 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

- |                                 |  |
|---------------------------------|--|
| ۱۔ الکامل                       | للمبرد                                 |
| ۲۔ البيان والتبيين              | للجاحظ                                 |
| ۳۔ العقد الفريد                 | لابن عبد ربه                           |
| ۴۔ نهج البلاغة                  | لشريف رضي                              |
| ۵۔ عربی ادب کی تاریخ            | عبد الحليم ندوی                        |
| ۶۔ المرتضى                      | ابو الحسن علی ندوی                     |
| ۷۔ تاریخ ادب عربی               | احمد حسن زيات، (ترجمہ: طفیل احمد ندوی) |
| ۸۔ المفید فی الادب العربی       | لجماعة من الكتاب                       |
| ۹۔ الفن ومذاہبہ فی النثر العربی | لشوقي ضيف                              |

## اکائی نمبر: 8 عصر اموی کا نمونہ خطابت

اکائی کے اجزا

- 8.1 مقصد
- 8.2 تمہید
- 8.3 اموی دور میں فن خطابت کے عروج کے اسباب
  - 8.3.1 سیاسی اسباب
  - 8.3.2 دینی اسباب
  - 8.3.3 عقلی اسباب
- 8.4 متن سبق: حُطْبَةُ زِيَادِ بْنِ أَبِيهِ
- 8.5 صاحب متن کا تعارف
  - 8.5.1 پیدائش اور حالات زندگی
  - 8.5.2 اخلاق اور خداداد صلاحیتیں
- 8.6 متن کا ترجمہ
- 8.7 لغوی تحقیق
- 8.8 ادبی صنف کا تعارف
  - 8.8.1 متن سبق کا موضوع
  - 8.8.2 متن سبق کی توضیح و تشریح
  - 8.8.3 متن کی خصوصیات
  - 8.8.4 اسلوبی خصوصیات
- 8.9 متن سبق: حُطْبَةُ الْحَجَّاجِ بْنِ يُونُسَ الثَّقَفِيِّ
- 8.10 صاحب سبق کا تعارف: حجاج بن یوسف ثقفی

- 8.10.1 پیدائش اور حالات زندگی
- 8.10.2 حجاج کے اخلاق اور خداداد صلاحیتیں
- 8.11 متن کا ترجمہ
- 8.12 لغوی تحقیق
- 8.13 ادبی صنف کا تعارف
- 8.13.1 متن سبق کا موضوع
- 8.13.2 متن سبق کی تفسیح و تشریح
- 8.13.3 متن کی خصوصیات
- 8.13.4 اسلوبی خصوصیات
- 8.14 اکتسابی نتائج
- 8.15 نمونے کے امتحانی سوالات
- 8.16 مطالعے کے لیے معاون کتابیں



## 8.1 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے سے عصر اموی میں فن خطابت کے ترقی کے اسباب و عوامل، زیاد بن ابیہ اور حجاج بن یوسف ثقفی کے خطبوں کی ادبی اہمیت اور عربی ادب میں ان کے مقام و مرتبہ، ان کے اسلوب بیان کے متعلق تفصیلات سے آگاہی حاصل کی جاسکتی ہے، نیز حجاج بن یوسف کا مشہور خطبہ جو خطبۃ العراق کا بالتفصیل مطالعہ کریں گے، اس خطبہ کو پڑھنے سے عربی زبان کی وسعت اور خطیب کے الفاظ کو مقتضائے حال کے مطابق استعمال کرنے کی بے پناہ صلاحیت کا علم ہوتا ہے۔

## 8.2 تمہید

عربی ادب کی تاریخ میں بنو امیہ کا دور اس اعتبار سے بہت نمایاں ہے کہ اس زمانے میں نثر کے فن خطابت یا تقریر کو ایسی ترقی ہوئی اور ایسے شعلہ بار، یکتائے روزگار جادو بیان اور فصیح و بلیغ مقررین پیدا ہوئے جن کی نظیر مشکل سے ملتی ہے، اس کی سب سے بڑی وجہ تو عربوں کی زبان و بیان کی فطری اور جبلی صلاحیت ہے۔

بنو امیہ کی حکومت کی بنیاد حضرت عثمانؓ کی شہادت سے پیدا شدہ ایسے سخت حالات اور ایسی سیاسی اور دینی شکست و ریخت کے زمانے میں پڑی جس نے دنیائے اسلام میں ایک ہلچل اور اتھل پٹھل کی سی کیفیت پیدا کر دی تھی، عالم اسلام کے اس زمانے کے فتنہ و فساد اور ہنگامہ آرائیوں کے نتائج سے بچانے کے لیے جس ہتھیار سے سب سے زیادہ کام لیا گیا وہ خطابت یا تقریر تھی، زبان کے اس ہتھیار کو بنو امیہ اور ان کے مخالفین دونوں نے ایک دوسرے کو زیر کرنے کی غرض سے پوری طرح استعمال کیا، جس کا نتیجہ خالص علمی و ادبی نقطہ نظر سے یہ ظاہر ہوا کہ نثر کے اس صنف کو اس زمانے میں وہ ترقی ہوئی جو کسی دوسرے دور میں نہ ہو سکی، اس ترقی میں اموی حکمرانوں اور امراء اور سپہ سالاروں کا بڑا اہم حصہ ہے۔

اموی حکمرانوں اور ذمہ داروں نے بسا اوقات زبان کے ہتھیار سے وہ کام لیا جو ایک لشکر جرار یا تلوار جو ہر دار سے نہیں لیا جاسکتا تھا، راویوں کا کہنا ہے کہ انھوں نے بعض اوقات اپنی شررباری اور بعض اوقات اپنی گہر باری سے پورے مجمع کو جو کبھی ان کا اور امویوں کا سخت جانی دشمن تھا، ایسا رام کیا کہ دل سے نہ سہی زبان سے ضرور ان کا کلمہ پڑھنے لگا اور فرط تاثیر میں ان کے احکام کی بجا آوری میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے لگا، چنانچہ امویوں کے ظالم اور جلا دگورنر حجاج بن یوسف ثقفی کے بارے میں بزرگ لوگ کہا کرتے تھے کہ جب یہ بولنا شروع کرتا ہے تو ایسا لگتا ہے یہی حق پر ہے اور ہم سب باطل پر ہیں، اس کے اندازِ گل افشانی گفتار کا یہ عالم تھا کہ مجمع پر ایک سکنہ کا سماں چھا جاتا تھا، اسی لیے امویوں کی یہ تقریریں اپنی سحر آفرینی، اثر اندازی اور زبان و بیان کی معجز نمائی کی وجہ سے عربی ادب میں شہ پاروں کی حیثیت رکھتی ہیں اور آج تک درس گاہوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھی پڑھائی جاتی ہیں۔

## 8.3 اموی دور میں فن خطابت کے عروج کے اسباب

اموی دور میں فن خطابت کی ترقی اور گرم بازاری میں جن اسباب و عوامل نے اہم رول ادا کیا، ان میں سب سے زیادہ اہم تین ہیں: (۱)

سیاسی (۲) دینی (۳) عقلی۔

### 8.3.1 سیاسی اسباب

بنو امیہ کی حکومت قائم ہوتے ہی، عالم اسلام میں ایک اٹھل پٹھل کی سی کیفیت پیدا ہو گئی، اس کی وجہ یہ تھی کہ تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ کو بڑی بے دردی سے قتل کیا گیا تھا، حضرت عثمانؓ بنو امیہ سے تعلق رکھتے تھے، چنانچہ امویوں اور ان کے ہمنواؤں نے حضرت علیؓ سے خلیفہ ہونے کے بعد ان قصاص (قاتل کو مظلوم مقتول کے بدلہ میں بطور سزا قتل کرنا) کا مطالبہ شروع کیا، اس گروہ کے لیڈر مشہور صحابی حضرت امیر معاویہؓ تھے، جو ان دنوں شام کے گورنر تھے اور وہاں انھوں نے ایک منظم، مضبوط اور تربیت یافتہ فوج تشکیل دے رکھی تھی۔

حضرت علیؓ ان لوگوں سے کہتے تھے کہ پہلے آپ لوگ ہمارے ہاتھ پر بیعت کر کے مجھے خلیفہ تسلیم کیجیے، اس کے بعد شریعت کے مطابق حضرت عثمانؓ کے قصاص کا دعویٰ کیجیے اور مجرموں کا پتہ لگانے اور ان کو سزا دینے میں میری مدد کیجیے اور میرا ہاتھ بٹائیے، لیکن حضرت علیؓ کے مخالفین مع امیر معاویہ کے اس بات پر راضی نہ ہوئے اور معاملہ اتنا خراب ہو گیا کہ حضرت معاویہ کی فوج اور ان کے ہمنواؤں اور حضرت علیؓ کی فوج اور ان کے ہمنواؤں کے درمیان صفین کی جنگ ہوئی، جب اس جنگ میں حضرت علیؓ کا پلہ بھاری ہونے لگا اور حضرت معاویہ اور ان کے ساتھیوں کو شکست کا خطرہ ہونے لگا تو انھوں نے بیچ لڑائی میں قرآن کو نیزوں پر چڑھا کر اعلان شروع کر دیا کہ آپس میں مسلمانوں کا خون بہانے سے اچھا یہ ہے کہ ہم قرآن کو اپنا ثالثی مان کر اس کے حکم کے مطابق اپنے اختلافات کا فیصلہ کر لیں، قرآن کا نام آنا تھا کہ سپاہیوں کے نیزے اور تلواریں نیچے آنے لگیں اور ان میں سے اکثر نے قرآن کی ثالثی ماننے کا نعرہ شروع کیا، حضرت علیؓ اس چال کو سمجھ گئے لیکن حالات کے تقاضے اور لوگوں کے دباؤ سے ثالثی پر تیار ہو گئے۔

حضرت علیؓ کا ثالثی پر تیار ہونا تھا کہ ان کی فوج کے ایک حصہ نے ان کی بیعت توڑ دی اور ان کی اطاعت سے نکل گئی اور اس طرح ان لوگوں کا نام ”خوارج“، یعنی جماعت سے نکلے ہوئے پڑ گیا اور اسلام میں شیعہ فرقہ کے بعد یہ دوسرا سیاسی فرقہ تھا، جس نے دین کے پردے میں سیاسی روپ اپنایا تھا، حضرت علیؓ نے ان لوگوں کو بہت سمجھانے کی کوشش کی، لیکن ان کی سمجھ میں بات نہیں آئی اور وہ مستقل حضرت علیؓ کے مخالف رہے، یہاں تک کہ انہیں خارجیوں میں سے ایک خارجی ابن ماجہ نے حضرت علیؓ کو شہید کر دیا اور اس طرح میدان سیاست میں حضرت معاویہ اور ان کے خلفا رہ گئے جن کا مرکز شام تھا، چنانچہ اب خارجی ان سے بھڑنے لگے، ان لوگوں کا کہنا تھا کہ خلافت کو صرف قریش میں رکھنا اسلام کے خلاف ہے، یہ قریشیوں کی میراث نہیں ہے بلکہ جو مسلمان بھی شریعت اور دین کی رو سے اپنی دینداری زہد و تقویٰ اور طہارت کی وجہ سے اس کا اہل ہو اسے مسلمانوں کے مشورہ سے خلیفہ مقرر کرنا چاہیے، چاہے وہ ایک حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، یہ فرقہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ دونوں کو گمراہ سمجھتا تھا اور ان کے ماننے والوں کو کافر اور ان کو قتل کر دینا جائز سمجھتا تھا اور اسلامی ملکوں کو دار حرب مانتا تھا، انھوں نے مخالفوں سے نبرد آزمائی کے لیے اپنی تنظیم مضبوط کی اور عبداللہ بن وہب الراہی کو اپنا امیر المؤمنین منتخب کیا، یہ لوگ اپنے عقیدے میں بڑے سخت، ایمان میں بڑے مستحکم اور اپنے اصول و نظریات میں بڑے متشدد تھے، یہ فرقہ بھی اندرونی اختلافات کی وجہ سے تقریباً بائیس فرقوں میں بٹ گیا جن میں پانچ بہت مشہور گزرے ہیں جن کا الگ الگ امیر تھا۔

حضرت معاویہ کے انتقال کے بعد ان بیٹا یزید بن معاویہ تخت خلافت پر بیٹھا، خلیفہ جیسی اہم شخصیت کے لیے جن اہم صفات کی ضرورت تھی ان کے فقدان کی وجہ سے عوام کے علاوہ خواص امت میں سے بھی بہت سے لوگ اس کو ناپسند کرتے تھے، چنانچہ اس وقت بنو امیہ کے مخالفوں اور یزید کو ناپسند کرنے والوں کی خاصی تعداد ہو گئی جن میں پیش پیش شیعان علیؓ تھے، ان لوگوں کا مرکز کوفہ تھا، شیعان علیؓ کا جو اسلام کا پہلا فرقہ تھا، عقیدہ

تھا کہ حضرت علی کو اپنے بعد خلیفہ بنانے کی رسول اللہ ﷺ نے وصیت فرمائی تھی، اس لیے حضرت علی وصی (یعنی جس کے لیے کسی بات کی وصیت کی گئی ہو) تھے، چنانچہ یہ لوگ خلفائے راشدین میں سے تین کے منکر ہو گئے اور حضرت فاطمہؓ کی اولاد کو اوصیا سمجھ کر اپنا امام تسلیم کرتے رہے، مگر یہ بھی کئی فرقوں میں بٹ گئے جن میں کچھ معتدل اور کچھ غالی تھے۔

شیعوں اور خوارج کے علاوہ ایک تیسری پارٹی بھی ان دنوں ابھری جس کی قیادت عبداللہ بن زبیرؓ کر رہے تھے، مگر عبدالملک بن مروان کے مرد آہنی حجاج بن یوسف ثقفی نے ان کو قتل کر کے ان کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

یہ تمام دینی پارٹیاں (جو دراصل سیاسی پارٹیاں تھیں) لوہے کی تلوار سے کہیں زیادہ زبان کی تلوار سے کام لیتے تھے، چنانچہ یہ سب پارٹیاں اور یہ سب گروہ اپنی قوت بیانی کے ذریعہ ایک دوسرے کی مخالفت اور گمراہی کے دعوے کرتے اور دلیلیں دے کر عوام الناس کو سمجھا کر اپنے ساتھ کرنے کی کوشش کرتے تھے، ان کے جواب میں ان کے مخالفین ان پر تنقید کرتے، اس بحث و مباحثہ اور مناقشہ و مناظرہ میں عربی خطابت کو ترقی کرنے کا بہت موقع ملتا، اس لیے کہ ہر ایک اچھی سے اچھی زبان بولنے کی کوشش کرتا، تاکہ زبان کے ذریعہ لوگوں کے دلوں میں اتر کر اپنی بات ان کے ذہنوں میں اتار دے۔

### 8.3.2 دینی اسباب

صاحب بصیرت علما اور اصحاب فکر و نظر فضلا کے درمیان دینی مسائل میں اختلافات پیدا ہوتے رہتے تھے، ان اختلافات اور کلامی موشگافیوں کے نتیجے میں مختلف چھوٹے بڑے دینی فرقے پیدا ہو گئے جیسے جبریت، قدریہ، مرجئہ اور معتزلہ، ان سب دینی فرقوں کو اپنا نظریہ سمجھانے اور ایک دوسرے کے نقطہ نظر کی کاٹ اور بطلان کے لیے زبان ہی کا سہارا لینا پڑتا تھا، چنانچہ دینی مسائل میں ایک خاص قسم کی بحث و مباحثہ کے نتیجے میں ”مناظرہ“ کا فن پیدا ہوا جو درحقیقت تقریر ہی کی ایک مخصوص اور بہت اہم قسم ہے، چنانچہ ان مناظروں سے اموی دور میں ایک بالکل نیا علم پیدا ہوا جسے اصطلاح میں ”علم کلام“ کہا جاتا ہے، علم کلام کے وجود، اس کی ترقی اور ترویج نے بھی فن خطابت کو بڑی ترقی دی۔

اسی زمانہ میں دینی حلقہ سے ایک دوسرا گروہ بھی پیدا ہوا، جسے دینی قصہ گو اور واعظوں کا حلقہ کہتے تھے، یہ حلقہ جمع اور عیدین میں خطبہ دینے والے واعظ کی علاوہ تھا، یہ قصہ گو اور واعظ عام طور سے حلقوں کی شکل میں بیٹھ کر لوگوں کو قرآن شریف کی تفسیر سناتے تھے جسے دل چسپ بنانے کے لیے سنے سنائے قصے اور روایتیں بھی نقل کرتے جاتے تھے۔

### 8.3.3 عقلی اسباب

اموی دور میں تقریر کو غیر عرب عناصر کے اسلام میں داخل ہونے اور ان کی عقلیت پسند طبیعت اور مزاج سے بھی ترقی کرنے کا بڑا موقع ملا، کیونکہ ان کی ناقدانہ طرز استدلال اور عقلیت پسند طریق کلام نے عربوں کے ذہنوں کے دریچوں کو کھولا، اس عجیب حلقہ میں زیادہ تر موالی (آزاد کردہ غلام یا اسلام میں داخل کام کاج کرنے والے غیر عرب) تھے، جن کی اپنی ایک تہذیب اور علمی ورثہ تھا، ان کی وجہ سے عرب نہ صرف ذہنی اعتبار سے متاثر ہوئے بلکہ علم و فن میں تنوع پیدا ہونے کے علاوہ زبان و بیان کے نکھارنے اور سدھارنے میں بھی ان کا بہت اہم رول رہا، اس طرح خطابت کی نشوونما میں بالواسطہ ان کا حصہ رہا۔

مذکورہ بالا اسباب و عوامل نے بنو امیہ کے زمانہ میں فن خطابت کو اتنی ترقی دی کہ اس کی مثال دوسرے زمانوں میں نہیں ملتی، مختلف مواقع اور حالات کے تحت تقریروں کے ہونے کی وجہ سے اس زمانہ میں فن خطابت کی تین قسمیں پیدا ہوئیں

(۱) سیاسی تقریریں

(۲) درباری تقریریں

(۳) دینی تقریریں

اموی حکومت کے گورنروں اور والیوں میں فن خطابت میں دو مقررین نے بڑا نام پیدا کیا ہے، زبان و بیان، انداز خطابت، اثر اندازی اور سحر طرازی میں وہ اعجاز دکھایا ہے کہ ان کا مقابلہ اس دور کا کوئی مقرر شاید نہ کر سکے، انہیں دونوں مقرروں اور گورنروں کے ناخن تدبیر اور شعلہ بار تقریروں کا کرشمہ تھا کہ امویوں کی حکومت، کوفہ جیسے فتنہ و فساد کی جگہ میں اس طرح جمی کہ پھر اس علاقہ میں نہ کوئی شورش ہوئی اور نہ کوئی فرد یا جماعت ان کے مقابلہ میں نبرد آزما ہو سکی اور یہ دونوں مقرر ہیں: زیاد بن ابیہ اور حجاج بن یوسف ثقفی۔

حجاج بن یوسف الثقفی بنو امیہ کے ممتاز خطبا اور مشہور گورنروں میں سے تھا، اس نے اپنی تلوار اور زبان سے بنو امیہ کی حکومت کو مستحکم کیا اور اپنی سختی اور شدت پسندی سے حکومت کے خلاف اٹھنے والے فتنوں کا سد باب کیا، اس کی تقریریں زبان و ادب کے اعتبار سے عربی زبان کے گوہر نایاب سمجھے جاتے ہیں۔

#### 8.4 متن سبق: خطبۃ زیاد بن ابیہ:

أَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّ الْجَهْلَاءَ الْجَهْلَاءَ، وَالضَّالَّةَ الْعَمِيَاءَ، وَالْغِيَّ الْمُؤَفِّي بِأَهْلِهِ عَلَى النَّارِ، مَا فِيهِ سَفَهًا وَكُفْرًا، وَيَشْتَمِلُ عَلَيْهِ خِلْمًا وَكُفْرًا، مِنَ الْأُمُورِ الْعِظَامِ، يَنْبُثُ فِيهَا الصَّغِيرُ وَلَا يَتَخَاشَى عَنْهَا الْكَبِيرُ، كَأَنَّكُمْ لَمْ تَقْرُؤُوا كِتَابَ اللَّهِ، وَلَمْ تَسْمَعُوا مَا أَعَدَّ اللَّهُ مِنَ الثَّوَابِ الْكَرِيمِ لِأَهْلِ طَاعَتِهِ، وَالْعَذَابِ الْأَلِيمِ لِأَهْلِ مَعْصِيَتِهِ، فِي الزَّمَنِ السَّوْمِيِّ الَّذِي لَا يُزُولُ. أَتَكُونُونَ كَمَنْ طَرَفَتْ عَيْنِيهِ الدُّنْيَا، وَسَدَّتْ مَسَامِعُهُ الشَّهَوَاتِ، وَاخْتَارَ الْفَانِيَةَ عَلَى الْبَاقِيَةِ؟ وَلَا تَذْكُرُونَ أَنَّكُمْ أَخَذْتُمْ فِي الْإِسْلَامِ الْحَدَّثَ الَّذِي لَمْ تَسْمَعُوا إِلَيْهِ: مِنْ تَرْكِكُمْ الضَّعِيفَ يَفْهَرُ، وَالضَّعِيفَةَ الْمَسْلُوبَةَ بِالنَّهَارِ لَا تُنْصَرُ، وَالْعَدَدُ غَيْرُ قَلِيلٍ، وَالْجَمْعُ غَيْرُ مُفْتَرٍ. أَلَمْ يَكُنْ مِنْكُمْ نَهْآةٌ يَمْنَعُونَ الْغَوَاةَ عَنْ دَلَجِ اللَّيْلِ وَغَارَةِ النَّهَارِ؟ قَرَيْتُمْ الْقَرَابَةَ، وَبَاعَدْتُمْ الدِّينَ. تَعْتَذِرُونَ بِغَيْرِ الْعُذْرِ، وَتَغْضُضُونَ عَلَى التُّكْرِ، كُلُّ أَمْرٍ مِنْكُمْ يُزِدُّ عَنْ سَفِيهِهِ، صَنِيعٌ مَنْ لَا يَخَافُ عَاقِبَةَ وَلَا يَرْجُو مَعَادًا. مَا أَنتُمْ بِالْخُلَمَاءِ، وَلَقَدْ اتَّبَعْتُمُ السُّفَهَاءَ، فَلَمْ يَزَلْ بِكُمْ مَا تَرَوْنَ مِنْ قِيَامِكُمْ دُونَهُمْ حَتَّى انْتَهَكُوا حُرْمَ الْإِسْلَامِ، ثُمَّ أَطْرَفُوا وَرَاءَكُمْ كُنُوسًا فِي مَكَانِيسِ الرَّيْبِ. حَرَامٌ عَلَى الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ حَتَّى أَسْؤِيَهَا بِالْأَرْضِ هَذَا وَإِخْرَاقًا. إِنِّي رَأَيْتُ آخِرَ هَذَا الْأَمْرِ لَا يَصْلَحُ إِلَّا بِمَا صَلَحَ بِهِ أَوَّلُهُ: لِيْنٌ فِي غَيْرِ ضَعْفٍ، وَشِدَّةٌ فِي غَيْرِ عُنْفٍ. وَإِنِّي لَأَقْسِمُ بِاللَّهِ لَا أَخْذَنَ الْوَلِيَّ بِالْمَوْلَى، وَالْمُقِيمَ بِالطَّاعِنِ، وَالْمُطِيعَ بِالْعَاصِي، وَالصَّحِيحَ بِالسَّقِيمِ، حَتَّى يَلْقَى الرَّجُلُ أَخَاهُ فَيَقُولُ: أَنْجِ سَعْدًا فَقَدْ هَلَكَ سَعِيدًا! أَوْ تَسْتَقِيمَ قَنَاطِكُمْ. إِنَّ كَذِبَةَ الْأَمِيرِ بِلِقَاءِ مَشْهُورَةٍ، فَإِذَا تَعَلَّقْتُمْ عَلَيَّ بِكَذِبَةٍ فَقَدْ حَلَّتْ لَكُمْ مَعْصِيَتِي. فَإِذَا سَمِعْتُمُوهَا مِنِّي فَاعْتَمِزُوا فِيهَا. وَاعْلَمُوا أَنَّ عِنْدِي أَمْثَالَهَا مِنْ نَقَبٍ مِنْكُمْ عَلَيْهِ فَأَنَا ضَامِنٌ لِمَا ذَهَبَ مِنْ مَالِهِ، فَإِيَّايَ وَدَلَجِ اللَّيْلِ، فَإِنِّي لَا أُوتِي

بِمُدْلِحٍ إِلَّا سَفَكْتُ دَمَهُ، وَقَدْ أَجَلْتُكُمْ فِي ذَلِكَ بِمَقْدَارٍ مَا يَأْتِي الْخَبْرُ الْكُفُوفَةَ وَيَزْجَعُ إِلَيْكُمْ. وَإِيَّايَ وَدَعَوَى الْجَاهِلِيَّةِ، فَإِنِّي لَا أَحْدُ أَحَدًا دَعَا بِهَا إِلَّا قَطَعْتُ لِسَانَهُ. وَقَدْ أَخَذْتُمْ أَحَدَانَا لَمْ تَكُنْ، وَقَدْ أَخَذْنَا لِكُلِّ ذَنْبٍ عُقُوبَةً فَمَنْ أَغْرَقَ قَوْمًا أَعْرَفْنَاهُ، وَمَنْ أَحْرَقَ قَوْمًا أَحْرَقْنَاهُ، وَمَنْ نَقَبَ بَيْنَنَا نَقَبْنَا عَنْ قَلْبِهِ، وَمَنْ نَبَشَ قَبْرَ أَدْفَنَاهُ فِيهِ حَتَّى، فَكْفُوا عَنِّي أَيْدِيَكُمْ وَاللَّسَنَتُكُمْ أَكْفُ عَنْكُمْ يَدَيَّ وَلِسَانِي، وَلَا تَطْهَرُ مِنْ أَحَدِكُمْ رِيْبَةٌ بِخِلَافٍ مَا عَلَيْهِ عَامَتُكُمْ إِلَّا ضَرَبْتُ عُقُقَهُ، وَقَدْ كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَ قَوْمٍ إِحْنٌ، فَجَعَلْتُ ذَلِكَ دُبْرَ أُذُنِي وَتَحْتَ قَدَمِي. إِنِّي لَوْ عَلِمْتُ أَنَّ أَحَدَكُمْ قَدْ قَتَلَهُ السَّلُّ مِنْ بَغْضِي لَمْ أَكْشِفْ لَهُ قِنَاعًا، وَلَمْ أَهْتِكْ لَهُ سِشْرًا حَتَّى يُبْدِيَ لِي صَفْحَتَهُ، فَإِذَا فَعَلَ ذَلِكَ لَمْ أَنَاظِرْهُ. فَاسْتَأْنَفُوا أُمُورَكُمْ، وَأَعِينُوا عَلَيَّ أَنْفُسَكُمْ، فَرَبٌّ مُبْتَلِسٌ يَقْدُرُ مَنَاسِيئَكُمْ، وَمَسْرُورٌ يَقْدُرُ مَنَاسِيئَتَكُمْ.

أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّا قَدْ أَصْبَحْنَا لَكُمْ سَاسَةً، وَعَنْكُمْ ذَادَةً، نَسُوسُكُمْ بِسُلْطَانِ اللَّهِ الَّذِي أَعْطَانَا، وَنَذُرُ عَنْكُمْ بِفِيءِ اللَّهِ الَّذِي حَوَّلَنَا. فَلَنَا عَلَيْكُمْ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ فِيمَا أَحْبَبْنَا، وَلَكُمْ عَلَيْنَا الْعَدْلُ فِيمَا وُلَّيْنَا، فَاسْتَوْجِبُوا عَدْلَنَا وَفَيْتَنَا بِمَنَاصِحَتِكُمْ لَنَا. وَأَيُّمُ اللَّهُ! إِنَّ لِي فِيكُمْ لَصَرْعَى كَثِيرَةً فَلْيَحْذَرُ كُلُّ مِّنْكُمْ أَنْ يَكُونَ مِنْ صَرْعَايَ.

## 8.5 صاحبِ متن کا تعارف

### 8.5.1 پیدائش اور حالات زندگی

طیب عرب حارث بن کلدہ ثقفی کی ایک داشتہ تھی جس کا نام سمیہ تھا اور اس کا ایک رومی غلام تھا جس کا نام عبید تھا، اس نے ان دونوں کی شادی کر دی تو سمیہ نے ہجرت کے پہلے سال اس کے ہاں ایک بچے کو جنم دیا لیکن اس میں دوسری نسل کے کچھ آثار تھے، لیکن یہ بچہ بڑھ کر زیرک اور شائستہ بن گیا، ابھی مسلمانوں کی حکومت منظم و مستحکم بھی نہ ہوئی تھی کہ اس بچے کی فہم و فراست کے جوہر نظر آنے لگے، ابوموسیٰ اشعریؓ (جو حضرت عمرؓ کی جانب سے والئی بصرہ تھے) نے اس کو اپنے ہاں نشی رکھ لیا، تو اس کی صلاحیتیں مزید نکھر گئیں اور اس کی ذہانت کو چار چاند لگ گئے، پھر عہد خلافت فاروقی میں ہی کچھ ایسے مسائل پیش آئے کہ حضرت عمرؓ نے اسے معزول کرنا چاہا، خیانت یا نااہلی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس خوف سے کہ یہ کہیں اپنی ذہانت و فطانت کے بل بوتے پر لوگوں میں اپنا اثر و رسوخ نہ بنا لے، حالانکہ حضرت عمرؓ ہی اس سے بڑے بڑے اہم کام لیتے تھے، یہ انہیں کمال صلاحیت اور بغیر تقصیر کے سرانجام دے دیا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ اس نے انصار و مہاجرین کی موجودگی میں ایسا خطبہ دیا کہ اس طرح کا خطبہ انھوں نے اس سے قبل نہیں سنا تھا، عمرو بن عاص کہنے لگے، واہ کیا کہنے اس نوجوان کے، اگر یہ قریشی باپ کا بیٹا ہوتا تو اپنی لائٹھی سے عربوں پر حکومت کرتا، ابوسفیان اسے اس قدر چاہتے تھے کہ ایک مرتبہ انھوں نے مجمع عام میں جن میں حضرت علیؓ بھی تھے زیاد کے متعلق کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے، اسلام لانے سے قبل اس کی والدہ مجھ سے ملی تھی لیکن حضرت عمرؓ کے خوف سے انھوں نے اسے اپنے سلسلہ نسب میں داخل نہیں کیا، جب حضرت علیؓ خلیفہ بنے تو انھوں نے زیاد کی تنظیمی صلاحیتوں، عمدہ رائے اور فصاحت لسان کو مد نظر رکھتے ہوئے اسے گورنر بنادیا، انھوں نے فضا کو ان کے حق میں سازگار کیا، سرحدوں کو مستحکم کیا اور سیاست کو مضبوط کیا، حضرت معاویہؓ نے پھر چاہا کہ ان کی ہمدردی حاصل کریں اور ان کو اپنے باپ کی طرف منسوب کر کے اپنا بھائی بنا لیں، چنانچہ اس کے بعد انھیں زیاد بن ابی سفیان پکارا جانے لگا لیکن اکثر لوگ اس نسب کا اعتبار نہیں کرتے، پھر حضرت معاویہؓ نے انھیں کوفہ و بصرہ و دوشہروں کا گورنر بنایا، یہ پہلے شخص

ہیں جن کو دو شہروں کی گورنری دی گئی، یہ چھ ماہ بصرہ میں قیام کرتے تھے اور چھ ماہ کوفہ میں رہتے تھے، ان کی وفات ۵۳ھ میں طاعون کی وبا سے ہوئی۔

## 8.5.2 اخلاق اور خداداد صلاحیتیں

زیاد بڑے عقل مند، ذہین و فطین اور خوش زبان و خوش الحان تھے، ان کے بارے میں شعبی کا کہنا ہے ”میں نے جب بھی کسی کو منبر پر تقریر کرتے ہوئے سنا اور خوش الحانی کا اظہار کرتے ہوئے سنا تو میرا جی چاہا کہ کاش یہ خاموش ہو جائے تاکہ کہیں زیادہ بولنے سے اس کی تقریر کا لطف نہ جاتا رہے لیکن جب زیادہ تقریر کرتا میرا دل چاہتا کہ اور زیادہ بولتا جائے کیونکہ وہ جتنا زیادہ بولتا جاتا تھا اس کا انداز بیان اتنا ہی دلچسپ عمدہ اور رنگین ہو جاتا تھا۔“

زیاد مملکت بنی امیہ کا سب سے زیادہ قابل اعتماد دستون تھا، معاویہ نے انہیں بڑے بڑے اہم کاموں اور آزمائشوں میں ڈالا مگر انہوں نے تمام خرابیوں کو دور کر کے حالات کو خوشگوار بنایا، سزا دینے میں سخت انداز اپنایا، وہ محض تہمت کی بنا پر گرفت کر لیتا اور شبہ کی بنا پر سزا دے دیتا، علانیہ مخالفت کرنے والوں کو قتل کر دیتا اور خفیہ دشمنی کرنے والے سے ربط و تعلق قائم رکھتا، لوگ اس سے اس قدر ڈرتے تھے کہ آپس میں ایک دوسرے کی شرارت سے قطعاً کوئی خطرہ نہ تھا تا آنکہ اگر کسی مرد یا عورت کے ہاتھ سے کوئی چیز گر پڑتی تو کوئی اسے نہ چھیڑتا حتیٰ کہ اس کا مالک خود ہی اسے آکر اٹھاتا اور اس کی وجہ سے کوئی اپنا دروازہ بند نہیں کرتا تھا، یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے بصرہ پہنچنے پر اپنے مشہور نامکمل خطبہ میں جنگی قوانین (مارشل لا) کے نفاذ کا اعلان کیا۔

## 8.6 متن کا ترجمہ

اما بعد! بے شک خالص جہالت، اندھی گمراہی، آگ میں لے جانے والی سرکشی، جس میں تمہارے نادان اور دانشمند سب پڑے ہوئے ہیں، یہ ان بڑی آفتوں میں سے ہیں جن میں تمہارے چھوٹے پنپ رہے ہیں اور جن سے تمہارے بڑے محفوظ نہیں ہیں، ایسا لگتا ہے کہ تم نے اللہ کی کتاب پڑھی ہی نہیں اور اللہ نے کبھی زوال پذیر نہ ہونے والے ابدی زمانہ میں اپنے فرمانبردار بندوں کے لیے جو اجر و ثواب اور نافرمانوں کے لیے جو تکلیف دہ عذاب مقرر کیا ہے گویا تم نے اسے سنا ہی نہیں، کیا تم اس شخص کے مانند ہو گئے ہو جس کی آنکھوں میں دنیا بسی ہوئی ہے اور جس کے کانوں کو خواہشات نے بند کر دیا ہے اور جس نے زوال پذیر (دنیا) کو باقی رہنے والی (آخرت) پر ترجیح دی؟ کیا تم یہ بھول رہے ہو کہ تم نے کمزور اور بے بس پر ظلم و ستم کو رو رکھتے ہوئے دن دھاڑے کمزور اور دکھی عورت کو بے یار و مددگار چھوڑ کر۔ حالانکہ دشمن بکثرت اور متحد ہیں۔ اسلام میں ایک ایسی بری مثال قائم کی ہے جس کی نظیر تم سے پہلے لوگوں میں نہیں ملتی، کیا تم میں ایسے منع کرنے والے نہیں ہیں جو سرکشوں کو شب روی اور دن میں لوٹ کھسوٹ سے روک سکیں؟ تم نے رشتہ داری کا لحاظ رکھا لیکن دین کو ترک کر دیا، بغیر معقول وجہ کے عذر پیش کرتے ہو اور منکرات سے چشم پوشی کرتے ہو، تم میں سے ہر شخص اپنے نادان کی طرف سے ایسے دفاع کرتا ہے جیسے اسے نہ انجام کی فکر ہے اور نہ آخرت کا ڈر، تم لوگ عقلمند نہیں ہو، کیونکہ تم نے بے وقوفوں کی پیروی کی ہے، تم مسلسل ان کی پشت پناہی کر رہے ہو جس کی وجہ سے انہوں نے اسلام کی حرمتوں کی پامالی کی، پھر انہوں نے تمہاری آڑ لے کر بد معاشی کے اڈے کھول لیے، مجھ پر اس وقت تک کھانا پینا حرام ہے جب تک میں ان بے حیائی کے مراکز کو گرایا یا جلا کر زمین دوز نہ

کردوں، میرے خیال میں اس معاملہ کی انتہا اسی سے درست ہو سکتی ہے جس سے اس کی ابتدا درست ہوئی تھی (یعنی میں) ایسی نرمی اختیار کروں گا جس میں کمزوری کا پہلو نہ ہوگا اور ایسی سختی برتوں گا جس میں بے جا تشدد نہ ہوگا اور میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں غلام کے بدلہ مالک کا اور مسافر کے بدلہ مقیم کا اور مجرم کے بدلہ بے قصور کا اور بیمار کے بدلہ تندرست کا مواخذہ کروں گا، یہاں تک کہ جب کوئی شخص اپنے بھائی سے ملے گا تو کہے گا کہ سعد اپنی جان بچا لو سعید تو ہلاک ہو گیا (یعنی جس کو مرنا تھا وہ مر گیا اب تم تو بچنے کی فکر کرو) یا پھر یہ کہ تم درست ہو جاؤ، بے شک حکمران کا جھوٹ بہت جلد مشہور ہو جاتا ہے، اگر تمہیں میرا کوئی جھوٹ معلوم ہو جائے تو تمہارے لیے میری حکم عدولی جائز ہے اور جب تم خود مجھ سے جھوٹ سنو تو اس کی وجہ سے مجھ پر تکبر کرو اور سمجھ لو کہ میں اس طرح کے اور بھی جھوٹ بولتا ہوں، تم میں سے جن کے گھر میں نقب زنی ہوگی اس کے تلف شدہ مال کا ذمہ دار میں ہوں، سنو! شب رومی کے معاملہ میں مجھ سے ڈرو، کیونکہ میرے پاس جو شب رو لایا جائے گا میں اس کا خون بہادوں گا اور میری طرف سے اسے سزا ملنے میں صرف اتنی مہلت ملے گی کہ مہر کو فہنچ کر یہاں واپس آ جائے اور دور جاہلیت کے نعروں کے تعلق سے مجھ سے بچو، جسے میں نے جاہلیت کے نعرے لگاتے ہوئے پکڑ لیا تو میں اس کی زبان کاٹ ڈالوں گا، تم نے بہت سی نئی باتیں ایجاد کی ہیں جو سابق میں نہیں تھیں اور ہم نے بھی ہر جرم کے لیے نئی سزائیں مقرر کی ہیں، جو کسی قوم کو غرق کرنے کی کوشش کرے گا ہم اسے ڈبو دیں گے، جو کسی قوم کو نذر آتش کرے گا ہم اسے آگ کی نذر کر دیں گے، جو کسی کے گھر میں نقب لگائے گا ہم اس کے دل میں نقب لگائیں گے، جو کسی کے لیے گڑھا کھودے گا ہم اسی کو اس میں زندہ دفن کر دیں گے، تم اپنے ہاتھوں اور زبانوں کو مجھ سے روکو، میں بھی اپنے ہاتھ اور زبان کو تم سے روکوں گا، عوام کے طریقہ کے خلاف کوئی شک واضطراب نظر نہ آنے پائے ورنہ میں اس کی گردن اڑا دوں گا، میرے اور کچھ لوگوں کے درمیان پرانی رنجشیں تھیں جنہیں میں نے دل سے نکال دیا ہے اور انہیں پیروں تلے روند دیا ہے، اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ تم میں سے کسی کو میرے بغض کی وجہ سے سل کی بیماری نے مار دیا ہے تو بھی میں اس کا پردہ چاک اور راز فاش نہ کروں گا تا آنکہ وہ علی الاعلان میرے مقابلہ پر نہ اتر آئے، اگر اس نے ایسا کیا تب میں اسے نہ چھوڑوں گا، اس لیے از سر نو اپنے کاموں کی ابتدا کرو اور مجھ سے اپنی جانیں بچالو، بہت سے غمزدہ ہماری آمد سے خوش ہو گئے اور بہت سے مسرور ہماری آمد سے مایوس ہو جائیں گے۔ لوگو! ہم تمہارے حکمران و پاسبان بن گئے ہیں، ہم تم پر اللہ کے اس اقتدار سے حکمرانی کریں گے جو اس نے ہمیں عطا کیا ہے اور تمہاری حفاظت اللہ کے اس مال سے کریں گے جس سے اس نے ہمیں نوازا ہے، تم پر ہمارا حق ہے کہ تم ہماری بات سنو اور ہماری مرضی کے مطابق ہماری اطاعت کرو اور ہم پر تمہارا یہ حق ہے کہ ہم اپنے دائرہ کار میں تمہارے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ کریں، لہذا ہماری خیر خواہی کے ذریعہ ہمارے عدل اور مال کے مستحق بن جاؤ اور اللہ کی قسم! تم میں سے بہت سے میرے ہاتھوں مرنے والے ہیں، تم میں سے ہر شخص کو ڈرنا چاہیے کہ کہیں وہ میرے ہاتھوں قتل نہ ہو جائے۔

## 8.7 لغوی تحقیق

غوی (باب ضرب) غیا	گمراہ ہونا
الغی	گمراہی
سفہاء	کم عقل، بے وقوف
حلیم ج حلما	دور اندیش، عقل مند

نبت ینبت نباتا (باب نصر)	اگنا، بڑھنا
تحاشی یتحاشی تحاشیا (باب تفاعل)	دور رہنا، بچنا
السرمدی	ابدی، دائمی
طرف یطرف طرفاعینہ (باب ضرب)	آنکھ میں کوئی چیز لگانا جس سے پانی نہ نکلے
سدّیسّد سدا (باب نصر)	بند کرنا
قہر یقہر قہرا (باب فتح)	مغلوب بنانا، مجبور کرنا
الحدث	بدعت، نئی چیز
سبق یسبق سبقا الی (باب ضرب)	آگے بڑھنا
سلب یسلب سلبا (باب نصر)	زبردستی چھیننا
أدلج یدلج إدلاجا (باب افعال)	پوری رات یا آخری حصہ میں چلنا
ناہج نُہاة	منع کرنے والا
غاوِج غواة	گمراہ، سرفروش
دلج	رات میں چلنا
اعتذر یعتذر اعتذارا (باب افتعال)	معذرت کرنا، مجبوری ظاہر کرنا
عذر ج أَعذار	بہانہ
غَضّ یغضّ غَضّا (باب نصر)	چشم پوشی کرنا، نگاہ پست کرنا
النکر	براکام
صنّیع	کام، بھلائی
انتھک ینتھک انتھاکا (باب افتعال)	بے عزتی کرنا، حرمت کو پامال کرنا
حرمة ج حرم	عزت، عظمت
أطرق الصید یطرق إطراقا (باب افعال)	جال لگانا، شکار کے لیے پھندا لگانا
کانس ج کوانس، کُنّس	ہرن جو اپنے پناہ گاہ میں داخل ہو، یہاں عورتیں مراد ہیں
مکنس ج مکانس	چھپنے کی جگہ
لین	نرمی
سوّی یسوّی تسوویة (باب تفعیل)	برابر کرنا



عنف یعنی عنفا بہ و علیہ (باب کرم)	سختی کرنا، تشدد کرنا
عنف	تشدد، سختی
ظاعن	کوچ کرنے والا
سقیم ج سقام	بیمار
ظعن یظعن ظعنا (باب فتح)	کوچ کرنا
بلقاء، بلق (باب سماع و کرم)	سیاہ و سفید داغوں والا ہونا، یہاں جھوٹ کو اس سے تشبیہ اس لیے دی گئی کہ جسم کا وہ حصہ جہاں کا رنگ سفید اور کالا ہوتا ہے وہ سارے جسم میں ممتاز نظر آتا ہے
بلق یبلق بلقا (باب سماع و کرم)	سیاہ و سفید داغوں والا ہونا
حلّ یحلّ حلا و حلالا (باب ضرب)	جائز ہونا، حلال ہونا
قناة ج قنوات	نیزہ یا نیزہ کی لکڑی
اغتمز یغتمز اغتمازا (باب افتعال)	طعنہ دینا
نقب ینقب نقبا (باب نصر)	نقب زنی کرنا
أجل یؤجل تأجیلا (باب تفعیل)	مؤخر کرنا، مہلت دینا
نبش ینبش نبشا (باب نصر)	ظاہر کرنا، کھود کر نکالنا
ریبة ج ریب	شک و تہمت
مدلج	رات میں چلنے والا
سفك یسفك سفکا (باب ضرب)	خون بہانا
عقوبة ج عقوبات	سزا
إحنة ج إحن	کینہ
السل	لاغری، سل کی بیماری
هتك الستریهتك هتکا (باب ضرب)	پردہ چاک کرنا
صفحة ج صفحات	چہرہ
استأنف یستأنف استئنافا (باب استفعال)	از سر نو کرنا
ابتئس یبتئس ابتئاسا (باب افتعال)	غم زدہ ہونا

مبتس	شمگین
سائنس ج ساسه	منتظم، سیاستداں
ذائد ج ذاده	دفاع کرنے والا
خول یخول تخویلا (باب تفعیل)	عطا کرنا
ولی یلی ولایه و ولایه الشیء و علیہ	والی ہونا، ذمہ دار ہونا

## 8.8 ادبی صنف کا تعارف

متن نثری اصناف ادب میں خطابت سے تعلق رکھتا ہے۔

### 8.8.1 متن سبق کا موضوع

بصرہ میں امن وامان قائم کرتے ہوئے وہاں سے شرفساد کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکنا اور اہل بصرہ کو اموی حکومت کا تابع بنانا، جرم کی مناسبت سے نئے قوانین کا اعلان۔

### 8.8.2 متن سبق کی توضیح و تشریح

اس خطبہ سے خطیب کا مقصد یہ ہے کہ وہ لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرے اور ان پر اثر انداز ہو کر انہیں ان احکامات پر عمل آوری کے لیے آمادہ کرے جنہیں وہ نافذ کرنا چاہتا ہے۔

اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں زیادہ بڑی حد تک کامیاب رہے کیونکہ انھوں نے اس تقریر میں فن خطابت کے تمام عناصر کا استعمال کیا، تقریر میں تمہید کے بعد وہ بتدریج آگے بڑھتے ہوئے اپنا مدعا پیش کرتے ہیں اور اپنی تقریر کو سمیٹ لیتے ہیں، و نیز وہ اپنی اس تقریر میں ان تمام شرائط کا پورا پورا پاس و لحاظ رکھتے ہیں جن کی رعایت خطابت میں از حد ضروری ہوتی ہے، جیسے اپنی بات کو پوری قوت اور صراحت کے ساتھ پیش کرنا، سامعین کو مطمئن کرنا اور سحر انگیز کلام کے ذریعہ ان کے خیالات پر چھا کر ان کو اپنا گرویدہ بنالینا اور اثر آفرینی کے ذریعہ ان کے دلوں کو موہ لینا، گفتگو اور لہجہ میں مقتضی حال کی رعایت رکھنا۔

تقریر کی بنیادی خوبی تمہید سے عیاں ہوتی ہے جس میں زیادہ دل کھل کر انتہائی مؤثر انداز میں اختصار کے ساتھ بصرہ کے ناگفتہ بہ حالات پر تبصرہ کیا، تمہیدی کلمات میں زیادہ ایک واعظ کی طرح نظر آتے ہیں جو سامعین کے دینی و اخلاقی جذبات و احساسات کی دکھتی ہوئی رگ پر انگلی رکھ کر انہیں جھنجھوڑتا ہے اور اس طرح وہ عوام کے دل و دماغ کو اپنی گرفت میں لے کر ایسے اعلانات کرتے ہیں جس کی سحر انگیزی کا انہیں بخوبی علم ہے اور وہ اس طرح پوری فضا کو ایک ایسے سازگار ماحول میں تبدیل کر دیتے ہیں جس میں وہ اپنے سامعین سے بآسانی جو چاہے منوا سکتے ہیں اور ان پر اپنے احکامات نافذ کر سکتے ہیں۔

اس تمہید کے بعد زیادہ کی لیاقت و صلاحیت کا بھرپور اظہار اس موقع پر ہوتا ہے جب وہ ان حالات کے سدھار اور ماحول کو پرامن رکھنے کی دعوت دیتے ہیں اور یہی اسی وقت ممکن ہے جب فرمانروا اپنی اختیارات کو بروئے کار لاتے ہوئے سخت قوانین کا نفاذ عمل میں لائے حالات کے قابو

میں آنے تک مارشل لاء نافذ کر دے اور جزا و سزا کا قانون مقرر کرے، لہذا زیادہ ہر جرم کی مناسبت سے اس کی سزا متعین کی اور اطاعت کے بدلے لوگوں کے مال و حقوق کی ضمانت لی اور اس طرح انھوں نے ماضی کو بھلا کر ایک نئی زندگی شروع کرنے کی راہ ہموار کی اور حاضرین کو یقین دلایا کہ بھلائی کرنے والے کو اس کی بھلائی کا بدلہ ملے گا اور مجرم کو اس کے کرتوتوں کی سزا ملے گی۔

### 8.8.3 متن کی خصوصیات

- زیادہ کی یہ تقریر مکمل طور پر خالص فکر پر مبنی ہے، مقرر نے تقریر کے دو شرطوں کی مکمل رعایت کی ہے
- (۱) تقریر شروع سے آخر تک صاف اور واضح ہے، معنی کے لحاظ سے کہیں کوئی جھول اور پیچیدگی نہیں ہے
- (۲) اس تقریر کو منطقی نہج پر مرتب کیا گیا ہے

مقرر نے ہر مسئلہ کو اس کے مناسب موقع پر پیش کیا ہے، فکری تسلسل، جملوں کا باہمی ربط، بات سے بات کا نکلنا اور ہر مسئلہ کا اس کے مناسب جگہ پر آنا، یہ سب وہ چیزیں ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ مقرر نے اس تقریر کو خاص منصوبہ بندی کے تحت مرتب کیا ہے، مزید برآں وہ اس ہنر سے بھی بخوبی واقف ہے کہ اپنے نظریات و افکار کو کیسے پیش کیا جائے اور اس کے ذریعہ لوگوں کی عقلوں سے کیسے مخاطب ہو اور ان کے دلوں کی گہرائی میں کیسے اتر جائے اور وہ اپنے سامعین کے لیے شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رکھتا، فساد و انتشار کے اسباب اور ان کا علاج، مشکلوں کا تذکرہ اور ان سے خلاصہ حاصل کرنے کی تدابیر وہ اس طرح پیش کرتا ہے کہ سامعین مطمئن ہو جاتے ہیں، انہیں مطمئن کرنے کے لیے کہ وہ دینی اور عقلی دلائل پیش کرتا ہے۔

اس تقریر کا آخری جملہ ”إن لی فیکم لصرعی کثیرة فلیحذر کل منکم أن یکون من صرعی“ مقتضی حال کے اعتبار سے اپنی انتہا کو پہنچا ہوا ہے کہ زیادہ کو یہ گمان گذرے کہ کہیں لوگ دوسری باتوں میں مشغول ہو کر زیادہ کی سختی اور شدت کو نہ بھلا بیٹھیں، اس لیے وہ اپنی تقریر کو اس انداز و تہدید پر ختم کرتا ہے تاکہ تقریر کے اختتامی کلمات لوگوں کے ذہن و دماغ میں نقش ہو جائیں اور وہ اس کی سختی سے بچنے کے لیے شر و فساد سے باز آجائیں۔

### 8.8.4 اسلوبی خصوصیات

بلاغت کی بہت سی خوبیوں کی حامل ہونے کی وجہ سے زیادہ کی یہ تقریر عربی ادب میں فن خطابت کی بہترین مثال سمجھی جاتی ہے، اس میں فن خطابت کی تمام خوبیاں یعنی موقع محل کے لحاظ سے حسین و جمیل اور موزوں الفاظ کا انتخاب، نپے تلے جملے، جذبات کی فراوانی، اسلوب بیان اور انداز خطابت کی انتہائی اثر اندازی، پوری آن بان سے پائی جاتی ہے، چنانچہ پوری تقریر خوبصورت اور موزوں جملوں کا ایسا حسین و جمیل ہار معلوم ہوتی ہے کہ جس کا ایک ایک موتی بڑا آبدار ہے اور اپنی جگہ الگ الگ ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے ایسا جڑا ہوا ہے کہ پورا ہار ایک ایسی لڑی لگتا ہے جس میں کہیں بھی ایک سوئی کے ناکہ کے برابر بھی خلا نہیں ہے، خیالات و جذبات کو پوری قوت اور فصاحت و بلاغت کے ساتھ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ نہ کہیں تعقید ہے نہ گجھک پن، چنانچہ موقع محل کے لحاظ سے کہیں پر ڈرانے دھمکانے کا انداز ہے تو کہیں پر منانے اور رجھانے کا، کہیں وعدہ و وعید ہے تو کہیں ایفاء عہد اور انعام و اکرام کی خوش خبری، کہیں آب رواں جیسا سبک پن تو کہیں آتش فشاں جیسا رستاخیز اور یہ سب موقع محل کے اعتبار

سے، کہیں سوال و جواب کے پیرائے میں تو کہیں تشریح و توضیح کے انداز سے، ہر موقع اور ہر انداز اپنی ادبی اور فنی خوبیوں کے ساتھ، اسی لیے ماہر نقاد اور مشہور ادیب شعبی نے کہا تھا کہ ”میں نے جب کبھی منبر پر کسی اچھے مقرر کو اچھی تقریر کرتے سنا تو اس خیال سے کہ اب کہیں غلطی نہ کر بیٹھے، ہمیشہ یہ خواہش کی کہ اب یہ چب ہو جائے تو بہتر رہے گا، سوائے زیادہ کے، کہ وہ جتنا زیادہ بولتا تھا اور جتنی دیر تک بولتا تھا، اتنا ہی اچھا، موثر اور دلکش انداز مخاطب اختیار کرتا تھا۔

بعض جگہ تقریر میں بغیر تکلف کی سجع اور موزون کلام استعمال کیا گیا ہے جیسے الجہالة الجہلاء، و الضلالة العمياء... لأهل طاعته، و أهل معصيته..... من غرق قوما غرقناه، و من أحرق قوما أحرقناه وغیرہ۔

کثرت سے تاکیدی اسلوب کو اختیار کیا گیا، قسم کے الفاظ، نون تاکید اور إن اور لام تاکید۔

(فإن الجہالة الجہلاء... إنی رأیت آخر هذا الأمر... و إنی أقسم بالله لاأخذن الولی بالمولی... و أیم الله! إن لی فیکم

لصرعی كثيرة)

تقریر میں زیادہ کی شخصیت اور اس زمانہ کے حالات کے اظہار:

اس خطبہ میں زیادہ کی قوی شخصیت، اس کی عقل مندی اور سختی، معاشرہ اور سماج کے متعلق اس کے وسیع اور گہرے معلومات، اس کی ذہانت اور لوگوں کی نفسیات کا گہرا علم اور اس کا سیاسی تجربہ اور ماحول کو سازگار بنانے اور لوگوں کو اپنا تابع بنانے کی صلاحیت و قابلیت کا مکمل اظہار ہے۔

ساتھ ہی اس وقت بصرہ کے حالات اور بنو امیہ کے زمانہ میں سیاسی اٹھل پھٹل اور فساد و انتشار کی سیاست سے سماج کا مختلف گروہوں میں

تقسیم ہونا اور فتنہ و فساد کے بازار کا گرم ہونا معلوم ہوتا ہے۔

## 8.9 متن سبق: خطبة الحجاج بن يوسف الثقفي:

يَا أَهْلَ الْعِرَاقِ! إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ اسْتَبَطَنَكُمْ فَحَالَطَ اللَّحْمَ وَالْدَّمَ، وَالْعَصَبَ وَالْمَسَامِعَ وَالْأَطْرَافَ وَالْأَعْضَاءَ وَالشَّعَافَ، ثُمَّ مَضَى إِلَى الْأُمَخَاخِ وَالْأَصْمَاحِ، ثُمَّ اذْتَفَعَ فَعَشَّشَ، ثُمَّ بَاصَ وَفَرَّخَ، فَحَشَاكُمْ نِفَاقًا وَشَفَاقًا، وَأَشْعَزَكُمْ خِلَافًا، قَدْ اتَّخَذْتُمُوهُ ذَلِيلًا تَتَّبِعُونَهُ، وَقَانِدًا تُطِيعُونَهُ، وَمُوَأَمِرًا تَسْتَشِيرُونَهُ. فَكَيْفَ تَنْفَعُكُمْ تَجْرِبَتُهُ، أَوْ تَعْظُمُ وَفَعَتُهُ، أَوْ يَخْجُزُكُمْ إِسْلَامُ، أَوْ يَنْفَعُكُمْ بَيَانُ؟ أَلَسْتُمْ أَصْحَابِي بِالْأَهْوَا، حَيْثُ زَمْتُمْ الْمَكْرَ، وَسَعَيْتُمْ بِالْعُدْرِ، وَاسْتَجْمَعْتُمْ لِلْكَفْرِ، وَظَنَنْتُمْ أَنَّ اللَّهَ يَحْدِلُ دِينَهُ وَخِلَافَتَهُ؟ وَأَنَا أَرْمِيكُمْ بِطَرْفِي وَأَنْتُمْ تَتَسَلَّلُونَ لَوْ أَدَا، وَتَنْهَزُونَ سِرَاعًا.

وَيَوْمَ الزَّوَايَةِ! وَمَا يَوْمُ الزَّوَايَةِ؟ بِهَا كَانَ فَشْلُكُمْ وَتَنَازُعُكُمْ وَبِرَاءَةُ اللَّهِ مِنْكُمْ، وَنُكُوضُ وَلِيَّتِهِ عَنْكُمْ، إِذْ وَلَّيْتُمْ كَالِإِبِلِ الشَّوَارِدِ إِلَى أَوْطَانِهَا، النَّوَازِعِ إِلَى أَغْطَانِهَا، لَا يَسْأَلُ الْمَرْءُ مِنْكُمْ عَنْ أَحَبِّهِ، وَلَا يَلْوِي الشَّيْخُ عَلَى بَنِيهِ حَتَّى عَضَّكُمْ السِّلَاحَ وَقَصَمْتُكُمْ الزِّمَامَ.

وَيَوْمَ دَيْرِ الْجَمَاجِمِ! وَمَا يَوْمُ دَيْرِ الْجَمَاجِمِ؟ بِهَا كَانَتْ الْمَعَارِكَ وَالْمَلَا حِمٌّ بِضَرْبِ يُزْبِلُ الْهَامَ عَنْ مَقِيلِهِ، وَيَذْهَبُ الْخَلِيلَ عَنْ خَلِيلِهِ.

يَا أَهْلَ الْعِرَاقِ! أَهْلَ الْكَفَرَاتِ بَعْدَ الْفَجَرَاتِ، وَالْعُدَرَاتِ بَعْدَ الْحَضَرَاتِ، وَالثَّوْرَةِ بَعْدَ النَّزَوَاتِ! إِنَّ أَبْعَثَكُمْ إِلَيَّ تُغَوِّرُكُمْ

غَلَلْتُمْ وَخُنْتُمْ، وَإِنْ أَمِنْتُمْ أَرْجَفْتُمْ، وَإِنْ خِفْتُمْ نَافَقْتُمْ، لَا تَذْكُرُونَ حَسَنَةً، وَلَا تَشْكُرُونَ نِعْمَةً، هَلْ اسْتَحَقَّكُمْ نَاكِثٌ، وَاسْتَغُواكُمْ غَاوٍ، أَوْ اسْتَفْزَرَكُم عَاصٍ، أَوْ اسْتَنْصَرَ كُمْ ظَالِمٌ، أَوْ اسْتَعْصَدَكُم خَالِعٌ إِلَّا وَتَقَشُّمُوهُ وَأَوْيْتُمُوهُ وَنَصَرْتُمُوهُ وَرَضِيْتُمُوهُ؟  
يَا أَهْلَ الْعِرَاقِ! هَلْ شَغَبَ شَاغِبٌ، أَوْ نَعَبَ نَاعِبٌ، إِلَّا كُنْتُمْ أَتْبَاعُهُ وَأَنْصَارُهُ؟ أَلَمْ تَنْهَكُمُ الْمَوَاعِظَ؟ أَلَمْ تَزُجُّكُمْ الْوَقَائِعَ؟ ثُمَّ  
الْتَفَتَ إِلَى أَهْلِ الشَّامِ فَقَالَ:  
يَا أَهْلَ الشَّامِ! إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ كَالظَّلِيمِ الذَّابِّ عَنْ فَرَاخِهِ يَنْفِي عَنْهَا الْمَدْرَ، وَيَبَاعِدُ عَنْهَا الْحَجَرَ، وَيَكْتُمُهَا مِنَ الْمَطَرِ، وَيَحْمِيهَا  
مِنَ الصَّبَابِ، وَيَحْرِسُهَا مِنَ الدَّيَّابِ.  
يَا أَهْلَ الشَّامِ! أَنْتُمْ الْجَنَّةُ وَالزَّدَاءُ، وَأَنْتُمْ الْعِدَّةُ وَالْغِطَاءُ.

## 8.10 صاحب سبق کا تعارف

### 8.10.1 پیدائش اور حالات زندگی

ابو محمد حجاج بن یوسف ثقفی ۴۱ھ میں پیدا ہوا، اس نے گمنامی اور ناداری کی حالت میں پرورش پائی، اس نے بچپن میں اپنے باپ کے ساتھ رہ کر طائف میں تعلیم حاصل کی لیکن اس کے شوق سے بھرپور اور عالی ہمت نفس نے اسے پستی کا احساس نہیں ہونے دیا، اس کی ہوشیاری اور فراست کو دیکھ کر عبدالملک بن مروان کے مددگار روح بن زباع نے اسے اپنی فوج میں بھرتی کر لیا، جب خلیفہ نے لشکر میں بد نظمی دیکھی تو روح بن زباع سے اس کا ذکر کیا تو اس نے حجاج کا نام بتایا، لہذا اس نے حجاج کو فوج کا افسر بنادیا تو حجاج نے اس کو منظم کیا اور دوبارہ اطاعت پر مجبور کر دیا، پھر جب اس نے عبداللہ بن زبیر کے خلاف لشکر کی قیادت کی تو اس کی شہرت بہت پھیل گئی اس نے عبداللہ بن زبیر کو شہید کرنے کے لیے مکہ کا محاصرہ کیا، پھر انہیں شہید کر کے ان کی حکومت کا خاتمہ کر دیا، اس واقعہ سے اس کی صلاحیت مسلم ہو گئی اور عبدالملک کے دل میں اس کا احترام دو چند ہو گیا، ان دنوں عراق فتنوں کا مرکز بنا ہوا تھا اور خوارج کی بغاوت کی آگ سلگ رہی تھی تو عبدالملک نے اسے عراق کا گورنر بنادیا، حجاج اہل عراق کے ساتھ نہایت سختی سے پیش آیا تا آنکہ ان کی گردنوں کو جھکا دیا اور ان کی فتنہ انگیزیوں کو دبا دیا، بالآخر انہیں ایک جماعت کے دائرہ میں اس طرح لے آیا کہ ان کی لاشوں کو ٹھکراتا تھا اور ان کے خون میں غوطے لگاتا تھا اور کسی میں اسے روکنے کی جرأت نہیں تھی، پھر وہ باقی عمر عراق میں ہی رہا، اس نے عبدالملک اور اس کے بیٹے کے لیے عراق میں ستون کا کام دیا، وہ اس کو منظم کرتا اور پھیلاتا رہا حتیٰ کہ اس نے شام اور چین کے درمیانی علاقے سر کر لیے تھے اور وہ ۹۵ھ کو واسطہ شہر میں فوت ہوا۔

### 8.10.2 حجاج کے اخلاق اور خداداد صلاحیتیں

حجاج سرداری اور اقتدار کا حریص تھا، اس کے حصول کے لیے اس نے ظلم و تشدد کا سہارا لیا اور فصاحت و بلاغت اور قوت بیانی کو آلہ کار بنایا، اللہ تعالیٰ نے اسے زور بیان اور قوت ارادی کا وافر سرمایہ عطا کیا تھا، بالآخر اسے مضبوط حکومت اور مکمل فرمانروائی مل گئی، ایک دن عبدالملک نے اسے کہا کہ ہر انسان اپنی خامیوں کو اچھی طرح پہچانتا ہے، تم بھی آج بلا کم و کاست اپنے عیوب اور نقائص کا اظہار کرو، اس نے کہا "میں بڑا ضعیف ہوں، جھگڑالو، کینہ ور اور حاسد ہوں" تو جب کسی حکمران میں یہ اوصاف پائے جائیں تو وہ اختیار ملنے پر فصل اور نسل کو تباہ و

برباد کر دیتا ہے الایہ کہ لوگ اس کے سامنے جھک جائیں اور فرمانبرداری اختیار کر لیں، وہ فصیح اللسان اور قوی دلائل کا مالک تھا، اس کے ہم عصروں میں کوئی بھی اس کا ہم پلہ نہ تھا۔

مالک بن دینار کہا کرتے تھے میں نے حجاج سے زیادہ اثر انگیز اور خوش بیان کسی کو نہیں دیکھا، وہ جب منبر پر کھڑا ہو کر اہل عراق کے ساتھ اپنے احسانات شمار کرتا، اپنے حسن سلوک اور ان کے اس سے برے برتاؤ کا ذکر کرتا تو میں حجاج کو سچا اور لوگوں کو جھوٹا سمجھتا، حالانکہ اس نے ان کے ایک لاکھ بیس ہزار افراد کو قید میں بند کر کے قتل کیا اور جب وہ فوت ہوا تو پچاس ہزار مرد اور تیس ہزار عورتیں اس کے قید خانہ میں بند تھیں۔

## 8.11 متن کا ترجمہ

اے اہل عراق! شیطان تمہارے اندر داخل ہو گیا ہے، وہ تمہارے گوشت و خون، تمہارے پٹھوں، کانوں، آنکھوں، اعضا اور دل میں پیوست ہو گیا ہے، پھر وہ دماغ اور کان کے سوراخوں تک جا پہنچا، پھر وہ آگے بڑھا اور اس نے آشیانہ بنالیا، پھر اس نے انڈے دیے اور بچی پیدا کیے اور تمہیں منافقت و مخالفت سے بھر دیا اور حکم عدولی کرنا سکھا دیا، تم نے اسے ایسا رہ نما بنالیا جس کی تم پیروی کرتے ہو اور ایسا قائد بنالیا جس کی تم اطاعت کرتی ہو اور ایسا مشیر بنالیا جس سے تم مشورہ لیتے ہو، تو پھر کیونکر تمہیں کوئی تجربہ فائدہ دے گا یا کوئی واقعہ تمہیں نیکی کی ترغیب دے گا؟ یا پھر اسلام تمہیں کیسے روکے گا یا کوئی بیان تمہیں کیسے نفع دے گا؟ کیا تم میرے اہواز کے ساتھی نہیں ہو؟ جہاں تم نے مکر کا ارادہ کیا، بے وفائی کی کوشش کی اور کفر پر جمع ہو گئے اور تم نے یہ سوچ لیا تھا کہ اللہ اپنے دین و خلافت کو بے یار و مددگار چھوڑ دے گا، میں تمہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا جب تم مجمع سے آہستہ سے کھسک رہے تھے اور تیزی سے شکست کھا رہے تھے۔

اور زادیہ کا دن، کیا تمہیں معلوم ہے کہ زادیہ کا دن کیسا تھا؟ جس دن تمہاری بزدلی اور آپس کی خصامت ظاہر ہوئی اور تم سے اللہ کی براءت اور اس کے ولی الامر کا برگشتہ ہونا اس وقت ثابت ہوا جب تم پیٹھ پھیر کر اس طرح بھاگے جس طرح بد کے ہوئے اونٹ اپنے پناہ گاہوں کی طرف اور پردیسی اپنے وطن کی طرف بھاگتے ہیں، تم میں سے کوئی نہ اپنے بھائی کو پوچھ رہا تھا اور نہ کوئی بوڑھا اپنے بیٹوں کی طرف دھیان دے رہا تھا، یہاں تک کہ تمہیں ہتھیار نے کاٹ کھایا اور نیزوں نے تمہیں ہلاک کر دیا۔

اور دیر جمائم کا دن، دیر جمائم کا دن کیا ہے؟ جہاں خون ریز معرکے اور گھمسان کی لڑائیاں ایسی تلوار بازی کے ساتھ ہوئیں جس نے کھوپڑی کو اس کی جگہ سے الگ کر دیا اور دوست کو اپنے دوست سے غافل کر دیا۔

اے اہل عراق! ناشکروں، غداروں اور شورش پسندوں! اگر میں تمہیں سرحدوں پر بھیجوں تو تم چوری اور خیانت کرو گے اور اگر تم پر امن ہو تو لوگوں کو بھڑکانے کے لیے افواہیں پھیلاؤ گے اور اگر تمہیں خطرہ لاحق ہو تو تم منافقت کرو گے، تم نہ کسی اچھائی کو یاد رکھتے ہو اور نہ ہی کسی نعمت پر شکر بجا لاتے ہو، جب کبھی کسی عہد شکن نے تمہیں سیدھے راستے سے نہیں ہٹایا اور دھوکہ باز نے تمہیں گمراہ نہیں کیا یا پھر کسی سرکش نے تمہیں متحرک نہیں کیا یا کسی ظالم نے تم سے مدد نہیں چاہی یا کسی بیعت توڑنے والے نے تم سے قوت طلب نہیں کی مگر تم نے اس پر اعتماد کیا اور اس کو پناہ دی اور اس کی مدد کی اور اسے پسند کیا۔

اے اہل عراق! کسی شورش پسند نے شورش برپا نہیں کی یا کوئے کی طرح کانیں کانیں کرنے والے نے آواز نہیں اٹھائی مگر تم اس کے پیروکار اور دست و بازو بن گئے، کیا نصیحتوں نے تمہیں نہیں روکا؟ کیا تمہیں واقعات سے عبرت حاصل نہیں ہوئی؟ پھر اہل شام کی طرف متوجہ ہوا اور کہا:

اے اہل شام! میں تمہارے لیے اس شتر مرغ کے مانند ہوں جو اپنے چوزوں کی حفاظت کرتا ہے اور ان سے ڈھیلے روکتا اور پتھر دور کرتا ہے، انہیں بارش سے محفوظ رکھتا ہے اور کہر سے ان کی حفاظت کرتا ہے اور بھیڑیوں سے بچاتا ہے، اے اہل شام! تم ڈھال اور تلوار ہو، تم ساز و سامان اور پردہ ہو۔

## 8.12 لغوی تحقیق

استبطن یستبطن استبطانا (باب استفعال)	اندر داخل ہونا
خالط یخالط مخالطة و خلاطا (باب مفاعله)	گھل مل جانا
عصب ج أعصاب	پٹھا
مسمع ج مسماع	کان
طرف ج أطراف	آنکھ
شغاف ج أشغفة و شغف	دل کا غلاف
منخ ج أمخاخ	دماغ (ہڈی کا گودا)
صماخ، أصماخ	کان کا اندرونی حصہ، کان کا سوراخ
عشش یعشش تعشيشا (باب تفعیل)	گھونسلہ بنانا، آشیا نہ بنانا
فرخ الطائر یفرخ تفریخا (باب تفعیل)	پرندہ کا بچہ نکالنا
حشایحشو حشوا (باب نصر)	بھرنا
شقاق	اختلاف، جھگڑا
أشعر یشعر إشعارا (باب إفعال)	بتانا، خبر دینا، اطلاع دینا، احساس دلانا
أمر یؤامر مؤامرة (باب مفاعلة)	مشورہ کرنا
حجز یحجز حجزا (باب نصر و ضرب)	روکنا
أهواز	بصرہ کے قریب ایک جگہ کا نام
استجمع له الأمر یستجمع استجماعا (باب استفعال)	منشا کے مطابق ہونا
خذل یخذل خذلا (باب نصر)	بے یار و مددگار چھوڑنا
تسلل یتسلل تسللا (باب تفعیل)	بھیڑ میں سے چپکے سے کھسک جانا

یوم الزاویة	ایک مقام کا نام جہاں پر حجاج اور ابن الاشعث کے درمیان جنگ ہوئی
تنازع	اختلاف
نکص ینکص نکصا و نکوصا عن الأمر (باب نصر و رک جانا)	
ضرب)	
شاردج شوارد	فرار ہونے والے
نازعة ج نوازع، نزع (باب فتح) نزاعا و نزو عا الی اہله	مشتاق ہونا
عطن ج أعطان	اونٹ کے بیٹھنے کی جگہ
لوی علی، یلوی لیا (باب ضرب)	مڑنا
عضّ یعضّ عضّا (باب سمع)	دانت سے پکڑنا
قصم یقصم قصما (باب ضرب)	توڑنا، ہلاک کرنا
دیر الجماجم	ایک مقام کا نام جہاں پر حجاج اور عبدالرحمن ابن الاشعث کے فوجوں کے درمیان جنگ ہوئی
ملحمة ج ملاحم	جنگ
معركة ج معارک	میدان جنگ
هامة ج هام	کھوپڑی
مقیل	جگہ
الخترات	بدعہدیاں
ثورة ج ثورات	بغاوت، انقلاب
ثغر ج ثغور	سرحد، وہ جگہ جہاں سے دشمن کے حملہ آور ہونے کا خطرہ ہو
أرجف یرجف إرجافا (باب إفعال)	لوگوں کو بھڑکانے کے لیے بری خبریں پھیلانا
استخف یستخف استخفا (باب استفعال)	جاہل سمجھنا، حق و صواب سے ہٹانا
نکت ینکت نکثا (باب نصر)	عہد توڑنا
استغوی یستغوی استغواء (باب استفعال)	گمراہ کرنا
غاو	دھوکہ باز
استغزی یستغزی استغزا (باب استفعال)	مضطرب کرنا، ابھارنا
استعضد یستعضد استعضادا (باب استفعال)	مدد طلب کرنا
شغب یشغب شغبا (باب فتح)	فساد برپا کرنا، شرارت کرنا



نعب ینعب نعبا و نعبیا (باب ففتح و ضرب) کوئے کا کائیں کائیں کرنا

وقیعة ج و قائع

جنگ

ظلم ج ظلمان و ظلمان و اظلمة

نر شتر مرغ

فرخ ج افراخ

پرندہ کے بچے

المدر

گارا

اَکَن یکن اَکنا (باب افعال)

گھر میں چھپانا اور دھوپ سے بچانا

ضباب

گواہ

جُنة ج جنن

ڈھال

عُدّة ج عدد

تیار

عطاء ج اُعطیة

پردہ

### 8.13 ادبی صنف کا تعارف

نثری اصناف ادب میں متن کا تعلق خطابت سے ہے

#### 8.13.1 متن سبق کا موضوع

غم و غصہ کا اظہار، اہل عراق کی غداری اور خیانت، ان کے مکروفریب کا بیان، اہل شام کی وفاداری اور ان سے ہمدردی اور ان کے دفاع کی ضمانت و یقین دہانی

#### 8.13.2 متن سبق کی توضیح و تشریح

اہل عراق سے جنگ ختم ہونے کے بعد یہ تقریر کی گئی ہے، مقرر کا مقصد اہل عراق کی سرکشی، خیانت اور ان کی بے راہ روی اور حکومت وقت سے ان کی بغاوت کی مذمت بیان کرنا تھا، اپنے کو محسن اور انہیں غدار قرار دینا تھا، یہ بتانا مقصود تھا کہ حکومت کی بار بار نوازشوں اور عنایتوں کے باوجود اہل عراق کا شیوہ مسلسل سرکشی و فتنہ پردازی رہا ہے۔

تمہیداً حجاج اہل عراق کی خیانت کا یوں اظہار کرتا ہے کہ اے اہل عراق! شیطان نے تمہارے اندر گھر بنا لیا ہے اور وہ مسلسل اپنی نسل کو تم میں بڑھا رہا ہے، جس کی وجہ سے نفاق و شقاق تمہاری فطرت بن گئی ہے، اب تم سے خیر کی کیا امید کی جاسکتی ہے کہ تم نے تو شیطان کو ہی اپنا راہنما و مشیر بنا لیا ہے، تم نے ہر جگہ مکروفریب سے کام لیا اور مسلسل بغاوت و غداری کرتے رہے۔

دوسرے فقرے میں جنگ زاویہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جنگ میں تم ایسے پیٹھ پھیر کر بھاگے ہو جیسے بد کے ہوئے اونٹ بھاگتے ہیں، بوکھلا ہٹ اور پریشانی کا یہ عالم تھا کہ کسی کو کچھ سمجھائی نہیں دے رہا تھا، جو بدھرتھا ادھر بھاگ نکلا۔

پھر وہ دیر جماع کی جنگ کا تذکرہ کرتا ہے جہاں پر اہل عراق کو کھلی ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تھا، اس کے بعد وہ اہل عراق کی شورش پسندی اور

ریشہ دوانیوں کا ذکر کرتا ہے کہ تمہیں اگر امن حاصل ہو تو جھوٹی افواہیں پھیلا کر فتنہ کی آگ بھڑکاتے ہو، اگر تمہیں جنگ میں مشغول کیا جائے تو مال غنیمت میں خیانت کرتے ہو، اگر جان پر بن آئی تو دورخی پالیسی اختیار کرتے ہو، جہاں کہیں سے تمہیں بغاوت و غداری کا موقع ملتا ہے تم اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

تقریر کے اختتام میں اہل شام کی وفاداری اور ان کی حمایت و تائید کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے آپ کو ان کا حامی و ناصر اور انہیں اپنا سرمایہ اور سہارا قرار دیتا ہے۔

پوری تقریر میں اہل عراق کی مذمت بیان کی گئی ہے جو کہ موقع کے لحاظ سے مناسبت رکھتی ہے۔

### 8.13.3 متن کی خصوصیات

خطبہ کے اجزا آپس میں مربوط ہیں اور موضوع میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ اپنے غم و غصہ کے اظہار کے لیے اور اہل عراق کی خباثت ظاہر کرنے کے لیے ایسا الفاظ کا انتخاب کیا گیا ہے جو حجاج کے مقصد کو ہر طرح نمایاں کرتے ہیں۔

تقریر کی ابتدا سے انتہا تک اہل عراق کی مذمت، ان کا مکرو فریب، ان کی سرکشی و بغاوت، ان خیانت و غداری کو بیان کیا گیا ہے۔ اہل شام کی وفاداری و ہمنوائی اور ان کے ساتھ خلوص و ہمدردی کا اظہار کیا گیا ہے۔

### 8.13.4 اسلوبی خصوصیات

حجاج کی یہ تقریر صرف اس کے غم و غصہ کا اظہار ہی نہیں بلکہ اس کی فصاحت و بلاغت، اس کی زبان دانی، اس کی خطابت، اس کے طریق استدلال، اس کے قائل کرنے کے ڈھنگ، اپنی بات کو سب سے افضل، واجب التعظیم، واجب العمل قرار دینے، اپنی مجبوری و معذوری اور معصومیت بیان کر کے اپنی سختی، وحشت اور بربریت کو عراقیوں کے اعمال و افعال، ان کی سیاست، ان کی زندگی اور طرز فکر و نظر کا نتیجہ بتانے اور اس پر دنیا کو قائل کرنے کی بہترین مثال ہے۔

اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنے کے لیے وہ زیادتی طرح موقع محل کے لحاظ سے گرمی محفل پیدا کرنے کے لیے سجع کا سہارا بھی لیتا ہے لیکن زیادہ کے برخلاف اس کی کوشش کرتا ہے کہ الفاظ جہاں تک ممکن ہو بھاری بھر کم ہونے کے ساتھ خوبصورت بھی ہوں، ثقیل متروک بھونڈے یا بھدے نہ ہوں، پھر انہیں اس طرح اپنی تقریر میں جوڑتا ہے کہ کبھی کبھی بہت ثقیل الفاظ بھی جملوں کی ترکیب میں برے نہیں لگتے ہیں۔

تشبیہ کی اہمیت اور معنی مقصود تک پہنچنے میں تشبیہ کی تاثیر کی وجہ سے حجاج کے خطبوں میں تشبیہ کا استعمال کثرت سے پایا جاتا ہے، مذکورہ خطبہ تشبیہ مفصل، تشبیہ بلیغ، استعارہ اور کنایہ وغیرہ پر مشتمل ہے:

تشبیہ مفصل:

(إِذَا وَلَيْتُمْ كَالْإِبِلِ الشُّوَارِدِ إِلَى أَوْطَانِهَا)

اہل عراق کی مذمت کے ضمن میں یہ تشبیہ لائی گئی ہے، حجاج نے اس تشبیہ میں اہل عراق کے جنگ دیر جہاں میں موت سے ڈر کر بھاگنے کو

بد کے ہوئے اونٹوں کے اپنے مقامات کی طرف بھاگنے سے تشبیہ دی ہے، اس تشبیہ میں تمام ارکان تشبیہ موجود ہیں، اہل العراق مشبہ (مشبہ وہ ہے جس کو تشبیہ دی جائے) الإبل الشوارد مشبہ بہ (مشبہ بہ وہ ہے جس سے تشبیہ دی جائے) وجہ شبہ (وہ وصف جو مشبہ اور مشبہ بہ میں مشترک ہوتا ہے) موت کے خوف سے راہ فرار اختیار کرنا، حرف تشبیہ (وہ حرف جس کو تشبیہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے) کاف ہے۔ لہذا یہ تشبیہ مفصل ہے۔

(یا اهل الشام إنما أنا لكم كالظليم الذاب عن فراخه) جہاں حجاج نے سابقہ تشبیہ سے اہل عراق کی مذمت بیان کی وہیں اس تشبیہ کے ذریعہ اس کا مقصد اہل شام کی مدح اور ان کی حفاظت و حمایت میں اپنی حدود درجہ کوششوں کو بیان کرنا ہے، اہل شام کو لاحق خطرات کے دفاع میں حجاج نے اپنے آپ کو اس زرخیز مرغ سے تشبیہ دی جو اپنے بچوں کی ہر خطرہ سے حفاظت کرتا ہے، اس تشبیہ میں سارے ارکان تشبیہ پائے جاتے ہیں، مشبہ: أنا (یعنی حجاج بن یوسف ثقفی)، مشبہ بہ: الظلیم، وجہ شبہ: الذب (یعنی حفاظت کرنا)، حرف تشبیہ: کاف۔

اس تشبیہ کے ذریعہ حجاج اہل شام کو مطمئن کرنا چاہتا ہے کہ میری ہمدردی اور غم خواری کے تم ہی مستحق ہو۔

تشبیہ مفصل کی تعریف: تشبیہ مفصل وہ تشبیہ ہے جس میں حرف تشبیہ اور وجہ شبہ کا تذکرہ ہو۔

اس خطبہ میں تشبیہ بلیغ کے نمونے بھی پائے جاتے ہیں، جیسے (أنتم الجنة و الرداء) اس جملہ میں اہل شام کو ڈھال اور مددگار کہا گیا ہے، حرف تشبیہ اور وجہ شبہ کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔

(و أنتم العدة و الغطاء)، اس جملہ میں بھی اہل شام کو محافظ اور سرمایہ قرار دیا گیا ہے، حرف تشبیہ اور وجہ شبہ کو حذف کر دیا گیا۔

تشبیہ بلیغ کی تعریف: تشبیہ بلیغ وہ تشبیہ ہے جس میں حرف تشبیہ اور وجہ شبہ کا ذکر نہ ہو۔

اس خطبہ میں استعارہ مکنیہ کی بھی بکثرت مثالیں ملتی ہیں جیسے وہ کہتا ہے (فكيف تنفعكم تجربة أو تعظكم وقعة) خطیب نے دیر جماعہ کے واقعہ کو وعظ و نصیحت کرنے والے واعظ سے تشبیہ دی جو اہل عراق کو وعظ و نصیحت کر رہا ہے، واعظ جو مشبہ بہ ہے اس کو حذف کر دیا گیا اور اس کی طرف اشارہ کرنے والے لوازمات میں سے ایک لازمہ کا ذکر کیا گیا اور وہ ”تعظکم“ ہے، کیونکہ وعظ و نصیحت واعظ کی خصوصیات میں سے ہے۔

(أو يحجزكم إسلام) اس جملہ میں اسلام کو حارِ جزمادی سے تشبیہ دی گئی جس کا کام روکنا ہوتا ہے، پھر مشبہ بہ (حارِ جزمادی) کو حذف کر دیا گیا اور اس کی طرف اشارہ کرنے والے لوازمات میں سے ایک لازمہ کا ذکر کیا گیا اور وہ لفظ ”يحجزكم“ ہے، لہذا یہ استعارہ مکنیہ ہے۔

(حتى عضكم السلاح) اس جملہ میں سلاح کو حیوان مفترس سے تشبیہ دی گئی، پھر مشبہ بہ (حیوان مفترس) کو حذف کر دیا گیا اور اس کی طرف اشارہ کرنے والے لوازمات میں سے ایک لازمہ کا ذکر کیا گیا اور وہ ”عضکم“ ہے، لہذا یہ بھی استعارہ مکنیہ ہوا۔

(ألم تنهكم المواعظ) اس مثال میں مقرر نے مواعظ کو واعظ سے تشبیہ دی جو وعظ و نصیحت کا فریضہ انجام دیتا ہے، پھر مشبہ بہ (واعظ) کو حذف کر دیا گیا اور اس کی طرف اشارہ کرنے والے لوازمات میں سے ایک لازمہ کا ذکر کیا گیا اور وہ لفظ ”مواعظ“ ہے، کیونکہ وعظ و نصیحت کرنا واعظ کا خاصہ ہے، لہذا یہ بھی استعارہ مکنیہ ٹھہرا۔

واعظ کا خاصہ ہے، لہذا یہ بھی استعارہ مکنیہ ٹھہرا۔

استعارہ :

استعارہ مجاز لغوی میں سے ہے، یہ ایسی تشبیہ ہے جس میں طرفین تشبیہ (مشبہ، مشبہ بہ) میں سے کسی ایک کو حذف کر دیا گیا ہو اور اس کا تعلق

ہمیشہ مشابہت سے ہوتا ہے۔

استعارہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) استعارہ تصریحیہ (۲) استعارہ مکنیہ

استعارہ تصریحیہ: وہ ہے جس میں مشبہ بہ کو صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہو۔

استعارہ مکنیہ: وہ استعارہ ہے جس میں مشبہ بہ کو حذف کر دیا گیا ہو اور مشبہ بہ کے لوازم میں سے کسی لازم کے ذریعہ مشبہ بہ کی طرف اشارہ

کر دیا گیا ہو۔

متن میں کنایہ کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ جیسے

(حيث رمتهم المکر) اس تعبیر سے خطیب کا مقصد یہ ہے کہ وہ اہل عراق کو خبیث و غدار و دھوکہ باز قرار دینا چاہتا ہے، اسی وجہ سے یہ کنایہ

عن الصفۃ ہے اور وہ خبیث کی صفت ہے۔

(ويذهل الخليل عن خليله) یہ دہشت زدہ ہونے سے کنایہ ہے، اس میں وہ دیر جماع کے معرکہ کا (جو کہ عظیم ترین واقعہ شمار کیا جاتا ہے

جس میں زبردست قتل و غارتگری اور خون ریزی اور بے شمار قتل ہوئے) وصف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ واقعہ اتنا دہشت ناک تھا کہ اس نے ہر

ایک کو دوسرے سے غافل کر دیا، یہ بھی کنایہ عن الصفۃ ہے اور وہ صفت انبھارا اور دہشت ہے۔

کنایہ کی تعریف: کنایہ ایسا لفظ ہے جس کو بول کر اس کا لازمی معنی مراد لیا جائے، جب کہ اس کا اصلی معنی مراد لینا بھی جائز ہو مکنی عنہ کے اعتبار

سے کنایہ کی تین قسمیں ہیں، اس لیے کہ مکنی عنہ کبھی صفت ہوتی ہے، کبھی موصوف اور کبھی نسبت ہوتی ہے، اول کو کنایہ عن الصفۃ، ثانی کو کنایہ عن

الموصوف اور ثالث کو کنایہ عن النسبہ کہتے ہیں۔

اس تقریر سے جہاں حجاج کی فصاحت و بلاغت اور اس کے زور بیان کا پتہ چلتا ہے وہیں اس کے اور ابن الاشعث کے درمیان ہونے والی

جنگوں، اہل عراق کے حالات، ان کے انتشار اور حکومت وقت کے ساتھ ان کے رویہ کا بھی علم ہوتا ہے۔

## 8.14 اکتسابی نتائج

سن 45 ہجری کی بات ہے کہ بصرہ کے گورنر ابن عامر تھے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے متعین تھے، وہ انتہائی نرم مزاج تھے

جس کی وجہ سے مجرمین اور سرغنہ حکومت کی گرفت سے آزاد تھے، جس کے نتیجہ میں بصرہ میں فسق و فجور کا بازار گرم ہو گیا تھا، اسی دوران صحابی رسول

عبداللہ بن ابی اوفی کی حضرت امیر معاویہ سے ملاقات ہوئی، تو انھوں نے ان سے لوگوں کا حال چال پوچھا تو آپ نے عرض کیا کہ جہاں تک بصرہ کی

بات ہے تو وہاں شرپسندوں کا راج ہے اور اس کا گورنر کمزور ہے، اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے گورنر بصرہ ابن عامر کو برطرف کر دیا اور ان کی

جگہ حارث بن عبداللہ الازدی کو گورنر مقرر کیا، اسی سال چند مہینوں بعد ان کو برطرف کر کے ان کی جگہ زیاد بن ابیہ کا تقرر فرمایا، جب زیاد بصرہ آئے تو

انھوں نے دیکھا کہ بصرہ شرپسندوں کا مرکز بنا ہوا ہے، جرائم کی روک تھام اور حکومت کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے لیے فوری اثر کے ساتھ سخت

قوانین کا نفاذ ضروری ہو گیا تھا، لہذا زیاد بن ابیہ نے گورنری کا عہدہ سنبھالتے ہی ایک مبلغ خطبہ دیا جو بیک وقت زبردستی، ترغیب و تشویق اور

نئے حاکم کے عزائم اور جرائم پر اس کی سخت گرفت کا آئینہ دار تھا، اس خطبہ میں زیاد نے لوگوں کی گمراہی، جہالت و سرکشی کا تذکرہ کرتے ہوئے انہیں

نیکوں کی ترغیب دی اور گناہوں سے باز رہنے کی تلقین کی اور فرمانبرداروں کے لیے اللہ نے آخرت میں جو اجر و ثواب رکھا ہے اور نافرمانوں کے لیے جو عیدیں قرآن میں ذکر کی گئی ہیں ان کی یاد دہانی کرائی، انہیں احساس دلایا کہ وہ اسلاف کے طریقوں کو چھوڑ چکے ہیں اور انھوں نے اپنے لیے ایک نئی راہ نکالی ہے جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، جیسے کمزور کو بے یار و مددگار چھوڑ دینا اور عورتوں کو دن دھاڑے لوٹ لینا اور فحاشی کے اڈے قائم کر لینا وغیرہ، ان جرائم کے تذکرہ کے بعد وہ لوگوں کو دھمکاتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ میں ان برائیوں کے خاتمہ کے لیے ایسی نرمی اپناؤں گا جس میں کمزوری کا کوئی شائبہ نہیں ہوگا اور ایسی سختی برتوں گا جس میں بے جا تشدد نہیں ہوگا، اپنی بات کو مزید پختہ کرنے کے لیے وہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہتے ہیں کہ میں غلام کے بدلہ آقا کو، مسافر کے بدلہ مقیم کو، قصور وار کے بدلہ بے قصور کو اور بیمار کے بدلہ تندرست کو پکڑوں گا اور حالات اتنے سنگین ہو جائیں گے کہ تم میں سے جب کوئی کسی سے ملاقات کرے گا تو یہ کہے گا کہ بھائی فلاں کو قتل کر دیا گیا ہے تم اپنی جان کی فکر کرو اور خوب یاد رکھنا میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں کیونکہ حاکم کا جھوٹ بہت جلد مشہور ہو جاتا ہے، میں جو بولتا ہوں وہ کرگزرتا ہوں، پھر انھوں نے چند احکامات دیے جن میں رات میں گھر سے باہر نکلنے اور جاہلی نعرے لگانے سے سختی کے ساتھ منع کیا اور لوگوں کی جان و مال کی حفاظت کا ذمہ لیتے ہوئے کہا کہ تم میں سے اگر کسی کا مال لوٹ لیا جائے تو میں اس کی پابجائی کروں گا اور انھوں نے و جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا کے تحت جرائم کے لحاظ سے ان کی سزاؤں کا اعلان کیا کہ جو جیسا کرے گا اس کو ویسی ہی سزا ملے گی، اگر کوئی کسی کو پانی میں ڈبو کر مارے گا تو ہم بھی اس کو پانی میں ڈبو کر ماریں گے، اگر کوئی کسی کو آگ میں جلا کر مارے گا تو ہم بھی اس کو آگ میں جلا کر ماریں گے، جو کسی کے گھر میں نقب زنی کریگا تو ہم بھی اس کے دل میں نقب زنی کریں گے، جو کسی کی قبر کھودے گا ہم اس کو اسی قبر میں زندہ دفن کر دیں گے، خبردار تم میں سے کوئی مشکوک حرکت کرتے ہوئے نظر نہ آئے ورنہ میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔

زیادہ اپنے خطبہ کے آخری فقرہ میں اس بات کا اعادہ کرتے ہیں کہ ہم تمہارے حاکم اور محافظ ہیں، تمہارے ہم پر کچھ حقوق ہیں اور ہمارے تم پر کچھ حقوق ہیں، تم پر ہمارا حق یہ ہے کہ تم ہمارے احکامات مانو اور ان پر عمل کرو اور ہم پر تمہارا حق یہ ہے کہ ہم تمہارے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ کریں اور تمہاری ضرورتوں کو پورا کریں، لوگوں میں اپنا خوف اور دہشت بٹھانے کے لیے زیادہ اپنی اس تاریخی تقریر کو اس جملہ پر ختم کرتے ہیں کہ میں اللہ کی قسم کھا کر یہ کہتا ہوں کہ تم میں سے بہت سے میرے ہاتھوں قتل ہونے والے ہیں لہذا تم میں سے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ میرا نشانہ بننے سے بچے۔

حجاج بن یوسف کی تقریر میں دو جنگوں کا ذکر ہے، ایک زاویہ دوسری دیر جمائم، یہ دونوں جنگیں حجاج اور عبدالرحمن بن محمد بن الاشعث کے درمیان ہوئی تھیں، ابتدا میں ابن الاشعث اموی فوج کے سپہ سالاروں میں تھے، بعد میں حجاج کی توہین کی وجہ سے بغاوت پر اتر آئے، بغاوت کی ابتدا یوں ہوئی کہ سن 80ھ میں حجاج نے کوفہ اور بصرہ سے چالیس ہزار نفوس پر مشتمل ایک لشکر جرار ترتیب دے کر ترک بادشاہ رعبیل سے مسلمانوں پر کیے گئے مظالم کا بدلہ لینے کے لیے عبدالرحمن بن محمد بن الاشعث کی کمان میں بھیج دیا، حالانکہ حجاج کے نزدیک ابن الاشعث نہایت ہی مغضوب تھے حتیٰ کہ حجاج کہا کرتا تھا کہ میں جب بھی ابن الاشعث کو دیکھتا ہوں تو اس کو قتل کرنے کا ارادہ کرتا ہوں، ابن الاشعث فوج سمیت رعبیل کے ملک کی طرف نکلے اور کئی شہروں اور علاقوں پر قبضہ کے بعد اپنی فوجوں کو رکنے کا حکم دیا تاکہ مفتوحہ علاقوں کا انتظام مکمل ہو اور مسلمان وہاں رہ کر مکمل تیاری کے ساتھ اگلے سال ترک کے مرکزی شہر مدینۃ العظمیٰ پر زوردار حملہ کریں، اس پر ساری فوج متفق ہو گئی، ابن الاشعث نے حجاج کو خط لکھا جس میں فتوحات اور تمام تفصیلات سے آگاہ کیا اور اپنے اگلے سال کے پروگرام سے متعلق بھی تفصیل لکھ دی، سن

81ھ میں ابن الاشعث کو حجاج کا پیغام ملا جس میں اس نے ابن الاشعث کے اس فیصلہ کو نہایت ناقص گردانا، ناقص العقل، بزدلی کا طعنہ اور جنگ سے منہ پھیر کر بھاگنے والا شخص کہہ کر مخاطب کیا اور فوری حملہ کا حکم دیا، اس کے بعد اسی جیسے کئی خطوط حجاج نے ابن الاشعث کو بھیجے جس میں اس کے لیے انتہائی توہین آمیز کلمات استعمال کیے گئے، اس طرح کے یکے بعد دیگرے آنے لگے تو ابن الاشعث نے کہا حجاج میری طرف ایسی باتیں لکھ کر بھیجتا ہے حالانکہ میں اسے اپنی فوج کا ادنیٰ سپاہی بھی بنانا پسند نہیں کروں گا، پھر ابن الاشعث نے اپنی فوج میں سے چیدہ چیدہ افراد کو جمع کر کے ان سے کہا کہ حجاج اس بات پر مصر ہے کہ دشمن کے علاقے پر فوری حملے کریں اور یہ وہی علاقے ہیں جہاں آپ کے بھائی گزشتہ کل ہلاکت کے منہ میں جا چکے ہیں اور سردیوں کا موسم بھی قریب آ رہا ہے، تم مشورہ کر لو، میں اپنے بارے میں وضاحت کرتا ہوں کہ میں حجاج کی اطاعت نہیں کروں گا، اس نے قوم سے خطاب کیا اور ان کے علم میں اپنی اور دیگر دانشوروں کی رائے کو لایا کہ وہ اس سال یہیں رہیں گے اور مال و اسباب اور اسلحہ جمع کر کے سردی ختم ہونے بعد دشمن کے علاقوں میں داخل ہوں گے اور ایک ایک علاقہ کو فتح کرتے ہوئے رتبیل کے مرکزی شہر مدینۃ العظما کا محاصرہ کریں گے، پھر اس نے حجاج کا حکم نامہ سنایا جس میں رتبیل پر فوری حملہ کا سنایا تھا، اس کے ارد گرد لوگ جمع ہو گئے اور پکارنے لگے کہ ہم اللہ کے دشمن حجاج کی کوئی بات نہیں مانیں گے اور اس کی اطاعت سے براءت کا اعلان کرتے ہیں۔

پھر ابن الاشعث اپنی فوجیں لے کر بھتان سے عراق کی جانب چل پڑا تا کہ حجاج سے کر کے عراق چھین لے، جب حجاج کو اس بارے میں علم ہوا تو تمام صورت حال خلیفہ عبدالملک کو لکھ بھیجا اور اس سے فوری لشکر بھیجنے کی استدعا کی، حجاج بھی ابن الاشعث کے مقابلہ پر نکل پڑا اور بصرہ میں پڑاؤ ڈال دیا، لوگ ابن الاشعث کے گرد جوق در جوق جمع ہو گئے، کہا جاتا ہے کہ ابن الاشعث کے ماتحت تینتیس ہزار سوار اور ایک لاکھ بیس ہزار پیادہ فوج چل پڑی، حجاج شامی افواج لے کر بصرہ سے نکلا، سن 82ھ محرم میں زاویہ کا واقعہ پیش آیا جس میں ابن الاشعث اور حجاج کی فوجیں آپس میں نبرد آزما ہوئیں، حجاج نے پے در پے حملے شروع کر دیے تو ابن الاشعث کی فوج میں موجود قرا کے دستہ کے سردار جبلة بن زجر نے تمام لوگوں کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا: اے لوگو! تم میں سے پیٹھ پھیر کر بھاگنے والا سب سے برا شخص ہوگا، اپنے دین و دنیا کی حفاظت کے لیے لڑو، سعید بن جبیر نے بھی اس قسم کی تقریر کی، شعبی نے کہا: حجاج کی فوج سے ان کے ظلم کے مقابلے کے لیے لڑو، وہ ضعیف لوگوں کو ذلیل کرتے ہیں اور یہ لوگ نمازوں کو ضائع کرنے والے ہیں ان سے لڑو، دونوں فوجوں میں زبردست مقابلہ ہوا جس میں بالآخر ابن الاشعث کو شکست ہوئی۔

اسی سال شعبان کے مہینہ میں دیرالجماحم کے جنگ کی ابتدا ہوئی، ابن الاشعث زاویہ کی جنگ کے بعد اپنے باقی ماندہ لشکر کو لے کر کوفہ پہنچا، وہاں لوگوں نے اس کا خیر مقدم کیا اور اس کے ارد گرد کثیر تعداد میں جمع ہو گئے، مطربن ناجیہ کوفہ پر حجاج کا نائب تھا اس کو برطرف کر دیا گیا، ابن الاشعث کو کوفہ پر مکمل حکمرانی حاصل ہو گئی، بصرہ سے آنے والے گروہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے، حجاج کو جب اس کی اطلاع ملی تو وہ اپنے شامی دستوں کے ساتھ بصرہ سے روانہ ہوا، ابن الاشعث اپنی فوج لے کر دیرالجماحم پہنچا۔

سن 83ھ شروع ہوا تو اس کے ساتھ ہی لوگ جنگ و جدال کی تیاری میں مصروف ہو گئے، حجاج اپنی فوج کے ساتھ دیرقرہ میں تھا جب کہ ابن الاشعث ساتھیوں کے ہمراہ دیرالجماحم میں تھا، دونوں طرف سے روزانہ حملے ہوتے رہے، اکثر و بیشتر فتح اہل عراق کو ہوتی حتیٰ کہ اہل عراق (ابن الاشعث کی فوج) نے اہل شام (حجاج کی فوج) کو اسی مرتبہ سے زیادہ حملے کر کے نقصان پہنچایا، اس کے باوجود حجاج ثابت قدم رہا

اور اہل شام اپنے مورچوں پر ڈٹے رہے، حالات اسی طرح رہے یہاں تک کہ حجاج نے اپنی فوج کو قاریان قرآن کے دستہ پر حملے کا حکم دیا، ابن الاشعث کی فوج ان کے تابع تھی اور وہی قرآنی آیات پڑھ پڑھ کر لوگوں کو جنگ پر ابھارتے تھے اور ان کے جذبات برا بیچتے کرتے تھے، لوگ بھی ان کی اقتدا میں جم کر لڑتے تھے، حجاج کے دستوں نے جب قرا پر حملہ کیا تو انھوں نے جم کر مقابلہ کیا، پھر حجاج نے تیر اندازوں کا دستہ بھیجا جنھوں نے قرا پر زبردست تیر اندازی کی یہاں تک کہ بہت سے قاری قتل کر دیے گئے، ابن الاشعث کی فوج شکست کھا گئی اور چاروں طرف بکھر گئی۔

حجاج اپنی تقریر کی ابتدا اس بات سے کرتا ہے کہ اہل عراق کی طبیعت میں فتنہ و فساد رچ بس گیا ہے، شیطان نے ان کے اندر اپنا گھر بنالیا ہے، جس کا نتیجہ ہے کہ ان کو نہ کوئی نصیحت فائدہ دیتی ہے اور نہ کسی واقعہ سے انہیں عبرت حاصل ہوتی ہے، اس طرح اہل عراق کی سرکشی ان پر واضح کرنے کے بعد حجاج انہیں ان دو جنگوں کی یاد دہانی کرواتا ہے جس میں انہیں حجاج کے مقابلہ میں کھلی ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تھا، پھر ان کی نافرمانی اور غدار کی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ تم تو اتنے سرکش اور بے وفا ہو کہ ذرا ذرا سی بات پر ناشکری پر تل جاتے ہو، ہلکا سا بہانہ مل جائے تو بغاوت پر آمادہ ہو جاتے ہو، کسی کے ذرا سی امید دلانے پر تم اس کے تابع ہو کر نافرمانی پر اتر آتے ہو، اس زجر و توبیخ کے بعد وہ اہل شام کی طرف متوجہ ہو کر کہتا ہے۔

اے اہل شام میں تمہاری ہر طرح سے نگہداشت کروں گا جیسے شتر مرغ اپنے بچوں کی دیکھ بھال کرتا ہے اور ان کی ہر طرح سے حفاظت کرتا ہے، تم قابل بھروسہ اور ضرورت کے وقت مددگار و معاون ہو۔

#### 8.15 نمونے کے امتحانی سوالات

- ۱۔ ”اموی دور میں خطابت“ کے عنوان پر ایک جامع مقالہ تحریر کیجیے۔
- ۲۔ ”الخطبة البتراء“ کا خلاصہ لکھیے و نیز ”البتراء“ سے موسوم اس خطبہ کی وجہ تسمیہ بتلایئے۔
- ۳۔ زیاد بن ابیہ کی شخصیت و صلاحیت اور ان کے ادبی مقام کا جائزہ لیجیے۔
- ۴۔ ”الخطبة البتراء“ کے خصوصیات پر سیر حاصل بحث کیجیے۔
- ۵۔ مندرجہ ذیل عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کیجیے۔

ان كذبة الامير بلقاء مشهورة، فاذا تعلقتم علي بكذبة فقد حلت لكم معصيتي . فاذا سمعتموها مني فاغتمزوها في . واعلموا ان عندي امثالها من نقب منكم عليه فانا ضامن لما ذهب من ماله ، فاي اي ودلج الليل ، فاني لا اوتي بممدلج الا سفكت دمه ، وقد اجلتكم في ذلك بمقدار ما ياتي الخبر الكوفة ويرجع اليكم . ويا اي ودعوى الجاهلية ، فاني لا اجد احدا دعبها الا قطعت لسانه .

- ۶۔ درج ذیل عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے بحوالہ متن سیاق و سباق واضح کیجیے۔
- حَرَامٌ عَلَيَّ الطَّعَامُ وَالشَّرَابُ حَتَّى أُسَوِّيَهَا بِالْأَرْضِ هَدْمًا وَاحِرًا قَافًا . إِنِّي رَأَيْتُ آخِرَ هَذَا الْأَمْرِ لَا صَلَاحَ إِلَّا بِمَا صَلَحَ بِهِ أَوَّلُهُ : لَيْنٌ فِي غَيْرِ ضَعْفٍ ، وَشِدَّةٌ فِي غَيْرِ عُنْفٍ . وَإِنِّي لَأُقْسِمُ بِاللَّهِ لَا أَخَذَنَ الْوَلِيَّ بِالْمَوْلَى ، وَالْمُقِيمَ بِالطَّاعِنِ ، وَالْمُطِيعَ بِالْعَاصِي

وَالصَّحِيحَ بِالسَّقِيمِ، حَتَّى يَلْقَى الرَّجُلُ أَخَاهُ فَيَقُولُ: أَنْجِ سَعْدُ فَقَدْ هَلَكَ سَعِيدُ!

۷۔ حجاج بن يوسف الثقفي کی شخصیت، اس کی سیاست وادبی صلاحیت پر ایک مقالہ تحریر کیجیے۔

۸۔ ”خطبة العراق“ میں مستعمل تشبیہات کی تشریح مثالوں سے واضح کیجیے۔

۹۔ ”خطبة العراق“ میں مستعمل استعارہ اور کنایہ کی نشاندہی کرتے ہوئے اس کی وضاحت کیجیے۔

۱۰۔ خطبہ حجاج بن یوسف الثقفی کا خلاصہ قلمبند کیجیے۔

۱۱۔ مندرجہ ذیل عبارت پر اعراب لگائیے اور ترجمہ کیجیے۔

يا اهل العراق! اهل الكفريات بعد الفجرات، والغدرات بعد الخترات، والثورة بعد النزوات! إن أبعثكم الى ثغوركم غللتكم وخنتكم، وإن امنتم ارجفتكم، وإن خفتكم نافقتكم، لا تذكرون حسنة، ولا تشكرون نعمة، هل استخفكم ناكث، واستغواكم غاو، او استفزكم عاص، او استنصركم ظالم، او استعصدكم خالع الا وثقتموه و آوئتموه ونصرتموه ورضيتموه؟

۱۲۔ عبارت ذیل کا بحوالہ متن ترجمہ و تشریح کیجیے۔

وَيَوْمَ الزَّوَايَةِ! وَمَا يَوْمُ الزَّوَايَةِ؟ بِهَا كَانَ فَشْلُكُمْ وَتَنَازُغُكُمْ وَبَرَاءَةُ اللَّهِ مِنْكُمْ، وَنُكُوضُ وَلِيَّتِهِ عَنْكُمْ، إِذْ وَلَّيْتُمْ كَالْأَيْلِ الشَّوَارِدِ إِلَى أَوْطَانِهَا، التَّوَاذِعِ إِلَى أَعْطَانِهَا، لَا يَسْأَلُ الْمَرْءُ مِنْكُمْ عَنْ أَخِيهِ، وَلَا يُلَوِّي الشَّيْخُ عَلَى بَنِيهِ حَتَّى عَضَّكُمْ السِّلَاحُ وَقَصَمْتُكُمْ الرِّمَاحُ.

وَيَوْمُ دُبُرِ الْجَمَاجِمِ! وَمَا يَوْمُ دُبُرِ الْجَمَاجِمِ؟ بِهَا كَانَتْ الْمَعَارِكُ وَالْمَلَا حِمٌّ يَضْرِبُ يُزِيلُ الْهَامَ عَنْ مَقِيلِهِ، وَيُذْهِلُ الْخَلِيلَ عَنْ خَلِيلِهِ.

## 8.16 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

- ۱۔ البیان والتبيين للجاحظ
- ۲۔ العقد الفريد لابن عبد ربه
- ۳۔ عيون الاخبار لابن قتيبه
- ۴۔ الفن ومذاهبه في النثر العربي لشوقي ضيف
- ۵۔ عربی ادب کی تاریخ عبد الحلیم ندوی
- ۶۔ الجامع في تاريخ الأدب العربي لحنا الفاخوري



## اکائی: 9- خطوط نگاری

اکائی کے اجزا

9.1 مقصد

9.2 تمہید

9.3 فن خطوط نگاری

9.3.1 خطوط نگاری کی اصطلاحی تعریف

9.3.2 خطوط نگاری کی اقسام

9.3.2.1 سیاسی خطوط نگاری

9.3.2.2 واعظانہ خطوط نگاری

9.3.2.3 ذاتی خطوط نگاری

9.3.3 خط نگاری کے عناصر

9.4 متن سبق

9.5 صاحب متن کا تعارف

9.5.1 انشا پردازی میں اس کی تاثیر

9.5.2 عبد الحمید کا اسلوب نگارش

9.6 متن کا ترجمہ

9.7 لغوی تحقیق

9.8 ادبی صنف کا تعارف

9.8.1 متن سبق کا موضوع

9.8.2 متن سبق کی توضیح و تشریح

9.8.3 متن کی خصوصیات

9.8.4 اسلوبی خصوصیات

9.9 اکتسابی نتائج

9.10 نمونے کے امتحانی سوالات

9.11 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

## 9.1 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے سے عصر اموی میں فن ترسل وانشا کے ارتقا، خطوط نگاری کے اقسام، اس فن کے ارتقا کے عوامل و اسباب اور اس فن کے بانی عبدالحمید الکاتب کے حالات زندگی اور فن رسائل میں آپ کی خدمات، آپ کے اسلوب اور خصوصیات کے تعلق سے معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔

## 9.2 تمہید

عبدالحمید الکاتب کی انشا پردازی اور فن خطوط نگاری میں ان کی خدمات اور اپنے بعد والے ادبا پر ان کے اثرات کو ذکر کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فن خطوط نگاری سے متعلق کچھ بنیادی معلومات پر روشنی ڈالی جائے۔

## 9.3 فن خطوط نگاری

### 9.3.1 خط نگاری کی اصطلاحی تعریف

اصطلاح ادب میں متعین موضوع کے تحت نثری پیرایہ میں مافی الضمیر کو خط کی شکل میں لکھنے کا نام خط نگاری یا رسالہ نگاری ہے۔ اپنی بات دور رہنے والوں تک پہنچانے کے لیے زمانہ قدیم سے اس صنف کا استعمال ہوتا آرہا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلاطین کے نام دعوتی خطوط لکھے، خلفائے راشدین نے اپنے گورنروں اور سپہ سالاروں کے نام خطوط لکھے، اموی دور میں اس صنف میں اتنی ترقی ہوئی کہ اس کی تین شکلیں پیدا ہو گئیں

### 9.3.2 خطوط نگاری کے اقسام

(۱) سیاسی خطوط نگاری

(۲) واعظانہ خطوط نگاری

(۳) ذاتی خطوط نگاری

#### 9.3.2.1 سیاسی خطوط نگاری

سیاسی خطوط نگاری کو ہر دور میں کافی فروغ ملا، دینی فرقوں اور سیاسی جماعتوں نے اپنے نقطہ نظر کی توضیح اور ان کی نشر و اشاعت کے لیے مختلف خطوط لکھے، خلفائے اپنے افسروں کے نام احکامات جاری کیے اور عام پبلک کے نام فراہم صادر کیے، حکام نے اپنے ماتحتوں کو بعض معاملات میں دفتری ہدایات دی ہیں اور مسائل و معاملات کو خوش اسلوبی سے حل کرنے کے لیے قانونی نکتے اور طریقے بتائے ہیں، اسی طرح سپہ سالاروں نے بھی اپنے جنگی ماتحت افسروں کو معرکوں میں یا ان کی تیاری کے سلسلہ میں خاص ہدایات دی ہیں اور جنگی گربتائے ہیں۔

#### 9.3.2.2 واعظانہ خطوط نگاری

سیاسی خطوط کے بعد اموی دور میں کے اخیر میں خطوط و رسائل کی ایک نئی شکل ایجاد ہوئی اور وہ تھی ”وعظ و نصیحت“ پر مشتمل خطوط، اس سلسلہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ (آٹھویں اموی خلیفہ) کے متعلق مشہور ہے کہ وہ واعظوں کو خط لکھا کرتے تھے کہ وہ ان کو اپنے وعظ اور نصیحتیں لکھ

کر بھیجیں۔

### 9.3.2.3 ذاتی خطوط نگاری

اموی زمانہ میں ان سیاسی، دفتری اور واعظانہ خطوط کے علاوہ ایک تیسری قسم ”ذاتی یا شخصی خطوط اور مکتوبات“ کی بھی نگلی، یہ خطوط عام طور سے خیریت دریافت کرنے، خوشی کے موقعوں پر مبارک باد دینے اور غموں کے موقع پر اظہار ہمدردی اور رنج و غم میں شرکت یا کسی حاکم یا والی سے کسی کی سفارش کرنے یا کسی سے ناراضگی کا اظہار کرنے یا غلطی پر معذرت کرنے لیے لکھے جاتے تھے۔

ان تینوں قسم کے خطوط عام طور پر زبان بیان کے اعتبار سے بہت معیاری ہوتے تھے اور انہیں سے ادبی پیرایہ میں سیاسی، دفتری اور ذاتی خطوط نگاری کی بنیاد پڑی، کیونکہ ان خطوط کے لکھنے والے اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ الفاظ موزوں، شیریں، منتخب اور موقع محل کے اعتبار سے مناسب ہوں، اسلوب نگارش میں کہیں جھول پیدا نہ ہونے پائے اور معانی و مطالب کے بیان میں کہیں تعقید، غموض یا ابہام نہ آنے پائے اور انہیں خصوصیات کی وجہ سے یہ اور رقعے (نوٹس) بھی ادب فنی میں شمار ہونے لگے، پھر انہیں کی بنیاد پر آگے چل کر ایک خاص صنف ادب ”الرسائل و التوقيعات“ نگلی جس کا رواج سرکاری دفاتروں اور حکومت کے مرکزوں میں رہا اور بعد میں یہی صنف عبد الحمید الکاتب کی توجہ سے اور فنی مہارت کے سہارے ترقی کر کے مستقل ایک فن کی حیثیت حاصل کر گیا جس کا بانی عبد الحمید تھا اور جسے اس سلسلہ میں اس کی کوششوں کی وجہ سے ”الکاتب“ یعنی ”مشی“ کا لقب دیا گیا، ”الکاتب“ اس زمانہ کی اصطلاح میں کمرک کے معنی میں نہیں استعمال ہوتا تھا بلکہ اس کی حیثیت آج کل کے گورنمنٹ کے سکرٹری کی تھی۔

### 9.3.3 خط نگاری کے عناصر

خط نگاری کے تین عناصر ہیں:

(۱) کاتب

(۲) مکتوب الیہ

(۳) کاتب کا پیام یا موضوع

### 9.4 متن سبق: وَصْفُ الصَّيْدِ لِعَبْدِ الْحَمِيدِ الْكَاتِبِ

أَطَالَ اللهُ بَقَاءَ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ مُؤَيَّدًا بِالْعِزِّ، مَخْضُوصًا بِالْكَرَامَةِ، مُمْتَعًا بِالنِّعْمَةِ، إِنَّهُ لَمْ يَلَقْ أَحَدٌ مِنَ الْمُقْتَنِصِينَ، وَلَا مُنِحٍ مُتَطَرِّفٍ مِنَ الْمُتَصَدِّقِينَ، إِلَّا دُونَ مَا لَقَانَا اللهُ بِهِ مِنَ الْيَمِينِ وَالْبَرَكَةِ، وَمَنْحَنَا مِنَ الظَّفَرِ وَالسَّعَادَةِ فِي مَسِيرِنَا مِنْ كَثْرَةِ الصَّيْدِ، وَحُسْنِ الْمُقْتَنِصِ، وَتَمَكُّنِ الْجَاسَةِ، وَقُرْبِ الْغَايَةِ، وَسَهُولَةِ الْمُرُودِ، وَغُمُومِ الْقُدُورَةِ، إِلَّا مَا كَانَ مِنْ مُحَاوَلَةِ الطَّلَبِ وَضِدَّةِ النَّصَبِ، لِنَافِرِ الصَّيْدِ، وَقَائِدِ الطَّرِيْقَةِ الَّتِي أَمْعَنَّا فِي الطَّلَبِ لَهَا، وَأَعْجَزْنَا الْبَهْرَ عَنِ اللَّحَاقِ بِهَا، لِتَفَاوُتِ سَبْقِهَا وَمُنْقَطَعِ هَزْبِهَا، وَمُتَفَرِّقِ سَبِيلِهَا، ثُمَّ أَلْ بَنَّا ذَلِكَ إِلَى حُسْنِ الظَّفَرِ، وَتَنَاوُلِ الْأَرْبِ، وَنَهَايَةِ الطَّرَبِ.

وَإِنِّي أَخْبِرُ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَنَا خَرَجْنَا إِلَى الصَّيْدِ بِأَعْدَى الْجَوَارِحِ، وَأَتَقَفْنَا الصَّوَارِي، وَأَكْرَمَهَا أَجْنَاسًا، وَأَعْظَمَهَا أَجْسَامًا،

وَأَحْسَنَهَا أَلْوَانًا، وَأَحَدَهَا أَطْرَافًا، وَأَطْوَلَهَا أَعْضَاءً، قَدْ تَقَفَّتْ بِحُسْنِ الْأَدَبِ، وَغَوَدَتْ شِدَّةَ الطَّلَبِ، وَسَبَرَتْ أَعْلَامَ الْمَوَاقِفِ، وَخَبِرَتْ الْمَجَانِمَ، مَجْبُولَةً عَلَى مَا غَوَدَتْ، وَمَقْصُورَةً عَلَى مَا أُدْبِتْ؛ وَمَعَنَا مِنْ نَفَائِسِ الْخَيْلِ الْمَحْبُورَةِ الْفَرَاهَةِ، مِنَ الشَّهْرِيةِ الْمُؤْصُوفَةِ بِالنَّجَابَةِ، وَالْجَزْيِ وَالصَّلَابَةِ، فَلَمْ نَزَلْ بِأَخْفَضِ سَبِيرٍ، وَأَتَقَفَّ طَلَبٍ. وَقَدْ أَمْطَرْنَا السَّمَاءَ مَطَرًا مُتَدَارِكًا، فَزَبْتُ مِنْهُ الْأَرْضُ، وَزَهَرَ الْبَقْلُ، وَسَكَنَ الْقَتَامُ، مِنْ مَثَارِ السَّنَابِكِ، وَتَشَعَّبَاتِ الْأَعَاصِيرِ، مُهْلَةً أَنْ سِرْنَا غُلُوبًا، ثُمَّ بَرَزَتْ الشَّمْسُ طَالِعَةً، وَانْكَشَفَتْ مِنَ السَّحَابِ مُسْفِرَةً قَتَالًا لَأَثَ الْأَشْجَارِ، وَضَحَكَ التَّوَارِ، وَانْجَلَتْ الْأَبْصَارُ، فَلَمْ تَرِ مَنْظَرًا أَحْسَنَ حُسْنًا، وَلَا مَرْمُوقًا أَشْبَهَ شَكْلًا، مِنْ ابْتِسَامِ نُورِ الشَّمْسِ عَنْ اخْضِرَارِ زَهْرَةِ الرِّيَاضِ، وَالْخَيْلِ تَمَرُّحِ بِنَا نَشَاطًا، وَتَجَنُّدِ بِنَا أَعْتَشَهَا انْبِسَاطًا، ثُمَّ لَمْ نَلْبَثْ أَنْ عَلَيْنَا ضَبَابَةً تَقْصُرُ طَرَفَ النَّاطِرِ، وَتُخْفِي سَبِيلَ السَّلَامِ، تَغْشَانَا تَارَةً وَتَنْكَشِفُ أُخْرَى، وَنَحْنُ بِأَرْضٍ دَمِثَةِ التُّرَابِ أَشْبَهَ الْأَطْرَافِ، مُغْدَقَةِ الْفَجَاجِ، مَمْلُوءَةً صَيْدًا، مِنَ الطُّبَاءِ وَالشَّعَالِ وَالْأَرَانِبِ، فَأَدَانَا الْمَسِيرُ إِلَى غَابَةِ دُونِهَا مَأْلُفَ الصَّيْدِ، وَمُجْتَمَعِ الْوَحْشِ، وَنِهَایَةِ الطَّلَبِ، قَدْ جَاوَزْنَاهَا وَنَحْنُ عَلَى سَبِيلِ الطَّلَبِ مَمْتَعُونَ، وَبِكُلِّ حَزَّةٍ جَوْنَةً مُتَفَرِّقُونَ، فَزَجَّ بِنَا الْعَوْدُ عَلَى الْبَدءِ، وَقَدْ انْجَلَتْ الصَّبَابَةُ، وَامْتَدَّ الْبَصَرُ، وَأَمَكَّنَ النَّظْرُ، فَإِذَا نَحْنُ بِرِغْلَةٍ مِنْ طِبَاءٍ، وَخَلْفَةٍ آرَامٍ يَزْتَعْنَ آبِساتٍ، قَدْ أَحَالَتِهِنَّ الصَّبَابَةُ عَنْ شَخْصِنَا، وَأَذْهَلِهِنَّ أَتْنِيقَ الرِّيَاضِ عَنْ اسْتِمَاعِ حَسِنَا، فَلَمْ نَعِجْ إِلَّا وَالصَّوَارِي لَا نَحْنُ لَهْنُ مِنْ بَعْدِ الْغَايَةِ، وَمُنْتَهَى نَظَرِ الشَّاحِصِ ثُمَّ مَدَّتِ الْجَوَارِحُ أَجْنَحَتَهَا، وَاجْتَدَبَتِ الصَّوَارِي مَقَاوِدَهَا، فَأَمَرَتْ بِإِزَالَتِهَا عَلَى الْبَقَّةِ بِمَحْضَرِهَا، وَسُرْعَةِ الْجَوَارِحِ فِي طَلَبِهَا، فَمَرَّتْ تَحْفُ خَفِيفَ الرِّيحِ هُبُوبَهَا، تَسِفُ الْأَرْضَ سَفًا، كَاشِفَةً عَنْ أَثَارِهَا، طَالِبَةً لِحَيَارِهَا، حَارِشَةً بِأَطْفَارِهَا، قَدْ مَرَّقَتْهَا تَمَرِيقَ الرِّيحِ الْجَزْدَاءِ؛ فَمِنْ صَائِحٍ بِهَا وَنَاعِرٍ، وَهَاتِفٍ بِهَا وَنَاعِقٍ، يَدْعُو الْكَلْبُ بِاسْمِهِ، وَيُقَدِّمُهُ بِأَبْنِيهِ وَأُمِّهِ، وَرَاكِصٍ تَحْتَ مَفْرِهِ، وَخَافِقٍ يَطْلُبُهُ الرِّيحُ، وَطَامِحٍ يَمْنَعُهُ، وَسَانِحٍ قَدْ عَارَضَهُ بَارِحٌ، قَدْ حَيَّرْنَا الْكَثْرَةَ وَالْهَجْنَةَ الْقُدْرَةَ، حَتَّى امْتَلَأَتْ أَيْدِينَا مِنْ صُنُوفِ الصَّيْدِ، وَاللَّهِ الْمُنْعَمُ الْوَهَّابُ.

ثُمَّ مَلْنَا يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ بِهَدَايَةِ دَلِيلٍ قَدْ أَحْكَمْتَهُ التَّجَارِبُ، وَخَبَرَ أَعْلَامَ الْمَذَانِبِ، إِلَى غَدِيرِ أَفْجَحِ، وَرَوْضَةِ خُضْرَقِ، مُسْتَأْجِمَةً بَتَلَاوِينِ الشَّجَرِ، مُلْتَقَّةً بِصُنُوفِ النَّحْمِ، مَمْلُوءَةً مِنْ أَنْوَاعِ الطَّيْرِ، لَمْ يَدْعُرْ هُنَّ صَائِدًا، وَلَا اقْتَنَصَهُنَّ قَانِصٌ، فَخُفِقَ لَهَا بِطَبُولٍ، وَضَفَرَ بِنَفِيرِ الْحَتَفِ، فَتَارَ مِنْهَا مَا مَلَأَ الْأَفُقَ كَثْرَتُهَا، وَرَاعَتْ الْجَوَارِحُ حَقَقَاتُ أَجْنَحَتِهَا؛ ثُمَّ انْبَرَتْ الْبِرَاةُ لَهَا صَائِدَةً، وَالصُّفُورُ كَاسِرَةً، وَالشَّوَاهِينُ ضَارِبَةً، يَزْفَعْنَ الطَّلَبَ لَهَا، وَيَحْفِضْنَ الطَّفَرَ بِهَا، حَتَّى سَمِعْنَا مِنَ الذَّبْحِ، وَامْتَلَأْنَا مِنَ النَّصِيحِ، كَأَنَّا كَتِيبَةُ ظَفَرَتْ بِبَغِيَّتِهَا، وَسَرِيَّةٌ نُصِرَتْ عَلَى عَدُوِّهَا، وَالْحَقُّ ضَعِيفُهَا بِقُوَّيِّهَا وَغَلَبَتْ مُحْسِنُهَا بِمُسِيئِهَا؛ لَا نَمْلِكُ أَنْفُسَنَا مَرَحًا، وَلَا نَسْتَفِيقُ مِنَ الْجَدَلِ بِهَا فَرَحًا، بِقِيَّةِ يَوْمِنَا، وَاللَّهِ الْمُنْعَمُ الْوَهَّابُ.

## 9.5 صاحب متن کا تعارف

ابو غالب عبد الحمید بن یحیی شام میں غیر عربی نسل میں پیدا ہوئے، ولایتی نسبت کی بنا پر بنو عامر کی طرف منسوب ہوئے، ہشام بن عبد الملک کے آزاد کردہ غلام اور پرائیویٹ سیکریٹری سالم سے انشا پر دازی سیکھ کر کمال حاصل کیا، پھر انھوں نے بطور مشق ایک کے بعد دوسرے شہر میں بچوں کو

کتابت سکھانا شروع کر دیا تا آنکہ مروان بن محمد کو ان کی صلاحیتوں کا علم ہوا تو اس نے آرمینہ میں اپنی عہد گورنری کے دوران انہیں اپنا پرائیویٹ سیکریٹری بنالیا، یہ اس کے خطوط و رسائل اور احکام و فرامین لکھتے رہے اور اس کی نگاہ میں بہت مقبول ہوئے اور ان کے درمیان گہری دوستی ہو گئی، مروان کو یہ بشارت ملی کہ شامیوں نے اس کی خلافت کی بیعت کر لی ہے تو اس نے اللہ کے سامنے سجدہ شکر ادا کیا، عبد الحمید کے سوا تمام حاضرین نے بھی سجدہ کیا، مروان عبد الحمید سے پوچھا کہ تم نے کیوں سجدہ نہیں کیا؟ جواب میں عبد الحمید نے کہا کہ میں کیوں سجدہ کروں؟ کیا اس بات پر کہ اب تک تو آپ ہمارے ساتھ تھے اب ہم میں سے اڑ جائیں گے؟ تو وہ کہنے لگا اب آپ بھی ہمارے ساتھ اڑیں گے، تو عبد الحمید کہنے لگے اب سجدہ کرنے میں مزہ آئے گا، پھر انھوں نے سجدہ کیا، مروان نے انہیں اپنی حکومت کا سیکریٹری مقرر کر دیا، جب ابو مسلم الخراسانی کے قریب آ پہنچے اور مسلسل شکست نے مروان کو خوف زدہ کر دیا تو اس نے عبد الحمید سے کہا مجھے ضرورت ہے کہ تم میرے دشمن کے ساتھ مل جاؤ، بظاہر میرے ساتھ بغاوت کر دو، کیونکہ علم و ادب سے انہیں دل چسپی اور تمہاری انشا پردازی کی انہیں ضرورت ہے، یہ ایسی چیزیں ہیں جو تمہارے متعلق ان کے دلوں میں حسن ظن پیدا کر دیں گی، اگر تم میری زندگی میں مجھے کوئی فائدہ پہنچا دو تو بہتر ہے ورنہ میرے مرنے کے بعد میری عزت و حرمت کو بچا سکو گے، تو عبد الحمید نے اسے جواب دیا کہ آپ نے مجھے جس طرف اشارہ دیا ہے وہ ہر دو صورت میں آپ کے لیے تو مفید ہے مگر میرے لیے دونوں صورتوں میں نقصان دہ ہے، میرے نزدیک صبر کرنا ہی سب سے زیادہ مناسب ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اس مصیبت کو ختم کر دے یا پھر مجھے بھی آپ کے ساتھ قتل کر دیا جائے، پھر اس نے یہ شعر پڑھا:

اسر وفاء ثم أظهر غدره

فمن لي بعدد يوسع الناس ظاهره ؟

کیا میں باطن میں وفادار ہوں اور بظاہر آپ سے دھوکہ کروں تو لوگوں کی نگاہ میں میرے اس ظاہری عمل کا عذر کون پیش کرے گا؟ وہ اس کے ساتھ قیام پذیر رہے حتیٰ کہ مروان کو مصر میں قتل کر دیا گیا تو اس نے بحرین میں اپنے دوست ابن المقفع کے پاس جا کر پناہ لے لی، پولیس کے آدمی اس کی گرفتاری کے سمن لے کر وہاں اس کے گھر پہنچ گئے، وہ گھر میں ہی تھا چھاپہ مارنے والوں نے پوچھا تم دونوں میں سے عبد الحمید کون ہے؟ ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کو بچانے کے لیے کہنے لگا کہ میں ہوں، تو وہ ابن المقفع کو قتل کر ہی دینے والے تھے کہ عبد الحمید نے چلاتے ہوئے کہا، ذرا ٹھہرو! ہم میں سے ہر ایک کی کچھ علامات ہیں، تم ایسے کرو اپنے کچھ ساتھیوں کو ہماری نگرانی پر مامور کر دو اور باقی ساتھی ان افسروں کے پاس جا کر ہماری علامات بتا دیں، پھر جس کے متعلق وہ اشارہ کریں اسے قتل کر دینا، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور عبد الحمید کو گرفتار کر کے ۱۳۲ھ میں قتل کر دیا۔

#### 9.5.1 انشا پردازی پر عبد الحمید کی تاثیر

عبد الحمید سے قبل انشا پردازی سادہ انداز سے لکھی ہوئی عبارت ہوتی تھی جس کا نہ تو کوئی قاعدہ کلیہ تھا نہ اسے فنی درجہ حاصل تھا اور نہ ہی یہ معزز صنعتوں میں شمار ہوتا تھا لیکن جب عبد الحمید نے اسے سنبھالا تو جدید طرز انشا کے لیے حالات سازگار اور طبیعتیں بالکل تیار تھیں، مملکت کی وسعت، تہذیب و تمدن کے ثمر آور ہونے، نثر و خطابت کے کمال، عربی کی فارسی سے قربت، سالم مولیٰ ہشام سے عبد الحمید کی شاگردی اور ابن المقفع سے گہرے تعلقات عبد الحمید کے اسلوب تحریر میں جدید طرز اپنانے میں بنیادی اسباب ہیں، اس نے مخاطب کے حسب حال خطاب میں تنوع پیدا

کیا، تقاضائے حالات کے مطابق طول و اختصار کو مد نظر رکھا، موضوع کی مطابقت سے ابتدا و اختتام میں نیرنگی پیدا کی، خطوط کے شروع میں حمد و ثنا کو طول دیا، بعد میں آنے والے انشا پردازوں نے فن تحریر میں اس کی متابعت کی تو فن انشا پردازی ایک ایسی صنعت بن گیا جس کے اصول و قوانین تحریر ہوئے، اس کے قواعد کو الگ الگ فصلوں میں لکھا گیا۔

## 9.5.2 عبد الحمید کا اسلوب نگارش

عبد الحمید کا اسلوب نگارش نہایت شیریں، خوشنما و دلکش جو احساسات کو اپنی طرف کھینچ کر عقلوں پر جادو کا سا اثر کرتا ہے، لوگ اس کے اسلوب نگارش کو خوب پہچانتے تھے حتیٰ کہ ابو مسلم خراسانی نے اس کے اس خط کو پڑھنے سے بھی انکار کر دیا تھا جو اس نے مروان کی طرف سے لکھا تھا کہیں وہ اس کی تحریر سے متاثر ہو کر مروان کا حمایتی نہ بن جائے اور اپنے متعلق خطرہ محسوس کرتے ہوئے بغیر پڑھے ہی اسے جلا دیا تھا، پھر اپنے پاس سے کاغذ کے پرزے پر مروان کو یہ جواب لکھ بھیجا:

محاسن السیف أسطار البلاغة وانتحي  
عليك ليوث الغاب من كل جانب  
تلواریں بلاغت و فصاحت کو مٹا دیں گی  
اور ہر طرف سے تجھ پر جنگل کے شیر چھٹیں گے

## 9.6 متن کا ترجمہ

### شکار کا بیان - از عبد الحمید الکاتب

اللہ عزت و شرافت اور نعمتوں سے سرفراز فرماتے ہوئے امیر المؤمنین کی حیات دراز فرمائے، کسی شکاری اور ماہر صیاد کو وہ خیر و برکت حاصل نہیں ہوئی جو اللہ نے ہمیں عطا فرمائی اور اس نے ہم کو اپنے سفر میں (ہر سطح پر) سعادت و کامیابی سے ہمکنار کیا، چاہے شکار کی کثرت ہو یا عمدہ شکار گاہ (کا انتخاب)، پھندے کی مضبوطی ہو یا مقصد کا قرب اور منزل کی آسانی اور عمومی طاقت ہو، البتہ شکار ہانکنے والے اور شکار کا پیچھا کرنے والے کو کافی محنت و مشقت اٹھانی پڑی، سانس کے اکھڑنے اور شکار کی دوڑ کے فرق اور اس کے بھاگنے اور اس کے مختلف راستوں کو اپنانے کی وجہ سے ہم شکار پکڑنے سے بے بس ہو گئے، بالآخر ہم کو بہتر کامیابی، مقصد براری اور بے انتہا خوشی حاصل ہوئی۔

میں امیر المؤمنین کو اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ ہم شکار کے لیے ایسے شکاری جانور اور کتوں کے ساتھ نکلے جو انتہائی تیز رفتار اور حد درجہ سدھائے ہوئے تھے، جو نسلا انتہائی عمدہ اور جسامت میں بڑے ڈیل ڈول والے اور رنگت میں بے حد خوبصورت، انتہائی تیز نگاہ اور لمبے اعضا والے تھے، جنہیں عمدہ طور طریقے سکھائے گئے تھے، وہ سخت جستجو کے عادی اور ٹھہرنے کے نشانوں کے ماہر اور جانوروں کے ٹھکانوں سے باخبر تھے، فطرتاً اپنی عادت کے خوگر اور اطوار کے پابند تھے اور ہمارے ساتھ ترکی النسل ایسے عمدہ، تجربہ کار اور تیز رفتار گھوڑے تھے جو یر کی، سبک رفتاری اور قوت و صلابت میں ممتاز تھے اور ہم بغیر توقف دھیرے دھیرے چلتے رہے اور (شکار کی) گہری جستجو میں رہے، اسی دوران آسمان نے ہم پر موسلا دھار بارش برسائی جس سے زمین لہلہا اٹھی اور گھاس سرسبز و شاداب ہو گئی اور کھروں کے اڑائے ہوئے بگولوں کا سیاہ غبار اتنی دیر تک چھٹ گیا کہ ہمیں چند فرانگ تک چلنے کا موقع مل گیا، پھر آفتاب طلوع ہوا اور بادل سے باہر نکل آیا، جس سے درخت چمک اٹھے، کلیاں تبسم ریز اور آنکھیں روشن ہو گئیں، ہم نے باغیچوں کے پھولوں کی سرسبزی و شادابی پر پڑنے والی سورج کی کرنوں کی مسکراہٹ سے بڑھ کر کوئی حسین منظر اور دل فریب

نظارہ نہیں دیکھا، فرح و نشاط سے گھوڑے ہمارے ساتھ اتر رہے تھے اور فرط مسرت میں ان کی لگامیں ہمیں اپنی طرف مائل کر رہی تھیں، پھر زیادہ وقت نہیں گزرا کہ ہم پر کھرچھا گیا جس نے دیکھنے والے کی نظر کو کوتاہ کر دیا اور پُر امن راستوں کو چھپا دیا، وہ کبھی ہمیں ڈھانک لیتا اور کبھی چھٹ جاتا، جب کہ ہم ایسی زمین پر تھے جس کی مٹی نرم اور اس کے اطراف گھنے درخت اور کشادہ راستے تھے اور وہ خرگوشوں، لومڑیوں اور ہرنیوں کے شکار سے بھری پڑی تھی، راستہ نے ہمیں ایک ایسے جنگل تک پہنچا دیا جس کے آگے شکار کا ڈیرا، نیل گابیوں کا بسیرا اور جستجو کی حد تھی، ہم نے اسے عبور کیا جب کہ جستجو کی راہ میں ہمیں کچھ ہاتھ نہیں لگا اور ہم ہر سیاہ پتھریلی زمین پر منتشر تھے۔ پھر ہم آغاز پر واپس آ گئے اور کھرچھٹ گیا اور نگاہ دراز ہوئی اور دیکھنا ممکن ہوا تو یکایک ہم ہرنیوں کے ایک جھنڈ اور سفید ہرنیوں کے باقی ماندہ ریوڑ کے پاس تھے جو مانوس ہو کر چر رہی تھیں اور کھر نے انہیں ہمیں دیکھنے سے روک دیا تھا اور چمن کی خوبصورتی نے ہماری آہٹ سننے سے انہیں غافل کر رکھا تھا، بس ہم مڑے ہی تھے کہ شکاری کتے انہیں بہت دور سے، دیکھنے والے کی حد نگاہ سے دکھائی دینے لگے، پھر شکاری جانوروں نے اپنے بازو پھیلائے اور شکاری کتوں نے رسیوں کو کھینچا، میں نے شکار کے موجود ہونے اور ان شکاری کتوں کی ان کی جستجو میں تیزی پر بھروسہ کرتے ہوئے انہیں چھوڑنے کا حکم دیا اور وہ ہوا کی سرسراہٹ کی طرح گزر گئے، زمین سے انتہائی قریب ہوتے ہوئے شکار کے ٹھکانوں کا پتہ لگا کر وہ ان میں سے بہتر شکار کو اپنے ناخنوں سے مخدوش کرنے لگے اور تیز رو ہوا کے مانند انہیں چیر دیا، (اس وقت) کچھ لوگ چیخ رہے تھے تو کچھ شور مچا رہے تھے، کچھ انہیں آواز دے رہے تھے تو کچھ انہیں پکار رہے تھے، وہ کتے کو اس کے نام سے پکارتے اور اس پر اپنے ماں باپ فدا کرتے، بہت سے ایڑ لگانے والے اپنے گھوڑے کو لٹکا رہے تھے اور بہت سے ایسے حواس باختہ تھے جو اپنے نیزے ڈھونڈ رہے تھے اور بہت سے تھے جو سرکش کو روک رہے تھے اور بہت سے وہ تھے جو نیک و بد شگونی کا سامنا کر رہے تھے، شکار کی بہتات نے ہمیں حیرت زدہ کر دیا تھا اور قدرت نے ان پر ہمیں شیفٹہ بنا دیا تھا، یہاں تک کہ ہمارے ہاتھ گونا گوں شکار سے بھر گئے، اللہ ہی منعم و ہاب ہے۔

پھر اے امیر المؤمنین ہم ایک رہبر کی رہنمائی میں - جو انتہائی تجربہ کار اور نالوں کے نشانوں کا ماہر تھا - ایک کشادہ تالاب اور سرسبز و شاداب چمن کی طرف نکلے جو قسم قسم کے درختوں سے بھرا ہوا اور انواع و اقسام کے درختوں سے گھرا ہوا تھا اور جس میں طرح طرح کے پرندے بھرے پڑے تھے، جنہیں نہ کسی شکاری نے ڈرایا تھا اور نہ ہی کسی شکاری نے ان کا شکار کیا تھا، ان کے شکار کے لیے طبل بجائے گئے اور موت کے حملے کی سیٹی بجائی گئی تو وہ ایسے پھیل گئے کہ ان کی کثرت سے افق بھر گیا اور ان کے پروں کی پھر پھر اہٹ نے شکاری جانوروں کو ڈرا دیا، پھر انہیں شکار کرنے کے لیے باز اور حملہ آور شکرے اور شاہین سامنے آ گئے اور ان کی طلب میں بلند ہوئے اور کامیاب ہو کر نیچے آنے لگے، یہاں تک کہ ہم ذبح کرتے کرتے تھک گئے اور پسینہ میں شرابور ہو گئے، گویا ہم ایک ایسے لشکر تھے جو اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا اور ایک ایسا دستہ تھے جس کی اس کے دشمن کے خلاف مدد کی گئی اور جس نے اپنے طاقتور کو کمزور سے ملا دیا اور اپنے اچھے کو برے پر غالب کر دیا، فرط مسرت میں ہمیں اپنے اوپر قابو نہیں رہا اور دن بھر مارے خوشی کے کسی چیز کا ہوش نہیں رہا، اللہ ہی منعم و ہاب ہے۔

## 9.7 لغوی تحقیق

شکار

الصید ج صیود

اطال، يطيل إطالة (باب افعال)	دراز کرنا
مؤید	مضبوط کیا ہوا، تائید بخشنا ہوا
أيد يؤيد تائيدا (باب تفعیل)	مضبوط کرنا، تائید بخشنا
متّع، يمتع، تمتعاً (باب تفعیل)	فائدہ پہنچانا
لَقِيَ، يلقى، تلقية (باب تفعیل)	عطا کرنا، دینا
المقتنص ج المقتنصون	شکار کرنے والا
متطرف ج المتطرفون	انتہا پسند، غیر معتدل
المتصيد ج المتصيدون	شکار کرنے والا
اليمن	برکت
تمكين: مكن له فى الشيء (باب تفعیل)	کسی چیز پر قادر بنانا، طاقت و اقتدار دینا
الغاية ج غايات	مقصد، حد
النصب	تھکان، تھکان
النافر ج نفر	بدک کر بھاگنے والا جانور، شکار کو بھڑکانے اور اس کو ہانکنے والا
طريدة ج طرائد	وہ شکار جس کا تعاقب کیا جائے
أمعن فى الأمر، إمعاناً (باب افعال)	کسی بات کی گہرائی میں جانا
أمعن فى النظر	گہری نظر سے دیکھا
البهر	سخت تھکان کے نتیجے میں سانس منقطع ہو جانا
الأرب	مقصد
الطرب	مستی، بے خودی، خوشی سے جھوم اٹھنے کی کیفیت
أعدى	تیز دوڑنے والا
جارية ج الجوارح	شکاری درندہ یا پرندہ یا کتا
ضارية ج الضواري، الكلاب الضواري	درندے، شکار کے لیے تربیت یافتہ کتے
طَرف ج أطراف	آنکھ، کنارہ، نوک
عَوْد (تفعیل) تعويدا	عادى بنانا
سبر (باب نصر) سبرا	آزمانا، جانچنا
علم ج أعلام	نشان، راستہ کا نشان



المخبورة	آزمودہ، تجربہ یافتہ
خبر (باب نصر) خبرا	آزما، تجربہ سے جاننا
الفراہة	چستی و چالاکی، مہارت
فرہ (باب کرم) فراہة و فروہة	ماہر ہونا، سبک ہونا
الشہریة	ترکی گھوڑے
النجابة	ہوشیاری
أمطر، إمطارا (باب إفعال)	بارش برسانا
الجري	دوڑنا
ألہج، يلہج، إلہاجا (باب إفعال)	فریفتہ کرنا
المجثم ج المجاثم	بیٹھنے کی جگہ
جثم (باب نصر و ضرب) جثما	سینہ کو زمین سے لگانا
متدارک	مسلل
ربا، یربو، ربوا (باب نصر)	زیادہ ہونا، بڑھنا
زہر (باب فتح) زہرا	روشن ہونا
القتام	کالا غبار
سنبک ج سنا بک	کھر کا کنارہ
إعصار ج أعاصیر	بگولہ
غلوۃ ج غلوات	تیر جو انتہا تک پھینکا جائے، تیر کے پہنچنے کی حد
النُّوَار: نُوارة ج نواویر	پھول
مرح (باب سمع) یمرح، موحا	بہت زیادہ خوش ہونا، اترانا
اجتذب، یجتذب، اجتذابا (باب افتعال)	کھینچنا، مائل کرنا
ضبابۃ	کھر، بادل
دمثۃ	نرم ریتیلی جگہ
مغدقة	کشادہ
حَرَۃ	سیاہ پتھروں والی زمین
جَوْنۃ	سیاہ

ظاہر ہونا	انجلی، ینجلی، انجلاء (باب انفعال)
آسان ہونا، ممکن ہونا	أمكن الأمر فلانا ولفلان، إمكانا (باب إفعال)
تھوڑے گھوڑوں کا یا گایوں کا گلہ	رعدة ج رعال، أرجال، أراعیل
باقی ماندہ چیز	خلفة
سفید ہرن	ریم ج آرام
محروم کرنا، روکنا	منع، يمنع، تمنیعا (باب تفعیل)
فرائی کے ساتھ کھانا پینا	رتع یرتع، رتعا (باب فتح)
غافل کر دینا	أذهل، يذهل، إذهالا (باب إفعال)
خوبصورت	أنیق
آہٹ	حس
مڑنا، تیز ہونا	عاج، يعوج، عوجا (باب نصر)
نگاہ اٹھا کر دیکھنے والا	شاخص
لگام، جانور کو کھینچنے کی رسی	مقود ج مقاود
سرسراہٹ ہونا	حَفَّ (باب نصر)، حفا
سرسراہٹ، درختوں کے پتوں کی آواز	حفیف
زمین سے قریب ہو کر اڑنا یا گزرنا	سَفَّ الأرض، يَسْفُ، سَفَّا (باب ضرب)
خراب لگانا	حارشة: حرش (باب ضرب) حرشا
چیننے والا	ناعر
شور مچانے والا	صائح
چرواہے کا بکریوں کو آواز دینا اور ڈانٹنا	ناعق: نعق الراعي بغنمه، نعقا (باب ضرب و سماع)
اپنے متعلق کہنا کہ میں تمہارے اوپر فدا کیا جاؤں	فَدَى فلانا بنفسه، تفديّة (باب تفعیل)
سرکش	طامح
دائیں جانب سے آنے والا	سانح ج سوانح
بائیں جانب سے آنے والا، عرب سانح سے نیک شگون اور بارح سے	بارح
بدشگون لیا کرتے تھے	
ایڑ لگانا	ركض (باب نصر)، ركضا

خافق	غائب
الھج (فلانا بالشیء)، إلهاجا	فریفتہ کرنا
مال (باب ضرب)، میلاو میلانا	جھکنا، مائل ہونا
دلیل ج ادلاء	رہبر
أحكم (باب افعال)، إحکاما	مضبوط کرنا
مذنب ج مذائب	ندی، نالی، پانی کا راستہ
غدير ج غدران	کٹھ، تالاب
أفيح	کشادہ
مستأجمة	گھنے، ایک دوسرے سے ملے ہوئے
تلوين ج تلاوين، تلاوين الشجر	قسم قسم کے درخت
التف الثعبان، يلتف، التفاف (باب افعال)	سانپ کا بل کھانا، لپٹنا
الْحَمَر	درخت، گھنی جھاڑیاں
ذعر (باب فتح) ذعرا	ڈرانا، دہشت دلانا، خوف زدہ کرنا
صفر (باب ضرب) صفيرا	ہوٹوں سے سیٹی بجانا، ہوٹوں سے آواز نکالنا
نفير	بگل بجانے کا سنگھ، بگل
حتف ج حتوف	موت
ثار، يثور، ثورا و ثورانا (باب نصر)	پھیلنا
خفقة ج خفقات	پھڑپھڑاہٹ
انبرى ينبرى انبراء (باب انفعال)	سامنے آنا، مقابلہ پر آنا
بازج نزاة	باز، شکرا
صقر ج صقور	شکرا
كاسرة: كسر الطائر جناحيه يكسر كسرا (باب ضرب)	پرندہ کا اترنے کے لیے پروں کو سمیٹنا
نضیح ج نضح	پسینہ
كتيبة ج كتائب	لشکر کا حصہ
بغية	مطلوب، مقصد
سرية ج سرايا	فوج کی ایک ٹکڑی

ہوش میں آنا، بیدار ہونا

استفاق یستفیع استفاقا (باب استفعال)

خوشی

الجدل

کنارہ

أفق ج آفاق

اگتا جانا، بیزار ہونا

سَمَّ یسَام سَامَة (باب سَمع)

پانا، کامیاب ہونا

ظفر یظفر ظفرا (باب سَمع)

## 9.8 ادبی صنف کا تعارف

متن کا تعلق نثری ادب کے اصناف میں فن رسائل سے ہے۔

### 9.8.1 متن سبق کا موضوع

شکار کے واقعات کی تصویر کشی۔

### 9.8.2 متن سبق کی توضیح و تشریح

یہ طویل خط تین بڑے پیرا گراف پر مشتمل ہے، ہر پیرا گراف بعد والے پیرا گراف کی تمہید اور مقدمہ ہے، تمام پیرا گراف آپس میں مرتب اور باہم مربوط ہیں، عبد الحمید الکاتب سے پہلے یہ منطقی تقسیم و ترتیب اور یہ طوالت عربی نثر میں نہیں پائی جاتی تھی، غالب گمان یہی ہے کہ فارسی اور یونانی ثقافت سے متاثر ہو کر آپ نے یہ طریقہ اپنایا، عبد الحمید الکاتب سے پہلے خطوط مختصر لکھے جاتے تھے اور ان میں پیرا گراف وغیرہ کا بہت زیادہ اہتمام نہیں ہوتا تھا، یہ خط مندرجہ ذیل اشیاء پر مشتمل ہے۔

تمہید میں سفر کی کامیابی اور شکار کی کثرت اور اس سلسلہ میں پیش آنے والی صعوبتوں اور مشکلات کا اجمالی تذکرہ ہے دوسرے پیرا گراف میں شکار کی تفصیلات، شکاری جانوروں کی خوبیوں کا نمایاں طور پر تذکرہ کیا گیا ہے جس میں ان کے حسب و نسب، جسمانی ساخت، برق رفتاری، تیز نگاہی اور شکار پر جھپٹنے کے منظر کا ایسا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ قاری کی آنکھوں میں شکار کا سارا منظر گھوم جاتا ہے۔ تیسرے پیرا گراف میں ایسی شکار گاہ کا تذکرہ ہے جو گھنی جھاڑیوں اور مختلف قسم کے درختوں سے گھری ہوئی تھی، آج تک وہاں نہ کسی کا گذر ہوا تھا اور نہ ہی وہاں بسیرا کیے ہوئے پرندوں کو شکار کیے جانے کا ڈر تھا، اس مقام پر شکاری پرندوں باز، شاہین وغیرہ کو کام میں لایا گیا، ان پرندوں کی تصویر کشی اور شکار کے احوال کو اپنے جزئیات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

### 9.8.3 متن کی خصوصیات

یہ خط فن بلاغت کی بہت سی خوبیوں پر مشتمل ہے، طویل ہونے کے باوجود نہ کہیں تعقید لفظی ہے اور نہ تعقید معنوی، محسنات لفظیہ و معنویہ کا حسین مرقع ہے۔ صاحب رسالہ نے جا بجا تشبیہات و استعارات کا خوبصورتی کے ساتھ استعمال کیا ہے، طوالت کے باوجود اس خط کی ساری کڑیاں آپس میں جڑی ہوئیں اور آپس میں ایک دوسرے سے بے انتہا مربوط ہیں۔ منظر کی ایسی تصویر کشی کی گئی ہے کہ قاری اپنے آپ کو صاحب خط کے ساتھ شکار کے ماحول میں محسوس کرتا ہے۔ زبان و بیان کی دلکشی، موزوں و مناسب الفاظ کا استعمال اور خیالات کو فصیح و بلیغ جملوں کا جامہ متن کی

خوبصورتی کو دو گنا کر دیتا ہے۔

#### 9.8.4 اسلوبی خصوصیات

عبد الحمید الکاتب کا اپنا ایک منفرد اسلوب ہے جس سے وہ اپنے ہم عصروں میں نمایاں نظر آتے ہیں، جمال اس کی اہم خوبی اور نمایاں خصوصیت ہے، اس جمال کا منبع اور سرچشمہ اس میں پائے جانے والے دل چسپ خیالات، باریک منظر کشی، معنوی چیز کو محسوس کا لباس پہنانا اور محسوس کو معنوی شکل میں ظاہر کرنا ہے۔

وہ ایسے الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں جو قریب المعنی اور قوی التركیب ہوں، ان کا مقولہ ہے: بہتر کلام وہ ہے جس کے الفاظ طاقتور اور معنی میں جدت ہو، آپ کے کلام میں مترادفات اور قافیہ کا استعمال کثرت سے ملتا ہے، آپ حضرت علیؓ کے اسلوب سے کافی متاثر تھے، ایک دفعہ آپ سے سوال کیا گیا کہ آپ کو بلاغت میں اتنی مہارت کیسے حاصل ہوئی؟ آپ نے جواب دیا: ہمیشہ سرمونڈھنے کے عادی شخص کا کلام حفظ کرنے سے، آپ کی مراد حضرت علیؓ تھے، آپ نے مسجع مفتی نثر نگاری میں مبالغہ سے کام لیا اور مترادفات کا بھرپور استعمال کیا، اس کا آپ کو کافی اہتمام ہوا کرتا تھا، جس کی وجہ سے یہ آپ کی تحریر کی خاص شناخت بن گئی، مترادفات اور قافیہ کو ترجیح دینے کے دو اسباب ہیں، ایک فارسی اور عجمی اثرات سے آپ کا متاثر ہونا، اکثر و بیشتر عجمی عبارتوں میں طوالت، تفصیل اور استقصا پایا جاتا ہے، دوسرا سبب آپ کی طبیعت کا موسیقی کی طرف میلان، جس کی وجہ سے آپ ترجیحاً ایسے الفاظ اور جملے استعمال کرتے تھے جو نغمگی سے ہم آہنگ ہوں اور یکے بعد دیگرے ایسے جملے لاتے جو آپس میں قافیہ کے اعتبار سے یکساں ہوں، جیسے (وَأَكْرَمَهَا أَجْناسًا، وَأَعْظَمَهَا أَجْسامًا، وَأَحْسَنُهَا أَلْوَانًا، وَأَحَدُهَا أَطْرَافًا، وَأَطْوَلُهَا أَعْضاءً)

زمانہ قدیم سے شکار کے لوگ شائق اور دلدادہ رہے ہیں اور ہر ماہر شکاری اپنے دوستوں اور ملنے جلنے والوں سے اپنے شکار کا حال بیان کرتا ہے، عبد الحمید الکاتب نے بھی اپنے شکار کا حال بیان کیا، اس میں جو حالات یا واقعات ذکر کیے گئے ہیں وہ کوئی انوکھے یا نئے نہیں ہیں، لیکن عبد الحمید الکاتب نے ان معانی کو منتخب الفاظ کا جامہ پہنا کر ایک ایسے نئے اسلوب میں پیش کیا ہے جس میں جمال و طرافت کے ساتھ شائقان ادب کی تسلی کا بھرپور سامان بھی موجود ہے۔

عبد الحمید الکاتب نے اپنے رسالہ وصف الصيد کو کئی مناسب اجزا پر تقسیم کیا ہے، ہر کڑی دوسری کڑی سے جڑی ہوئی اور آپس میں ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہے، افکار کی ترتیب اور ان کے تسلسل میں کہیں کوئی جھول نظر نہیں آتا، شروع سے آخر تک عبارت میں نہ کوئی اضطراب ہے اور نہ بے جا تفصیل، ہر لفظ اپنی جگہ سلیقہ سے جڑا ہوا اور منظر کشی میں اس کا وجود ضروری معلوم ہوتا ہے۔

بلاغت تین علوم پر مشتمل ہے: (۱) علم البیان (۲) علم المعانی (۳) علم البدیع

علم البدیع کی دو قسمیں ہیں: (۱) محسنات لفظیہ (۲) محسنات معنویہ

عبد الحمید الکاتب کا یہ خط علوم بلاغت کے جواہر پاروں اور ادبی محاسن کا شاہکار ہے، ان کے کلام میں بیک وقت صنعت معنویہ اور صنعت لفظیہ اور فصاحت و بلاغت کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے، ان کے اس وقیع مضمون پر سرسری نظر ڈالنے سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انہیں مختلف انداز سے مافی الضمیر کے اظہار پر کیسی زبردست قدرت حاصل تھی، ذیل میں ہم نمونے کے طور پر چند مثالیں پیش کرتے ہیں:

بغیر تکلف کے سجع کا استعمال:

کاتب نے بہت ہی خوبی کے ساتھ اس خط میں سجع (جس کا تعلق علم البدیع میں محسنات لفظیہ سے ہے) کا استعمال کیا ہے، جو پڑھنے والے میں ذوق و تشویق اور انبساط کی کیفیت پیدا کرتا ہے، جہاں بھی سجع کا استعمال ہوا ہے وہ بے تکلف ہے، جیسے (لتفاوت سبقها، و منقطع هربها، و متفرق سبلها، و تناول الأرب، و نهاية الطرب، و معنا من نفائس الخيل المخبورة الفراهة، من الشهيرة الموصوفة بالنجابة، و الجری و الصلابة)

سجع کی تعریف: دو فاصلوں کا آخری حرف میں موافق ہونا ہے، سب سے عمدہ سجع وہ ہے جس کے فقروں میں مساوات ہو۔

جناس:

کاتب نے اس خط کو جناس غیر تام (از قسم محسنات لفظیہ در علم بدیع) سے بھی مزین کیا ہے جیسے: سبرت أعلام المواقف، و خبرت المجاثم، اس مثال میں سبرت اور خبرت دو کلمے استعمال کیے گئے ہیں جن میں نوعیت حروف کو چھوڑ کر بقیہ دیگر امور (بیئت، تعداد، ترتیب) میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔

جناس غیر تام کی دوسری مثال: لا نملك أنفسنا مرحا، و لا نستفيق من الجدل بها فرحا ان فقروں میں مرحا اور فرحا میں صرف میم اور فاء کا فرق پایا جاتا ہے۔

جناس غیر تام کی تیسری مثال: و تناول الارب و نهاية الطرب اس میں الأرب اور الطرب میں صرف نوعیت کا فرق ہے اور وہ الف اور

طاء ہے

جناس کی تعریف: دو لفظ بولنے میں ایک جیسے ہوں اور معنی میں مختلف ہوں۔

جناس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) جناس تام (۲) جناس غیر تام

جناس تام کی تعریف: جناس تام وہ ہے جس میں دو لفظ چار امور میں یکساں ہوں:

(۱) نوعیت حروف (الف، باء، تا، ثا، جیم وغیرہ)

(۲) شکل یعنی بیئت حروف (حرکت و سکون وغیرہ)

(۳) تعداد حروف

(۴) ترتیب حروف

جناس غیر تام کی تعریف: جناس غیر تام وہ ہے جس میں دو لفظ مذکورہ چار امور میں سے کسی ایک میں مختلف ہوں۔

اس خط میں طباق (جو علم البدیع کی محسنات معنویہ سے تعلق رکھتا ہے) کی مثالیں بھی پائی جاتی ہیں جیسے و أعجزنا البهر عن اللحاق بها

لتفاوت سبقها، ألحقت ضعيفها بقويها، و غلبت محسنها بمسيئها، يرفعن الطلب لها ويخفضن الظفر بها

پہلی مثال میں اللحاق کے مقابلہ میں سبق کا لفظ لایا گیا۔

دوسری مثال میں ضعيف کی ضد قوي کا ذکر کیا گیا۔

تیسری مثال میں محسن کے مقابل مسیء لایا گیا۔  
چوتھی مثال میں یوفعن کی نفیض یخفصن استعمال ہوئی ہے۔  
لہذا ان چاروں مثالوں میں طباق ایجاب پایا جاتا ہے۔  
طباق کی تعریف: کلام میں کسی شی اور اس کی ضد کو جمع کرنے کا نام طباق ہے۔  
طباق کی دو قسمیں ہیں:

(۱) طباق ایجاب (۲) طباق سلب

طباق ایجاب کی تعریف: طباق ایجاب وہ طباق ہے جس میں ضدین ایجاب و سلب میں مختلف نہ ہوں۔  
طباق سلب کی تعریف: طباق سلب وہ ہے جس میں ضدین ایجاب و سلب میں مختلف ہوں۔  
اس خط میں تشبیہات کی مثالیں بھی موجود ہیں جیسے کأنا کتیبة ظفرت ببغیتها و سرية نصرت علی عدوہا اس جملہ میں تشبیہ مفصل اور تشبیہ مرسل ہے۔

تشبیہ کی دوسری مثال فمزت تحف حقیف الريح عند هبوبها اس جملہ میں کاتب نے شکاری جانوروں کی دوڑ کو برق رفتاری میں تیز و تند چلنے والی ہوا سے تشبیہ دی لہذا یہ تشبیہ مؤکد و مجمل ہے کیونکہ اس میں حرف تشبیہ اور وجہ شبہ کو حذف کر دیا گیا۔  
اسی طرح یہ مثال بھی ہے: قد مزقتها تمزیق الريح الجرءاء  
تشبیہ مرسل کی تعریف: تشبیہ مرسل وہ تشبیہ ہے جس میں حرف تشبیہ مذکور ہو۔

## 9.9 اکتسابی نتائج

عبدالحمید اکاتب جن کے بارے میں مشہور ہے کہ انشا پردازی کا آغاز عبدالحمید سے ہوا اور انتہا ابن الحمید پر ہوئی، آپ نے بعد میں آنے والے انشا پردازوں کے لیے ایک نیا منہج قائم کیا اور فن رسائل کی داغ بیل ڈالی اور ادیبوں نے آپ کی تقلید کی، اس طرح فن رسائل کو خوب فروغ حاصل ہوا، وصف الصيد کا مطالعہ کرنے سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ اس ادیب کو کسی بھی منظر کو دل نشیں پیرایہ میں بیان کرنے کی بھرپور صلاحیت اور جملوں کو مختلف انداز میں ڈھالنے کی زبردست قدرت اور الفاظ کو مناسب مواقع پر استعمال کرنے کی غیر معمولی لیاقت حاصل تھی۔

عبدالحمید اکاتب اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ شکار کے لیے نکلے، شکار کے بعد آپ نے امیر المؤمنین مروان بن محمد کو شکار کے حالات سے واقف کراتے ہوئے ایک خط لکھا، اس خط میں اس پورے واقعہ کی اس طرح منظر کشی کی گئی ہے کہ پڑھنے والے کو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ خود شکار گاہ پر موجود اور شکار کرنے میں برابر کا شریک ہے، شکار کے مشکلات، شکار یوں کی انتھک کوشش اور شکار کی جستجو میں پیش آنے والے خطرات و مشکلات، حالات کی سنگینی اور شکار گاہ کی صعوبتیں، ان تمام کو عبدالحمید اکاتب نے بہترین انداز میں پیش کیا ہے، ساتھ ہی شکاری کتوں اور پرندوں کے اوصاف اور ان کی کیفیت، ان کے خو خوار حملے اور شکار کی تلاش و جستجو میں ان کی بھاگ دوڑ، شکار کے ٹھکانوں کو پہچاننے میں ان کی مہارت، شکار کے وقت پرندوں کی پھڑ پھڑاہٹ اور شکاری کتوں اور پرندوں کا ان پر حملہ، اس وقت لوگوں کی کیفیت اور ان کے اضطراری افعال کا جس باریک

بنی اور دقت نظری سے اس خط میں نقشہ کھینچا گیا ہے وہ قاری کے سامنے اس سارے منظر کو اس طرح پیش کرتا ہے کہ قاری میں کسی قسم کی تشنگی باقی نہیں رہتی۔

پہلے پیرا گراف میں کاتب نے امیر المؤمنین کو درازی عمر کی دعائیں دیتے ہوئے اجمالاً شکار کا سارا حال یوں بیان کیا کہ اللہ نے ہمیں اس سفر میں بڑی خیر و برکت سے نوازا، شروع میں دشواریوں کا سامنا ہوا اور مشقت اٹھانی پڑی لیکن بالآخر ہمیں بڑی کامیابی اور بے پناہ مسرت حاصل ہوئی۔ دوسرے پیرا گراف میں مصور نے شکاری جانوروں، کتوں، گھوڑوں اور پرندوں کے اوصاف، ان کی نسل، ان کے عادات و اطوار، ان کی جسامت، رنگت، قد و قامت، سبک رفتاری، تیز نگاہی، شکار پران کی مضبوط گرفت اور ان کی بہترین تربیت کا تذکرہ کیا ہے، علاوہ ازیں دوران شکار برسات کے برسنے سے زمین کے لالہ زار ہونے، پھول و کلیوں کے کھلنے اور باغیچوں کے مہکنے اور خلا کے صاف و شفاف ہونے کے منظر کو پیش کیا گیا ہے مزید برآں ہر نیوں اور خرگوشوں وغیرہ کے شکار کا حال بیان کیا گیا ہے۔

تیسرے پیرا گراف میں ایک ایسی شکار گاہ کا تذکرہ ہے جو ڈھیر سارے پرندوں سے بھری پڑی تھی، شکار کے لیے جب طبل بجایا گیا تو اپنی کثرت کی وجہ سے وہ افق پر چھا گئے اور بیک وقت اڑنے کی وجہ سے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ نے شکاری جانوروں کو ڈرا دیا تو ان کے شکار کے لیے باز اور شکروں سے مدد لی گئی اور شکار اس قدر شکاریوں کے ہاتھ لگے کہ وہ ذبح کرتے کرتے تھک گئے اور فرط مسرت میں جھومنے لگے اور ان کی زبانیں شکار کی فراوانی پر اللہ کا شکر بجالانے میں مشغول ہو گئیں۔

#### 9.10 نمونے کے امتحانی سوالات

- ۱۔ خطوط نگاری، اس کے عناصر اور اقسام پر جامع نوٹ تحریر کیجیے۔
- ۲۔ عبد الحمید اکاتب اور اس کی انشا پردازی واسلوب نگارش پر سیر حاصل بحث کیجیے۔
- ۳۔ ”وصف الصيد“ کا خلاصہ قلمبند کیجیے۔
- ۴۔ رسالہ ”وصف الصيد“ میں پائی جانے والی ”جناس“ اور ”طباق“ کے مواقع کی نشاندہی کرتے ہوئے ان کی تفہیم کیجیے۔
- ۵۔ مندرجہ ذیل عبارت کا بحوالہ متن ترجمہ و تشریح کیجیے۔

فَإِذَا نَحْنُ بِرَعْلَةٍ مِنْ ظُبَاءٍ، وَخَلْفَةٍ آرَامٍ يَزْعُنُ أَنْسَاتٍ، قَدْ أَحَالَ لِهِنَّ الصَّبَابَةُ عَنْ شَخْصِنَا، وَأَذْهَلَهُنَّ أُنَيْقُ الرِّيَاضِ عَنْ اسْتِمَاعِ حَسِنَا، فَلَمْ نَعْبُجْ إِلَّا وَالصَّوَارِي لَانْحَةِ لِهِنَّ مِنْ بَعْدِ الْعَايَةِ..... فَأَمَرْتُ بِإِزْسَالِهَا عَلَى الثَّقَةِ بِمَحْضَرِهَا، وَسُرْعَةِ الْجَوَارِحِ فِي طَلِبِهَا، فَمَزَتْ تَحْفُ حَفِيفِ الرِّيحِ هُبُوبُهَا، تُسِفُّ الْأَرْضَ سَفًّا، كَاشِفَةً عَنْ أَثَارِهَا، طَالِبَةً لِحِيارِهَا، حَارِشَةً بِأُظْفَارِهَا، قَدَمَزَتْهَا تَمَزِيقُ الرِّيحِ الْجَزْدَاءِ؛ فَمِنْ صَائِحِ بِهَا وَنَاعِرٍ... يَدْعُو الْكَلْبَ بِاسْمِهِ، وَيَقْدِيهِ بِأَبْيِهِ وَأُمِّهِ؛ وَرَاكِصٍ تَحْتَ مَفْرِهِ.... قَدْ حَيَّرَتْنا الْكَثْرَةُ وَالْهَجْنَةُ الْقُدْرَةُ.

- ۶۔ درج ذیل عبارت پر اعراب لگائیے اور ترجمہ کیجیے۔



ثم ملنا يا أمير المؤمنين بهداية دليل قد أحكمته التجارب ، وخبر أعلام المذانب ، إلى غدير أفيح ، وروضة خضرة ، مستأجمة بتلاوين الشجر ، ملتفة بصنوف الخمر ، مملوءة من أنواع الطير ، لم يدعروهن صائد ، ولا اقتنصهن قانص ، فحفق لها بطول ، وصفر بنفير الحنف ، فثار منها ما ملأ الأفق كثرتها ، وراعت الجوارح خفقات أجنتها ؛ ثم انبرت البزاة لها صائدة ، والصقور كاسرة ، والشواهيئ ضاربة ، يرفعن الطلب لها ، ويخفضن الظفر بها ، حتى سئما من الذبح ، وامتلاؤنا من النصيح ، كأنا كتيبة ظفرت ببغيتها ، وسرية نصرت على عدوها

## 9.11 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

- |                                 |                  |
|---------------------------------|------------------|
| ۱۔ البیان والتبيين              | للجاحظ           |
| ۲۔ الفهرست                      | لابن النديم      |
| ۳۔ عيون الأخبار                 | لابن قتيبة       |
| ۴۔ عربی ادب کی تاریخ            | عبدالحلیم ندوی   |
| ۵۔ الفن ومذاهبه فی النشر العربی | شوقی ضیف         |
| ۶۔ أمير البیان                  | لکرد علی         |
| ۷۔ العقد الفريد                 | لابن عبدربه      |
| ۸۔ الجامع فی تاریخ الأدب العربی | لحنا الفاخوري    |
| ۹۔ وفيات الأعيان                | لابن خلکان       |
| ۱۰۔ المفید فی الأدب العربی      | لجماعة من الكتاب |

## اکائی 10: فی فضل الاقدمین: ابن المقفع

اکائی کے اجزا	
10.1	مقصد
10.2	تمہید
10.3	متن سبق
10.4	صاحب سبق کا تعارف
10.4.1	عملی زندگی
10.4.2	قتل
10.4.3	سیرت و اخلاق
10.4.4	زبان و بیان کی خوبی
10.4.5	عربی ترجمے
10.4.6	تالیفات
10.5	متن کا ترجمہ
10.6	لغوی تحقیق
10.7	ادبی صنف کا تعارف
10.7.1	صنف کی ہیئت و صورت
10.8	متن سبق کا موضوع
10.9	متن سبق کی توضیح و تشریح
10.10	متن کی خصوصیات
10.11	اسلوبی خصوصیات
10.12	اقتصادی نتائج
10.13	نمونے کے امتحانی سوالات
10.14	مطالعے کے لیے معاون کتابیں

## 10.1 مقصد

ابن المقفع عصر عباسی اول کا نہایت عظیم ادیب گذرا ہے، جو اپنی عربی نثر نگاری میں یگانہ روزگار اور ممتاز مقام رکھتا ہے، یہاں پر یہ سبق "فی فضل الأقدمین" جو کہ دراصل ابن المقفع کی کتاب "الأدب الكبير" کا مقدمہ ہے، اس کے پڑھنے کے بعد قاری اور طلبہ اس صاحب بصیرت، علم شناس، عربی داں، صاحب طرز ادیب کا ایک پیرا گراف جو کہ ادب کا اعلیٰ نمونہ ہے، اس کی طرز نگارش، اس کے اسلوب تحریر، اس کی فکری افق اور بصیرت کا اندازہ کر سکیں گے اور علم و ادب کے موتی اور مونگے اور زبان و بیان کا اسلوب بھی جان سکیں گے اور اس تحریر سے استفادہ اور اس کے زبان و بیان سے شناساوری بھی حاصل ہوگی، جو نہایت سلیس، چھوٹے چھوٹے، جملوں اور فقروں پر مشتمل ادب و بیان کا ایک شہہ پارہ ہے۔

## 10.2 تمہید

عصر عباسی اول میں علوم و فنون کو خوب رواج حاصل ہوا، نثر نگاری خوب پروان چڑھی، ترجمہ نگاری کا فن اپنے اوج کمال کو پہنچا، بہت سی یونانی اور دیگر زبانوں کی کتابیں نیز علوم و فنون عربی زبان میں منتقل ہوئے۔ منصور کے زمانے میں نجوم، ہیئت اور طب کی کتابوں کی ایک بڑی تعداد عربی میں منتقل ہوئی۔ رشید کے زمانے میں المجسطی کا ترجمہ ہوا۔ مامون نے دار الحکمت محض اس غرض سے قائم کیا کہ ادب و علوم و حکمت کی ان تمام کتابوں کا ترجمہ عربی میں کرایا جائے جو عبرانی، سریانی، سنسکرت اور دیگر زبانوں میں مل سکیں۔ فلسفہ منطق، ادب و طب اور نجوم وغیرہ کا بڑا سرمایہ اس عہد میں منتقل ہوا۔ ان تراجم کے کام کرنے والوں میں سرفہرست عبد اللہ بن المقفع، آل نوبخت، فضل بن نوبخت، موسیٰ بن خالد اور ان کے بھائی یوسف بن خالد، علی بن زیاد التیمی شامل ہیں۔ ان میں بیشتر فارسی قدیم (پہلوی) زبان سے ترجمہ کرنے والے ہیں، سنسکرت (ہندی) کے ترجمہ کرنے والوں میں سکھ الہندی، ابن دہن شامل ہیں، ابن وحشیہ نے زراعت و باغبانی کی کئی عمدہ کتابیں قبطی (کلدانی) سے عربی میں منتقل کی۔ نجوم، طبیعیات اور میکانیات کے تراجم میں موسیٰ بن شا کر اور اس کے لڑکے کا بڑا کردار رہا، اس دور میں فلسفہ، ادب، منطق، طب، ریاضیات، نجوم، ہیئت، ہندسہ، زراعت، باغبانی، سحر، طلسمات اور تاریخ و قصص کے کئی سو کتابیں ان تمام زبانوں سے حاصل کی گئیں اور بہت جلد عربی زبان کا بیش بہا سرمایہ بن گئیں۔ عبد اللہ بن مقفع بھی اس دور کا ایک ترجمہ نگار اور صاحب طرز ادیب گذرا ہے، جس کی ترجمہ نگاری اور ادب کو خوب سراہا گیا۔ قاری کو چھوٹے چھوٹے، سہل انداز، مفہوم اور معلوم جملوں میں اپنی بات کرنے میں اس کا خاص اسلوب رہا ہے، اس کی کتابوں خصوصاً کلیلہ و دمنہ اور الأدب الكبير کو نثر نگاری کا ایک اعلیٰ نمونہ تصور کیا جاتا ہے، جو اپنی تحریری خوبیوں، طرز نگارش اور اسلوب و ادا کے لحاظ سے ادب کے عظیم شاہ پارے شمار ہوتے ہیں۔

## 10.3 متن سبق

إِنَّا وَجَدْنَا النَّاسَ قَبْلَنَا كَانُوا أَكْثَرًا أَكْثَرًا وَأَوْفَرَ مَعَ أَجْسَامِهِمْ أَخْلَاقًا، وَأَشَدَّ قُوَّةً، وَأَحْسَنَ بِقُوَّتِهِمْ لِلْأُمُورِ إِتْقَانًا، وَأَطْوَلَ أَعْمَارًا، وَأَفْضَلَ بِأَعْمَارِهِمْ لِلْأَشْيَاءِ اخْتِبَارًا. فَكَانَ صَاحِبُ الدِّينِ مِنْهُمْ أَبْلَغَ فِي أَمْرِ الدِّينِ عِلْمًا وَعَمَلًا مِنْ صَاحِبِ الدِّينِ مَنَّا، وَكَانَ صَاحِبُ الدُّنْيَا عَلَى مِثْلِ ذَلِكَ مِنَ الْبَلَاغَةِ وَالْفَضْلِ. وَوَجَدْنَاهُمْ لَمْ يَرْضَوْا بِمَا فَازُوا بِهِ مِنَ الْفَضْلِ الَّذِي قُسِمَ لَهُمْ لِأَنْفُسِهِمْ حَتَّى أَشَرُّ كُنَّا مَعَهُمْ فِيمَا أَدْرَكُوا مِنْ عِلْمِ الْأُولَى

وَالْآخِرَةُ، فَكَتَبُوا بِهِ الْكُتُبَ الْبَاقِيَةَ، وَضَرَبُوا الْأَمْثَالَ الشَّافِيَةَ، وَكَفَّوْنَا بِهِ مَوْوَنَةَ التَّجَارِبِ وَالْفُطْنَةَ وَبَلَغَ مِنْ اهْتِمَامِهِمْ بِذَلِكَ أَنَّ الرَّجُلَ مِنْهُمْ كَانَ يَفْتَحُ لَهُ الْبَابَ مِنَ الْعِلْمِ، أَوِ الْكَلِمَةَ مِنَ الصَّوَابِ - وَهُوَ فِي الْبَلَدِ غَيْرِ الْمَأْهُولِ - فَيَكْتُبُهُ عَلَى الصُّخُورِ، مُبَادَرَةً لِلْأَجْلِ وَكَرَاهِيَةً مِنْهُ أَنْ يَسْقُطَ ذَلِكَ عَمَّنْ بَعْدَهُ.

فَكَانَ صَنِيعُهُمْ فِي ذَلِكَ صَنِيعَ الْوَالِدِ الشَّفِيقِ عَلَى وَلَدِهِ، الرَّحِيمِ الْبَرِّ بِهِمْ، الَّذِي يَجْمَعُ لَهُمُ الْأَمْوَالَ وَالْعَقْدَ: إِرَادَةً أَنْ لَا تَكُونَ عَلَيْهِمْ مَوْوَنَةٌ فِي الطَّلَبِ، وَخَشْيَةً عَجْزِهِمْ، إِنْ هُمْ طَلَبُوا.

فَمُنْتَهَى عِلْمٍ عَالِمِنَا فِي هَذَا الزَّمَانِ أَنْ يَأْخُذَ مِنْ عِلْمِهِمْ، وَغَايَةُ إِحْسَانِ مُحْسِنِنَا أَنْ يَقْتَدِيَ بِسِيرَتِهِمْ، وَأَحْسَنُ مَا يَصِيبُ مِنَ الْحَدِيثِ مُحَدَّثُنَا أَنْ يَنْظُرَ فِي كُتُبِهِمْ. فَيَكُونُ كَأَنَّهُ إِيَّاهُمْ يُحَاوِرُ، وَمِنْهُمْ يَسْتَمِعُ، وَآثَارُهُمْ يَتَّبِعُ، وَعَلَى أَعْمَالِهِمْ يَحْتَدِي، وَبِهِمْ يَقْتَدِي. غَيْرَ أَنَّ الَّذِي نَجِدُ فِي كُتُبِهِمْ هُوَ الْمُنتَحَلُ مِنْ آرَائِهِمْ وَالْمُنْتَفَى مِنْ أَحَادِيثِهِمْ.

وَلَمْ نَجِدْهُمْ غَاذِرُوا شَيْئًا يَجِدُ وَاصِفٌ بَلِيغٌ فِي صِفَةِ لَهُ غَايَةً لَمْ يَسْبِقُوهُ إِلَيْهَا: لَا فِي تَعْظِيمِ اللَّهِ (عَزَّ وَجَلَّ) وَتَرْغِيبِ فِيهِمَا عِنْدَهُ، وَلَا فِي تَصْغِيرِ لِلدُّنْيَا وَتَرْهِيدِ فِيهَا، وَلَا فِي تَحْرِيرِ صُنُوفِ الْعِلْمِ وَتَقْسِيمِ قِسْمِهَا وَتَجْزِئَةِ أَجْزَائِهَا وَتَوْضِيحِ سُبُلِهَا وَتَبْيِينِ مَا خِذَهَا، وَلَا فِي وَجْهِ مِنْ وَجْهِ الْأَدَبِ وَضُرُوبِ الْأَخْلَاقِ. فَلَمْ يَبْقَ فِي جَلِيلِ الْأَمْرِ وَلَا صَغِيرِهِ لِقَائِلٍ بَعْدَهُمْ مَقَالٌ. وَقَدْ بَقِيََتْ أَشْيَاءُ مِنْ لَطَائِفِ الْأُمُورِ فِيهَا مَوَاضِعٌ لِعَوَامِضِ الْفُطْنِ، مُشْتَقَّةٌ مِنْ جَسَامِ حِكْمِ الْأَوَّلِينَ وَقَوْلِهِمْ. فَمِنْ ذَلِكَ بَعْضُ مَا أَنَا كَاتِبٌ فِي كِتَابِي هَذَا مِنْ أَبْوَابِ الْأَدَبِ الَّتِي قَدْ يَحْتَاجُ إِلَيْهَا النَّاسُ.

#### 10.4 صاحب سبق کا تعارف

پورا نام ”ابو محمد عبد اللہ بن المقفع“ ہے، تاریخ و ادب کی کتابوں میں بالعموم صرف ”ابن المقفع“ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ عربی زبان کا بہت ہی مشہور و معروف ادیب، دانشور، نثر نگار اور مترجم گزرا ہے۔ عربی ادب کی تاریخ اس کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ یہ پیدائشی اعتبار سے ایرانی النسل تھا اور مجوسی فکر و خیالات کا حامل تھا، پھر اسلام قبول کر لیا اور خلافت اموی و عباسی دونوں ادوار اس نے دیکھے۔ اس کا قدیم نام ”روزبہ“ اور اس کے باپ کا قدیم نام ”داؤد“ ہے۔

اس کی پیدائش ایران کے ایک گاؤں میں ہوئی، خاندان شریفوں اور اصحابِ وجاہت لوگوں کا تھا، وطن میں رہ کر ہی اس نے فارسی اور پہلوی زبان میں تحریر و تقریر پر قدرت حاصل کی، اس کے والد عہد بنو امیہ میں حجاج بن یوسف کی ولایت کے زمانے میں فارس کے کسی نواحی صوبے میں محصلِ مالیات رہ چکے تھے، بعد میں انہیں بصرہ بھیج دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ انھیں کسی موقع پر مالی خرد برد میں ملوث پایا گیا، جس کی بنا پر حجاج بن یوسف نے سخت سزا دی، ان کے ہاتھ اور انگلیوں پر خاص طور سے مارا گیا، جس کی وجہ سے ان کی انگلیاں شل ہو گئیں اور وہ ”المقفع“، کہلانے لگے، اسی مناسبت سے ان کے بیٹے کو ابن المقفع کہا گیا اور وہ علمی و ادبی دنیا میں اسی سے مشہور ہو گیا۔

ابن المقفع جب سن شعور کو پہنچا، تو اس کے والد ان دنوں بصرہ میں مالیات کے شعبے میں سرکاری ملازم تھے، انھوں نے بیٹے کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی اور باقاعدہ استاذ رکھ کر اس کی تعلیم کا انتظام کیا۔ اسے مکمل طور پر پڑھنے لکھنے کے لیے فارغ کر دیا، ابن المقفع پیدائشی طور پر ذہین تھا

اور طلب علم کا شوق رکھتا تھا؛ چنانچہ اس نے بہت جلد مختلف علوم و فنون میں مہارت حاصل کر لی۔ اس نے یکے بعد دیگرے کئی اساتذہ سے کسب فیض کیا، البتہ ان میں دو اساتذہ کا ذکر عام طور پر کتابوں میں آتا ہے: ایک ابوالغول اور دوسرے ثور بن یزید۔ عربی اس کی مادری زبان نہیں تھی، مگر اپنی توجہ اور محنت اور اساتذہ کی عنایت کی بدولت وہ بہت جلد اس زبان میں اس حد تک ماہر ہو گیا کہ عربی میں شاعری کرنے لگا، پھر شاعری بھی ہلکی پھلکی نہیں؛ بلکہ اعلیٰ درجے کی کرتا تھا؛ چنانچہ اس کے اشعار ابوتمام کی مشہور کتاب ”دیوان الحماسہ“ میں بھی نقل کیے گئے ہیں۔

#### 10.4.1 عملی زندگی

ابن المقفع کی عملی زندگی زیادہ تر سرکاری ملازمتوں میں بسر ہوئی، ابتداءً وہ فارس کے ایک صوبے میں مسیح بن حواری نامی والی کے یہاں کاتب تھا۔ یہ عہدہ آج کل کے پرسنل سکریٹری یا ترجمان جیسا تھا۔ پھر کسی بنا پر مرکز سے مسیح بن حواری کی جگہ سفیان بن معاویہ بن یزید کو اس صوبے کا والی بنا کر بھیج دیا گیا۔ مسیح اپنا عہدہ چھوڑنے کو تیار نہ تھا؛ چنانچہ اس نے انکار کیا، ادھر سفیان بن معاویہ بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھا، بالآخر دونوں میں جنگ تک کی نوبت آگئی اور سفیان کو شکست سے دوچار ہونا پڑا، ابن المقفع اس پورے سانحے میں مسیح بن حواری کے شانہ بہ شانہ رہا اور سفیان کی ہزیمت کے لیے اپنے طور پر اس نے مختلف حربوں اور پروپیگنڈوں سے کام لیا، حتیٰ کہ سفیان کی خاندانی شرافت کو بھی نشانہ بنایا۔ کچھ دنوں بعد ابن المقفع کرمان میں داؤد بن یزید بن عمر بن ہبیرہ کا بھی کچھ مدت تک پرسنل سکریٹری رہا، اس کے بعد وہ بصرہ آ گیا اور دوسرے عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور کے چچا عیسیٰ بن علی عباسی کے یہاں ملازم ہو گیا، اسی دوران وہ اسلام سے متاثر ہوا اور مجوسیت سے اسلام کی طرف منتقل ہو گیا۔ وہاں سے ترقی کر کے وہ سیدھے ابوجعفر منصور تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا اور اتنا ہی نہیں، دربار خلافت میں اعلیٰ منصب تک پہنچا اور خلیفہ کا ترجمان و سکریٹری بن گیا۔ اس کے شہرہ آفاق ترجمہ ”کلیلہ و دمنہ“ کی تالیف کا یہی دور ہے۔ اس نے اپنی قابلیت اور خدمات کی بدولت علمی و ادبی حلقوں کے علاوہ خلیفہ کے یہاں نمایاں مقام حاصل کر لیا۔

#### 10.4.2 قتل

136ھ میں جب خلیفہ ابوجعفر منصور خلیفہ ہوا، تو اس کے ایک چچا عبداللہ بن علی العباسی نے بغاوت کر دی خلیفہ کی فوج سے مقابلہ ہوا، تو وہ شکست کھا گیا اور پناہ لینے پر مجبور ہوا، تو اپنے بھائی عیسیٰ بن علی العباسی اور سلیمان بن علی العباسی کو ساتھ میں بطور سفارشی لے کر ابوجعفر کے یہاں طلبِ امان کے لیے حاضر ہوا۔ چچا کی درخواست اور دوسرے چچاؤں کی سفارش سن کر خلیفہ نے کہا ٹھیک ہے، میں نے آپ لوگوں کی بات سن لی ہے اور حسبِ مرضی فیصلہ جلد ہی کروں گا؛ لیکن اس سے پہلے کہ خلیفہ کوئی فیصلہ سناتا، کسی مجلس میں ابن المقفع نے ایسی بات کہہ دی کہ خلیفہ امان دینے پر مجبور ہو گیا اور اپنی رضامندی ظاہر کر دی؛ لیکن خود اس سے سخت ناراض ہو گیا کہ اس نے ایسی سفارش کیوں کی؟ اب یہ خلیفہ کی نظر میں چڑھ گیا، مگر خلیفہ چوں کہ اس کا قدردان تھا؛ چنانچہ بجائے اس کے کہ خود اس کے خلاف کوئی قدم اٹھاتا، اسے اپنے یہاں سے ہٹا کر سفیان بن معاویہ، جو اس وقت بصرہ کا حاکم تھا، اس کی ماتحتی میں بھیج دیا۔ جیسا کہ مذکور ہوا مسیح بن حواری والے واقعے میں ابن المقفع نے کھل کر سفیان کی مخالفت کی تھی، حتیٰ کہ اس کی خاندانی شرافت وغیرہ پر بھی سوال کھڑے کیے تھے؛ بلکہ تاریخ کی کتابوں میں تو اس کے تعلق سے عجیب عجیب باتیں لکھی ہیں، مثلاً یہ کہ ابن المقفع سفیان کے بارے میں کہتا تھا کہ وہ ایک بدچلن عورت کا بیٹا ہے، وہ اسے سامنے ہی نہایت بھدی اور نگلی گالیاں دیا کرتا تھا، سفیان اس سے اس

حد تک زنج ہوا کہ اس نے عہد کر لیا تھا کہ قابو پاتے ہی ابن المقفع کو نہایت دردناک طریقے سے قتل کرے گا اور اس کے ایک عضو کو کٹوا دے گا؛ چنانچہ اپنے یہاں ملازم ہونے کے بعد اس نے ابن المقفع کو کسی معاملے میں پھنسا دیا، جب اس کا پتا ابن المقفع کو چلا، تو اس نے پھر سفیان کو ماں کی گالی دی، اب اس کا غصہ ساتویں آسمان پر تھا۔ اس نے ملازمین سے کہا کہ ایک تندور میں آگ دہکائیں، پھر ابن المقفع کو بلوایا اور اس کا ایک ایک عضو کٹوا کر اس کے سامنے ہی اس آگ میں ڈلوا تا رہا، حتیٰ کہ اس کی موت واقع ہو گئی۔ یہ واقعہ 142ھ میں پیش آیا، اس وقت ابن المقفع کی عمر کل 36 سال تھی۔ یہ خبر یقیناً خلیفہ تک پہنچی ہوگی، مگر وہ تو پہلے ہی اس سے چڑا ہوا تھا؛ چنانچہ اس نے کوئی ایکشن نہیں لیا۔

#### 10.4.3 سیرت و اخلاق

ابن المقفع کی پوری زندگی پر ایک نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ متضاد کرداروں کا مالک تھا، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ وہ اسلام قبول کرنے کے بعد پھر زندیق یعنی ملحد اور بے دین ہو گیا تھا، مگر یہ بات درست نہیں ہے، تھا تو وہ مسلمان ہی، البتہ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی اس کے عادات و اطوار یا انفرادی و اجتماعی زندگی پر کچھ خاص اثر نہیں پڑا تھا اور اس کی زندگی میں مذہبیت کے آثار کچھ زیادہ نہیں پائے جاتے تھے۔ ہاں البتہ انسانی جذبات اس کے یہاں بے پناہ پائے جاتے تھے؛ چنانچہ وہ ایک فیاض اور سخی انسان تھا، جذبہ ایثار سے ہم کنار تھا، ضرورت مندوں اور مصیبت زدہ افراد کی مدد کرتا تھا، کئی بار اس نے اپنی جان پر کھیل کر دوسروں کو مصیبت سے نکالا اور انھیں نئی زندگی دی۔ اس نے جس قسم کی کتابوں کے ترجمے کیے ہیں، ان سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی طبیعت میں انسانیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

#### 10.4.4 زبان و بیان کی خوبی

ابن المقفع نے عموماً فارسی یا پہلوی زبان سے عربی میں ترجمہ کیا ہے، کچھ اشعار بھی کہے ہیں، اس کی زبان میں سلاست و روانی، ایجاز و اختصار، سہل نگاری خصوصاً مترادفات سے پرہیز کا وصف پایا جاتا ہے، جو اس دور کے عربی ادب میں عام طور پر رائج نہیں تھا، وہ مسجع عبارتوں کا استعمال تقریباً نہیں کرتا اور نہ ہی اس کے بیان میں غموض و ابہام ہوتا ہے، سچی بات یہ ہے کہ اس نے عربی ادب میں ترجمہ کے ایک بالکل نئے اور منفرد دور کا آغاز کیا اور اس کی بنا ڈالی، خلافت عباسیہ کے اوائل میں جب ترجمہ و تصنیف کا کام بڑے پیمانے پر سرکاری سرپرستی میں شروع ہوا، تو ابن المقفع اس تحریک کے سرخیلوں میں تھا اور اس نے علمی و عملی طور پر ترجمے کی تحریک کو آگے بڑھانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

#### 10.4.5 عربی ترجمے

ابن المقفع نے مختلف اہم کتابوں کا دوسری زبان سے عربی میں ترجمہ کیا ہے، ان میں مختلف موضوعات سے متعلق کتابیں شامل ہیں، بعض کتابوں کے نام اس طرح ہیں:

- (1) کلیلة و دمنة پہلوی سے عربی (حکیمانہ قصے و اقوال)
- (2) کتاب الرسوم پہلوی سے عربی (ایرانی آئین کا ترجمہ)
- (3) کتاب التاج پہلوی سے عربی (نوشیرواں کی سوانح)
- (4) سیر ملوک العجم پہلوی سے عربی (عجمی بادشاہوں کی سوانح)

ارسطو اور فریفوس صوری کی منطق و فلسفہ کی کتابوں کا فارسی سے عربی زبان میں ترجمہ کیا۔

#### 10.4.6 تالیفات

- (1) الأدب الكبير پند و نصائح کا مجموعہ
- (2) الأدب الصغير پند و نصائح کا مختصر مجموعہ
- (3) الدرّة اليتيمة پند و نصائح کا مختصر مجموعہ
- (4) رسالة الصحابة

بعد میں کئی لوگوں نے اس کے اقوال، حکم، رسائل وغیرہ کو بھی کتابی شکل میں جمع کیا ہے۔

#### 10.5 متن سبق کا ترجمہ

ہم سے پہلے کے لوگ جسمانی اعتبار سے عظیم ہونے کے ساتھ بڑی عقل والے بھی ہوتے تھے، طاقتور بھی ہوتے تھے، اپنی طاقت کا استعمال کر کے مختلف امور کو اچھی طرح انجام دیتے تھے، ان کی عمریں طویل ہوتی تھیں، وہ طویل العمر ہونے کے ساتھ چیزوں کی پہچان اور پرکھ کی صلاحیت بھی رکھتے تھے، ان میں سے جو مذہبی لوگ تھے، وہ ہمارے عہد کے مذہبی انسانوں سے علم و عمل میں بہتر تھے، اسی طرح اس زمانے کے جو اہل دنیا تھے، وہ بھی فضل و کمال میں ہمارے زمانے کے اہل دنیا سے فائق تھے۔

پھر جو علم و فضل اور کمالات انھیں مقدر کیے گئے تھے، وہ صرف انہی پر خوش نہیں ہو گئے؛ بلکہ انھوں نے حاصل کردہ دنیوی و اخروی علوم میں ہمیں بھی شریک کیا اور بہت سی باقی رہنے والی کتابیں لکھیں، تشفی بخش (عمدہ) مثالیں قائم کیں اور ہمیں تجربہ و ذہنی مشقت سے محفوظ رکھا۔ وہ اس بات کا اس قدر اہتمام کرتے تھے کہ اگر ان میں سے کسی پر علم کا کوئی دروازہ کھلتا یا کوئی درست بات معلوم ہوتی (اور وہ کسی غیر آباد مقام پر ہوتا) تو وہ اچانک موت کے اندیشے اور اس خیال سے کہ یہ بات آنے والی نسلوں تک پہنچنے سے رہ نہ جائے، اسے پتھروں یا چٹانوں پر لکھ لیتا۔ اس سلسلے میں ان کا رویہ ایک ایسے شفیق، مہربان و محسن باپ کی طرح تھا، جو اپنی اولاد کو محنت و مشقت اور تکلیف سے بچانے کے مقصد سے اموال و جائیداد جمع کر کے رکھتا ہے۔

پس ہمارے عہد کے اہل علم کے علم کی انتہا یہ ہے کہ وہ ان کے علوم سے استفادہ کرے اور ہمارے دور کے نیکو کار کے حسن عمل کی غایت یہ ہے کہ وہ ان کے عمل کی پیروی کرے اور ہمارے عہد کے محدث (یعنی بیان دینے والے واعظ) کی سب سے بہتر بات یہ ہے کہ وہ ان کی کتابوں کا مطالعہ کرے، یہ ایسا ہی ہے گویا وہ ان لوگوں سے بات چیت کر رہا ہے اور ان کی باتیں سن رہا ہے، ان کے نقش پا کی پیروی کر رہا ہے، ان کے اعمال کو اپنارہا ہے اور ان کی اقتدا کر رہا ہے۔ البتہ ہم ان کی کتابوں میں جو کچھ پاتے ہیں، وہ ان کے منتخب آراء و افکار اور چند باتیں ہیں۔

انھوں نے کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی ہے، جس کی طرف کسی دقت پسند انسان کا ذہن جاتا ہو، چاہے اللہ عز و جل کی عظمت بیان کرنے اور اس کے پاس موجود نعمتوں کی ترغیب دلانے کی بات ہو یا دنیا کی تحقیر اور اس سے احتراز کرنے کی، چاہے علم کے انواع و اقسام کا بیان اور مختلف اقسام میں اس کی تقسیم، اس کی جزئیات کا بیان، اس کے ذرائع اور طریقوں کی وضاحت اور مآخذ و مصادر کی تشریح ہو یا ادب و اخلاق کی مختلف قسموں

کا بیان۔ کسی بھی بڑے چھوٹے معاملے یا موضوع پر کسی کے لیے کہنے کو کچھ نہیں بچا۔ کچھ ایسے دقیق امور ہیں، جو ذہین افراد کے کام کے ہیں اور وہ اسلاف کی بڑی بڑی حکمتوں اور اقوال سے مشتق ہیں، انہی میں سے بعض کو میں اس کتاب کے ابواب الادب میں لکھ رہا ہوں، جن کی لوگوں کو ضرورت پڑ سکتی ہے۔

## 10.6 لغوی تحقیق

أوفر	:	زیادہ، بھرپور
أحلام (و) حلم	:	عقل، بردباری
إتقان	:	کسی کام کو اچھی طرح مضبوطی سے کرنا (أَتَقَنَ، يُتَقَنُ، إِتْقَانًا: إفعال)
أعمار (و) عمر	:	زندگی، عمر
مَوْؤَنَةٌ	:	مشقت، محنت، بوجھ
التجارب	:	(و) تجربه، جس چیز کو بار بار آزمایا گیا
فِطْنٌ (و) فطنة	:	ذہانت، ذہنی صلاحیت، ہوشیاری، مہارت
اقتدی بأحد	:	پیروی کرنا (اقتدی، يقتدي، اقتداء: ا: افتعال)
غیر المأهول	:	غیر آباد
صُخُور (و) صخر	:	پتھر
عُقْدَةٌ (و) عُقْدَة	:	زمین، جائداد، قیمتی چیز
سقط	:	گرنا، ضائع ہونا (سقط، يسقط، سقوط: نصر)
صنيع	:	عمل، طرز عمل
حاور	:	بات چیت کرنا (حاور، يحاور، محاوره: مفاعلة)
احتذى على فعل أحد	:	کسی کی پیروی کرنا، کسی کے نقش قدم پر چلنا (احتذى، يحتذى، احتذاء: ا: افتعال)
المنتحل	:	پسندیدہ، چنیدہ
المنتقى	:	منتخب کردہ، اخذ کردہ
غادر شيئا	:	چھوڑنا (غادر، يغادر، مغادرة: مفاعلة)
صغر شيئا	:	کسی چیز کو چھوٹا سمجھنا، حقیر جاننا (صغر، يصغر، تصغير: تفعیل)
سبل (و) سبيل	:	راستہ
ضروب (و) ضرب	:	قسم



جلیل الأمر : بڑی چیز، قابلِ ذکر بات، معاملہ، چیز، قابلِ قدر کام  
 صغیر الأمر : معمولی چیز، معاملہ، بے قدر کام

## 10.7 ادبی صنف کا تعارف

"الأدب الكبير" کا یہ مقدمہ اس مقدمے میں جو "فی فضل الأقدمین" سے موسوم ہے، اس میں ابن المقفع نے ادب کی ایک صنف یعنی علماء، حکماء، فلاسفہ، متقدمین کے اقوال اور ان کے پسند و نصائح، حکم و عبرت کو نہایت فصیح و بلیغ اور ادبی انداز میں پیش کیا ہے، جملے مختصر، الفاظ کی بندش بہت مضبوط، ادب کے اعلیٰ نمونے محسوس ہوتے ہیں، پیشکش اور طرزِ تحریر کا انداز بھی نہایت انوکھا، دل کو لہھاتا، نہایت سلیس عربی ادب کا ایک جامع نمونہ معلوم ہوتا ہے۔

### 10.7.1 صنف کی ہیئت و صورت

"فی فضل الأقدمین" جو دراصل "الأدب الكبير" کا مقدمہ ہے، اس میں عبد اللہ بن مقفع اپنے اچھوتے، البیلے طرزِ نگارش میں متقدمین کے اقوال اور پسند و نصائح کی قیمت و اہمیت اور اسلاف کے جواہر پاروں اور ان کے تجربات، زرین اقوال کی اہمیت کو وفادیت کو بتانا چاہتے کہ متقدمین علماء، حکماء، فلاسفہ کے جو اقوال و حکم ہیں جو انھوں نے اپنی زندگی کے تجربہ کی روشنی میں کہے ہیں۔ جسمانی ساخت و بناوٹ، ذہنی اُچھ، علمی اور عملی اعتبار سے سب سے لائق اور فائق تھے، انھوں نے ہمارے لیے تجربات اور ہدایات کا ایک ایسا قیمتی اور وقیع ذخیرہ چھوڑا ہے اور ہر بات کو محفوظ کرنے اور اپنے اخلاف کو بتانے کے لیے محفوظ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، پتھروں اور اس دور کے دریافت شدہ حفاظت علم کے اسباب میں اپنے پسند و نصائح، حکم و عبرت کو کندہ کر گئے جیسا شفیق باپ اپنے بچوں کے لیے مال و دولت اور اسباب و سامان چھوڑ جاتا ہے، ان اقوال کو محفوظ کرنا اور ان کا مطالعہ کرنا اور ان کو زندگی میں رو بہ عمل لانے کی نصیحت کرتے ہوئے نہایت دلکش تحریر میں ان اقوال کو اس کتاب میں پیش کرتا ہے، جو اس صنف ادب کی ہیئت و صورت ہے۔

## 10.8 متن سبق کا موضوع

عبد اللہ ابن المقفع عصرِ عباسی اول کے نمایاں نثر نگاروں، ادیبوں اور اہلِ دانش میں سے ایک ہے۔ اس نے علمی و ادبی سطح پر جو کارنامے انجام دیے، وہ بے مثال ہیں اور آج بھی عربی ادب کی دنیا میں ان کا اعتراف کیا جاتا ہے۔ اس کا ایک بڑا کام یہ ہے کہ اس نے ماضی بعید میں حکماء و متقدمین اقوام کے تجربات، اقوال اور ان سے منسوب اصلاحی کہانیوں اور واقعات کو عربی زبان میں منتقل کیا، اس کے پیش نظر یہ مقصد تھا کہ بعد کے لوگ بھی ان کے حکیمانہ اقوال اور کہانیوں سے فائدہ اٹھائیں اور ان سے سبق لے کر اپنی زندگی اور اخلاق کو بہتری کے راستے پر ڈالیں۔ کلیلہ و دمنہ ایک ایسی کتاب ہے، جس میں ہندوستانی حکماء سے منسوب مختلف حکیمانہ واقعات بیان کیے گئے ہیں، ابن المقفع نے اس کتاب کی اہمیت کو محسوس کیا اور پہلوی زبان سے اسے عربی میں منتقل کیا، اس سے جہاں اس کتاب کو بقائے دوام حاصل ہو گیا، وہیں عبد اللہ ابن المقفع عربی ہی نہیں؛ بلکہ عالمی ادب میں زندہ و پابندہ ہو گیا۔ مذکورہ بالا عبارت بھی اس کی ایک ایسی ہی کتاب کا پیش لفظ ہے، کتاب کا نام "الأدب الكبير" ہے، جس میں اس نے اگلوں کے اقوال و ہدایات کو نقل کیا ہے اور ان کے ذریعے سے شاہی درباروں کے آداب سے واقف کرانے کے ساتھ عام انسان کو بادشاہوں

کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیے، اس حوالے سے قیمتی اقوال نقل کیے گئے ہیں، ساتھ ہی اس کے دوسرے حصے میں دوستی کے تعلق سے نہایت کارآمد اور مفید اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ پیش لفظ میں عبداللہ ابن المقفع نے اسلاف کی علمی برتری، ان کی حکمت و دانش مندی، ان کی دین داری، ان کے تدبیر، علم اور حصولِ علم کے تئیں ان کی بے مثال دلچسپی و لگن اور پھر اس علم کو آنے والی نسلوں تک منتقل کرنے کے حوالے سے ان کے غیر معمولی جذبے کا ذکر کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ ہمارے اسلاف و اکابر مختلف علوم و فنون پر پہلے اتنا کچھ کہہ اور لکھ گئے ہیں کہ اب بس اس سے استفادہ کرنے کی ضرورت ہے، اس کے علاوہ ہمیں تجربہ یا ذہنی مشقت اٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم اگر محض عہدِ ماضی کے اربابِ علم و دانش کی کتابوں ہی سے مباحثہ استفادہ کریں، تو بھی اپنی علمی و عملی زندگی کو سنوار سکتے ہیں۔

## 10.9 متن سبق کی توضیح و تشریح

۱ - إِنَّا وَجَدْنَا النَّاسَ قَبْلَنَا كَانُوا أَكْثَرًا أَجْسَامًا، وَأَوْفَرًا مَعَ أَجْسَامِهِمْ أَخْلَاقًا، وَأَشَدَّ قُوَّةً، وَأَحْسَنَ بِفَوْتِهِمْ لِلْأُمُورِ إِتْقَانًا، وَأَطْوَلَ أَعْمَارًا، وَأَفْضَلَ بِأَعْمَارِهِمْ لِلْأَشْيَاءِ اخْتِبَارًا. فَكَانَ صَاحِبُ الدِّينِ مِنْهُمْ أَبْلَغَ فِي أَمْرِ الدِّينِ عِلْمًا وَعَمَلًا مِنْ صَاحِبِ الدِّينِ مَنَّا، وَكَانَ صَاحِبُ الدُّنْيَا عَلَى مِثْلِ ذَلِكَ مِنَ الْبَلَاغَةِ وَالْفَضْلِ.

ہم سے پہلے کے لوگ جسمانی اعتبار سے عظیم ہونے کے ساتھ بڑی عقل والے بھی ہوتے تھے (یعنی یہ لوگ جسمانی توانائی اور قوت کے حامل ہونے کے ساتھ عقل و فہم میں بھی لائق اور فائق تھے) طاقت ور بھی ہوتے تھے، اپنی طاقت کا استعمال کر کے مختلف امور کو اچھی طرح انجام دیتے تھے، (ان کی جسمانی طاقت و قوت کا یہ حال تھا اور اس کے استعمال کے تئیں وہ اس قدر حساس تھے کہ وہ ہر کام کو کھن و خوبی انجام دیتے تھے) (ان کی عمریں طویل ہوتی تھیں، وہ طویل العمر ہونے کے ساتھ چیزوں کی پہچان اور پرکھ کی صلاحیت بھی رکھتے تھے، (یعنی وہ طویل العمر ہونے کے ساتھ طویل التجربہ بھی تھے) ان میں سے جو مذہبی لوگ تھے، وہ ہمارے عہد کے مذہبی انسانوں سے علم و عمل میں بہتر تھے، اسی طرح اس زمانے کے جواہل دنیا تھے، وہ بھی فضل و کمال میں ہمارے زمانے کے اہل دنیا سے فائق تھے۔ (قدیم زمانے کے مذہبی لوگ بھی ہمارے دور کے مذہبی علوم کے حامل لوگوں سے زیادہ علوم و فنون کے زیادہ حامل تھے، اہل دنیا کی بھی یہی حالت تھی)

أوفر: زیادہ، کثیر، أحلام: (و) حلم: عقل، بردباری، إتقان: کسی کام کو اچھی طرح مضبوطی سے کرنا (أتقن، يتقن، إتقانا: فعال)، أعمار (و) عمر: زندگی، عمر، اختبار: امتحان، جانچ، پرکھ، (اختبر يختبر اختبارا، افتعال) أبلغ: زیادہ بہتر، زیادہ بہتر انداز میں انجام دینا۔ (أبلغ يبلغ إبلاغاً، إفعال)

۲ - وَلَمْ نَجِدْهُمْ غَادِرًا وَاشْيَاءَ يَجِدُوا صِفًا بَلِيغًا فِي صِفَةِ لَهُ غَايَةً لَمْ يَسْبِقُوهُ إِلَيْهَا: لَا فِي تَعْظِيمِ اللَّهِ (عَزَّ وَجَلَّ) وَتَرْغِيبِ فِيهِمَا عِنْدَهُ، وَلَا فِي تَصْغِيرِ الدُّنْيَا وَتَرْهِيْدِ فِيهَا، وَلَا فِي تَحْرِيرِ صُنُوفِ الْعِلْمِ وَتَقْسِيمِ قِسْمِهَا وَتَجَزِئَةِ أَجْزَائِهَا وَتَوْضِيحِ سُبُلِهَا وَتَبْيِينِ مَا خِذَهَا، وَلَا فِي وَجْهِ مِنْ وَجْهِ الْأَدَبِ وَضُرُوبِ الْأَخْلَاقِ. فَلَمْ يَبْقَ فِي جَلِيلِ الْأَمْرِ وَلَا صَغِيرِهِ لِقَائِلٍ بَعْدَهُمْ مَقَالٌ. وَقَدْ بَقِيََتْ أَشْيَاءٌ مِنْ لَطَائِفِ الْأُمُورِ فِيهَا مَوَاضِعٌ لِعَوَاضِ الْفُطْنِ، مُشْتَقَّةٌ مِنْ جِسَامِ حَكَمِ الْأَوَّلِينَ وَقَوْلِهِمْ. فَمِنْ ذَلِكَ بَعْضٌ مَا أَنَا كَاتِبٌ فِي كِتَابِي هَذَا مِنْ أَبْوَابِ الْأَدَبِ الَّتِي قَدْ يَحْتَاجُ إِلَيْهَا النَّاسُ.

انھوں نے کوئی ایسی چیز تک نہیں چھوڑی ہے، جس کی طرف صرف اعلیٰ درجے کے قادر الکلام، بے نظیر بلغ البیان انسان کا ذہن جاتا ہو، چاہے اللہ عزوجل کی عظمت بیان کرنے اور اس کے پاس موجود نعمتوں کی ترغیب دلانے کی بات ہو یا دنیا کی تحقیر اور اس سے احتراز کرنے کی، (یعنی ان لوگوں نے امور آخرت مثلاً اللہ عزوجل کی تعریف و توصیف، جنت اور اس کی بے پایاں نعمتوں، دنیا اس کی حقارت، کم مائیگی اور بے بضاعتی کے بیان کے حوالے سے کوئی چیز نہیں چھوڑی) چاہے علم کے انواع و اصناف کا بیان اور مختلف اقسام میں اس کی تقسیم، اس کی جزئیات کا بیان، اس کے ذرائع اور طریقوں کی وضاحت اور مآخذ و مصادر کی تشریح ہو یا ادب و اخلاق کی مختلف قسموں کا بیان۔ (یعنی تمام علوم و فنون کے حوالے سے انھوں نے لازوال اور امنٹ نقوش چھوڑے ہیں، اس کی مختلف انواع و اقسام اور اس کے جزئیات و فرعیات اور ذرائع و طریق، و مآخذ و مصادر کی بھی نشاندہی کر دی ہے، ادب و اخلاق کے حوالے تمام امور اس کے کلیات اور جزئیات کے ساتھ بیان کر دیے ہیں،) کسی بھی بڑے چھوٹے معاملے یا موضوع پر کسی کے لیے کہنے کو کچھ نہیں بچا۔ کچھ ایسے دقیق امور ہیں، جو ذہین افراد کے کام کے ہیں تو وہ بھی اس درجہ میں ہیں کہ وہ اسلاف کی بڑی بڑی حکمتوں اور اقوال سے مشتق ہیں، انہی میں سے بعض کو میں اس کتاب کے ابواب الادب میں لکھ رہا ہوں، جن کی لوگوں کو ضرورت پڑ سکتی ہے۔ (آخرش ابن المقفع کہتا ہے، ہر چھوٹے بڑے معاملے سے متعلق اسلاف کے اقوال اور پند و نصائح کلمات، و تجربات موجود ہیں، چند دقیق اور باریک اور نہایت لازوال امور ہیں، جس کو میں نے انہیں کے اقوال اور حکمت بھرے افکار سے کشید کیا یعنی حل کیا ہے، سے مشتق کیا ہے، وہ ادب اور اخلاق سے متعلق ہیں، جن کی ضرورت انسان کو زندگی کے گونا گوں مواقع اور لحظہ میں پڑتی ہے، اسی کا بیان کر رہا ہوں)

غادر شینا: چھوٹا (غادر، بغادر، مغادرۃ: مفاعل)، سبق الیہ: (ض): پالینا رسائی حاصل کرنا، صغر شینا: کسی چیز کو چھوٹا سمجھنا، حقیر جاننا (صغر، یصغر، تصغیر: تفعیل) زہد فی شئی: کسی چیز سے بے رغبتی اختیار کرنا، (زہد یزہد زہدا، (ف)، تقسیم: تقسیم کرنا، (قسم یقسم تقسیما) تفعیل)، جزأ شینا: کسی چیز کا تجزیہ کرنا، حاصل بیان کرنا، (جزی یجزی تجزئة) تفعیل)، سبل (و) سبیل: راستہ، ضروب (و) ضرب: قسم، مآخذ: (و) مآخذ، مرجع، مصدر، مآخذ، وجہ: صورت، صنف، (ج) وجوہ، ضروب: (و) ضرب، نوع، قسم، مقال: قول، لطائف: (و) لطیفہ: غریب اور نایاب چیزیں، غوامض: (و) غامضہ: پوشیدہ اور چھپی چیزیں، یہاں اصناف علم مراد ہیں، جلیل الأمر: بڑی چیز، قابل ذکر بات، معاملہ، چیز صغیر الأمر: معمولی چیز، معاملہ

## 10.10 متن سبق کی خصوصیات

۱۔ اس صنف ادب کے تعلق سے ابن المقفع کی دو کتابیں ہیں: "الأدب الصغیر، الأدب الکبیر" یہاں ادب سے مراد اخلاق ہیں، یہاں ادب کے معنی زبان دانی کے نہیں ہیں، جیسا کہ اس حوالے سے یہ لفظ معروف و مشہور ہے، بلکہ یہاں ادب سے مراد تہذیب اخلاقیہ، ان دونوں کتابوں خصوصاً ادب کبیر میں بے شمار اخلاقیات کے حوالے سے امور، اصول و مبادی بیان کیے گئے ہیں، ان کتابوں میں ابن المقفع بحیثیت معلم اخلاق کے نظر آتا ہے۔ ادب و اخلاق کے حوالے سے سیر حاصل، عقل و دانش پر مبنی گفتگو کرتا ہے۔

۲۔ اس کتاب کا ابن المقفع ناقل ہے، اس لیے کہ وہ فارسی علماء و حکما کے اقوال بکثرت نقل کرتا ہے یا اس کی حیثیت شارح کی ہے یا یہ مصنف اور مؤلف ہے، اس حوالے سے صحیح قول یہی ہے کہ اس کی حیثیت جہاں ناقل کی ہے وہیں اس کی حیثیت مؤلف کی بھی ہے، کیوں کہ یہ فارسی علماء کے حکم

وامثال کو بکثرت نقل کرتا ہے کبھی کہتا ہے: "احفظ قول الحکیم الذی قال" (اس حکیم کے قول کو یاد کرلو) اور کبھی کہتا ہے "سمعت العلماء قالوا:" (میں نے علما کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے)۔

۳۔ اس کتاب کو ابن المقفع نے دو قسموں پر منقسم کیا ہے، پہلی قسم میں دو حصے ہیں، پہلے حصے میں آدابِ سلطانی یعنی بادشاہ کی مصائب کے آداب وغیرہ بیان کیے ہیں، جب کہ دوسرے حصے میں دوستوں کے ساتھ معاملہ، دوستوں کے انتخاب، دوستی کی اہمیت، اچھے اور برے دوستوں کے فرق کو مختلف ابواب کے تحت بیان کیا ہے۔

۴۔ ابن المقفع کی زندگی چونکہ بادشاہوں کے ساتھ گزری ہے، اس لیے اس تعلق سے وہ بکثرت نقل کرتا ہے، اس حوالے سے اس نے اسلاف اور اخلاف سے منقول اور ماثور اقوال کو نقل کیا ہے، نہایت دقت نظر اور حسن ارادہ کے ساتھ ان چیزوں کو پیش کیا ہے، دوسرے حصے میں دوستوں کے حوالے سے زرین اقوال و حکم کو بیان کرتا ہے، وہ دوستی کو زندگی کا نچوڑ اور خلاصہ سمجھتا ہے، آدمی دوستوں سے اپنے راز اور پوشیدہ امور کو بیان کرتا ہے، اس لیے اس نے دوستوں کے انتخاب کے حوالے سے نہایت دقیق اور باریک اصول بیان کیے ہیں، اس کے علاوہ اس نے اس میں معاشرہ میں پائے جانے والے عیوب، اپنے زمانے کے حکام کے ظلم و ستم، عوام کے ساتھ ہونے والے مظالم، دین اور رائے میں نزاع اور اختلاف ان تمام امور کو پیش کیا ہے۔

۵۔ اس سبق میں بھی وہ دراصل اسلاف کے اقوال اور حکم اور ان کے پند و نصائح کی اہمیت و افادیت کو بتانا چاہتا ہے، اسلاف اور علما نے ہمارے علم کا بہت بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے، صاحب دین اور صاحب دنیا دونوں اپنے امور میں نہایت چابک دست اور قابل لوگ تھے۔

۶۔ وہ کہتا ہے کہ انھوں نے اپنی کتابوں میں ہماری دنیا اور آخرت کے حوالے سے کامیابی و کامرانی کے تعلق سے تمام امور کو بیان کر دیا ہے، اپنے تجربات کے نچوڑ اور خلاصہ کو پیش کیا ہے، ضرب الامثال اور حکمتیں بیان کی ہیں، ہمارے لیے کتابیں لکھی ہیں۔ بلکہ انھوں نے علوم کی حفاظت و صیانت کے حوالے سے اس قدر اہتمام اور التزام کیا کہ اگر وہ کسی ایسی جگہ ہوتے جہاں انہیں لکھنے کے آلات میسر نہ آتے تو وہ ان باتوں کو بعد والوں کے لیے مفید اور نفع بخش ہوتی ہیں، اس کو چٹانوں پر لکھ لیتے کہ تضحیح کا شکار نہ ہو جائیں۔

۷۔ اس لیے اخلاف کو چاہیے کہ وہ اسلاف کے اس ذخیرہ کی قدر کریں، ان کے نقش پا پر چلیں، ان کے نشانات راہ کو اختیار کریں، ان کو اپنا مقتدا اور قائد بنائیں، ان کی کتابوں کا مطالعہ کریں، یہ ان سے بات کرنے اور ان سے براہ راست سننے، ان نقش قدم پر چلنے اور ان کے افعال کی اقتدا و پیروی کے مماثل ہے، اس لیے انھوں نے اپنی کتابوں میں اپنے تجربات اور زندگی کے نتائج کا ہی نچوڑ پیش کیا ہے۔

۸۔ اللہ عز و جل کی تعظیم و تکریم، اللہ عز و جل کی نعمتوں کا بہت، دنیا کی حقارت، دنیا سے کنارہ کشی، اس طرح اور دیگر تمام علوم و فنون تمام اخلاق و آداب کو انھوں نے بیان کر دیا ہے۔ انہیں میں سے بعض قیمتی اور نادر امور کو میں نے اپنی اس کتاب میں انتخاب کر کے پیش کیا ہے۔

## 10.11 اسلوبی خصوصیات

۱۔ عبد اللہ بن مقفع کا طرزِ تحریر اس قدر نرالا اور انوکھا تھا کہ اس نے خود اعتمادی اور نخوت میں قرآن شریف کے جواب کی لکھنے کی ٹھانی، سوائے الزام الحاد کے کچھ ہاتھ نہ آیا، بعد میں عاجز ہو کر تائب ہوا۔

۲۔ اس کی تحریر میں فصاحت و بلاغت، طرزِ تحریر، اختراعِ معانی، اور جدت پسندی نظر آتی ہے، شیریں بیانی اس کی تحریر کا خاص وصف ہے۔ اس کی نگارشات کا یہ شیریں پہلو اس کی اس خاص تحریر ”فی فضل الأقدمین“ میں بھی نظر آتا ہے۔

۳۔ یہ عبارات کو نہایت سادہ اور مفہوم الفاظ میں نہایت حسن و خوبصورتی کے ساتھ اس طرح پیش کرتا ہے، وہ ادب کا اعلیٰ نمونہ بن جاتے ہیں، ہر کس و ناکس کے لیے اس کا سمجھنا آسان اور سہل تر ہو جاتا ہے، لیکن اس کی تحریر سہل منتع کے مصداق ایسی آسان ہونے کے باوجود ادب، سجع و قافیہ بندی کو لیے ہوتی ہے، صوتی ہم آہنگی، چھوٹے چھوٹے جملوں کا استعمال، نامانوس اور غریب الفاظ سے احتراز اس کی اس تحریر کا خاص وصف ہے، الفاظ کی کوئی بھرمار نہیں ہوتی ہے، لیکن موتی کو دھاگے میں جس طرح جڑا جاتا ہے، ایسے جملوں کو نہایت خوبصورتی، قافیہ بندی اور صوتی ہم آہنگی کے ساتھ جوڑ دیتا ہے، یہی سادہ الفاظ عربی ادب کا شاہکار اور اعلیٰ نمونہ نظر آنے لگتے ہیں۔

۴۔ ابن المقفع کے متن کی اسلوبی خصوصیات میں سہل اور آسان الفاظ کا نہایت صوتی ہم آہنگی کے ساتھ سجع بندی اور قافیہ کی رعایت کے ساتھ لانا ہے، إِنَّا وَجَدْنَا النَّاسَ قَبْلَنَا كَانُوا أَكْثَرًا وَأَوْفَرًا مَعَ أَجْسَامِهِمْ أَحْلَمًا، وَأَشَدَّ قُوَّةً، وَأَحْسَنَ بِقُوَّتِهِمْ لِلْأُمُورِ إِتْقَانًا، وَأَطْوَلَ أَعْمَارًا، وَأَفْضَلَ بِأَعْمَارِهِمْ لِلْأَشْيَاءِ اخْتِبَارًا. فَكَانَ صَاحِبُ الدِّينِ مِنْهُمْ أَبْلَغَ فِي أَمْرِ الدِّينِ عِلْمًا وَعَمَلًا مِنْ صَاحِبِ الدِّينِ مَنَّا. اس عبارت میں صوتی ہم آہنگی، سجع بندی، قافیہ کی رعایت اور تحریر کی شستگی دیکھیے: ”كَانُوا أَكْثَرًا وَأَوْفَرًا مَعَ أَجْسَامِهِمْ أَحْلَمًا، وَأَشَدَّ قُوَّةً، وَأَحْسَنَ بِقُوَّتِهِمْ لِلْأُمُورِ إِتْقَانًا، وَأَطْوَلَ أَعْمَارًا، وَأَفْضَلَ بِأَعْمَارِهِمْ لِلْأَشْيَاءِ اخْتِبَارًا. فَكَانَ صَاحِبُ الدِّينِ مِنْهُمْ أَبْلَغَ فِي أَمْرِ الدِّينِ عِلْمًا وَعَمَلًا مِنْ صَاحِبِ الدِّينِ مَنَّا“ یہ عبارت کتنی سلیس، سہل الفاظ، مفہوم اور مانوس ہونے کے ساتھ کتنی خوبصورت اور شیریں ہے۔

۵۔ اسی طرح ابن المقفع نہایت سلیس اور بہترین پیرایہ میں قریب المعنی اور بعید المعنی الفاظ کو یکجا استعمال کرتا ہے اور مترادفات کی بھرمار کر دیتا ہے، صوتی ہم آہنگی اور سجع بندی بھی باقی و برقرار رہتی ہے، یہ کتنی سلیس اور پیاری صوتی ہم آہنگی اور الفاظ کے تنوع پر مشتمل عبارت ہے:

"فَمُنْتَهَى عِلْمِ عَالِمِنَا فِي هَذَا الزَّمَانِ أَنْ يَأْخُذَ مِنْ عِلْمِهِمْ، وَغَايَةُ إِحْسَانِ مُحْسِنِنَا أَنْ يَقْتَدِيَ بِسِيرَتِهِمْ، وَأَحْسَنُ مَا يَصِيبُ مِنَ الْحَدِيثِ مُحَدَّثُنَا أَنْ يَنْظُرَ فِي كُتُبِهِمْ. فَيَكُونُ كَأَنَّهُ إِذَا هُمْ يُحَاوِرُ، وَمِنْهُمْ يَسْتَمِعُ، وَأَتَا هُمْ يَتَّبِعُ، وَعَلَى أَعْمَالِهِمْ يَحْتَدِي، وَبِهِمْ يَفْتَدِي" یہاں پر جملے کی انتہا ”ہم“ پر ہوتی ہے اور یہ الفاظ: "يَأْخُذُ مِنْ عِلْمِهِمْ"، "يَقْتَدِي بِسِيرَتِهِمْ" اور "يَنْظُرُ فِي كُتُبِهِمْ" ایک معنی اور مفہوم میں نظر آتے ہیں۔

اور دوسری عبارت: "فَيَكُونُ كَأَنَّهُ إِذَا هُمْ يُحَاوِرُ، وَمِنْهُمْ يَسْتَمِعُ، وَأَتَا هُمْ يَتَّبِعُ، وَعَلَى أَعْمَالِهِمْ يَحْتَدِي، وَبِهِمْ يَفْتَدِي" میں "يحاور"، "يستمع"، "يحتدي"، "يقتدي" ہم مثل ہم وزن، ہم معنی اور قریب الفہم الفاظ ہیں، یہ عبد اللہ بن مقفع کا اسلوب نگارش اور اچھوتا تحریری وصف ہے، جو اس کو دیگر ادیبوں سے ممتاز کرتا ہے۔

۶۔ اسی طرح الفاظ کی بندش اور سجع کی برقراری، چھوٹے چھوٹے مفہوم اور با معنی الفاظ میں معانی کی ادائیگی یہ عبد اللہ بن مقفع کا خصوصی فن ہے، جو سب کے لیے جاذبِ نظر، قلب و نگاہ کو موہ لینے والا ہوتا ہے "وَلَمْ نَجِدْهُمْ غَادِرًا وَاشْيَاءَ يَجِدُوا صِفًا بَلِغًا فِي صِفَةٍ لَهُ غَايَةٌ لَمْ يَسْبِقُوهُ إِلَيْهَا: لَا فِي تَعْظِيمِ اللَّهِ (عَزَّ وَجَلَّ) وَتَرْغِيبِ فِيمَا عِنْدَهُ، وَلَا فِي تَصْغِيرِ الدُّنْيَا وَتَرْهِيْدِ فِيهَا، وَلَا فِي تَحْرِيرِ صُنُوفِ الْعِلْمِ وَتَقْسِيمِ

قَسَمَهَا وَتَجَزِئَةً أَجْزَائِهَا وَتَوْضِيحٍ سُبُلَهَا وَتَبْيِينَ مَآخِذَهَا، وَلَا فِي وَجْهِهِ مِنْ وَجْهِهِ الْأَدَبِ وَضُرُوبِ الْأَخْلَاقِ." اس عبارت میں الفاظ: "تعظیم"، "تصغیر"، "تزہید"، "تحریر"، "تقسیم"، "تجزئہ"، "توضیح" ان مختلف الفاظ کو تحریر میں کتنے خوبصورت اور دلکش انداز میں پرودیا گیا ہے، جو فصاحت و بلاغت اور قافیہ بندی کا اعلیٰ نمونہ نظر آتا ہے۔

## 10.12 اکتسابی نتائج

یہ عبداللہ ابن المقفع کی مشہور کتاب "الادب الکبیر" کا مقدمہ ہے، جس میں اس نے ماضی کے کبار اہل علم و فن اور ارباب حکمت و دانش کے فضائل و کمالات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان کی یہ کتاب انہی متقدمین اہل علم و حکمت کے اقوال پر مشتمل ہے، ابن المقفع نے ان کو یکجا کر دیا ہے۔ اس مقدمے میں وہ کہتے ہیں کہ پچھلے زمانے میں جو لوگ تھے، وہ ہم سے جسمانی اعتبار سے بھی مضبوط ہوتے تھے، ان کی زندگیاں بھی ہم سے لمبی ہوتی تھیں اور وہ علم و فن اور تجربہ و عقل کے اعتبار سے بھی ہمارے زمانے کے لوگوں سے برتر و اعلیٰ ہوتے تھے؛ چنانچہ اس زمانے میں جو مذہب پسند یا مذہب پر عمل کرنے والے لوگ ہوتے تھے، وہ ہمارے زمانے کے مذہبی طبقات سے زیادہ باعمل اور مذہب پسند ہوتے تھے، جب کہ اس زمانے میں جو اہل دنیا یعنی دنیاوی امور میں مشغول رہنے والے لوگ ہوتے تھے، وہ بھی ہمارے زمانے کے اہل دنیا سے بہتر اور اعلیٰ ہوتے تھے۔ ابن المقفع نے اس مقدمے میں اسلاف کی علم دوستی و حکمت پسندی اور پھر اسے آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ کرنے کے ان کے بے پناہ جذبے کا خصوصی تذکرہ کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ وہ لوگ علم حاصل کرنے میں نہایت اہتمام سے کام لیتے تھے اور اگر کبھی کسی ایسے مقام پر ہوتے، جہاں کوئی آبادی نہ ہوتی اور اس جگہ پر انھیں کوئی نئی بات معلوم ہوتی تو وہ اسے پتھروں پر لکھ دیتے تھے؛ اس لیے کہ وہ سوچتے تھے کیا پتا ہم یہاں سے اپنے گھر تک پہنچ پائیں یا نہیں اور ہماری زندگی کا سفر مکمل ہو جائے اور علم کی یہ نئی بات آنے والی نسلوں تک نہ پہنچ سکے، اسی لیے وہ اسے پتھروں پر لکھ کر ہی محفوظ کر دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے تقریباً ہر علم و فن پر اتنا کام کیا اور اتنی معلومات اکٹھا کر دی ہیں کہ بعد کے لوگوں کو کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہ گئی ہے، بس اتنا کرنا ہے کہ انھوں نے جو کہا یا لکھا اور محفوظ رکھا ہے، اس سے استفادہ کر کے اسے اگلی نسلوں تک منتقل کرتے رہنا ہے۔ ابن المقفع کہتے ہیں کہ چاہے عقائد اور عظمت باری تعالیٰ کی توصیف و توضیح کی بات ہو یا دنیا کی بے وقعتی کو بیان کرنے اور اس سے بچنے کی تلقین کرنے کی بات ہو یا علم و فن کے انواع و اصناف کا ذکر، اس کی تقسیم، اس کے ذرائع و وسائل کا بیان اور آداب و اخلاق کی مختلف قسمیں، ہر موضوع پر انھوں نے کام کیا اور ہمارے لیے تشفی بخش ذخیرہ چھوڑ گئے ہیں۔ ہمارے اسلاف نے علم و حکمت کو جمع کرنے کے سلسلے میں ایک ایسے شفیق باپ کا کردار ادا کیا ہے، جو یہ چاہتا ہے کہ آنے والی زندگی میں اس کے بیٹے کو رزق اور مال و دولت کے حصول میں کسی مشقت کا سامنا نہ کرنا پڑے؛ چنانچہ وہ خود ہر قسم کی تکلیفیں سہہ کر اپنی اولاد کے لیے اموال و اسباب اور جائیداد جمع کر دیتا ہے، بالکل اسی طرح ہمارے اہل علم و حکمت اسلاف نے ہمیں محنت و مشقت سے بچانے کے لیے ہر قسم کے علوم و فنون کا قیمتی سرمایہ جمع کر دیا ہے، بس ہمیں اس سے استفادہ کرنے کی ضرورت ہے۔

اس کتاب کو ابن المقفع نے دو قسموں پر منقسم کیا ہے، پہلی قسم میں دو حصے ہیں، پہلے حصے میں آداب سلطانی کو بیان کیا ہے اور دوسرے حصے میں سلطان یعنی بادشاہ کی مصاحبت کے آداب وغیرہ بیان کیے ہیں، جب کہ دوسرے حصے میں دوستوں کے ساتھ معاملہ، دوستوں کے انتخاب، دوستی کی اہمیت، اچھے اور برے دوست کے فرق وغیرہ کو مختلف ابواب کے تحت بیان کیا ہے۔

## 10.13 نمونے کے امتحانی سوالات

- ۱۔ درج ذیل عبارت پر عبارت پر اعراب لگائیے اور اس کا ترجمہ کیجیے۔  
فَمُنْتَهَى عِلْمٍ عَالِمِنَا فِي هَذَا الزَّمَانِ أَنْ يَأْخُذَ مِنْ عِلْمِهِمْ، وَغَايَةُ إِحْسَانٍ مُحْسِنِنَا أَنْ يَقْتَدِيَ بِسِيرَتِهِمْ، وَأَحْسَنُ مَا يَصِيبُ مِنَ الْحَدِيثِ مُحَدَّثُنَا أَنْ يَنْظُرَ فِي كُتُبِهِمْ. فَيَكُونُ كَأَنَّهُ إِيَّاهُمْ يُحَاوِرُ، وَمِنْهُمْ يَسْتَمِعُ، وَأَثَارُهُمْ يَتَّبِعُ، وَعَلَى أَعْمَالِهِمْ يَحْتَدِي، وَبِهِمْ يَقْتَدِي.
- ۲۔ درج ذیل عبارت کی بحوالہ متن تشریح و توضیح کیجیے۔  
وَلَمْ نَجِدْهُمْ غَادِرًا وَاشِينَا يَجِدُ وَاصِفًا بَلِيغًا فِي صِفَةٍ لَهُ غَايَةٌ لَمْ يَسْبِقُوهُ إِلَيْهَا: لَا فِي تَعْظِيمِ اللَّهِ (عَزَّ وَجَلَّ) وَتَرْغِيبِ فِي مَا عِنْدَهُ، وَلَا فِي تَصْغِيرِ لِلدُّنْيَا وَتَرْهِيدٍ فِيهَا، وَلَا فِي تَحْرِيرِ صُنُوفِ الْعِلْمِ وَتَقْسِيمِ قِسْمِهَا وَتَجَزِئَةِ أَجْزَائِهَا وَتَوْضِيحِ سُبُلِهَا وَتَبْيِينِ مَا خِذَهَا، وَلَا فِي وَجْهِ مِنْ وَجُوهِ الْأَدَبِ وَضُرُوبِ الْأَخْلَاقِ. فَلَمْ يَبْقَ فِي جَلِيلِ الْأَمْرِ وَلَا صَغِيرِ لِقَائِهِ بَعْدَهُمْ مَقَالٌ.
- ۳۔ ان الفاظ کے معانی بیان کیجیے۔  
تنزہید      ضروب الأخلاق      مؤونة الفطن      العقد المنتقى      غادر      حاور      المنتحل  
وجوه الأدب      حلم      اقتداء غاية
- ۴۔ ابن المقفع کے حالات اور اس کے نگارشات پر روشنی ڈالیے۔
- ۵۔ فی فضل الأقدمین کا خلاصہ بیان کیجیے۔
- ۶۔ صنف کا تعارف اور اس کی ہیئت و صورت کو تحریر کیجیے۔
- ۷۔ "فی فضل الأقدمین" کے متن کی خصوصیات اور اس کی اسلوبی امتیازات کو قلم بند کیجیے۔

## 10.14 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

- ۱۔ الأدب الكبير، ابن المقفع
- ۲۔ الرائد في الأدب العربي، إنعام الجندی
- ۳۔ الرائد في الأدب العربي، احسان النص، خليل هنداي، عمريحي
- ۴۔ تاريخ الأدب العربي، احمد حسن زيات
- ۵۔ تاريخ الأدب العربي، العصر العباسي، شوقي ضيف

## اکائی 11: ”بخیل حکیم“ از: الجاحظ

اکائی کے اجزا

11.1	مقصد
11.2	تمہید
11.3	متن سبق
11.4	صاحب سبق کا تعارف
11.4.1	بغداد کا سفر اور شہرت اور مقبولیت
11.4.2	بد صورتی
11.4.3	اچھے اوصاف
11.4.4	آخری عمر
11.4.5	مرض الموت اور سانحہ وفات
11.4.6	تصنیفات و تالیفات
11.5	متن کا ترجمہ
11.6	لغوی تحقیق
11.7	ادبی صنف کا تعارف
17.1	صنف کی ہیئت و صورت
11.8	متن سبق کا موضوع
11.9	متن سبق کی توضیح و تشریح
11.10	متن کی خصوصیات
11.11	اسلوبی خصوصیات
11.12	اقتصادی نتائج
11.13	نمونے کے امتحانی سوالات
11.14	مطالعے کے لیے معاون کتابیں



اس سبق کے ذریعہ طلبہ نثر کے ایک اہم پہلو کی جانکاری حاصل کریں گے جس کا بانی اور موجد جاحظ ہے۔ یہ سبق نثر کا نہایت اچھوتا اور جامع نمونہ ہے، جو "بخیل حکیم" سے معروف ہے۔ طلبہ اس سبق کے معانی و مفہوم کو جانیں گے، اس سبق کے ذریعے جاحظ کے زمانے کی تہذیب و ثقافت کی جانکاری حاصل کریں گے اور جاحظ کے اس ادبی نمونہ سے استفادہ کر سکیں گے۔

اس سبق کے مشمولات اور اس کے انداز تحریر مختصر مفید تراکیب کو سمجھ سکیں گے، الفاظ کے استعمال کے مواقع معلوم ہوں گے اور بہت سارے الفاظ کے معانی و مطالب اور تعبیرات اور محل استعمالات سے واقف ہو سکیں گے۔ اس کے علاوہ جاحظ کی تحریر طرز نگارش، اس کی متن کی خصوصیات، اسلوبی خصوصیات اور صنف کی ہیئت و صورت کی جانکاری حاصل کریں گے اور اس کے اس ادبی نمونہ کی نثری خوبیوں سے واقفیت حاصل کریں گے۔

عصر عباسی اول میں علوم و فنون کو خوب فروغ حاصل ہوا، ہر طرف علوم و فنون اور ادب کی مختلف اصناف پروان چڑھیں، کتابیں مرتب ہوئیں، خطابت، نظم اور خصوصاً نثر کو بہت زیادہ ترقی ہوئی، بے شمار ادبا پیدا ہوئے، اس دور کی نثر نگاری میں قدیم راسخ الخیالی اور روایاتی طرز انشا سے ہٹ کر ذاتی رائے، نقد پسندی اور قوت تمیز آگئی۔ حماد، اسمعی اور ابو عبیدہ تیمی کے یہاں سنی ہوئی روایت میں ایک لفظ کا حذف و اضافہ کفر کے مترادف تھا۔ ان کی جگہ اب جاحظ اور ابن قتیبہ جیسے وسیع النظر نقادوں اور جدت پسند صاحبان قلم نے لے لی جن کے پیش نظر قدیم عربی ادب کے ساتھ فارسی، ہندی اور یونانی آداب کے ساتھ ساتھ منطق فلسفہ اور حکمت کی کتابوں کے ڈھیر تھے۔ پند و موعظ اور زہدانہ خیالات کا عنصر بھی اس دور کے ادب کا قابل لحاظ جز ہے، جنہوں نے نثر نگاری میں اپنے آثار و کتب چھوڑے، جس سے آج تک کی دنیا بھی استفادہ کر رہی ہے، ان کے ادب کے ہر سو چرچے اور شہرے ہیں، انہیں ادبا میں جن کی نثر کو خوب شہرت حاصل ہوئی، جنہیں لوگوں نے نثر میں اتار چڑھاؤ اور زیروم کے باوجود ان کی نثر کو موجودہ دور میں نمونہ اور بے مثل قرار دیا ہے وہ جاحظ کی نثر نگاری ہے، اس نے محنت و تندہی کے ساتھ علم حاصل کیا، اتنی ہی محنت و جفاکشی کے ساتھ اپنی انشا پردازی کے ذریعہ عوام کو مستفید کیا۔

قَالَ مَعْبُدٌ: نَزَلْنَا دَارَ الْكِنْدِيِّ أَكْثَرَ مِنْ سَنَةٍ، نَرَوْجَ لَهُ الْكَرَاءَ، وَنَقْضِي لَهُ الْخَوَائِجَ، وَنَفِي لَهُ بِالْشَّرْطِ. قُلْتُ: قَدْ فَهِمْتُ تَرْوِجَ الْكَرَاءَ، وَقَضَاءَ الْخَوَائِجِ، فَمَا مَعْنَى الْوَفَاءِ بِالْشَّرْطِ؟ قَالَ: فِي شَرْطِهِ عَلَى السُّكَّانِ أَنْ يَكُونَ لَهُ رَوْثُ الدَّابَّةِ، وَبَعْرُ الشَّاقِ، وَنِشْوَارُ الْعُلُوفَةِ، وَأَلَا يُخْرِجُوا عَظْمًا، وَلَا يُخْرِجُوا كَسَاحَةً، وَأَنْ يَكُونَ لَهُ نَوَى التَّمَرِ، وَقُشُورُ الرُّمَّانِ، وَالْغُرْفَةُ مِنْ كُلِّ قَدْرِ تُطْبَخُ لِلْخَبْلَى فِي بَيْتِهِ، وَكَانَ فِي ذَلِكَ يَنْتَزِلُ عَلَيْهِمْ. فَكَانُوا الطَّيْبَةَ، وَإِفْرَاطَ بَخْلِهِ، وَحُسْنَ حَدِيثِهِ يَحْتَمِلُونَ ذَلِكَ.

قَالَ مَعْبُدٌ: فَبَيْنَا أَنَا كَذَلِكَ، إِذْ قَدِمَ ابْنُ عَمِّ لِي وَمَعَهُ ابْنُ لَهُ، إِذَا رُقْعَةً مِنْهُ قَدْ جَاءَتْهُنَّ: "إِنْ كَانَ مَقَامُ هَذَيْنِ الْقَادِمِينَ لَيْلَةً أَوْ لَيْلَتَيْنِ احْتَمَلْنَا ذَلِكَ، وَإِنْ كَانَ إِطْمَاعُ السُّكَّانِ فِي اللَّيْلَةِ الْوَاحِدَةِ يَجْزُ عَلَيْنَا الطَّمْعُ فِي اللَّيَالِي الْكَثِيرَةِ". فَكَتَبْتُ إِلَيْهِ: "لَيْسَ مَقَامُهُمَا عِنْدَنَا إِلَّا شَهْرًا أَوْ نَحْوَهُ". فَكَتَبَ إِلَيَّ: "إِنْ دَارَكَ بِثَلَاثِينَ دِرْهَمًا، وَأَنْتُمْ سِتَّةٌ، لِكُلِّ رَأْسٍ خَمْسَةٌ، فَإِذَا قَدَرْتِ رَجُلَيْنِ، فَلَا بَدَّ مِنْ

خَمْسَتَيْنِ، فَالْدَارُ عَلَيْكَ مِنْ يَوْمِكَ هَذَا بِأَرْبَعِينَ!“.

فَكَتَبْتُ إِلَيْهِ: ”وَمَا يَصُرُّكَ مِنْ مَقَامِهِمَا؟! ثَقُلَ أَبْدَانُهُمَا عَلَى الْأَرْضِ الَّتِي تَحْمِلُ الْجِبَالَ، وَثَقُلَ مَوْنُهُمَا عَلَيَّ دُونَكَ؟ فَارْكَتِبْ إِلَيَّ بِعُذْرِكَ لِأَعْرِفَهُ“. وَلَمْ أَدْرَأَنِي أَهْجِمُ عَلَى مَا هَجَمْتُ، وَإِنِّي أَقَعُ مِنْهُ فِيمَا وَقَعْتُ.

فَكَتَبْتُ إِلَيْهِ: ”الْخِصَالُ الَّتِي تَدْعُو إِلَى ذَلِكَ كَثِيرَةٌ، وَهِيَ قَائِمَةٌ مَعْرُوفَةٌ: مِنْ ذَلِكَ سُرْعَةُ امْتِلَاءِ الْبَالُوْعَةِ، وَمَا فِي تَنْقِيطِهَا مِنْ شِدَّةِ الْمُؤُونَةِ، وَمِنْ ذَلِكَ أَنَّ الْأَقْدَامَ إِذَا كَثُرَتْ كَثُرَ الْمَشْيُ عَلَى ظُهُورِ السُّطُوحِ الْمُطَيَّنَةِ وَعَلَى أَرْضِ الْبُيُوتِ الْمُجَصَّصَةِ، وَالصُّعُودُ عَلَى الدَّرَجِ الْكَثِيرَةِ، فَيَنْقَشِرُ لِذَلِكَ الطِّينُ، وَيَنْقَلِعُ الْجَصُّ، وَيَنْكَسِرُ الْعَتَبُ مَعَ انْتِشَاءِ الْأَجْدَاعِ لِكَثْرَةِ الْوُطءِ، وَتَكْسِرُهَا لِفَرْطِ الثَّقَلِ، وَإِذَا كَثُرَ الدُّخُولُ وَالْخُرُوجُ، وَالْفَتْحُ وَالْإِغْلَاقُ، وَالْإِقْفَالُ وَجَذَبَ الْأَقْفَالِ تَهَشَّمتِ الْأَبْوَابُ، وَتَقَلَّعتِ الرِّزَاثُ، وَإِذَا كَثُرَ الصِّبْيَانُ، وَتَضَاعَفَتِ الْبُوشُ نَزَعَتْ مَسَامِيرُ الْأَبْوَابِ، وَقُلَّعتْ كُلُّ صَبَّيَّةٍ، وَنَزَعَتْ كُلُّ رَزَقَةٍ، وَكُسِرَتْ كُلُّ جَوْزَةٍ، وَخَفَرَتْ فِيهَا آبَارُ الرِّذْوِ، وَهَشَّمُوا بِلَاطِهَا بِالْمَدَاجِي. هَذَا مَعَ تَخْرِيبِ الْحِيطَانِ بِالْأَوْتَادِ، وَخَشْبِ الرُّفُوفِ، وَإِذَا كَثُرَ الْعِيَالُ وَالزُّوَارُ، وَالصِّفْيَانُ، وَالتُّدْمَاءُ، احْتِيجَ مِنْ صَبِّ الْمَاءِ، وَاتَّخَذَ الْحَبِيبَةُ الْقَاطِرَةَ، وَالْجَرَارُ الرَّاشِحَةَ، إِلَى أَضْعَافٍ مَا كَانُوا عَلَيْهِ. فَكَمْ مِنْ حَائِطٍ قَدْ تَأَكَّلَ أَسْفَلُهُ، وَتَنَاقَرَ أَعْلَاهُ، وَاسْتَرْخَى أَساسُهُ، وَتَدَاعَى بِنْيَانُهُ، مِنْ قَطْرِ حَبٍّ، وَرَشَحِ جَرٍّ، وَمِنْ فَضْلِ مَاءِ الْبَيْتِ، وَمِنْ سُوءِ التَّدْبِيرِ، وَعَلَى قَدَرٍ كَثُرَتْ بِهِمْ يَحْتَاجُونَ مِنَ الْخَبِيرِ وَالطَّبِيخِ، وَمِنْ الْوَقُودِ وَالتَّسْخِينِ، وَالتَّارُ لَا تَبْقَى وَلَا تَذُرُ، وَإِنَّمَا الدُّوْرُ خُطِبَ لَهَا، وَكُلُّ شَيْءٍ فِيهَا مِنْ مَتَاعٍ فَهُوَ أَكْلٌ لَهَا، فَكَمْ مِنْ حَرِيقٍ قَدْ أَتَى عَلَى أَصْلِ الْغَلَّةِ، فَكَلَفْتُمْ أَهْلَهَا أَغْلَظَ التَّفَقُّعِ. وَرُبَّمَا كَانَ ذَلِكَ عِنْدَ غَايَةِ الْعُسْرَةِ، وَشِدَّةِ الْحَالِ، وَرُبَّمَا تَعَدَّتْ تِلْكَ الْجِنَايَةُ إِلَى دُورِ الْجِيرَانِ، وَإِلَى مُجَاوِرَةِ الْأَبْدَانِ وَالْأَمْوَالِ، فَلَوْ تَرَكَ النَّاسُ حِينَئِذٍ رَبَّ الدَّارِ - وَقَدَّرَ بِلَيْتِهِ، وَمَقْدَارَ مُصِيبَتِهِ - لَكَانَ عَسَى ذَلِكَ أَنْ يَكُونَ مُحْتَمَلًا، وَلَكِنَّهُمْ يَتَشَاءَمُونَ بِهِ، وَلَا يَزَالُونَ يَسْتَنْقِلُونَ ذِكْرَهُ، وَيُكْثِرُونَ مِنْ لَا يَمْتَنِعُهُ وَتَعْنِيْفُهُ.

نَعَمْ! ثُمَّ يَتَّخِذُونَ الْمُطَابَخَ فِي الْعَلَالِي عَلَى ظُهُورِ السُّطُوحِ، وَإِنْ كَانَ فِي أَرْضِ الدَّارِ فَضْلٌ وَفِي صَحْبِهَا مُتَسَخِّعٌ، مَعَ مَا فِي ذَلِكَ مِنَ الْخَطَارِ بِالْأَنْفُسِ، وَالتَّغْرِيبِ بِالْأَمْوَالِ، وَتَعَرُّضِ الْحَرَمِ لَلِيلَةِ الْحَرِيقِ لِأَهْلِ الْفَسَادِ، وَهَجُومِهِمْ مَعَ ذَلِكَ عَلَى سِرِّ مَكْتُومٍ، وَخَبِيئِ مَسْتُورٍ، مِنْ ضَيْفٍ مُسْتَخْفٍ، وَرَبِّ دَارٍ مُتَوَارٍ، وَمِنْ شَرَابٍ مَكْرُوهٍ، وَمِنْ كِتَابٍ مَتَّهَمٍ، وَمِنْ مَالٍ جَمٍّ أُرِيدَ دَفْنُهُ، فَأَعْجَلَ الْحَرِيقُ أَهْلَهُ عَنْ ذَلِكَ فِيهِ، وَمِنْ حَالَاتٍ كَثِيرَةٍ، وَأُمُورٍ لَا يُحِبُّ النَّاسُ أَنْ يَعْرِفُوا بِهَا ثُمَّ لَا يَنْصَبُونَ التَّنَائِيرَ، وَلَا يُمْكِنُونَ لِلْقُدُورِ، إِلَّا عَلَى مَتْنِ السَّطْحِ، حَيْثُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْقَصَبِ وَالْخَشَبِ إِلَّا الطِّينُ الرَّقِيقُ، وَالشَّيْءُ لَا يَقِي، هَذَا مَعَ خَفَةِ الْمُؤْنَةِ فِي إِحْكَامِهَا وَأَمْنِ الْقُلُوبِ مِنَ السَّمَالِفِ بِسَبَبِهَا. فَإِنْ كُنْتُمْ تُقَدِّمُونَ عَلَى ذَلِكَ مِنَّا وَمِنْكُمْ وَأَنْتُمْ ذَاكِرُونَ، فَهَذَا عَجَبٌ، وَإِنْ كُنْتُمْ لَمْ تَحْفَلُوا بِمَا عَلَيْكُمْ فِي أَمْوَالِنَا، وَنَسِيْتُمْ مَا عَلَيْكُمْ فِي أَمْوَالِكُمْ، فَهَذَا أَعْجَبٌ.

ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِنْكُمْ يَدَافِعُ بِالْكَرَاءِ، وَيُمَاطِلُ بِالْأَدَاءِ. حَتَّى إِذَا اجْتَمَعَتْ أَشْهُرٌ عَلَيْهِ، فَزَّوَحَلَّى أَرْبَابُهَا جِياعًا، يَتَنَدَّمُونَ عَلَى مَا كَانَ مِنْ حُسْنِ تَقَاضِيهِمْ وَإِحْسَانِهِمْ. فَكَانَ جَزَاؤُهُمْ وَشُكْرُهُمْ اقْتِطَاعَ حُقُوقِهِمْ، وَالذَّهَابَ بِأَقْوَاتِهِمْ. وَيَسْكُنُهَا السَّاكِنُ حِينَ يَسْكُنُهَا، وَقَدْ كَسَحْنَاهَا وَنَظَّفْنَاهَا، لَتَحْسُنَ فِي عَيْنِ الْمُسْتَأْجِرِ، وَلِيَرَّغَبَ فِيهَا النَّاطِرُ. فَإِذَا خَرَجَ، تَرَكَ فِيهَا مَرْبَلَةً وَخَرَابًا، لَا

تُصلَحُهُ إِلَّا التَّفَقُّهُ الْمُوَجَّعُ، ثُمَّ لَا يَدْعُ مَتْرَسًا إِلَّا سَرَقَهُ، وَلَا سَلَمًا إِلَّا حَمَلَهُ، وَلَا نَقْصًا إِلَّا أَخَذَهُ، وَلَا بَرَادَةً إِلَّا مَضَى بِهَا مَعَهُ، وَلَا يَدْعُ دَقَّ الثَّوْبِ، وَالدَّقُّ فِي الْهَوَاوَنِ وَالْمِنْحَازِ فِي أَرْضِ الدَّارِ. وَيَدْقُ عَلَى الْأَجْدَاعِ وَالْحَوَاضِ وَالرَّوَاشِشِ، وَإِنْ كَانَتْ الدَّارُ مُقَرَّمَةً أَوْ بِالْأَجْرِ مَفْرُوشَةً، وَقَدْ كَانَ صَاحِبُهَا جَعَلَ فِي نَاحِيَةٍ مِنْهَا صَخْرَةً، لِيَكُونَ الدَّقُّ عَلَيْهَا، وَلِتَكُونَ وَاقِيَةً ذَوْنَهَا دَعَاهُمْ التَّهَاوُنُ، وَالْقَسْوَةُ، وَالْعَشُّ، وَالْفُسُولَةُ إِلَى أَنْ يَدْقُوا حَيْثُ جَلَسُوا، وَإِلَى أَلَا يَحْفَلُوا بِمَا أَفْسَدُوا. لَمْ يُعْطِ قَطُّ لِدَلِكِ أَرْشًا، وَلَا اسْتَحَلَّ صَاحِبُ الدَّارِ، وَلَا اسْتَغْفَرَ اللَّهُ مِنْهُ فِي الْبَيْتِ ثُمَّ يَسْتَكْثِرُ مِنْ نَفْسِهِ فِي السَّنَةِ إِخْرَاجَ عَشْرَةِ دَرَاهِمٍ، وَلَا يَسْتَكْثِرُ مِنْ رَبِّ الدَّارِ أَلْفَ دِينَارٍ فِي الشَّهْرِ. أَيْذُكُرُ مَا يَصِيرُ الْيَنَامُ مَعَ قَلْبِهِ، وَلَا يَذُكُرُ مَا يَصِيرُ إِلَيْهِ مَعَ كَثَرَتِهِ؟

هَذَا وَالْأَيَّامُ الَّتِي تَنْقُضُ الْمُبْرَمَ، وَثُبُلِي الْجِدَّةَ، وَتَفَرِّقُ الْجَمِيعَ الْمُجْتَمِعَ، عَامِلَةً فِي الدُّورِ كَمَا تَعْمَلُ فِي الصُّخُورِ، وَتَأْخُذُ مِنَ الْمَنَازِلِ كَمَا تَأْخُذُ مِنَ كُلِّ رَطْبٍ وَيَابِسٍ، وَكَمَا تَجْعَلُ الرُّطْبَ يَابِسًا، وَالْيَابِسَ هَشِيمًا، وَالْهَشِيمَ مُضْمَحَلًّا.

وَلَا نَهْدَامُ الْمَنَازِلَ غَايَةً قَرِيبَةً، وَمُدَّةَ قَصِيرَةً، وَالسَّائِكِينَ فِيهَا هُوَ الْمُتَمَتِّعُ بِهَا، وَالْمُتَنَفِّعُ بِمَرَافِقِهَا وَهُوَ الَّذِي أَبْلَى جِدَّتَهَا وَذَهَبَ بِحُلَاهَا، وَبِهِ هَزَمَتْ وَذَهَبَ عُمُرُهَا، لِسُوءِ تَدْبِيرِهِ. فَإِذَا قَسَمْنَا الْغُرْمَ عِنْدَ انْهْدَامِهَا بِإِعَادَتِهَا، وَبَعْدَ ابْتِدَائِهَا، وَغُرْمَ مَا بَيْنَ ذَلِكَ مِنْ مَرَمَّتِهَا وَإِصْلَاحِهَا، ثُمَّ قَابَلْنَا بِذَلِكَ مَا أَخَذْنَا مِنْ غَلَاتِهَا، وَارْتَفَقْنَا بِهِ مِنْ إِكْرَائِهَا، خَرَجَ عَلَى الْمُسْكِنِ مِنَ الْخُسْرَانِ، بِقَدَرِ مَا حَصَلَ لِلْسَّائِكِينَ مِنَ الرِّبْحِ إِلَّا أَنَّ الدَّرَاهِمَ الَّتِي أَخْرَجْنَاهَا مِنَ التَّفَقُّهِ كَانَتْ جُمْلَةً، وَالَّتِي أَخَذْنَاهَا عَلَى جِهَةِ الْغَلَّةِ جَاءَتْ مُقْطَعَةً. وَهَذَا مَعَ سُوءِ الْقَضَاءِ، وَالْإِحْوَاكِ إِلَى طَوْلِ الْإِقْبِضَاءِ، وَمَعَ بَغْضِ السَّائِكِينَ لِلْمُسْكِنِ، وَحُبِّ الْمُسْكِنِ لِلْسَّائِكِينَ. لِأَنَّ الْمُسْكِنَ يُحِبُّ صَحَّةَ بَدَنِ السَّائِكِينَ، وَيَفَاقُ سَوْقَهُ إِنْ كَانَ تَاجِرًا، وَتَحَرَّكَ صِنَاعَتِهِ إِنْ كَانَ صَانِعًا. وَمَحَبَّةُ السَّائِكِينَ أَنْ يَشْغَلَ اللَّهُ عَنْهُ الْمُسْكِنَ كَيْفَ شَاءَ، إِنْ شَاءَ شَغَلَهُ بِعَيْنِهِ، وَإِنْ شَاءَ بَزَمَانِهِ، وَإِنْ شَاءَ بِحَبْسٍ، وَإِنْ شَاءَ بِمَوْتٍ. وَمَدَارُ مُنَافَا أَنْ يَشْغَلَ عَنْهُ ثُمَّ لَا يَبَالِي كَيْفَ كَانَ ذَلِكَ الشُّغْلُ، إِلَّا أَنَّهُ كُلَّمَا كَانَ أَشَدَّ كَانَ أَحَبَّ إِلَيْهِ، وَكَانَ أَجْدَرُ أَنْ يَأْمَنَ، وَأَخْلَقَ لِأَنْ يَسْكُنَ. وَعَلَى أَنَّهُ إِنْ فَتَرَتْ سَوْقُهُ أَوْ كَسَدَتْ صِنَاعَتُهُ، أَلَحَّ فِي طَلَبِ التَّخْفِيفِ مِنْ أَصْلِ الْغَلَّةِ، وَالْحَطِيطَةِ مِمَّا حَصَلَ عَلَيْهِ مِنَ الْأُجْرَةِ، وَعَلَى أَنَّهُ إِنْ أَنَاهُ اللَّهُ بِالْأَرْبَاحِ فِي تِجَارَتِهِ، وَالتَّفَاقِ فِي صِنَاعَتِهِ، لَمْ يَزِدْ أَنْ يَزِيدَ قِيرَاطًا فِي ضَرَبِ بَيْتِهِ، وَلَا أَنْ يَعْبُجَلَ فَلَسَاقِبَلْ وَقِيَتِهِ“.

#### 11.4 صاحبِ متن کا تعارف

عصرِ عباسی اپنی بے مثال علمی و ادبی اور فکری و فنی خوبیوں کی وجہ سے ممتاز سمجھا جاتا ہے اور اس دور کی یہ خوبیاں ان عظیم افراد کی وجہ سے ہیں، جو اس دور میں پائے گئے اور انھوں نے اپنے نتائجِ فکر سے اسلامی و عربی ادب و فکر کو مالا مال کیا۔ ایسے ہی عظیم لوگوں میں سے ایک جاحظ بھی ہے، ایک جلیل القدر ادیب، نثر نگار، دانشور اور صاحبِ اسلوب انشا پرداز، اس کی کنیت ابو عثمان ہے اور نام عمرو بن بحر بن محبوب ہے، اس کا خاندان بنو کنانہ سے تعلق رکھتا ہے، جاحظ کی پیدائش بصرہ میں 160 ھ میں ہوئی اور جاحظ کے نام سے اس لیے اس کی شہرت ہوئی کہ اس کی آنکھوں کا ڈھیلا باہر کی طرف نکلا ہوا تھا۔ جاحظ کا گھرانہ ایک معمولی گھرانہ تھا، اس کے والدین مفلوک الحال اور معاشرے کے معمولی لوگ تھے، شاید اسی وجہ سے تاریخ میں اس کے ماں باپ کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا، البتہ بعض مؤرخین نے اس کے دادا کا ذکر کیا ہے، جو بنو کنانہ کے یہاں اونٹ چراتا تھا، جاحظ کے

والد کا انتقال اس کے بچپن میں ہی ہو گیا تھا، پھر اس کی والدہ نے بڑی مشقت اور پریشانی کے ساتھ اس کی پرورش کی۔ گھر کی خستہ حالی کی وجہ سے جاحظ کو بچپن سے ہی حصولِ معاش میں لگنا پڑا؛ چنانچہ وہ بصرہ میں نہرِ سیحان کے کنارے روٹیاں اور مچھلیاں بیچنے لگا، مگر چوں کہ فطری طور پر وہ ایک ذہین اور حصولِ علم کا شوق رکھنے والا بچہ تھا؛ اس لیے اس نے اپنا گھر چلانے کے ساتھ وقت نکال کر بعض مدرسوں میں بھی آمد و رفت شروع کر دی اور اسی طرح اس نے اپنے حصولِ علم کا سفر جاری رکھا، حتیٰ کہ مختلف اوقات میں اس نے اخفش، اصمعی، ابو عبیدہ، ابوزید انصاری، ابراہیم بن سیار وغیرہ جیسے اصحابِ فکر و ادب سے استفادہ کیا اور رفتہ رفتہ خود ایک عظیم ادیب و نثر نگار کی حیثیت سے آسمانِ ادب پر چھا گیا۔ اس کے بعض اساتذہ معتزلی الفکر تھے، جس کا جاحظ پر بھی اثر پڑا اور وہ بھی معتزلی ہو گیا، اس کی اس فکر کا اثر اس کی کتابوں میں بھی واضح طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے۔

#### 11.4.1 بغداد کا سفر اور شہرت و مقبولیت

کچھ ہی دنوں بعد اس نے بصرہ کو خیر باد کہہ کر بغداد کی طرف کوچ کر لیا، جو اس کے لیے ایک وسیع میدانِ عمل ثابت ہوا اور وہیں پہنچنے کے بعد اس کی ادبی صلاحیتیں نکھر کر اور ابھر کر سامنے آئیں، بہت جلد وہ اربابِ ادب کے حلقوں میں مقبول و مشہور ہو گیا، اس کی مقبولیت دیکھتے ہی دیکھتے اس حد تک پہنچ گئی کہ بہت سے پرانے اصحابِ ادب و قلم اس سے حسد کرنے لگے، کچھ لوگوں نے اپنی تحریروں میں اس کا اسلوب اختیار کرنا چاہا، جب کہ بعض لوگوں نے اسے مختلف حیلوں سے بدنام کرنے کی کوشش کی، مگر کسی کو کامیابی نہ ملی اور جاحظ روز بہ روز نئی بلندیوں کو چھوتا گیا۔ اس نے امامت (خلافت) کے سلسلے میں ایک کتاب لکھی تھی، جو اس وقت کے عباسی خلیفہ مامون رشید تک پہنچی، اس نے پڑھا، تو اسے بہت اچھی لگی، فوراً جاحظ کو دربارِ خلافت میں طلب کیا، انعامات سے نوازا اور اپنا کاتب (سکرٹری) مقرر کر دیا، مگر جاحظ کی طبع آزاد کے لیے یہ عہدہ موزوں نہ تھا؛ چنانچہ اس نے بہت جلد استعفا دے دیا، اس دوران کئی سرکاری اہل کاروں، وزیروں اور رئیسوں سے اس کے روابط مضبوط ہو گئے، انہی میں سے ایک محمد بن عبد الملک زیات تھا، جو خلیفہ معتصم کا وزیر تھا، جب جاحظ نے کتاب الیوان لکھی، تو اسے بھی ہدیہ پیش کیا، یہ کتاب اسے اتنی اچھی لگی کہ اس نے جاحظ کو بہ طور انعام پانچ ہزار دینار سے نوازا۔ مرفہ الحال ہونے کے بعد جاحظ نے مختلف علاقوں کے دورے کیے اور دمشق، انطاکیہ و مصر کے چکر لگاتا رہا۔ جب متوکل نے خلافت سنبھالی تو زیات پر مصیبت آپڑی، جس کا اثر جاحظ پر بھی پڑا، وہ ڈر کے مارے فرار ہو گیا، مگر پکڑا گیا اور چوں کہ متوکل کے قاضی محمد بن ابوداؤد اس سے واقف تھے؛ چنانچہ انھوں نے اس کی علمی و ادبی صلاحیت کی تعریف کی؛ اس لیے متوکل نے اسے اپنے پاس رکھ کر اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت پر لگا دیا، مگر وہاں بھی زیادہ دن نہ رہ سکا اور جلد ہی اس ذمے داری سے فارغ کر دیا گیا۔

جاحظ نے اپنی بے مثال علمی صلاحیت اور ادبی ہنرمندی کے عوض نہ صرف شہرت حاصل کی؛ بلکہ دنیا بھی خوب کمائی۔ جس امیر، رئیس یا خلیفہ سے ملتا، اس کی خدمت میں اپنی کوئی نئی تصنیف پیش کر دیتا اور چوں کہ اس زمانے میں امر اور وسابھی علم دوست و ادب شناس ہوتے تھے؛ چنانچہ وہ جاحظ کو جی بھر کے نوازتے؛ چنانچہ اپنے علم و قلم کی بدولت جاحظ نے دونوں ہاتھوں سے دولت و شہرت سمیٹی، ان تمام محرومیوں کا بدلہ نکالا، جو اس نے بچپن میں جھیلی تھیں یا جن محرومیوں سے اس کے خاندان اور گھر والے گزرتے آ رہے تھے۔

#### 11.4.2 بد صورتی

تمام تر علمی وجاہت، ادبی امتیاز اور فکری و ذہنی تفوق کے ساتھ جاحظ ظاہری اعتبار سے نہایت بد ہیئت، بد صورت اور قبیح انسان تھا، عربی

ادب کی تاریخ میں اس کی بد صورتی سے متعلق بے شمار کہانیاں مذکور ہیں۔ اس کی بد ہیئت کی انتہا یہ ہے کہ کسی شاعر نے کہا:

لو یمنسخ الخنزیر مسخا ثانیاً

ما کان إلا دون قبح الجاحظ

اگر خنزیر کو بھی دوبارہ مسخ کر دیا جائے، تو وہ بھی جاحظ سے کم ہی بد صورت ہوگا۔

جاحظ کو خود اپنی بد صورتی کا احساس تھا؛ چنانچہ اس نے خود بیان کیا کہ متوکل نے اسے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت سے اس لیے الگ کر دیا کہ وہ بد شکل تھا اور اس کے بچے اسے دیکھ کر ڈر جاتے تھے، اسی طرح ایک مشہور واقعہ ہے کہ جاحظ ایک جگہ کھڑا تھا کہ ایک عورت اس کے پاس آئی اور اس نے اس سے کہا کہ فلاں پیٹھر کی دکان تک چلو، وہ اس کے ساتھ گیا، وہ عورت جاحظ کو لے کر اس دکان دار کے پاس پہنچی اور اس سے کہا کہ: اس کے جیسی۔ جاحظ کو سمجھ نہیں آیا کہ اس نے کیا کہا؛ چنانچہ اس نے دکان دار سے پوچھا کہ بھئی اس عورت کے یہ کہنے کا کیا مطلب تھا؟ تو اس نے کہا کہ دراصل وہ عورت مجھ سے شیطان کی پینٹنگ بنانے کو کہہ رہی تھی، تو میں نے اس سے کہا تھا کہ کوئی نمونہ ہونا چاہیے، جس کی روشنی میں میں وہ تصویر تیار کر سکوں، تو وہ تمھیں لے کر آگئی اور اس کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں اسے تمھارے جیسی تصویر بنا کر دوں۔

#### 11.4.3 اچھے اوصاف

البتہ وہ بد صورت تو تھا، مگر اس کے جسم کی ساخت سڈول اور بھلی تھی، باتیں اچھی کرتا تھا، مضبوط شخصیت کا مالک تھا، دل کا صاف تھا، واقعیت پسند تھا، دلچسپ اوصاف کا مالک تھا، لوگوں سے خوش طبعی کے ساتھ ملتا اور خندہ پیشانی سے بات کرتا، ان سب کے ساتھ وہ ایک نہایت ذہین، دانش مند، قوت مشاہدہ سے ہم کنار اور باریک بین قسم کا انسان تھا۔ وہ کبھی مایوس نہیں ہوتا تھا، نہ کسی کو مایوس دیکھ سکتا تھا، ہمیشہ پر امید رہتا اور دوسروں کو بھی حوصلہ دیتا۔ اس طرح اس کی ذات میں دو متضاد قسم کی شخصیتیں جمع تھیں، ایک کو لوگ حد درجہ ناپسند کرتے تھے، جب کہ دوسری شخصیت کو لوگ دل سے چاہتے اور پسند کرتے تھے۔ اس کے پسند کیے جانے کی ایک اہم ترین اور مسلم وجہ اس کی علمی و ادبی برتری تو تھی ہی۔

#### 11.4.4 آخری عمر

اخیر عمر میں اس کی حالت نہایت ناگفتہ بہ ہو گئی تھی، مختلف بیماریوں کا شکار ہو گیا تھا، متوکل نے اس کی قدر شناسی کے جذبے سے اسے بلا بھیجا، تو اس نے جواب دیا: امیر المؤمنین ایک ایسے شخص کو کیوں یا دفرماتے ہیں، جو اذکار رفتہ ہو چکا ہے، اس کے کندھے جھک گئے ہیں، اس کے منہ سے لعاب گرتا رہتا ہے اور اس کا رنگ نہایت بھدا ہے۔ مبرّ دایک بار اسی زمانے میں اس سے ملنے گئے اور حال دریافت کیا، تو اس نے کہا: وہ شخص کیسا ہوگا، جس کے جسم کا آدھا حصہ مفلوج ہو چکا ہے، اگر اس پر آرا بھی چلوادیا جائے، تو کچھ اثر نہیں ہوگا اور دوسرا آدھا حصہ ایسا زخم آلود ہے کہ اگر اس کے قریب سے بھی کبھی گزرے، تو تکلیف ہوتی ہے۔

#### 11.4.5 مرض الموت اور سانحہ وفات

اس کی تکلیف روز بروز بڑھتی گئی، مگر اس حال میں بھی کتابوں سے اس کا عشق کم نہیں ہوا؛ بلکہ مزید بڑھ گیا؛ چنانچہ وہ اپنے شب و روز کتابوں کے درمیان گزارتا، حتیٰ کہ ایک دن وہ کتابوں کے نیچے دب کر ہی وفات پا گیا۔ یہ سانحہ 255ھ میں پیش آیا۔

کہتے ہیں کہ جاحظ نے اپنی زندگی میں چھوٹی بڑی لگ بھگ ایک سو ستر کتابیں تصنیف کیں، مگر ان میں سے زیادہ تر کتابیں زمانے کی دست برد کی نذر ہو گئیں۔ اس کی جو کتابیں عام طور پر دستیاب ہیں، ان میں کتاب الحيوان، البيان والتبيين اور الخلاء ہیں۔ یہ تینوں کتابیں موضوع کے اعتبار سے مختلف ہیں؛ چنانچہ اول الذکر کتاب میں جاحظ ایک ماہر طبیعیات کے طور پر نظر آتا ہے، دوسری کتاب میں وہ عربی کا ایک دیدہ ورنقاد ہے، جب کہ تیسری کتاب میں وہ سماج اور معاشرے کے اخلاق و سلوک کا مبصر اور مصلح نظر آتا ہے۔ بہر کیف جاحظ عربی ادب کے ان درخشندہ ستاروں میں سے ہے، جن کی روشنی رہتی دنیا تک عالم ادب کو منور کرتی رہے گی۔

## 11.5 متن کا ترجمہ

معبد نے کہا: ہم کندي کے گھر ایک سال سے زائد رہے، اس کے مکان کی تعریف و شہیر کرتے اور کرایہ دار فراہم کرتے اور کرایہ میں اضافہ کرواتے ہوئے اس کی ضروریات کی تکمیل کرتے اور اس کی شرطیں بھی پوری کیا کرتے تھے۔ میں نے کہا: کرایہ میں اضافہ کروانا، کرایہ دار مہیا کرنا اور ضروریات کی تکمیل تو سمجھ گیا؛ لیکن شرطیں پوری کرنے کا کیا مطلب ہے؟ تو اس نے کہا: گھر میں رہنے والے کرایہ داروں پر اس کی ایک شرط یہ تھی کہ جانور کی لید، بکری کی میٹگنیاں اور چوپایے کے چھوڑا ہوا چارہ اس کے ہوں گے اور وہ کوئی ہڈی اور کوڑا کرکٹ باہر نہیں ڈالیں گے، کھجور کی گٹھلیاں اور انار کے چھلکے بھی اس کے ہوں گے، ہر پکائی جانے والی دہیگی میں اس (کرایہ دار) کے گھر کی حاملہ عورت کے لیے پکائی جانے والی ہر بانڈی میں سے بھی ایک دوئی یا ایک چلو اس کا حصہ ہوگا، کبھی کبھی وہ ان شرطوں میں ڈھیل بھی کر دیتا تھا اور وہ لوگ اس کے صدق دل، خلوص اور شیریں کلامی کی وجہ سے اس کی شرطوں کو جھیلنے رہتے تھے۔

معبد نے کہا: ہم اسی طرح اپنے دن گزار رہے تھے کہ اسی دوران میرا چچا زاد بھائی اپنے بیٹے کے ساتھ ہمارے پاس پہنچ گیا اور اس کے پہنچنے ہی کندي کے پاس میرے نام کی ایک چھٹی آئی۔ اگر یہ دونوں نووارد ایک دوراتوں کے لیے آئے ہیں، تو ہم برداشت کر سکتے ہیں، اگرچہ رہنے والوں کو ایک رات کی خواہش دلانا بہت سی رات ٹھہرنے کی لالچ کا سبب ہو سکتا ہے، تو میں نے اسے لکھا: یہ لوگ ہمارے پاس ایک ماہ یا چند ماہ رہیں گے، تو اس نے مجھے لکھا: تمہارے گھر کا کرایہ تیس درہم ہے اور ابھی تم چھ لوگ رہتے ہو، گویا ہر بندے کا کرایہ پانچ درہم ہے، اب چوں کہ تم دو اور لوگوں کو بڑھا رہے ہو، تو دس درہم کی بڑھوتری لازمی ہے، پس آج سے اس گھر کا کرایہ چالیس درہم ہوگا۔

میں نے اسے لکھا: اگر وہ دو لوگ اس گھر میں رہیں، تو اس سے آپ کا کیا نقصان ہوگا؟ حالاں کہ ان کا بوجھ تو اس زمین کو اٹھانا ہے، جس نے بڑے بڑے پہاڑوں کو اپنی پشت پر اٹھا رکھا ہے اور ان کا خرچہ تو میں اٹھاؤں گا، آپ نہیں اٹھائیں گے، مجھے بتائیں آپ کے پاس کرایہ بڑھانے کی کیا وجہ ہے؟۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں بے فائدہ کوشش کر رہا ہوں اور یہ خود میرے لیے ہی مصیبت ثابت ہونے والی ہے۔

اس نے مجھے لکھا: میں نے جو تمہارے کرایے میں دس درہم کا اضافہ کیا ہے، اس کی کئی وجہیں ہیں، جو معروف ہیں، عام طور پر پائی جاتی ہیں، مثلاً: نالوں کا جلدی بھر جانا، پھر اسے صاف کرنے میں محنت و مشقت اٹھانی پڑتی ہے، اسی طرح جب پاؤں زیادہ ہوں گے، تو مٹی سے پوتی گئی چھتوں اور گچ سے پختہ کی گئی گھر کی زمین پر چلنا پھرنا زیادہ ہوگا، سیڑھیوں پر چڑھنا بھی زیادہ ہوگا، جس کی وجہ سے مٹی اکھڑ جائے گی اور گچ

ادھر جائیں گے، چوکھٹ ٹوٹ جائے گی، زیادہ چلنے کی وجہ سے چھت کی شہتیریں ٹیڑھی ہو جائیں گی اور زیادہ بوجھ پڑنے پر ٹوٹ جائیں گی۔ جب گھر میں آمد و رفت، کھولنا اور بند کرنا زیادہ ہوگا اور بند کرتے وقت تالا کو کھینچا جائے گا، تو دروازے کمزور ہو جائیں گے اور کنڈی (وہ حلقہ جس میں تالا یا زنجیر ڈالا جاتا ہے) اکھڑ جائے گی اور اگر گھر میں بچے زیادہ ہوں گے، لوگوں کی بھیڑ بھاڑ ہوگی، تو دروازے کی کلیں اکھاڑ دی جائیں گی، ہر تالا، ہر کنڈی اور اخروٹ کا درخت اکھاڑ دیا جائے گا، گھر میں گڈھے کھود دیے جائیں گے اور وہ گھر کے صحن کو برباد کر دیں گے، دوسری طرف دیواروں کو کیل ٹھونک کر اور ریگ لٹکا کر خراب کر دیا جائے گا، جب گھر کے لوگ، آنے جانے والے، مہمان اور دوست احباب کی کثرت ہوگی، تو پھر بہت سارا پانی بھی بہایا جائے گا، پہلے سے کئی گنا زیادہ بڑے بڑے بھرے ہوئے مشکیزوں کی ضرورت ہوگی اور مشکیزوں سے ٹپکنے والے قطرات، کنویں کے پانی اور بدانتظامی کی وجہ سے کتنی ہی دیواروں کا نچلا حصہ بیکار ہو گیا، بالائی حصہ پھٹ گیا، اس کی بنیادیں ہل گئیں اور ان کا ڈھانچہ کمزور ہو گیا۔ پھر جب آدمیوں کی تعداد زیادہ ہوگی، تو کھانے پکانے، ایندھن جلانے اور چیزوں کو گرم کرنے کی بھی زیادہ ضرورت پڑے گی اور آگ ایسی چیز ہے، جو کسی بھی چیز کو صحیح سلامت نہیں رہنے دیتی اور گھر تو اس کے ایندھن ہیں، گھر میں موجود ہر ساز و سامان کو وہ کھا جاتی ہے، کئی بار آتش زدگی کی وجہ سے گھر کا سارا سامان جل جاتا ہے اور گھر والوں کو زبردست خسارے اور خرچے سے دوچار ہونا پڑتا ہے، بسا اوقات ایسے واقعات سخت تنگی اور سختی کی حالت میں رونما ہو جاتے ہیں، کبھی کبھی یہ مصیبت پڑوسیوں کے گھروں تک پہنچ جاتی ہے اور ان کے جان و مال کو نقصان پہنچا دیتی ہے، ایسے وقت میں اگر لوگ مکان مالک کو چھوڑ دیتے ہوں، تو اس مصیبت کو برداشت بھی کیا جاسکتا ہے، مگر نہیں، لوگ تو اسے ہی برا بھلا کہتے اور بہت زیادہ لعنت ملامت کرتے ہیں۔

ہاں! یہ لوگ مطبخ بھی چھت کے اوپر کے کمرے میں بناتے ہیں، بھلے ہی گھر کے نچلے حصے میں جگہ بچی ہو اور صحن میں اس کی گنجائش موجود ہو؛ حالانکہ اس میں جان و مال اور عزت و آبرو کو خطرہ بھی ہوتا ہے، کہ اگر کبھی آگ لگ گئی تو فساد ہی لوگ گھر میں گھس کر حملہ کر سکتے ہیں، وہ کسی پوشیدہ راز، چھپائی گئی اشیا، مثلاً: کوئی مہمان، گھر والا، کوئی پینے کی ناپسندیدہ چیز، کوئی نامناسب کتاب وغیرہ کو عام کر سکتے ہیں، آگ لگنے کی وجہ سے دفن کرنے کے لیے رکھا گیا مال برباد ہو سکتا ہے، اسی طرح اور بھی بہت سے احوال و امور ہیں، جنہیں لوگ عام نہیں کرنا چاہتے۔ پھر لوگ تند و لرگانے اور ہانڈیاں پکانے کا کام بھی چھت پر کرتے ہیں، جہاں مٹی اور ان کے درمیان محض پتلی سی لکڑی ہوتی ہے اور کوئی چیز نہیں ہوتی، اسے بھی مضبوطی سے نہیں باندھا جاتا اور اس کی وجہ سے جو بربادیاں ہو سکتی ہیں، ان کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ اگر تم جانتے ہوئے اپنے یا ہمارے گھر میں ایسا کرتے ہو، تو یہ تعجب خیز بات ہے اور اگر تمہیں اپنے یا ہمارے مال و اسباب کے سلسلے میں اپنی ذمہ داریوں کا ہی احساس نہیں ہے، تو پھر یہ زیادہ ہی حیرت انگیز ہے۔

پھر تم میں سے بہت سے لوگ کرایہ دیتے وقت مالک مکان سے بحث مباحثہ کرتے اور کرایہ دینے میں ٹال مٹول کرتے ہیں، حتیٰ کہ جب کئی ماہ ہو جاتے ہیں، تو وہ مکان مالک کو بھوکا ننگا چھوڑ کر بھاگ نکلتے ہیں، پھر وہ اپنی شرافت و احسان پر اظہارِ ندامت کرتے رہتے ہیں، جس کے بدلے انہیں یہ ملتا ہے کہ کرایہ داران کا حق اور روزی روٹی لے کر بھاگ جاتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب کوئی کرایہ دار آنے والا ہوتا ہے، تو ہم گھر کی صاف صفائی کر دیتے ہیں؛ تاکہ اسے اچھا لگے اور اس کا دل گھر میں رہنے پر آمادہ ہو جائے؛ لیکن جب وہی شخص گھر چھوڑ کر جاتا ہے، تو وہ کوڑوں اور گندگی کا ڈھیر چھوڑ کر جاتا ہے، جسے صاف کروانے میں اچھا خاصا خرچہ برداشت کرنا پڑتا ہے، وہ دروازے پر اوٹ کے لیے استعمال کی جانے والی

لکڑی، سیڑھی، مکان کی ٹوٹی پھوٹی چیزیں اور پانی ٹھنڈا کرنے والا برتن تک چرا کر لے جاتا ہے۔ گھر کے فرش پر رکھ کر کپڑوں کو پیٹ پیٹ کر صاف کرتا، ہاون دستہ استعمال کرتا اور چھت کے ستونوں اور دیوار کے کھمبوں پر کو پینٹا رہتا ہے، بھلے ہی فرش گچ اور اینٹوں سے پلاسٹر کیا گیا ہو اور مکان مالک نے کوٹنے اور ٹھونکنے کے لیے الگ سے گھر میں ایک پتھر رکھ چھوڑا ہو؛ تاکہ اس طرح کا کام اسی پتھر پر کیا جائے اور گھر کی دوسری چیزوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے، مگر سستی، سخت دلی، دھوکہ دہی اور کمینگی کی وجہ سے وہ جہاں بیٹھتے ہیں، وہیں کھود کر دیا اور ٹھونکنا بجانا شروع کر دیتے ہیں اور کبھی بھی اپنی بد معاشی پر اظہارِ افسوس تک نہیں کرتے، نہ نقصان کا کوئی بدلہ دیتے ہیں، نہ مالک مکان سے معافی مانگتے ہیں اور نہ تنہائی میں خدا کے سامنے ہی نادم ہوتے ہیں، پھر سال بھر دس درہم نکالنا اسے زیادہ لگتا ہے، جب کہ مالک مکان کے نقصان کی ہوئی چیزوں کو خریدنے میں ہزاروں دینار خرچ ہو جائیں، تو وہ کچھ زیادہ نہیں۔

ہمیں ہونے والے معمولی فائدے کو تو وہ یاد رکھتا ہے، مگر اس کے کرتوت کی وجہ سے جو ہمارا بہت سامال خرچ ہوا، اسے یاد نہیں رکھتا۔ پھر روز و شب کی گردشیں مضبوط چیزوں کو بھی کمزور کر دیتی ہیں، نئے کو پرانا کر دیتی ہیں، اکٹھی چیزوں کو منتشر کر دیتی ہیں، ان کا اثر گھروں پر بھی ہوتا ہے اور پتھروں پر بھی، ہر خشک و تر کی طرح گھروں کو بھی نقصان پہنچاتی ہیں

اور بہت کم مدت میں مکانات منہدم ہو جاتے ہیں۔ جو شخص گھر میں رہتا ہے، وہی اس سے متمتع ہوتا اور فائدہ اٹھاتا ہے، وہی اس مکان کو نئے سے پرانا کرتا، اس کی خوبصورتی کو ختم کرتا اور اسی کی بد انتظامی کی وجہ سے اس مکان کی زندگی ختم ہوتی ہے۔ جب مکان کے انہدام اور تعمیر نو کے بعد اس کی مرمت اور اصلاح پر ہونے والے خرچے کو ہم تقسیم کرتے ہیں اور اس کا تقابل ہم اس منافع سے کرتے ہیں، جو ہمیں اسے کرایے پر لگانے سے حاصل ہوئے، تو پتا چلتا ہے کہ مکان مالک کو اتنا ہی نقصان ہوا ہے، جتنا کہ مکان میں رہنے والے کو فائدہ ہوا ہے،

ہم نے اس پر جو دراہم خرچ کیے، وہ تو یکمشت تھے، جب کہ ہمیں جو فائدہ ہوا، وہ تھوڑا تھوڑا اور قسط وار ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ (کئی بار) مکان مالک کو کرایہ دار کے غلط فیصلوں سے دوچار ہونا پڑتا اور بسا اوقات (کرایے کے لیے) لمبی مدت تک تقاضا کرنا پڑتا ہے، اسی طرح مکان مالک تو کرایہ دار سے محبت کرتا ہے؛ لیکن کرایہ دار مکان مالک سے بغض رکھتا ہے، مکان مالک تو یہ چاہتا ہے کہ کرایہ صحت مندر ہے، اگر وہ دار تاجر ہے، تو اس کی تجارت اچھی طرح چلے اور اگر وہ صنعت کار ہے، تو اس کی صنعت فائدے میں رہے، جب کہ کرایہ دار یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مکان مالک کو اس سے دور ہی رکھے یا تو اسے اپنے آپ میں الجھائے رکھے یا کسی مصیبت میں مبتلا کر دے یا قید میں ڈلوادے یا موت ہی دے دے۔ بہر کیف اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ مکان مالک اس سے دور رہے، چاہے وہ جس الجھن میں بھی مبتلا ہو، ہاں وہ الجھن جس قدر شدید ہو، وہ اسے زیادہ پسند ہوتی ہے؛ تاکہ وہ اس سے زیادہ سے زیادہ محفوظ رہے اور اسے زیادہ سے زیادہ اس مکان میں رہنے کا موقع ملے اور اگر اس کی تجارت نہیں چل رہی ہے یا اس کا کاروبار مندی کا شکار ہے، تو اس کا اصرار ہوتا ہے کہ اصل کرایے میں تخفیف کر دی جائے اور جو معاوضہ اسے دینا ہے، اس میں کمی کر دی جائے، جب کہ اگر اسے تجارت نفع ہو رہا ہے اور کاروبار اچھا چل رہا ہے، تو وہ اپنے کرایے میں ایک قیراط کا بھی اضافہ کرنا گوارہ نہیں کرتا اور نہ وقت سے پہلے ایک پیسہ دینا چاہتا ہے۔

## 11.6 لغوی تحقیق

رُوح : رواج دینا، بڑھانا (روح، یروج ترویجاً: تفعیل)



روث (و) روثة	:	لید
بعر (و) بعرة	:	میٹنی
نشوار	:	جانور کا چھوڑا ہوا چارہ
علوفة	:	چارہ
كساحة	:	کوڑا، کچرا
نواة (ج) نوی	:	گٹھلی
قشر (ج) قشور	:	چھلکا
تنزل علی	:	وقفے وقفے سے کسی جگہ آنا، مہلت دینا (تنزل، یتنزل، تنزلاً: تفعّل)
بالوعة	:	نالی رموری
تنقية	:	صاف کرنا (نقی، تنقیہ: تفعّل)
طین	:	مٹی سے لیپنا، پوتنا (طین، تطینا: تفعّل)
جصّص	:	گچ یا سرخی سے پوتنا، پلاسٹر کرنا (جصّص، تجصّصا: تفعّل)
جصّ	:	گچ، سرخی
درج (و) درجة	:	سیرھی
انقشر	:	ادھڑنا (انقشر، انقشرا: انفعال)
انقلع	:	اکھڑنا (انقلع، انقلاعا: انفعال)
عتب (و) عتبة	:	چوکھٹ
انشاء	:	مڑ جانا (انشاء، انشاء: انفعال)
أجداع (و) جذع	:	شہتیر
تہشّم	:	کمزور ہونا (تہشّم، تہشما: تفعّل)
رزات (و) رزة	:	کنڈی
البوش	:	بھیڑ
مسامير (و) مسمار	:	کیل
ضبة	:	تالے کی ایک قسم، چوڑا لوہا جس سے دروازہ بند کیا جاتا ہے
جوزة	:	اخروٹ، اخروٹ کا درخت۔ اس زمانے میں رواج تھا کہ لوگ اپنے گھر کے آنگن میں اخروٹ کا درخت لگا کر تے تھے۔

آبار الزدو	:	ایسے گڑھے، جنہیں بچے کھیلنے کے لیے کھودتے ہیں، مجازی طور پر انہیں کنواں کہہ دیا جاتا ہے۔
ہشتم	:	توڑنا (ہشم، ہشما: ضرب)
بلاط	:	چکنی، مسطح زمین
مداحی (و) مدحاة	:	ایسی مضبوط، موٹی لکڑی، جسے زمین کو برابر کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔
رفوف (و) رف	:	ریگ، جو دیوار پر چھوٹی لکڑی یا کیل کے سہارے لٹکائے جاتے ہیں۔
ندماء (و) ندیم	:	ساتھی، دوست
حببة (و) حُب	:	بڑا مشکیزہ
جرار (و) جرة	:	مشکیزہ
رشح	:	ٹپکنا (باب: فتح)
تأكل	:	کھوکھلا ہو جانا (باب: تفعّل)
تداعى	:	پھٹ جانا (باب: تفاعل)
غلة	:	کرایہ یا زمین وغیرہ سے ہونے والی آمدنی
تعدّت	:	حد سے تجاوز کر جانا (تعدی، تعدیا: تفعّل)
لائمة	:	ملامت، لعن طعن
علالي (و) عليّة	:	اوپر کا کمرہ
خطار	:	خطر کا مصدر ہے، خوف و خطر میں پڑنا (باب: مفاعلة)
تغدير	:	ہلاکت میں ڈالنا، برباد کرنا (غیر، تغیر: تفعیل)
الحرم (و) حرمة	:	محترم، جس کی بے حرمتی حرام ہو
قصب	:	بانس، نرکل
متالف (و) متلفة	:	تلف ہونے والی چیزیں
ماطل	:	ٹال مٹول کرنا (ماطل، ماطلة: مفاعلة)
كسح	:	صاف کرنا (كسح، كسحا: فتح)
مزبلة	:	کوڑا ڈالنے کی جگہ، گندگی
مُترس	:	وہ لکڑی جو دروازے کے پیچھے بطور اوٹ استعمال کی جاتی ہے، یہ اصل میں فارسی لفظ ہے، ترسیدن مصدر سے فعل نہیں، صیغہ واحد حاضر، جس کے معنی ہیں مت ڈر۔
نقض	:	ملبہ، گھر کے ٹوٹے ہوئے اجزا

برّادة	:	پانی ٹھنڈا کرنے کا برتن
ہاون (ج) ہواوین	:	جس میں دوا وغیرہ کوئی جاتی ہے
منحاذ	:	ہاون
حواضن (و) حاضنة	:	وہ لکڑی یا ستون جو چھت کو سہارا دینے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔
رواشن (و) روشن	:	گھر کی دیوار سے نکلی ہوئی لکڑی، جو سامنے کی دیوار تک نہیں پہنچتی، روشن دان۔
مقرمدة	:	سرخ، گچ وغیرہ سے پوتنا، پلاسٹر کرنا (باب: فعللہ)
آجر (و) آجرة	:	اینٹ
فسولة	:	بے مروتی، خست
أرش (ج) أروش	:	دیت، معاوضہ
مرافق	:	منافع
غرم	:	وہ مال جسے ادا کرنا لازم ہو، تاوان، بدلہ
ارتفق به	:	فائدہ اٹھانا (باب: افتعال)
مقطعة	:	حصہ بخرہ کر کے، قسط وار (باب: تفعیل)
حطیطة	:	کم کیا ہوا حصہ مال
نفقت السوق	:	گرم بازاری، کاروبار کا چل پڑنا
فترت السوق	:	کاروبار میں گراوٹ آجانا، مندی پڑ جانا
ألح	:	اصرار کرنا (ألح، إلحاح: إفعال)
فلس (ج) فلوس	:	پیسہ

## 11.7 ادبی صنف کا تعارف

جاہظ اپنے وقت کا بہت بڑا ادیب گذرا ہے، اس نے ادبی اسلوب نگارش اور واقعات میں حسیت اور واقعیت اور معاشرہ کی خوبیوں اور خرابیوں کی عکاسی کر کے ادب کے لیے نہایت اونچا اور بلند تر طرز تحریر اپنے پیچھے چھوڑا ہے، اس کی نثر نگاری کا کوئی ثانی نہیں، عبداللہ بن المقفع کے بعد جاہظ ہی وہ شخص ہے، جو نہایت رواں، دل نشیں اور خوب تر اور سہل اور واقعیت پر مبنی نثر لکھتا ہے، جس میں چھوٹے چھوٹے جملے، مربوط عبارتیں، بے تکلف آورد، سجع بندی، خود کار صنعت گری، تکلف بر طرف اسلوب نظر آتا ہے، غیر مانوس اور شاذ و نادر الفاظ کا استعمال بہت کم ہوتا ہے، نثر نگاری کا یہ قطعہ اپنے فن کا شاہکار ہے، اس میں مزاح اور ہزل کی شوخیاں بھی ہیں، نثر نگاری میں علمی مباحث اور فلسفیانہ موثکافیوں کے اظہار کی متانت بھی ہے، نثر نگاری کا یہ نمونہ اس کے زور قلم اور زود قلم کا شاہکار ہے، انداز تحریر فطری، الفاظ کا استعمال نہایت عامیانہ، حوار اور گفتگو کا انداز

اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، جس میں بخیلوں کی حکایات اور قصوں کو بیان کیا گیا ہے، وہ انسانی طبائع اور بشری فطرت کو بیان کرتے ہیں، اس میں بہت سارے مشاہیر کا نام آتا ہے، ملکوں اور شہروں کے ناموں کا ذکر ہے، وہاں کے رہن سہن اور طرز حیات، مختلف مفید اشعار موضوع اور محل کے لحاظ سے بیان کیے ہیں۔

#### 11.7.1 صنف کی ہیئت و صورت

جاہظ اپنے وقت کا بہت بڑا ادیب گذرا ہے، اس کی کتاب "البخلاء" میں "البخیل الحکیم" نام سے ایک حکایت ہے، جس میں اس نے ایک بخیل مکاندار کی حکایت بیان کی ہے، معبر راوی کی زبانی وہ بیان کرتا ہے، اس کا مالک مکان کندی ایک نہایت بخیل اور کنجوس شخص تھا، ہم اس کے پاس ایک سال تک رہے، اس کی کنجوسی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے، وہ اپنے کرایہ داروں سے کہتا کہ گھر کی میٹگنیاں، لید اور کوڑا کرکٹ بھی باہر نہ پھینکے جائیں، کھجور کی گٹھلیاں اور انار کے چھلے کے بھی اس کے حوالے کیے جائیں، اس طرح کے شرائط کے ساتھ وہ اپنے مکان میں رہنے دیتا، ایک دفعہ یوں ہوا کہ میرے چچا اور چچا زاد بھائی میرے مہمان ہوئے، تو اس نے پوچھا کہ کتنے دن رہیں گے، دو دن رہتے ہیں تو ٹھیک ہے، ورنہ تمہیں ان کے مزید دس درہم دینے ہوں گے، اس لیے تم چھ لوگوں کے تیس درہم ہیں، ان دو کے دس، معبر نے کہا: ہم ان کے کھانے کا نظم کریں گے تو کرایہ کس بات کا؟ تو اس نے کہا: یہ گھر میں چلے پھریں، گھر کی گچ اور مٹی اکھڑے گی، سیڑھی استعمال کریں گے، آمدورفت کی کثرت سے گھر کی مٹی خراب ہو جائے گی، دروازے بند کرنے اور کھولنے میں ان کے ٹوٹنے اور ان کے کوڑوں کے کمزور ہونے کا بھی اندیشہ ہے، پھر مشکیڑوں میں پانی زیادہ بھر کر رکھا جائے گا تو پھر یہ پانی اوپر اور نیچے کی دیواروں میں رس بھی سکتا ہے، جس سے دیوار کمزور ہو سکتی ہیں، زیادہ لوگ رہیں گے تو پکا نا بھی زیادہ پڑے گا، اگر چھت پر پکائیں تو بہت سارے اندیشے ہیں، جان و مال، گھر بار، اسباب اور عزت و آبرو کا نقصان ہو سکتا ہے، اس طرح اس نے اپنے کرایہ بڑھانے کے وجوہات کا ذکر کیا، الغرض اس صنف کے ذریعے جاہظ کا مقصد اس دور کے خراسان اور وہاں کے لوگوں کی بود و باش، رہن سہن اور طرز زندگی اور آپس کی گفتگو اور کرایہ داروں مکانداروں کے لب و لہجہ اور طرز تکلم اور ان کی کنجوسی اور بخالت وغیرہ کو بیان کرنا ہے، یہ صنف کی ہیئت و صورت ہے۔

#### 11.8 متن سبق کا موضوع

یہ عصر عباسی کے معروف ادیب و نثر نگار ابو عثمان عمرو بن بحر بن محبوب کنانی لیشی جو جاہظ کے نام سے مشہور تھا، اس کی مشہور کتاب "البخلاء" کا ایک واقعہ ہے۔ اس کتاب میں جاہظ نے اپنے عہد کے مختلف بخیلوں کے واقعات مکالماتی انداز میں بیان کیے ہیں اور ان سے حاصل ہونے والے مختلف سماجی، اخلاقی و اصلاحی سبق پر خصوصی توجہ دی ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں صرف ان بخیلوں کی بری خصلتوں کا ہی ذکر نہیں کیا گیا؛ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان کی بعض خوبیوں اور اچھائیوں کی طرف بھی اشارے کیے ہیں۔ انہی واقعات میں سے ایک یہ واقعہ ہے، جو ایک بخیل مالک مکان سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا نام کندی ہے اور مکان کرایہ پر لگانے کے سلسلے میں اس کی اپنی شرطیں ہیں، وہ ایسے ہی لوگوں کو اپنے مکان میں رہنے کی اجازت دیتا ہے، جو اس کی شرطوں پر پورا اترتا ہو، کہ وہ اپنی گھر کا کوڑا کرکٹ، میٹگنیاں اور لید وغیرہ اسی کو دیں گے، معبر کہتا ہے کہ میں ایک سال تک اس کے یہاں کرایہ سے رہا، اس کا کرایہ بھی ادا کرتا رہا، اس کے بعد ایک دفعہ میرے چچا اپنے بیٹے کے ساتھ

آئے، تو کندی نے کہا کہ اگر وہ دودن ٹھہرتے ہیں تو ٹھیک ہے، ورنہ تم چھ لوگوں کا کرایہ تیس درہم ہے، ان دونوں کے اضافہ سے ان کا کرایہ دس ملا کر چالیس درہم ہو جائے گا تو معبد نے کہا: دو مہینے تو وہ میرے پاس ٹھہریں گے، خرچ تو میرا ہوگا تو کندی نے کرایہ بڑھانے کے وجوہات و اسباب کا ذکر کرتے ہوئے تفصیلاً بیان کیا کہ زیادہ لوگوں کے رہنے سے گھر کو مختلف طرح سے نقصان ہو سکتا ہے، نالیاں جلد بھر جائیں گی، جن کو صاف کرنا ہوگا، زیادہ لوگ ہوں گے تو زیادہ چلیں گے پھریں گے، جس کی وجہ سے مٹی کی چھت اور فرش کمزور ہو جائے گا، سیڑھیاں بھی کمزور پڑ جائیں، بار بار کھولنے بند کرنے سے چوکھٹ اور دروازے کمزور ہوں گے، لوگ زیادہ ہوں گے تو بچے بھی زیادہ ہوں گے، دیواروں میں کیلیں ٹھونکی جائیں گی، بچے کھیلنے کے لیے گڈھے کھودیں گے، پانی کا استعمال بھی زیادہ ہوگا، جس کی وجہ سے پانی اور مٹکوں کا استعمال زیادہ ہوگا، جس کا پانی رس کردیواروں کو کمزور کر دے گا، جب گھر میں زیادہ رہنے والے ہوں گے تو کھانے پکانے کے لیے آگ زیادہ جلائی جائے گی تو اس سے گھر کو خطرہ بھی ہو سکتا ہے، کبھی آگ بھی لگ سکتی ہے، پھر یہ آگ آس پاس کے گھروں کو بھی کبھی اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے، کرایہ دار گھر میں صحن اور نیچے جگہ ہونے کے باوجود اپنا مطبخ بالائی خانے پر بناتے جس سے نقصانات زیادہ ہوتے ہیں۔

اسی طرح بعض کرایہ داروں سے جب ان سے وقت پر کرایہ دینے کو کہا جاتا ہے مالک مکان سے جھگڑ پڑتے ہیں، ٹال مٹول کرتے ہیں، اس طرح وہ کرایہ باقی رکھ کر بھاگ جاتے ہیں، بلکہ جاتے وقت گھر سے بہت ساری چیزیں اٹھا کر چل دیتے ہیں، اسی طرح کرایہ دار کپڑے صاف کرنے یا دوا اور مسالے پینے کے لیے گھر کے کسی بھی حصے میں ہاون دستہ لے کر بیٹھ جاتے ہیں، جب گھر کو نقصان پہنچتا ہے تو کرایہ دار تو ٹال مٹول کے ساتھ مختلف اوقات میں کرایہ دیتا ہے؛ لیکن مکاندار کو یکدم سارے خرچے مرمت کے اٹھانے پڑتے ہیں، اسی طرح کرایہ داروں کی ایک خامی یہ ہوتی ہے کہ مالک مکان تو کرایہ داروں کی صحت کے لیے دعا کرتا ہے، لیکن وہ لوگ مالک مکان کے لیے بددعا؛ بلکہ موت کی بھی دعا کرنے سے نہیں جھجکتے، اگر ان پر کوئی کاروباری آفت آن پڑتی ہے تو کرایہ میں تخفیف کے خواہی ہوتے ہیں، اگر تجارت میں نفع ہوتا ہے تو کرایہ بڑھانے کی انہیں فکر دامن گیر نہیں ہوتی۔

## 11.9 متن سبق کی توضیح و تشریح

قصہ کا پس منظر یہ ہے کہ معبد کہتا ہے کہ ہم کندی کے گھر میں ایک سال سے رہا کرتے، یہ نہایت کنجوس شخص تھا، یہ کرایہ کے علاوہ لوگوں کے گھروں کی میٹنیا کرایہ دار کے گھر کی حاملہ خواتین کے خصوصی کھانوں میں سے اپنا کچھ حصہ مانگتا اور انار کے چھلے اور کھجور کی گٹھلیوں کا بھی وہ مطالبہ کرتا، ہر کھانے میں اپنی حاملہ بیوی کا کچھ حصہ مانگتا، اس کی زود طبع، حسن کلام زیادتی بخل کی وجہ سے لوگ اس کے ناز و خیر برداشت کرتے تھے، ایک دفعہ میرے یہاں، میرے چچا اور بچا زاد بھائی آئے تو اس نے کہا: یہ دودن ٹھہرتے ہیں تو ٹھیک ہے، ورنہ تم چھ لوگوں کا کرایہ جب تیس درہم ہے تو اس طرح دوا اشخاص کے دس درہم ملا کر چالیس درہم ہو جائیں گے۔ پھر معبد کہتا ہے: کھانا تو میں کھلا رہا ہوں، پھر یہ کرایہ کی زیادتی کس وجہ سے؟ رہی زمین تو جس طرح ہم چھ اشخاص کو سنبھال رہی تھی، یہ اسی طرح دوا اشخاص کو بھی سنبھال سکتی ہے، جب کہ وہ بڑے بڑے پہاڑوں کو اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہے۔

۱۔ ذَلِكْ سُرْعَةُ امْتِلَاءِ الْبَالُوْعَةِ، وَمَا فِي تَنْقِيَّتِهَا مِنْ شِدَّةِ السَّمُوْنَةِ، وَمِنْ ذَلِكْ اَنَّ الْاَقْدَامَ اِذَا كَثُرَتْ كَثُرَ الْمَشْيُ عَلٰی ظُهُورِ

السُّطُوحِ الْمُطَيَّنَةِ وَعَلَى أَرْضِ الْبُيُوتِ الْمُجَصَّصَةِ وَالصُّعُودُ عَلَى الدَّرَجِ الْكَثِيرِ، فَيَنْقَشِرُ لِذَلِكَ الطِّينُ، وَيَنْقَلِعُ الْجَصُّ، وَيَنْكَسِرُ الْعَتَبُ مَعَ انْتِشَاءِ الْأَجْدَاعِ لِكَثْرَةِ الْوُطْءِ، وَتَكْسِرُهَا لِفِرْطِ الثَّقَلِ، وَإِذَا كَثُرَ الدُّخُولُ وَالْخُرُوجُ، وَالْفَتْحُ وَالْإِغْلَاقُ، وَالْإِقْفَالُ وَجَذَبَ الْأَقْفَالِ تَهَشَّمَتِ الْأَبْوَابُ، وَتَقَلَّعَتِ الرِّزَاثُ، وَإِذَا كَثُرَ الصَّبِيَانُ، وَتَضَاعَفَتِ الْبُوشُ نَزَعَتْ مَسَامِيرُ الْأَبْوَابِ، وَقُلَعَتْ كُلُّ صَبَبَةٍ، وَنَزَعَتْ كُلُّ رَزَقَةٍ، وَكُسِرَتْ كُلُّ جُوزَقَةٍ، وَخَفَرَفَ فِيهَا آبَارُ الرِّزْدِ، وَهَشَمُوا بِلَاطِهَا بِالْمَدَاحِي. هَذَا مَعَ تَحْرِيبِ الْحَيْطَانِ بِالْأَوْتَادِ، وَخَشَبِ الرُّفُوفِ، وَإِذَا كَثُرَ الْعِيَالُ وَالزُّوَارُ، وَالصَّيْفَانُ، وَالنَّدْمَاءُ، احْتَبَجَ مِنْ صَبِّ الْمَاءِ، وَاتَّخَذَ الْحَبِيبَةُ الْقَاطِرَةَ، وَالْجِرَارِ الرَّاشِحَةَ، إِلَى أَضْعَافٍ مَا كَانُوا عَلَيْهِ. فَكَمْ مِنْ حَائِطٍ قَدْ تَأَكَّلَ أَصْفَلُهُ، وَتَنَاقَرَتْ أَعْلَاهُ، وَاسْتَرْخَى أَسَاسُهُ، وَتَدَاخَى بُنْيَانُهُ، مِنْ قَطْرِ حَبٍّ، وَرَشَحِ جَرٍّ، وَمِنْ فَضْلِ مَاءِ الْبَيْتِ، وَمِنْ سُوءِ التَّدْبِيرِ

اس نے مجھے لکھا: میں نے جو تمھارے کرایے میں دس درہم کا اضافہ کیا ہے، اس کی کئی وجہیں ہیں، جو معروف ہیں، عام طور پر پائی جاتی ہیں، مثلاً: نالوں کا جلدی بھر جانا، پھر اسے صاف کرنے میں محنت و مشقت اٹھانی پڑتی ہے، اسی طرح جب پاؤں زیادہ ہوں گے تو مٹی سے پوتی گئی چھتوں اور گچ سے پختہ کی گئی گھر کی زمین پر چلنا پھرنا زیادہ ہوگا، سیڑھیوں پر چڑھنا بھی زیادہ ہوگا، جس کی وجہ سے مٹی اکھڑ جائے گی اور گچ ادھر جائے گی، چوکھٹ ٹوٹ جائے گی، زیادہ چلنے کی وجہ سے چھت کی شہتیریں ٹیڑھی ہو جائیں گی اور زیادہ بوجھ پڑنے پر ٹوٹ جائیں گی۔ جب گھر میں آمدورفت، کھولنا اور بند کرنا زیادہ ہوگا اور بند کرتے وقت تالا کو کھینچا جائے گا، تو دروازے کمزور ہو جائیں گے اور کنڈی (وہ حلقہ جس میں تالا یا زنجیر ڈالا جاتا ہے) اکھڑ جائے گی اور اگر گھر میں بچے زیادہ ہوں گے، لوگوں کی بھیڑ بھاڑ ہوگی، تو دروازے کی کیلیں اکھاڑ دی جائیں گی، ہر تالا، ہر کنڈی اور اخروٹ کا درخت اکھاڑ دیا جائے گا، گھر میں گڈھے کھود دیے جائیں گے اور وہ گھر کے صحن کو برباد کر دیں گے، دوسری طرف دیواروں کو کیل ٹھونک کر اور ریگ لٹکا کر خراب کر دیا جائے گا، جب گھر کے لوگ، آنے جانے والے، مہمان اور دوست احباب کی کثرت ہوگی، تو پھر بہت سارا پانی بھی بہایا جائے گا، پہلے سے کئی گنا زیادہ بڑے بڑے بھرے ہوئے مشکیزوں کی ضرورت ہوگی اور مشکیزوں سے ٹپکنے والے قطرات، کنویں کے پانی اور بد انتظامی کی وجہ سے کتنی ہی دیواروں کا نچلا حصہ بیکار ہو گیا، بالائی حصہ پھٹ گیا، اس کی بنیادیں ہل گئیں اور ان کا ڈھانچہ کمزور ہو گیا۔ (خلاصہ یہ کہ مالک مکان نہایت کنجوسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے صرف دو اشخاص کی زیادتی پر مختلف بہانے سے کرایہ بڑھانے کی مانگ کرتا ہے، کہ ان کے رہنے سے گھر کے نالی بھر جائیں گے، اسے صاف کرنا ہوگا، پاؤں سے چلنا زائد ہوگا چھتوں کی مٹی اور گھر کی زمین کی گچ اکھڑے گی، سیڑھیوں پر چڑھنا اور اتارنا بھی بکثرت ہوگا، جس کی وجہ سے بھی مٹی جھڑے کی، گچ اکھڑے کی، چوکھٹ کے ٹوٹنے کا بھی امکان ہے، زیادہ بوجھ کی وجہ سے گھر کی شہتیر بھی ٹیڑھی ہو سکتی ہے، گھر میں زیادہ آمدورفت کی وجہ سے دروازوں کو کھولنا بند کرنا اور تالوں کا کھینچنا بھی زیادہ ہوگا، جس کی وجہ سے دروازے اور کنڈیاں کمزور ہو جائیں گی، بچے زیادہ ہوں گے گھر میں گڈھے کھودیں گے، مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے پانی کے مشکیزے بکثرت رکھے جائیں، پانی زیادہ بہہ جائے گا، جس سے قطرات رسنے کی وجہ سے نچلی دیواروں ڈھیلی ہو جائے گی، اوپر کا حصہ پھٹ جائے گا، یعنی بنیادیں کمزور پڑ جائیں گی) (استرخاء، استفعال)

۲۔ اس دوسرے پیرا گراف میں کہتا ہے، مزید کرائے بڑھائے جانے کی وجوہات کو بیان کرتا ہے:

نَعَمْ! ثُمَّ يَتَّخِذُونَ الْمَطَابِخَ فِي الْعَلَالِي عَلَى ظُهُورِ السُّطُوحِ، وَإِنْ كَانَ فِي أَرْضِ الدَّارِ فَضْلٌ وَفِي صَحْبِهَا مُتَسَعٌ، مَعَ مَا فِي

ذَٰلِكَ مِنَ الْخَطَايَا بِأَلْفِ نَفْسٍ، وَالتَّغْيِيرُ بِالْأَمْوَالِ، وَتَعَرُّضُ الْحَرَمِ لَلِيلَةِ الْحَرِيقِ لِأَهْلِ الْفَسَادِ، وَهُجُومُهُمْ مَعَ ذَلِكَ عَلَى سِرِّ مَكْتُومٍ، وَخَبِيئِ مَسْتُورٍ، مِنْ صَيْفٍ مُسْتَخْفٍ، وَرَبِّ دَارٍ مُتَوَارٍ، وَمِنْ شَرَابٍ مَكْرُوهٍ، وَمِنْ كِتَابٍ مَنُتَهَمٍ، وَمِنْ مَالٍ جَمٍّ أُرِيدَ دَفْنُهُ، فَأَعْجَلَ الْحَرِيقُ أَهْلَهُ عَنْ ذَلِكَ فِيهِ، وَمِنْ حَالَاتٍ كَثِيرَةٍ، وَأُمُورٍ لَا يُحِبُّ النَّاسُ أَنْ يَعْرِفُوا بِهَاتِمٍ لَا يَنْصَبُونَ التَّنَائِي، وَلَا يُمْكِنُونَ لِلْقُدُورِ، إِلَّا عَلَى مَتَنِ السَّطْحِ، حَيْثُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْقَصَبِ وَالْخَشَبِ إِلَّا الطَّيْنُ الرَّقِيقُ، وَالشَّيْءُ لَا يَقِي، هَذَا مَعَ خَفَةِ الْمُؤْنَةِ فِي إِحْكَامِهَا وَأَمْنِ الْقُلُوبِ مِنَ الْمَتَالِفِ بِسَبَبِهَا. فَإِنْ كُنْتُمْ تُقَدِّمُونَ عَلَى ذَلِكَ مِنَّا وَمِنْكُمْ وَأَنْتُمْ ذَاكِرُونَ، فَهَذَا عَجَبٌ، وَإِنْ كُنْتُمْ لَمْ تَحْفَلُوا بِمَا عَلَيْكُمْ فِي أَمْوَالِنَا، وَنَسِيتُمْ مَا عَلَيْكُمْ فِي أَمْوَالِكُمْ، فَهَذَا أَعْجَبٌ.

ہاں! یہ لوگ مطبخ بھی چھت کے اوپر کے کمرے میں بناتے ہیں، بھلے ہی گھر کے نچلے حصے میں جگہ بچی ہو اور صحن میں اس کی گنجائش موجود ہو؛ حالاں کہ اس میں جان و مال، گھر بار اور عزت و آبرو کو خطرہ بھی ہوتا ہے، کہ اگر کبھی آگ لگ گئی تو فساد دی لوگ گھر میں گھس کر حملہ کر سکتے ہیں، وہ کسی پوشیدہ راز، چھپائی گئی اشیاء مثلاً: کوئی مہمان، گھر والا، کوئی پینے کی ناپسندیدہ چیز، کوئی نامناسب کتاب وغیرہ کو عام کر سکتے ہیں، آگ لگنے کی وجہ سے دفن کرنے کے لیے رکھا گیا مال برباد ہو سکتا ہے، اسی طرح اور بھی بہت سے احوال و امور ہیں، جنہیں لوگ عام نہیں کرنا چاہتے۔ پھر لوگ تند و لرگانے اور بانڈیاں پکانے کا کام بھی چھت پر کرتے ہیں، جہاں مٹی اور ان کے درمیان محض پتلی سی لکڑی ہوتی ہے اور کوئی چیز نہیں ہوتی، اسے بھی مضبوطی سے نہیں باندھا جاتا اور اس کی وجہ سے جو بربادیاں ہو سکتی ہیں، ان کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ اگر تم جانتے ہوئے اپنے یا ہمارے گھر میں ایسا کرتے ہو، تو یہ تعجب خیز بات ہے اور اگر تمہیں اپنے یا ہمارے مال و اسباب کے سلسلے میں اپنی ذمہ داریوں کا ہی احساس نہیں ہے، تو پھر یہ زیادہ ہی حیرت انگیز ہے۔ (صحن اور کھلی جگہ بھی وہاں کھانا بنایا جاسکتا ہے، اوپر گھر میں کھانا بنانے سے مال، جان، عزت و آبرو کو خطرہ درپیش ہو سکتا ہے، آگ کے شرارے گھر کو جان مال کو بھسم کر سکتے ہیں، اگر آگ لگ جائے تو فساد دی گھر میں گھس کر حملہ کر سکتے ہیں، عزت و آبرو سے تہی دست ہونا پڑ سکتا ہے، اس کے علاوہ جب ان کو گھر میں آنے کا موقع ملے گا تو یہ گھر پوشیدہ راز، یہاں کے مخفی اشیاء، کسی مہمان، گھر والے، کوئی نامناسب مشروب یا نامناسب کتاب وغیرہ ان کو گھر میں مل سکتی ہے، اس کے علاوہ بے حد و حساب نقصانات کا امکان ہے، اسی پر بس نہیں یہ کرایہ دار تند و راور بانڈیاں لگانے کے لیے بھی گھر کی چھت کو استعمال کرتے ہیں، جب کہ چھت نہایت نازک، تھوڑی سی مٹی گارے اور چند لکڑیوں پر مشتمل ہوتا ہے، وہاں پر آگ لگے گی تو اس کے نقصانات اور بربادیوں کے اندازے بھی نہیں کیے جاسکتے۔)

## 11.10 متن کی خصوصیات

۱۔ اس واقعے میں بظاہر تو ایک بخیل مکان مالک کا واقعہ بیان کر کے اس کی طبیعت کی تنگی کو بیان کیا گیا ہے، مگر اس کی باتیں نہایت دانش مندانہ ہیں اور اسی وجہ سے یہ واقعہ ”بخیل حکیم“ کے نام سے مشہور ہے، اس کے ذریعے جاحظ نے ایک بہت ہی عمدہ پیغام دینے کی کوشش کی ہے کہ جہاں مکان مالک کو اپنے کرایہ داروں کے تئیں نرم دل، مخلص، ہمدرد ہونا چاہیے، وہیں کرایہ دار کو بھی چاہیے کہ وہ کرایے کے مکان میں اس طرح نہ رہے کہ وہ دوسرے کا مکان ہے؛ بلکہ ایسے رہے گویا یہ اس کا اپنا مکان ہے اور اس کی اسی طرح حفاظت کرے، جس طرح وہ اپنے مکان کی حفاظت کرتا ہے اور اسے کوئی نقصان نہیں پہنچنے دیتا۔

۲۔ یہ واقعہ عام انسانی فطرت کو بیان کرتا ہے اور جو لوگ شہری زندگی میں کرایے کے مکان میں رہتے ہیں، انہیں اس کا صحیح اندازہ ہوگا۔ نہ تو ہر مکان مالک برا ہوتا ہے اور نہ ہر کرایہ دار ہی اچھا ہوتا ہے۔ بہت سے مکان مالک اپنے کرایہ دار کے لیے ہمدرد و مخلص ثابت ہوتے ہیں، جب کہ بہت سے کرایہ دار بھی اپنے مکان مالک کے خیر خواہ ہوتے ہیں، اسی طرح بہت سے مکان مالک اور کرایہ دار اس کے برعکس بھی ہوتے ہیں۔

۳۔ اس واقعے کو بیان کرنے سے جا حظ کا مقصد محض تفریح طبع نہیں ہے؛ بلکہ اس کا مقصد اس وقت کے معاشرے کی عکاسی کرنے کے ساتھ سماج کو بہترین سبق دینے کی کوشش ہے کہ اگر کسی شخص کو ضرورت کے وقت کہیں کسی کے مکان پر بہ طور کرایہ دار رہنا پڑے، تو اس گھر کو اپنا مکان سمجھتے ہوئے اس کی اچھی طرح دیکھ بھال کرنی چاہیے، صاف ستھرا رکھنا چاہیے، گنجائش سے زیادہ لوگوں کو وہاں نہیں ٹھہرانا چاہیے، کرایہ وقت پر ادا کرنا چاہیے اور مناسب مدت کے بعد اگر مکان مالک کرایے میں اضافے کا خواہش مند ہو، تو اس کے ساتھ نرمی کے ساتھ معاملہ کرنا چاہیے۔

۴۔ اسی طرح مکان کو خالی کرتے وقت کرایہ لے کر نہیں بھاگنا چاہیے، نہ گھر کو نقصان پہنچانا چاہیے۔ مکان مالک کے لیے اس میں نصیحت ہے کہ کرایہ دار کو غیر سمجھنے کے بجائے اپنے گھر کا ممبر سمجھے، اس کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرے، اس کے حالات کی خبر رکھے اور اگر وہ سختی و تنگی سے گزر رہا ہو، تو کرایے میں تخفیف بھی کر دے۔ الغرض اس واقعے کے ذریعے جا حظ نے نہ صرف قاری کے لیے تفریح کا سامان کیا ہے؛ بلکہ اپنے وقت سے لے کر آج تک کے اور ہر دور کے سماج کے لیے ایک بہترین اور قیمتی سبق و نصیحت بیان کی ہے۔

۵۔ اسی طرح اس قسم کے واقعات کے ذریعے جا حظ لوگوں کی نفسیات، ان کے اجتماعی، اقتصادی، ان لوگوں کے تربیتی پہلو کو بھی اجاگر کرنا چاہتا ہے جو اس کے ارد گرد شہر خراسان میں رہا کرتے تھے، اس نے اس میں ان کے واقعی اور حقیقت پسندانہ صورتحال کو اجاگر کیا ہے، ان کے نفسیاتی، معاشرتی پہلوؤں کو ظریفانہ انداز میں پیش کیا ہے، ان کی بخل اور کنجوسی کو اجاگر کیا ہے، ان کے حرکات و سکنات ان کے اقوال و افعال کو نقل کر کے ان کے نفسیاتی، معاشرتی احوال کی تعبیر اور عکاسی کی، ان کی پرسکون یا پریشان کن طبیعت کی جانب اشارہ کیا، ان کے گھروں کے اسرار و احوال کو بیان کیا ہے، ان کی آپس کی گفتگو، طرز رہائش، انداز و سلوک کی منظر کشی کی ہے۔

## 11.11 اسلوبی خصوصیات

۱۔ جا حظ کی نثر نگاری کی خاص خوبی یہ ہے کہ اس نے انشا پردازوں کو پرانی طرز سے نکالنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کے کلام میں اشارہ کا بعد، عبارت کا قرب اور استعارہ کی قلت ہے۔ وہ نہایت سادہ اور عام فہم انداز میں اپنی نگارشات کو پیش کرتا ہے، تسلسل اور آ و رد اس کی تحریر میں ہوتا ہے، تکلف اور تصنع اور سجع بندی کی بھرمار اس کی تحریر میں نہیں ہے، وہ ناموس اور غیر مالوف الفاظ کا استعمال نہیں کرتا، نہایت باریک بینی اور دقت نظر کے ساتھ نہایت بہترین اور خوشنما اور واقعی صورتحال کی منظر کشی کرنے والی اس کی سلیس اور حقیقت پسندانہ تحریر ہوتی ہے۔

۲۔ جا حظ کی نثر کی ایک خوبی یہ ہے کہ نہایت سہل، واقعت پر مبنی، شیرینی اور مٹھاس، ظرافت اور مزاح کو لیے ہوتی ہے، قاری کو اکتاہٹ اور بوریت محسوس نہیں ہوتی، الفاظ کا بھی ذخیرہ ہوتا ہے، نظر کی گہرائی و گیرائی، اثر انگیز اسلوب، نہایت چھوٹے جملے، جا حظ کی تحریر میں صنعت، سجع بندی، الفاظ کا اختیار، ایک معنی کی ادائیگی کے لیے مختلف الفاظ کا لانا، اس طرح اس کا اسلوب عموماً اس کے مقدمات کتب اور ابتدائی فصول میں ہوتا ہے، پھر یہ عام، سہل انگیز اسلوب کو اختیار کرتے ہوئے موضوع کا احاطہ کرتا جاتا ہے۔



۳۔ جاہظ کا اسلوب تحریر فصیح و بلیغ الفاظ، مضبوط تراکیب، بے تکلفی، واقعیت اور مزاج کو لیا ہوتا ہے، وہ کبھی اپنے اس اسلوب عام سے ہٹ کر دوسرے قریب یا بعید اسلوب کو بھی اختیار کرتا ہے، جس طرح ابن المقفع کا انداز تحریر "کلیلة و دمنہ" میں ہے، لیکن جاہظ کا اسلوب نہایت قوی تر اور نہایت پر اثر ہوتا ہے، یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر ہمیں کبھی کسی عام بات لکھنی ہو یا علمی محاضرہ پیش کرنا، کسی مجملہ یا جریدہ کے لیے کسی موضوع پر لکھنا ہو تو ہمیں ابن المقفع کے اسلوب کا رونا اختیار کرنا پڑے گا، جب کسی کتاب کا مقدمہ یا کسی بات کو طول دینا ہو، خواہ کتابت میں یا خطابت میں تو ہمیں ایسے وقت جاہظ کے اسلوب نگارش کی ضرورت پڑتی ہے، چھوٹی تحریروں کے لیے ابن المقفع کا اسلوب مناسب ہے اور طویل تحریروں اور خطبوں کے لیے جاہظ کا انداز نگارش ہمارے لیے نمونہ بن سکتا ہے۔

۴۔ خصوصاً کتاب "البخلاء" میں جاہظ کا اسلوب جیسا کہ مذکورہ قصہ میں بھی ہے کہ وہ ذہن سے قریب تر الفاظ گرچہ عامی الفاظ ہی کیوں نہ ہو پہلے استعمال کرتا ہے، اس کی کتاب میں متوازن اور مترادف الفاظ کی بھرمار ہوتی ہے جیسا کہ یہاں نظر آتا ہے: "وَمِنْ ذَلِكَ أَنَّ الْأَقْدَامَ إِذَا كَثُرَتْ كَثُرَ الْمَشْيُ عَلَى ظُهُورِ السُّطُوحِ الْمُطَيَّنَةِ وَعَلَى أَرْضِ الْبُيُوتِ الْمُجَصَّصَةِ وَالصُّعُودُ عَلَى الدَّرَجِ الْكَثِيرَةِ، فَيَنْقَشِرُ لِذَلِكَ الطَّيْنُ، وَيَنْقَلِبُ الْجَصُّ، وَيَنْكَسِرُ الْعَتَبُ مَعَ انْشَاءِ الْأَجْدَاعِ لِكثَرَةِ الْوَطْءِ، وَتَكْسِرُهَا لِفِرْطِ الثَّقَلِ" یہاں ان الفاظ اور ان کی صوتی ہم آہنگی اور باہمی ربط اور معنی کی قربت و وحدت پر غور کیا جائے۔ "فینقشر" "ینقلع"، "ینکسر"۔

۵۔ کبھی جاہظ لفظ اور اس کے معنی کے درمیان میں بھی مطابقت کی کوشش کرتا ہے، اس کا اسلوب نہایت دقیق، الفاظ معانی سے قریب تر استعمال کرتا ہے، پھر دوران تحریر لفظ کی آواز، ایقاع، تاثیر و دلنشینی اور اس کی قوت دلالت کو بھی ملحوظ رکھتا ہے، اس کے پیش نظر زبان سے ادائیگی میں الفاظ کی مٹھاس ملحوظ ہوتی ہے، وہ کان کی سماعت کی شیرینی کا بھی خاص طور پر خیال رکھتا ہے، الفاظ کے اصلی معانی ہی مراد ہوتے ہیں، مجازی اور کنائی الفاظ کا استعمال بہت کم کرتا ہے، اس کی تحریر و نگارش قاری کی عقل و فہم اور حواس کو براہ راست بغیر کسی تاویل اور تفسیر کے مخاطب کرتی ہے۔ فَاكْمِنْ حَائِطٍ قَدْ تَأَكَّلَ أَسْفَلَهُ، وَتَنَاطَرَ أَعْلَاهُ، وَاسْتَرْخَى أَسَاسُهُ، وَتَدَاعَى بُنْيَانُهُ، مِنْ قَطْرِ حَبٍّ، وَرَشَحِ جَزٍّ، وَمِنْ فَضْلِ مَاءِ الْبَيْتِ، وَمِنْ سُوءِ التَّدْبِيرِ،

اس عبارت میں غور کیجیے کہ ہم معانی الفاظ اور صوتی ہم آہنگی والے الفاظ کیسے ترتیب اور تجمیع کے ساتھ استعمال کرتا ہے "تَأَكَّلَ أَسْفَلَهُ، وَتَنَاطَرَ أَعْلَاهُ، وَاسْتَرْخَى أَسَاسُهُ، وَتَدَاعَى بُنْيَانُهُ" پھر آگے دیکھیے: "مِنْ قَطْرِ حَبٍّ، وَرَشَحِ جَزٍّ، وَمِنْ فَضْلِ مَاءِ الْبَيْتِ، وَمِنْ سُوءِ التَّدْبِيرِ" وغیرہ۔

۶۔ اس کی طرز نگارش کی خاص خوبی یہ ہوتی ہے وہ موقع و محل کی اعتبار سے تعبیرات اور الفاظ کا استعمال کرتا ہے، تراکیب بھی حسب موضع اور مناسبت کے لاتا ہے، الفاظ میں ہم آہنگی ہوتی ہے، بعد اور تنافر سے اس کی تحریر دور ہوتی ہے، الفاظ کی صوتی ہم آہنگی بھی بغیر کسی خلل اور کمی کے باقی و برقرار رہتی ہے۔ اس کے اسلوب میں ساتھ ہی ساتھ، الفاظ کی ہم آہنگی اور معانی کی قرا اور دار سین کے دلوں میں جاگزیں کرنا ہوتا ہے، جس کے لیے وہ ہم لفظی تکرار کا سہارا لیتا ہے، یہ لفظی تکرار کبھی صوتی ہم آہنگی کو باقی و برقرار رکھنے کے لیے ہوتی ہے تو کبھی قاری کے ذہن میں معانی کو بٹھا نا اور جاگزیں کرنا مقصود ہوتا ہے۔ مَعَ مَا فِي ذَلِكَ مِنَ الْخَطَارِ بِالْأَنْفُسِ، وَالتَّغْيِيرِ بِالْأَمْوَالِ، وَتَعْرِضِ الْحَرَمِ لِيلَةِ الْحَرِيقِ لِأَهْلِ الْفَسَادِ، وَهُجُومِهِمْ مَعَ ذَلِكَ عَلَى سِرِّ مَكْتُومٍ، وَخَبِيِّ مَسْتُورٍ، مِنْ ضَيْفٍ مُسْتَخْفٍ، وَرَبِّ دَارٍ مُتَوَارٍ، وَمِنْ شَرَابٍ مَكْرُورٍ، وَمِنْ كِتَابٍ

مَتَّهِمْ، وَمِنْ مَالٍ جَمٍّ أُرِيدَ دَفْنُهُ،

یہاں پر بھی آپ کو بے شمار الفاظ قریب المعنی، قریب اللفظ اور صوتی ہم آہنگی کے حامل نہایت سجع بندی کے ساتھ نظر آئیں گے "الخطر"، "التغیر"، "نعرض" یہ الفاظ قریب اللفظ والمعنی ہونے کے ساتھ صوتی ہم آہنگی بھی رکھتے ہیں، پھر یہ آگے کے الفاظ بھی صوتی ہم آہنگی اور لفظی اور معنوی قربت کے ساتھ سجع کی کیفیت بھی رکھتے ہیں "سر مکتوم"، "حبیبی مستور"، "ضیف مستخف"، "رب دار متوادر" شراب مکروہ "کتاب متہم" وغیرہ۔

۷۔ اس کی تحریر کی ایک خوبی یہ بھی ہوتی ہے وہ کلام کو طول دیتا ہے، قصے کے کردار کو نمایاں کرتا ہے، مزاح اور ظرافت پیدا کرتا ہے، قرآن کریم، احادیث نبویہ، شعر اور امثال سے استشہاد کرتا ہے۔

اس میں عبارت کے درمیان قرآن کے الفاظ "لاتبقی ولا تذر" (سورۃ مدثر: ۶۹) کی یہ آیت استعمال کرتا ہے، اسی طرح موقع بموقع بکثرت آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ، حکم و امثال کا استعمال کرتا ہے۔

## 11.12 اکتسابی نتائج

زیر نظر واقعہ عربی کے مشہور اور عصر عباسی کے ممتاز ادیب و نثر نگار جاحظ کی شہرہ آفاق کتاب الخلاء سے ماخوذ ہے، جس میں مصنف نے ایک بخیل مکان مالک اور کرایہ دار کے درمیان ہونے والی تحریری بات چیت کا ذکر کیا ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ واقعہ ایک بخیل مکان مالک سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا نام کنڈی ہے اور مکان کرایے پر لگانے کے سلسلے میں اس کی اپنی شرطیں ہیں، وہ ایسے ہی لوگوں کو اپنے مکان میں رہنے کی اجازت دیتا ہے، جو اس کی شرطوں پر پورا اترتے ہوں؛ چنانچہ جاحظ کہتا ہے کہ معبد نے مجھے بتایا کہ اس نے اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ تقریباً ایک سال کنڈی کے مکان میں ایک کرایہ دار کے طور پر گزارا، اس دوران وہ مکان مالک کے لیے کرایہ دار بھی فراہم کرتے تھے، اس کی دیگر ضروریات بھی پوری کرتے تھے اور اس کی دوسری شرطیں بھی پوری کرتے تھے۔ اس کی شرطیں مثلاً یہ تھیں کہ گھر میں رکھے جانے والے جانور کی لید اور میٹنیاں اس کی ہوں گی، اسی طرح استعمال کیے جانے والے پھل مثلاً کھجور کی گٹھلیاں اور انار کے چھلکے بھی اس کے ہوں گے، وہ گھر کا کوڑا یا ہڈیاں گھر کے باہر نہیں پھینک سکتے، اسی طرح گھر میں اگر کچھ اچھا پکا ہے، تو اس میں اس کا بھی حصہ ہونا چاہیے، وہ آدمی چوں کہ بخیل ہونے کے ساتھ ایک دلچسپ اور خوش گفتار انسان تھا؛ اس لیے ہم اس کی یہ شرطیں بھی پوری کرتے تھے۔

پھر اس نے ایک واقعہ بیان کیا کہ ایک بار ہمارے اس کرایے کے گھر پر میرا ایک چچا زاد بھائی اپنے بیٹے کے ساتھ مہمان ہوا، جب مکان مالک کو اس کا علم ہوا، تو اس نے ہمیں ایک رقعہ لکھ کر بھیجا کہ اگر یہ مہمان ایک دو دن ٹھہرتے ہیں، تو اس کی اجازت ہوگی؛ لیکن اس سے زیادہ کی نہیں، تو میں نے اسے لکھا کہ وہ لوگ چند ماہ کے لیے آئے ہیں، پھر لوٹ جائیں گے، جس کے جواب میں اس نے لکھا کہ ابھی اس گھر میں آپ چھ لوگ رہتے ہو اور کرایہ تیس درہم ہے، یعنی فی کس پانچ درہم، اب چوں کہ دو لوگ مزید آگئے ہیں؛ لہذا تمہیں دس درہم مزید دینا ہوں گے، ہمیں اس کی یہ بات عجیب لگی؛ چنانچہ ہم نے کہا کہ وہ تو اتنی ہی جگہ میں رہیں گے، جتنی جگہ میں ہم چھ لوگ پہلے سے ہیں، پھر یہ کہ ان کے کھانے پینے کا خرچہ بھی تو ہم برداشت کر رہے ہیں، تو کرایے میں اضافے کا کیا مطلب ہے؟ ان کے رہنے سے آپ کا کیا نقصان ہوگا؟ تو اس مکان مالک نے اپنے

مطالبے کو درست ٹھہرانے کے لیے انھیں ایک تفصیلی جواب دیا، جس میں اس نے کہا کہ زیادہ لوگوں کے رہنے کی وجہ سے اس کے گھر کو کئی طرح کا نقصان پہنچ سکتا ہے، مثلاً یہ کہ گھر کے موریوں اور نالے جلد بھر جائیں گے، جنہیں صاف کروانے میں پیسہ خرچ ہوگا، اسی طرح جب گھر میں زیادہ لوگ ہوں گے تو چلنا پھرنا زیادہ ہوگا، جس کی وجہ سے مٹی کی چھت اور فرش کمزور ہو جائیں گے، مٹی اکھڑنے لگے گی اور فرش کا پلاسٹر ادھڑ جائے گا، بار بار کھولنے اور بند کرنے کی وجہ سے کواڑ اور چوکھٹ کمزور ہوں گے اور ٹوٹ جائیں گے، گھر میں لوگ زیادہ ہوں گے تو بچے بھی زیادہ ہوں گے، پھر دیواروں میں کیلیں ٹھونکی جائیں گی، ریگ لگائے جائیں گے، بچے کھیلنے کے لیے ادھر ادھر گڑھا کھودیں گے، لوگ زیادہ ہوں گے، تو پانی کا استعمال بھی زیادہ ہوگا؛ چنانچہ ایک سے زائد مشینزے اور پانی کے برتن گھر میں رکھے جائیں گے اور اس میں سے رسنے والے پانی کے قطروں سے دیوار کی جڑیں کمزور ہوں گی، اس کی بنیاد ہل جائے گی اور پھر وہ گر بھی سکتی ہے۔ جب گھر میں رہنے والے آدمی زیادہ ہوں گے، تو کھانے پکانے کا سلسلہ بھی زیادہ ہوگا، بار بار آگ جلانے کی ضرورت ہوگی اور یہ گھر کے لیے خطرے سے خالی نہیں ہے؛ کیوں کہ کبھی بھی آگ لگ سکتی ہے اور سارا مکان برباد ہو سکتا ہے، جس کی بھرپائی کے لیے مجھے اچھا خاصا خرچہ برداشت کرنا پڑے گا۔ پھر اگر کبھی کسی مکان میں آگ لگتی ہے، تو وہ ایک ہی گھر تک محدود نہیں رہتی؛ بلکہ آس پاس کے گھروں میں بھی پہنچ جاتی ہے، اس صورت میں لوگ مالک مکان کو برا بھلا کہتے ہیں، اس کو جو نقصان پہنچا ہے، اسے نہیں دیکھتے۔ بعض کرایہ دار ایسے بھی ہوتے ہیں، جو گھر میں نیچے اور صحن میں جگہ ہونے کے باوجود اپنا باورچی خانہ چھت پر بناتے ہیں، اس صورت میں اور بھی کئی نقصانات کا اندیشہ ہوتا ہے۔

اس کے بعد اس نے کرایہ داروں کی بعض خامیوں کی طرف اشارے کیے ہیں کہ بہت سے کرایہ دار جب کرایہ دینے کا وقت ہوتا ہے، تو مکان مالک سے لڑنے جھگڑنے لگتے ہیں یا کرایہ دینے میں ٹال مٹول کرتے ہیں، بہت سے لوگ تو ایسے بھی ہوتے ہیں، جو اسی طرح ٹال مٹول کرتے ہوئے گھر میں کئی ماہ گزار دیتے ہیں اور پھر ایک دن اچانک رفوچر ہو جاتے ہیں، اب بے چارہ مکان مالک حیران و پریشان رہ جاتا ہے، کرایہ دار گویا اس کے پیٹ پر لات مار کر بھاگ جاتا ہے، حتیٰ کہ کئی ایسے لوگ ہوتے ہیں، جو مکان خالی کرتے وقت گھر کی مختلف چیزیں اٹھا کر چلتے بنتے ہیں۔ گھر میں رہتے ہوئے کپڑا صاف کرنے کے لیے یادو اور مسالہ وغیرہ کوٹنے کے لیے صحن یا گھر کے کسی بھی حصے میں ہاون دستہ لے کر بیٹھ جاتے ہیں، حالاں کہ گھر میں اس کام کے لیے الگ انتظام ہوتا ہے، بعض کرایہ دار تو اتنے کمینے اور سخت دل ہوتے ہیں کہ جہاں بیٹھیں، اسی جگہ کو خراب کرنے میں لگ جاتے ہیں اور انھیں اپنے کیے پر کوئی پچھتاوا نہیں ہوتا، نہ تو مکان مالک سے معافی مانگتے ہیں اور نہ ہی اللہ سے ہی اپنی غلطی پر توبہ و استغفار کرتے ہیں، سال میں اگر کرایے میں دس درہم کا اضافہ کر دیا جائے، تو انھیں بہت زیادہ لگتا ہے؛ لیکن ان کی وجہ سے گھر کو ہونے والے نقصانات کی بھرپائی کے لیے مکان مالک نے جو ہزاروں دینار خرچ کیے، ان کی کوئی اہمیت ہی نہیں۔ گھر میں رہتے رہتے جب مکان پرانا ہو جاتا یا اسے منہدم کر کے از سر نو بنانے کی نوبت آتی ہے، تو اس صورت میں گھر کو بنانے اور مرمت کروانے میں جو خرچہ ہوتا ہے، اس میں جتنا حصہ وہ ادا کرتے ہیں، وہ نہایت معمولی ہوتا ہے اور پتا چلتا ہے کہ کرایہ دار کو اس گھر سے جتنا نفع ہوا ہے، اسی قدر مکان مالک کو نقصان پہنچا ہے، دوسری مصیبت یہ بھی ہے کہ مکان مالک تو گھر کو بنانے اور مرمت کروانے کے وقت سارا خرچہ یکمشت برداشت کرتا ہے، جب کہ کرایہ دار اپنا حصہ قسطوں میں ادا کرتے ہیں۔

ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ مکان مالک کے ساتھ کرایہ داروں کا رویہ اچھا نہیں ہوتا، ایک تو کرایہ وصول کرنے کے لیے بار بار تقاضا کرنا

پڑتا ہے، دوسرے یہ کہ مکان مالک تو یہ چاہتا ہے کہ اس کا کرایہ دار صحت مندر ہے اور جس کام میں لگا ہوا ہے، اس میں اسے فائدہ پہنچے، مگر کرایہ داریہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مکان مالک کو ہمیشہ کسی نہ کسی مصیبت میں پھنسائے رکھے کہ وہ ہماری طرف متوجہ ہی نہ ہو اور ہم اطمینان سے بغیر کرایہ دیے اس گھر میں ٹکے رہیں، حتیٰ کہ وہ مکان مالک کی موت یا کسی کیس میں پھنس جانے کی بھی تمنا کرنے لگتا ہے۔ اسی طرح اگر کبھی اس کا کاروبار اچھا نہ چل رہا ہو یا تجارت میں خسارہ ہوا ہو، تو وہ کرایے میں تخفیف کروانے کے لیے مکان مالک کے سر ہو جاتا ہے؛ لیکن اگر تجارت یا کاروبار میں نفع ہو رہا ہو، تو اسے توفیق نہیں ہوتی کہ مقررہ کرایے میں کچھ اضافہ کر دے یا وقت سے پہلے مکمل کرایہ نہ سہی، کچھ ہی ادا کر دے۔

### 11.13 نمونے کے امتحانی سوالات:

۱۔ درج ذیل عبارت پر اعراب لگائیے اور اس کا ترجمہ کیجیے۔

ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِّنْكُمْ يَدْفَعُ بِالْكَرَاءِ وَيُمَاطِلُ بِالْأَدَاءِ. حَتَّى إِذَا اجْتَمَعَتْ أَشْهُزٌ عَلَيْهِ، فَزَّوْخَلَىٰ أَرْبَابُهَا حِيَاغًا، يَتَنَدَّمُونَ عَلَىٰ مَا كَانَ مِنْ حُسْنِ تَقَاضِيهِمْ وَإِحْسَانِهِمْ. فَكَانَ جَزَاؤُهُمْ وَشُكْرُهُمْ اقْتِطَاعَ حُقُوقِهِمْ، وَالذَّهَابَ بِأَقْوَاتِهِمْ. وَيَسْكُنُهَا السَّاكِنُ حِينَ يَسْكُنُهَا، وَقَدْ كَسَحَنَاهَا وَنَظَّفْنَاهَا، لِتَحْسُنَ فِي عَيْنِ الْمُسْتَأْجِرِ، وَلِيَرْغَبَ فِيهَا النَّاطِرُ. فَإِذَا خَرَجَ، تَرَكَ فِيهَا مَزْبَلَةً وَخَرَابًا، لَا تُصْلِحُهَا إِلَّا التَّفَقُّةُ الْمُوجِعَةُ، ثُمَّ لَا يَدْعُ مَثْرَسًا إِلَّا سَرَقَهُ، وَلَا سَلَمًا إِلَّا حَمَلَهُ، وَلَا نَقْصًا إِلَّا أَخَذَهُ، وَلَا بَرَادَةً إِلَّا مَضَىٰ بِهَا مَعَهُ

۲۔ درج ذیل عبارت کی بحوالہ متن تشریح و توضیح کیجیے۔

وَإِذَا كَثُرَ الْعِيَالُ وَالزُّوَارُ، وَالصَّيْفَانُ، وَالنَّدَمَاءُ، احْتِيجَ مِنْ صَبِّ الْمَاءِ، وَاتَّخَذَ الْحَبِيبَةُ الْقَاطِرَةَ، وَالْجَرَارِ الرَّاشِحَةَ، إِلَىٰ أَضْعَافٍ مَا كَانُوا عَلَيْهِ. فَكَمْ مِنْ خَائِطٍ قَدْ تَاكَلَ أَصْفُلَهُ، وَتَنَازَلَ أَعْلَاهُ، وَاسْتَرْخَىٰ أَسَاسَهُ، وَتَدَاعَىٰ بُنْيَانَهُ، مِنْ قَطْرِ حَبِّ، وَرَشَحِ جَزْرِ، وَمِنْ فَضْلِ مَاءِ الْبَيْتِ، وَمِنْ سُوءِ التَّدْبِيرِ، وَعَلَىٰ قَدَرِ كَثَرَتِهِمْ يَحْتَاجُونَ مِنَ الْخَبِيزِ وَالطَّيْنِ، وَمِنْ الْوُقُودِ وَالتَّسْحِينِ، وَالنَّارُ لَا تَبْقَىٰ وَلَا تَذُرُ، وَإِنَّمَا الدُّورُ خُطِبَ لَهَا، وَكُلُّ شَيْءٍ فِيهَا مِنْ مَتَاعٍ فَهُوَ أَكُلَ لَهَا، فَكَمْ مِنْ حَرِيقٍ قَدْ أَتَىٰ عَلَىٰ أَصْلِ الْغَلَّةِ، فَكَلَّفَتْمْ أَهْلُهَا أَغْلَظَ التَّفَقُّةِ. وَرُبَّمَا كَانَ ذَلِكَ عِنْدَ غَايَةِ الْعُسْرَةِ، وَشِدَّةِ الْحَالِ، وَرَبَّمَا تَعَدَّتْ تِلْكَ الْجِنَايَةُ إِلَىٰ دُورِ الْجِيرَانِ، وَإِلَىٰ مُجَاوَرَةِ الْأَبْدَانِ وَالْأَمْوَالِ، فَلَوْ تَرَكَ النَّاسُ حِينَئِذٍ رَبَّ الدَّارِ - وَقَدَرُ بَلِيَّتِهِ، وَمِقْدَارُ مُصِيبَتِهِ - لَكَانَ عَسَىٰ ذَلِكَ أَنْ يَكُونَ مُحْتَمَلًا، وَلَكِنَّهُمْ يَتَشَاكُمُونَ بِهِ، وَلَا يَزَالُونَ يَسْتَتَفِلُونَ ذِكْرَهُ، وَيُكَثِّرُونَ مِنْ لَائِمَتِهِ وَتَعْنِيفِهِ.

۳۔ مندرجہ ذیل الفاظ کے معانی بتائیے:

- (۱) کساحۃ (۲) مترس (۳) سلم (۴) بزادۃ (۵) جزۃ (۶) وقود (۷) خبیز (۸) غلۃ (۹) روث (۱۰) یعر (۱۱) نشوار (۱۲) العلوفۃ (۱۳) نواۃ (۱۴) قشر الجص (۱۵) العتب (۱۶) رز (۱۷) البوش (۱۸) مسمار (۱۹) وتد (۲۰) رف (۲۱) قدر (۲۲) متن السطح (۲۳) المؤونۃ
- ۴۔ جاحظ کے حالات اور اس کے نگارشات پر روشنی ڈالیے۔

- ۵۔ "بخیل حکیم" اس حکایت کا خلاصہ بیان کیجیے۔  
۶۔ صنف کا تعارف اور اس کی ہیئت و صورت کو قلم بند کیجیے۔  
۷۔ "بخیل حکیم" کے متن کی خصوصیات اور اس کے اسلوبی امتیازات کو تحریر کیجیے۔
- 

#### 11.14 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

---

- (۱) کتاب البخلاء (جا حظ)
- (۲) تاریخ الأدب العربی (أحمد حسن زیات)
- (۳) تاریخ الادب العربی (عمر فروخ)
- (۴) مختصر تاریخ ادب عربی (مقتدی حسن ازہری)

## اکائی 12: ”کتاب ینوب عن الکتائب“ از: ابن العمید

اکائی کے اجزا

12.1	مقصد
12.2	تمہید
12.3	متن سبق
12.4	صاحب سبق کا تعارف
12.4.1	عملی زندگی
12.4.2	نثر و رسالہ نگاری
12.4.3	تالیفات
12.4.4	وفات
12.5	متن کا ترجمہ
12.6	لغوی تحقیق
12.7	ادبی صنف کا تعارف
12.7.1	صنف کی ہیئت و صورت
12.8	متن سبق کا موضوع
12.9	متن سبق کی توضیح و تشریح
12.10	متن کی خصوصیات
12.11	اسلوبی خصوصیات
12.12	اقتصادی نتائج
12.13	نمونے کے امتحانی سوالات
12.14	مطالعے کے لیے معاون کتابیں

## 12.1 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلباء عصر عباسی اول میں رسالہ نگاری (خطوط) کی حقیقت، تبدیلی، اسالیب میں تنوع، لفظوں اور جملوں کا انتخاب اور ساخت میں تبدیلی کی جانکاری حاصل کر سکیں گے، یہاں پر طلبہ دور عباسی کے ایک اہم نثر نگار اور رسالہ نگار یعنی ابن العمید کی رسالہ نگاری کا ایک نمونہ، رسالہ یعنی خطوط نویسی میں استعمال ہونے والے نثر کے نمونے، الفاظ میں ترادف کے بکثرت استعمال، لفظوں کی بندش اور تراکیب کے استعمال سے انہیں واقفیت و قدرت حاصل ہو سکے گی اور ابن العمید کی خوبصورت اور لفظی سمجھ بندیوں اور تکلف سے خالی، واقفیت اور حقیقت پر مبنی نثر نگاری اور رسالہ نگاری سے واقفیت حاصل ہوگی۔ انہیں رسالہ نگاری کے طریقہ کار کا علم ہوگا کہ رسالہ نگاری (خطوط) کو کس انداز سے اس دور میں لکھا جاتا تھا، اس کی تمہید کیا ہوتی تھی، اصل موضوع اور مضمون سے لے کر اختتام تک اس کی کیفیت کے متعلق معلومات حاصل ہوگی۔

## 12.2 تمہید

اس زمانے کی نثر نگاری کی ایک صنف رسالہ نگاری، خطوط نگاری کے فن میں غیر معمولی اضافہ ہوا، خطوط کا دائرہ کار بڑھ گیا، اسلوب میں تنوع، لفظوں کے انتخاب، جملوں کی ساخت و بناوٹ میں تبدیلیاں رونما ہوئیں، تراکیب، تعبیرات ماقبل کے زمانے سے زیادہ پرکشش ہوئے، اس عہد کی رسالہ نگاری میں سجع موزونیت کا وصف بھی خاص طور پر پایا جاتا ہے، ایک ہی مضمون کو مختلف پیرایہ میں پیش کیا جاتا ہے، یعنی اختصار کی جگہ طویل نویسی خطوط میں جگہ لے لی، خطوط کے شروع میں القاب و اداب کا کبھی اضافہ ہوتا تو کبھی کمی واقع ہوتی، عباسی دور میں ایرانیوں، فارسیوں اور ترکوں کا غیر معمولی اثر و رسوخ رہا، جس کی وجہ سے عربی زبان و ادب پر اس کے اثرات نمایاں ہوئے، عربی زبان و ادب میں نثر نگاری کی طرح خطوط اور رسائل میں خالص الفاظ کا استعمال شروع ہو گیا، ابتداءً یہ رسائل و خطوط نجی ہوتے، پھر اس کے موضوعات میں تنوع ہوا، ان خطوط میں جہاں نجی معاملات و مسائل چھیڑے گئے ہیں، وہیں علمی موضوعات بھی ان رسائل میں بکثرت پائے جاتے ہیں، ساتھ ہی ساتھ یہ تاریخی معلومات کی وافر مقدار کو بھی شامل ہیں، یہاں درج ذیل تحریر میں ابن العمید کی رسالہ نگاری کی ایک جھلک پیش کی جا رہی ہے۔

## 12.3 متن سبق

کتابی و أنا مَن رَجَحَ بَيْنَ طَمَعِ فَيْكٍ وَيَأْسِ مَنْكَ، وَاقْبَالِ عَلَيْكَ وَإِعْرَاضِ عَنْكَ؛ فَإِنَّكَ تُدَلُّ بِسَابِقِ حُرْمَةٍ، وَتَمْتُّ بِسَالِفِ خَدْمَةٍ أَيْسَرُهُمَا يُوجِبُ رِعَايَةً وَيَقْتَضِي مُحَافَظَةً وَعِنَايَةً، ثُمَّ تَشْفَعُهُمَا بِحَادِثِ غُلُولٍ وَخِيَانَةٍ، وَتَتَّبِعُهُمَا بِأَنْفِ خِلَافٍ وَمَعْصِيَةٍ، وَأَدْنَى ذَلِكَ يُحِبُّ أَعْمَالَكَ، وَيُمَحِّقُ كُلَّ مَا يَرِغِي لَكَ.

لَا جَزَمَ أَنِّي وَقَفْتُ بَيْنَ مَيْلِ إِلَيْكَ وَمَيْلِ عَلَيْكَ، أَقْدَمُ رَجُلًا لِمَصْدَمِكَ، وَأَوْخَزُ أُخْرَى عَنْ قَصْدِكَ، وَأَبْسَطُ يَدًا لِاصْطِلَامِكَ، وَأَتْنِي ثَانِيَةً لِاسْتِيقَانِكَ وَاسْتِصْلَاحِكَ، وَأَتَوَقَّفُ عَنْ امْتِثَالِ بَعْضِ الْمَأْمُورِ فِيكَ صَنًّا بِالنِّعْمَةِ عِنْدَكَ، وَمُنَافَسَةً فِي الصَّنِيعَةِ لَدَيْكَ، وَتَأْمِيلًا لِفَيْتِكَ وَانْصِرَافِكَ، وَرَجَاءً لِمُرَاجَعَتِكَ وَانْعِطَافِكَ، فَقَدْ يَعْزُبُ الْعَقْلُ ثُمَّ يُؤَوِّبُ، وَيَغْزُبُ اللَّبُّ ثُمَّ يَثُوبُ، وَيَذْهَبُ الْحَزْمُ ثُمَّ يَغُودُ، وَيَفْسُدُ الْعَزْمُ ثُمَّ يَصْلُحُ، وَيُبْصِغُ الزَّأْيُ ثُمَّ يَسْتَدْرِكُ، وَيَسْكُرُ الْمَرْءُ ثُمَّ يَصْحُو، وَيَكْدُرُ الْمَاءُ ثُمَّ يَصْفُو. وَكُلُّ ضَبِيقَةٍ إِلَى رَخَاءٍ، وَكُلُّ غَمْرٍ قِيَالِي أَنْجِلَاءٍ.

وَمَا أَنْتَ أَتَيْتَ مِنْ إِسَاءَةٍ بِمَا لَمْ تَحْتَسِبْهُ أَوْ لِيَاؤُكَ، فَلَا يَدْعُ أَنْ تَأْتِيَ مِنْ إِحْسَانِكَ بِمَا لَمْ تَرْتَقِبْهُ أَعْدَاؤُكَ، وَكَمَا اسْتَمَرَّتْ بِكَ الْعَفْلَةُ حَتَّى رَكِبْتَ مَا رَكِبْتَ، وَاخْتَرْتَ مَا اخْتَرْتَ، فَلَا عَجَبَ أَنْ تَنْتَبِهَ انْتِبَاهَةً تَبْضُرُ فِيهَا قَبْحَ مَا صَنَعْتَ، وَسُوءَ مَا ثَرْتَ. وَسَأَقِيمُ عَلَى رِسْمِي فِي الْإِبْقَاءِ وَالْمُطَاوَلَةِ مَا صَلَحَ، وَعَلَى الْإِسْتِنَاءِ وَالْمُطَاوَلَةِ مَا أَمَكَنَ؛ طَمَعًا فِي أَنَاثَتِكَ، وَتَحْكِيمًا لِحُسْنِ الظَّنِّ بِكَ، فَلَسْتُ أَعْدِمُ أَظَاهِرَهُ مِنْ أَعْدَارٍ، وَأَرَادُفُهُ مِنْ إِنْذَارٍ؛ احْتِجَاجًا عَلَيْكَ وَاسْتِدْرَاجًا لَكَ. فَإِنْ يَشَاءُ اللَّهُ يَرْشِدْكَ، وَيَأْخُذْ بِكَ إِلَى حِطِّكَ وَيَسُدِّدْكَ، فَإِنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، وَبِالْإِجَابَةِ جَدِيرٌ.

وَزَعَمْتَ أَنَّكَ فِي طَرَفٍ مِنَ الطَّاعَةِ بَعْدَ أَنْ كُنْتَ مُتَوَسِّطَهَا، وَإِذَا كُنْتَ كَذَلِكَ فَقَدْ عَرَفْتَ حَالِيَهَا، وَحَلَبْتَ شَطْرِيَهَا، فَنَشْدُثُكَ اللَّهُ لِمَا صَدَقْتَ عَمَّا سَأَلْتُكَ:

كَيْفَ وَجَدْتَ مَا زِلْتَ عَنْهُ؟ وَكَيْفَ تَجِدُ مَا صَرْتَ إِلَيْهِ؟ أَلَمْ تَكُنْ مِنَ الْأَوَّلِ فِي ظِلِّ ظَلِيلٍ، وَنَسِيمٍ عَلِيلٍ، وَرِيحٍ بَلِيلٍ، وَهَوَاءٍ غَذِيٍّ، وَمَاءٍ رَوِيٍّ، وَمِهَادٍ وَطِيٍّ، وَكِنٍّ كَنِينٍ، وَمَكَانٍ مَكِينٍ، وَحَصْنٍ حَصِينٍ يَبْقِيكَ الْمَتَالِفَ، وَيُؤْمِنُكَ الْمَخَاوِفَ، وَيَكْنُفُكَ مِنْ نَوَائِبِ الزَّمَانِ، وَيَحْفَظُكَ مِنْ طَوَارِقِ الْحَدَثَانِ؛ غَرَزْتَ بِهِ بَعْدَ الدَّلَّةِ، وَكَثُرَتْ بَعْدَ الْقِلَّةِ، وَارْتَفَعَتْ بَعْدَ الصَّعَةِ، وَأَيْسَرَتْ بَعْدَ الْعُسْرِ، وَأَثَرِيَتْ بَعْدَ السَّمْتَرَةِ، وَاتَّسَعَتْ بَعْدَ الضِّيقَةِ، وَظَهَرَتْ بِالْوَلَايَاتِ، وَخَفِقَتْ فَوْقَ الزَّيَاثِ، وَوَطِئَ عَقِبُكَ الرِّجَالُ، وَتَعَلَّقَتْ بِكَ الْمَالَ. وَصِرْتَ ثَكَاثِرٌ وَيَكَاثِرُكَ، وَتُشِيرُ وَيُشَارُ إِلَيْكَ، وَيَذْكُرُ عَلَى الْمَنَابِرِ اسْمُكَ، وَفِي الْمَحَاضِرِ ذِكْرُكَ. فَفَيْمَ الْآنَ أَنْتَ مِنَ الْأَمْرِ؟ وَمَا الْعَوَاضُ عَمَّا عَدَوْتَ وَالْخُلْفُ مِمَّا وَصَفْتَ؟ وَمَا اسْتَفَدْتَ حِينَ أَخْرَجْتَ مِنَ الطَّاعَةِ نَفْسَكَ، وَنَفَضْتَ مِنْهَا كَفَّكَ، وَغَمَسْتَ فِي خِلَافِهَا يَدَكَ؟ وَمَا الَّذِي أَظْلَكَ بَعْدَ انْحِسَارِ ظِلِّهَا عَنْكَ؟ أَظَلَّ ذُو ثَلَاثِ شُعَبٍ لَا ظِلِيلَ وَلَا يُغْنِي مِنَ اللَّهَبِ؟! قُلْ: نَعَمْ، كَذَلِكَ. فَهُوَ - وَاللَّهِ - أَكْثَفُ ظِلَالِكَ فِي الْعَاجِلَةِ، وَأَرْوَحُهَا فِي الْآجِلَةِ؛ إِنْ أَقَمْتَ عَلَى الْمَحَايِدَةِ وَالْعُنُودِ، وَوَقَفْتَ عَلَى الْمُشَاقَّةِ وَالْجُحُودِ.

تَأَمَّلْ حَالَكَ وَقَدْ بَلَغْتَ هَذَا الْفَصْلَ مِنْ كِتَابِي فَسَتُذَكِّرُهَا، وَالْمَسْ جَسَدَكَ وَانْظُرْ هَلْ يُحْسُ؟! وَاجْسُسْ عِرْقَكَ هَلْ يَنْبُضُ؟! وَفَتِّشْ مَا حَنَا عَلَيْكَ هَلْ تَجِدُ فِي عَرَضِهَا قَلْبَكَ؟ وَهَلْ حَلِيَّ بِصَدْرِكَ أَنْ تَظْفَرُ بِقُوَّتِ سَرِيحٍ أَوْ مَوْتِ مُرِيحٍ؟ ثُمَّ قَسْ غَائِبَ أَمْرِكَ بِشَاهِدِهِ، وَآخِرَ شَأْنِكَ بِأَوَّلِهِ.

## 12.4 صاحبِ متن کا تعارف

ابن العمید کا اصل نام محمد بن حسین بن محمد ہے، ابو الفضل کنیت اور ابن العمید لقب ہے، فارسی النسل تھا اور اس کی پیدائش ”قم“ کی تھی، فکری اعتبار سے شیعہ امامی تھا۔ اس کا باپ چوں کہ خود ایک اچھا ادیب، انشا پرداز، خوش بیان مقرر اور خوش نویس قلم کار تھا اور گورنر بخاری نوح بن نصر سامانی کا سکریٹری تھا۔ اس لیے اس نے اپنے بیٹے کو اپنے ساتھ رکھا اور اہل علم و ادب کے بیچ اس کی پرورش و پرداخت کی، انشا پرداز کی مشق کروائی اور ادب و فکر کی عمدہ تعلیم دی، حتیٰ کہ ابن العمید بہت جلد عربی انشا پرداز کی اور خطوط نویسی میں ماہر ہو گیا۔ اس کے علاوہ فلسفہ اور علم نجوم بھی حاصل کیے۔ ان خصوصیات اور علمی و ادبی خوبیوں کی وجہ سے ہی اسے ”استاد“، ”اکاتب“ اور ”الجاحظ الثانی“ جیسے القاب و خطابات دیے گئے۔



#### 12.4.1 عملی زندگی

جب اس نے حصول علم و ادب سے فراغت حاصل کر لی اور اس کی ذہنی، علمی و فکری استعداد پختہ و مضبوط ہو گئی، تو اس نے بخارا کو خیر باد کہا اور بنو بویہ کی مملکت بلادِ ”رے“ میں آ گیا، وہاں اس نے اپنی لیاقت و قابلیت سے کئی بڑی سرکاری نوکریاں حاصل کیں اور ترقی کرتے کرتے وزارت کے عہدے تک پہنچ گیا اور 328ھ میں اسے رکن الدولہ ابوعلی حسن بن بویہ نے اپنا وزیر بنالیا۔ اس نے وزارت کے جملہ فرائض اور ذمے داریوں کو بحسن و خوبی انجام دیا، امورِ مملکت کو اچھی طرح چلایا اور جو دو سخاوت میں بنو برک کے موروثی طریقے پر کار بند رہا۔ چون کہ وہ خود صاحب علم و ادب تھا، شعر کہتا بھی تھا اور شعر شناسی کے نہایت سحرے ذوق کا مالک بھی تھا؛ چنانچہ مختلف علاقوں کے شعرا وادبا اس کے پاس پہنچتے، اپنا کلام سناتے اور انعامات و اکرامات سے سرفراز ہوتے تھے۔ متنبی جیسا عظیم شاعر بھی اس کی تعظیم کرتا اور اس کی شان میں قصیدہ خوانی کرتا تھا۔ ایک بار اس نے ابن العمید کی شان میں ایک قصیدہ پڑھا تو اس نے خوش ہو کر اسے تین ہزار دینار سے نوازا۔

اس دور میں ابن العمید اور صاحب بن عباد وغیرہ ادبی تحریک کے روح رواں اور سرخیلوں میں تھے۔ فلسفہ اور علم نجوم میں تو ابن العمید کو مہارت حاصل ہی تھی، مگر ادب اور رسالہ نگاری میں بھی اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔ ثعالبی نے لکھا ہے کہ: ”رسالہ نگاری عبد الحمید سے شروع ہوئی اور ابن العمید پر ختم ہو گئی، اسے اس فن میں مکمل سربراہی و سیادت حاصل تھی“۔ اس کے بہت سے شاگرد بھی ہوئے، جن میں صاحب بن عباد سب سے مشہور ہے، اسی کی صحبت کی وجہ سے صاحب کو ”صاحب“ کا خطاب ملا اور ابن العمید کو اسی کی تعلیم و مدد رسی کی وجہ سے ”استاد“ کہا جانے لگا۔ صاحب بن عباد نے ایک مرتبہ بغداد کا سفر کیا، جب واپس آیا تو اس سے ابن العمید نے پوچھا کہ بغداد کو کیسا پایا، تو اس نے کہا بغداد دنیا کے شہروں میں ایسا ہی ہے، جیسے میرے استاد دنیا بھر کے انسانوں میں۔ ابن مسکویہ نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ: ”وہ اپنے زمانے میں سب سے بڑا انشا پرداز اور اسالیب انشا پر قادر انسان تھا، اسے لغت اور غریب الفاظ پر دسترس حاصل تھی، نحو و عروض میں کمال حاصل تھا، الفاظ کے مشتقات و استعارات اس کے ذہن میں محفوظ تھے، جاہلی و اسلامی شعرا کے بے شمار دیوان اسے حفظ تھے، قرآن کریم کا نہ صرف وہ حافظ تھا، بلکہ اس کے مشکل مقامات و متشابہات اسے از بر تھے، مختلف مقامات کے فقہاء کے مسالک کا عالم تھا اور خود بھی اعلیٰ درجے کا فقیہ تھا، منطق اور فلسفے میں تو کوئی اس کا ہمسر ہی نہیں تھا، ان موضوعات پر اس سے کسی کو بات کرنے کی بھی جرأت نہیں ہوتی تھیں یا تو لوگ اس سے استفادہ کرنے کے لیے بات کرتے تھے یا اس کے شاگردان موضوعات پر اس سے گفتگو کرتے تھے“۔ ابن مسکویہ نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ ابن العمید اس زمانے کے بعض نہایت مشکل علم و فن مثلاً طبیعیات، انجینئرنگ، میکانیکی علوم وغیرہ میں بھی ماہر تھا۔

#### 12.4.2 نثر و رسالہ نگاری

اس کی نثر جیسا کہ مذکورہ بالا خط سے واضح ہے، مسجع نثر ہے، وہ اپنی تحریر میں مترادف الفاظ کا بہ کثرت استعمال کرتا ہے، لفظوں کو برتنے میں اور تراکیب کے استعمال میں وہ ایک خاص قسم کی ہم آہنگی و موزونیت کو پیش نظر رکھتا ہے، حالاں کہ مسجع نثر عام طور پر مغلق اور پیچیدہ ہوتی، مگر اس کی نثر مسجع ہونے کے باوجود پیچیدہ نہیں ہے، واضح ہے اور خوبصورت بھی ہے۔ یہ اوصاف صرف اس کے خطوط کے نہیں ہیں، اس کی دوسری نثر میں بھی یہ خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

#### 12.4.3 تالیفات

اس کی کتابوں میں صرف ایک کتاب ’بناء المدن‘ کا تذکرہ ملتا ہے، جس میں اس نے فن تعمیر کے نکات و اسرار سے بحث کی ہے، کہتے ہیں کہ اس کا اصلی نسخہ مخطوط کی شکل میں اسطنبول کے ایک کتب خانے میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ رسائل ابن العمید خاصے کی چیز ہے اور اس سے اس کی رسالہ نگاری و نشر نویسی کا عمدہ نمونہ سامنے آتا ہے۔

#### 12.4.4 وفات

ابن العمید اپنی تمام تر علمی و ادبی اور فکری وجاہت کے باوجود اپنے مخدوم رکن الدولہ کے تئیں نہایت مخلص تھا اور اس کی خدمت میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا تھا، جب رکن الدولہ کا انتقال ہو گیا اور اس کے بعد اس کے بیٹے عضد الدولہ نے تخت سلطنت سنبھالا، تو ابن العمید کی وفاداری بھی اس کے بیٹے کی طرف منتقل ہو گئی۔ وہ فوج کی قیادت خود کرتا تھا اور عضد الدولہ کی حکومت کا دائرہ عراق و بغداد تک پہنچانے میں اس کا رول تھا۔ اخیر عمر میں بھی وہ علم و ادب کی خدمت کے ساتھ سپہ سالاری سے دلچسپی رکھتا تھا، چنانچہ اس نے اپنی قیادت میں ایک لشکر تیار کیا اور صفر 360ھ میں کردی رہنما حسنین کی سرکوبی کے ارادے سے نکلا، مگر راستے ہی میں اس کی وفات ہو گئی۔ اس وقت اس کی عمر ساٹھ سال کے قریب تھی۔

#### 12.5 متن کا ترجمہ

میں تمہیں یہ خط لکھ رہا ہوں، جب کہ میں تم سے پر امید و مایوسی اور تمہارا خیال کرنے اور تم سے اعراض کرنے کے مابین متذبذب ہوں؛ کیوں کہ تم اپنی گزشتہ عزت و حرمت پر اتراتے ہو اور سابقہ خدمت گزاری کے حوالے دیتے ہو، ان کا ادنیٰ سا حصہ بھی رعایت، پاس و لحاظ اور محافظت و عنایت کا تقاضا کرتا ہے، جب کہ ان کے ساتھ تم نے حالیہ عرصے میں خیانت، فریب اور غبن کو ملادیا ہے اور ان کے بعد تم نے نافرمانی و سرکشی کی ہے اور ان کا معمولی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ تمہاری ماضی کی تمام کارگزاریاں کا لعدم ہو جائیں اور تمہارے ساتھ کی جانے والی ہر قسم کی رعایت ختم ہو جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ میں تمہارے متعلق کسی حتمی فیصلے تک پہنچنے میں شش و پنج کا شکار ہوں، تم پر رحم کھانے اور تمہارے خلاف اقدام کرنے میں تذبذب سے دوچار ہوں، ایک قدم تمہیں گلے اور ختم کرنے کے لیے اٹھاتا ہوں، تو دوسرا قدم تمہیں باقی رکھنے کے لیے پیچھے ہٹا لیتا ہوں، ایک ہاتھ تمہیں مٹانے کے لیے اٹھاتا ہوں، تو دوسرا تمہیں بچانے اور اصلاح کے لیے کھینچ لیتا ہوں، میں ماضی کے تمہارے احسانات اور حسن برتاؤ کی وجہ سے تمہارے سلسلے میں اپنی ذمہ داری سے توقف اختیار کرتا ہوں، اس امید کی وجہ سے کہ تم اپنے اس رویے سے رجوع کر لو گے اور اس آرزو میں کہ تم اپنے موجودہ طریقہ کار کو بدلو گے؛ کیوں کہ انسان کی عقل کبھی کبھی اس کا دامن چھوڑ دیتی ہے، پھر واپس آ جاتی ہے، فہم و دانش کبھی غائب ہو جاتی اور پھر لوٹ آتی ہے، کبھی حزم و احتیاط ہاتھ سے نکل جاتا، پھر واپس آ جاتا ہے، کبھی عزم و ارادہ فساد کا شکار ہو جاتا، پھر ٹھیک ہو جاتا ہے، کبھی انسان کی فکر اور رائے بے کار و رایگاں کردی جاتی ہے، پھر اس کی تلافی کی جاتی ہے، انسان کبھی نشے میں ہوتا ہے، پھر ہوش میں آ جاتا ہے، پانی کبھی گدلا ہو جاتا، پھر صاف ہو جاتا ہے، ہر تگی کے بعد کشادگی آتی ہے اور ہر تار کی چھٹی ہے۔

جس طرح تم نے ایسی بداطواری کا مظاہرہ کیا، جس کی تمہارے محسنوں کو قطعاً کوئی امید نہیں تھی، اسی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم ایسے اچھے

برتاؤ کا مظاہرہ کرو، جس کی تمہارے دشمنوں کو توقع بھی نہ ہو، جس طرح تم پر غفلت طاری رہی اور اس کے زیر اثر تم نے غلط راستے کو اختیار کیا اور نامناسب طرز عمل اپنایا، کوئی عجب نہیں کہ اسی طرح تم اپنے کیے پر متنبہ ہو جاؤ اور اپنے طرز عمل کی قباحت اور اپنی پسند کی غلطی کو دیکھ سکواور میں اپنی اس روایت پر بھی قائم رہوں گا کہ جو درست ہو، اسے باقی رکھا جائے اور جہاں تک ممکن ہو، اسے برقرار رکھا جائے، یہ دراصل تم سے خود شناسی کی امید اور تمہارے تئیں حسن ظن کی وجہ سے ہے، لہذا میں جس چیز کے بارے میں مختلف اسباب بیان کرتا ہوں اور ڈراتا دھمکاتا ہوں، اس کو تمہارے خلاف احتجاج اور تمہیں ڈھیل دینے کی وجہ سے پوری طرح ختم نہیں کر سکتا۔ پس اگر اللہ چاہے، تو تمہیں ہدایت دے گا، تمہیں تمہاری پرانی روش پر لوٹا دے گا اور تمہیں ٹھیک کر دے گا؛ کیوں کہ وہ پر چیز پر قادر اور دعاؤں کو سننے والا ہے۔

تمہارا خیال ہے کہ تم اطاعت و فرماں برداری کے وسط میں چلنے کے بعد اب اس کے کنارے میں آگئے ہو، اگر واقعی تمہارا یہی حال ہے، تو تم اطاعت گزاری کے دونوں حالات سے واقف ہو گئے ہوں گے اور ان کے نفع و نقصان کو جان گئے ہوں گے؛ لہذا میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ میں تم سے جو سوالات کروں، ان کا درست جواب دینا: جس حال میں تم پہلے تھے، وہ کیسا تھا؟ اور جس حال میں تم اب ہو، وہ کیسا ہے؟ کیا پہلی صورت میں تم گھنے سایے، ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں، تروتازہ فضا اور غذا بخش آب و ہوا، سیراب کن پانی، آرام دہ بستر، محفوظ مسکن، معزز گاہ، مضبوط قلعہ میں نہیں تھے، جو تمہیں ہلاکتوں سے بچاتا، خوف اور اندیشوں سے محفوظ رکھتا، زمانے کی گردشوں سے حفاظت کرتا اور حوادثِ دہر سے بچاتا تھا؟ تم نے اس کی وجہ سے ذلت کے بعد عزت، قلت کے بعد کثرت، زوال کے بعد عروج، تنگی کے بعد آسانی، فقری کے بعد مال داری، تنگ حالی کے بعد کشادگی پائی، تمہیں سرکاری نوکریاں ملیں، تمہارے سر پر جھنڈے لہرانے لگے، تمہارے پیچھے لوگ چلتے تھے، تم سے امیدیں باندھی جاتی تھیں، تم سے قوت و کثرت حاصل کی جاتی اور تم دوسروں کے ذریعے قوت و کثرت حاصل کرتے تھے، تمہاری طرف لوگ (عزت و احترام سے) اشارے کرتے اور تم (خوشی یا ناراضگی میں) لوگوں کی طرف اشارے کرتے تھے، منبروں پر تمہارے نام کا چرچا تھا، مجلسوں میں تمہارا ذکر ہوتا تھا۔ اب تم جو کچھ کر رہے ہو، اسے کیسا محسوس کر رہے ہو، جو تم نے چھوڑا، اس کا بدلہ کیسا ہے؟ اور فرماں برداری سے نافرمانی کی طرف آنے سے تمہیں کیا حاصل ہوا؟ اور جو تم نے اطاعت سے اپنی ہتھیلی کو جھاڑا اور اپنے ہاتھ کو اس کی مخالفت میں ڈبویا، اس سے کیا فائدہ ہوا؟ اس (اطاعت) کے سایے کے تنگ پڑنے کے بعد تمہیں کس چیز نے سایہ عطا کیا؟ کیا (جہنم کے) تین شاخوں والے سایے (دھوئیں) نے، جو نہ سایہ کرتا ہے اور نہ آگ کی تپش سے بچاتا ہے، کہو کیا تمہاری حالت ایسی ہی نہیں ہے؟ وہ بخدا عاجل (دنیاوی اعتبار سے) تو سایہ دار ہے لیکن آجل (نتیجہ کے اعتبار سے) بے سایہ ہے، اگر تم اپنے بغض و عناد پر اڑے رہے اور انکار اور مشقت کے راستے پر چلتے رہے۔

میرے خط کی اس فصل (مقام) پر پہنچ کر اپنی حالت پر غور کرو، یقیناً تم اپنی حالت سے نفرت کرو گے، اپنے جسم کو چھو کر دیکھنا، کیا اس میں حس (شعور) باقی ہے؟ اپنی رگ کو ہاتھ رکھ کر ٹٹولو، کہ آیا وہ پھڑک رہی ہے؟ اپنے پہلو کو ٹٹولنا، کیا وہاں دل موجود ہے؟ کیا تمہارے دل کو اچھا لگے گا کہ تم جلد ہی ناکامی سے دوچار ہو جاؤ یا مرجاؤ؟ پھر تم اپنی موجودہ حالت کا سابقہ حالت سے تقابل اور آخری حالت کا پہلی حالت سے موازنہ کرو!

12.6 لغوی تحقیق

ترجیح : ہلنا، ہچکولے کھانا، تذبذب میں پڑنا، حیران ہونا (ترجیح، ترجحاً: تفعل)

اَقْبَلْ عَلٰی	:	متوجہ ہونا (اَقْبَلْ، اِقْبَالًا: افعال)
اَدَلْ	:	اِترانا (اَدَلْ، اِدْلَالًا: افعال)
مالِ اِلٰی	:	متوجہ ہونا (مال، مِلَالًا: ضرب)
مالِ عَلٰی	:	کسی سے نفرت کرنا، ناراض ہونا، بے توجہی کرنا
اصْطَلَمَ	:	برباد کرنا، ختم کرنا (اصْطَلَمَ، اصْطِلَامًا: افتعال)
اسْتَبَقٰی	:	باقی رکھنا، چھوڑ دینا (اسْتَبَقٰی، اسْتِبْقَاءًا: استفعال)
تَوَقَّفَ عَنْ	:	رکنا (تَوَقَّفَ، تَوَقُّفًا: تفعّل)
کَدَرَ	:	گدلا ہونا (کَدَرَ، کَدُورَةً: سَمِعَ)
غَمْرَةٌ (ج) غَمْرٌ وَ غَمَارٌ	:	سختی، مصیبت، بھیڑ، کثرت، موت کے وقت کی تکلیف
صَنِيعَةٌ (ج) صَنَائِعٌ	:	بھلائی، نیکی، سلوک، احسان، برتاؤ، رویہ
نَوَائِبُ (و) نَائِبَةٌ	:	مصیبت، حادثہ
غُلُولٌ	:	دھوکہ دینا، فریب کرنا، خیانت کرنا (غُلَّ، غُلُولًا: نَصَرَ)
مِمَاطَلَةٌ	:	ٹال مٹول کرنا، ڈھیل دینا (مَاطَلٌ، مِمَاطَلَةٌ: مفاعِلَةٌ)
مِطَاوَلَةٌ	:	مہلت دینا، طول دینا (مِطَاوَلٌ، مِطَاوَلَةٌ: مفاعِلَةٌ)
کِنْ	:	مضبوط گاہ/مکان/عمارت
کَنِینٌ	:	چھپا ہوا، پوشیدہ
خَفَقَتِ الرَّأْيَةَ	:	جھنڈا ہرانا
نَبْضٌ	:	حرکت کرنا، دھڑکنا (نَبْضٌ، نَبْضًا: ضَرْبٌ)
رَادَفٌ	:	ساتھ چلنا (رَادَفٌ، مِرَادَفَةٌ: مفاعِلَةٌ)

## 12.7 ادبی صنف کا تعارف

رسائل نگاری بھی ایک ادبی صنف ہے جس کو عصر عباسی میں بہت زیادہ فروغ حاصل ہوا، رسائل اور خطوط نگاری میں علم و ادب کے مختلف موضوعات کے علاوہ مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے بارے میں اساسی اور اہم معلومات شامل ہوتی ہیں، ان کے اوصاف حمیدہ، افتاد طبع، اسلوب فکر، طرز نگارش، علمی و ادبی دلچسپیاں اور خاص مباحث وغیرہ کے بارے میں آگاہی حاصل ہوتی ہے، ان مکتوبات میں رسائل دیوانی حکومتی خطوط و رسائل اور عوامی رسائل اور علمی مباحث اور نکات پر بحث و مباحثہ اور نقاش مکالمہ شامل ہوتا ہے، مکتوبات فی البدیہہ، برجستہ، بے ساختہ، بر محل اور اپنے دل میں چھپے احساسات بالفاظ دیگر دل کی باتیں لکھی جانی والی تحریر پر مشتمل ہوتے ہیں۔ خطوط نگاری کو ”دلی خیالات و جذبات کا روزنامہ اور

اسرار حیات کا صحیفہ“ بھی کہا جاتا ہے، اس طرح عربی ادبا کے رسائل و خطوط عربی ادب کے اعلیٰ نمونہ کی حیثیت رکھتے ہیں، جنہوں نے عربی ادب کے فروغ میں بڑا کردار ادا کیا ہے، یہ صنف ادب بھی لوگوں کی توجہ کا باعث رہی ہے۔ ابتدا میں یہ خطوط اور رسائل نجی ہوتے تھے، انخوانی اور دیوانی بھی، ان خطوط میں نجی معاملات کا تذکرہ بھی ملتا ہے، دیگر علمی موضوعات کو بھی یہ حاوی ہوتے، تاریخی مواد اور معلومات کا بھی گنجینہ اور سرمایہ ہوتے، اس دور کے اہم رسائل نگاروں میں ابن العمید اور صاحب بن عباد کی رسائل نگاری ہے۔

## 12.7.1 صنف کی ہیئت و صورت

عباسی دور کے اوائل میں انشا پردازی اور رسائل نگاری کا طرز و انداز عبد الحمید کے اسلوب پر ہی برقرار رہا، خصوصاً رسائل نگاری کا فن اپنے بلوغ اور کمال کو پہنچا جس میں اختصار کو مد نظر رکھا جاتا اور مبالغہ اور عبات کی تزئین و ترتیب میں میانہ روی کا لحاظ رکھا جاتا، جعفر بن یحییٰ تو رسائل نگاری میں اختصار کو اتنا پسند کرتا تھا کہ وہ کہتا تھا کہ "اگر تم اپنے تمام خطوط کو توقیعات کی طرز پر لکھ سکو تو ایسے ہی لکھو" جب عربوں میں خوشحالی کا دور دورہ ہوا اور ان کا ایرانیوں کے ساتھ میل ملاپ بڑھا تو وہ خطوط نویسی میں تکلف اور طوالت اختیار کرنے لگے، زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ بھی اس میں ترقی کرتے رہے، حتیٰ کہ انہوں نے قدیم اسالیب کو ترک کر دیا اور ایک مطلب بیان کرنے کے لیے لگا تار کئی جملے لکھنے لگے، ان کا خیال تھا کہ تکرار سے معنی و مطلب زیادہ واضح ہو جاتا ہے اور مفہوم جلد ذہن نشین ہو جاتا ہے؛ ابن العمید کی رسائل نگاری کا طرز و انداز بھی اس طوالت کا حامل ہے جس میں چھوٹے چھوٹے مجمع جملے، تجنیس (ہم شکل و ہم جنس الفاظ) تاریخ اور دیگر علوم کے لطائف کی آمیزش، نفس مضمون کی عمدگی اور سلامتی کے ساتھ ساتھ تشبیہ و تخیل میں وسعت پیدا ہوئی، ابن العمید انشا پردازی اور خطوط نویسی کے تمام اقسام میں اس قدر سبقت لے گیا تھا کہ لوگ کہتے ہیں: "انشا پردازی عبد الحمید سے شروع ہوئی اور ابن العمید پر ختم ہو گئی" جس کا نمونہ اس کا یہ رسالہ ہے، جس میں اس نے ہکا بکا اور کن الدولہ کی حکم عدولی پر تنبیہ کرتے ہوئے یہ خط لکھا، جو علم و ادب کا خزینہ، الفاظ و تراکیب کا گنجینہ اور معانی اور اسالیب، تعبیرات ادائیگی اور عربی لب و لہجہ کا شاہکار اور شہ پارہ ہے۔

## 12.8 متن سبق کا موضوع

اس خط میں ابن العمید نے ابن بلکانامی سرکاری اہلکار کی سرکشی و نافرمانی پر اس کی تنبیہ کی ہے اور اسے بادشاہ کے پرانے احسانات یاد دلاتے ہوئے اپنے اس رویے سے توبہ کرنے کی تلقین کی ہے۔ ابن العمید اس شخص کی پرانی وفاداری کا قائل بھی ہے، مگر ساتھ ہی اس کی سرکشی سے نالاں بھی؛ چنانچہ خط میں اس نے واضح طور پر اس شخص کو لکھا ہے کہ تمہاری پہلے والی حالت کا تقاضا ہے کہ میں تمہیں معاف کر دوں، مگر تمہاری موجودہ سرکشی اور نافرمانی اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ میں تمہیں سزا دوں، میں سخت کش مکش میں ہوں اور سمجھ نہیں آ رہا کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے۔ ابن العمید کو چوں کہ امید ہے کہ وہ شخص اپنے رویے سے تائب ہو کر پھر سے بادشاہ کا وفادار بن جائے گا؛ اس لیے وہ اسے اپنے مخصوص انداز میں ان تمام آسائشوں اور راحت و آرام کی یاد دلاتا ہے، جو اسے پہلے حاصل تھے، پھر اسے کہتا ہے کہ اب تم خود ہی غور کرو کہ تمہاری پہلے والی حالت بہتر تھی یا موجودہ حالت بہتر ہے؟ پہلے تم عیش کی زندگی گزارتے تھے، اب تمہیں کوئی پوچھنے والا نہیں ہے، حتیٰ کہ تمہاری حالت ایسی ہو چکی ہے کہ یا تو تمہارے سامنے ہولناک ناکامی و بے چارگی ہے یا پھر موت، اگر تم نے اپنی نافرمانی و سرکشی سے توبہ نہیں کی تو ان دونوں میں سے کسی ایک کو تمہیں اختیار کرنا پڑے گا، جب کہ اگر تم پھر سے بادشاہ کے وفادار ہو جاؤ، تو پہلے جیسی نعمتیں تمہیں پھر حاصل ہو سکتی ہیں۔

۱۔ جب وزیر ابن بکا نے رکن الدولہ کی حکم عدولی کی تو ابن العمید اس کی جانب سے ابن بکا کو مخاطب کرتے ہوئے یہ خط لکھا، جس میں اس نے اس کی سابقہ خدمات، موجودہ ناامیدی اور امید و یاس کی مابین حالت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ تمہاری سابقہ خدمات تو تمہیں انعام کا مستحق بناتی ہیں، موجودہ حالت تمہاری جس میں خیانت اور دھوکہ دہی ملی ہوئی، اس معمولی سی بھی انحراف کا تقاضا یہ ہیکہ تمہاری خدمات کو ضائع کر دیا جائے اور تمام رعایتیں ختم کر دی جائیں، انہیں احوال کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔

لَا جَرَمَ أَنِّي وَقَفْتُ بَيْنَ مِيلٍ إِلَيْكَ وَمِيلٍ عَلَيْكَ، أَقْدَمَ رَجُلًا لِمَصْدَمِكَ، وَأَوْخَزَ أُخْرَى عَنْ قَصْدِكَ، وَأَبْسَطُ يَدًا لِمَصْطَلَمِكَ، وَأَثْبِي ثَانِيَةً لِمَسْتَبْقَائِكَ وَاسْتِصْلَاحِكَ، وَأَتَوَقَّفُ عَنْ امْتِنَالِ بَعْضِ الْمَأْمُورِ فِيكَ صَنَائًا بِالْتَّعْمَةِ عِنْدَكَ، وَمُنَافَسَةً فِي الصَّنِيعَةِ لَدَيْكَ، وَتَأْمِيلًا لِفَيْئَتِكَ وَانْصِرَافِكَ، وَرَجَاءً لِمُرَاجَعَتِكَ وَانْعِطَافِكَ، فَقَدْ يَعُزُّبُ الْعَقْلُ ثُمَّ يُؤُوبُ، وَيَغُزُّبُ اللَّبُّ ثُمَّ يَثُوبُ، وَيَذْهَبُ الْحَزْمُ ثُمَّ يَعُودُ، وَيَفْسُدُ الْعَزْمُ ثُمَّ يَصْلُحُ، وَيُبْصِغُ الزَّأْيُ ثُمَّ يَسْتَدْرِكُ، وَيَسْكُرُ الْمَرْءُ ثُمَّ يَصْحُو، وَيَكْدُرُ الْمَاءُ ثُمَّ يَصْفُو. وَكُلُّ ضَبِيقَةٍ إِلَى رَخَاءٍ، وَكُلُّ غَمْرَةٍ فَإِلَى انْجِلَاءٍ.

حقیقت یہ ہے کہ میں تمہارے متعلق کسی حتمی فیصلے تک پہنچنے میں شش و پنج کا شکار ہوں، تم پر رحم کھانے اور تمہارے خلاف اقدام کرنے میں تذبذب سے دوچار ہوں، ایک قدم تمہیں ختم کرنے کے لیے اٹھاتا ہوں، تو دوسرا قدم تمہیں باقی رکھنے کے لیے پیچھے ہٹا لیتا ہوں، ایک ہاتھ تمہیں مٹانے کے لیے اٹھاتا ہوں، تو دوسرا تمہیں بچانے اور اصلاح کے لیے کھینچ لیتا ہوں، میں ماضی کے تمہارے احسانات اور حسن برتاؤ کی وجہ سے تمہارے سلسلے میں اپنی ذمہ داری سے توقف اختیار کرتا ہوں، اس امید کی وجہ سے تم اپنے اس رویے سے رجوع کر لو گے اور اس آرزو میں کہ تم اپنے موجودہ طریقہ کار کو بدلو گے؛ کیوں کہ انسان کی عقل کبھی کبھی اس کا دامن چھوڑ دیتی ہے، پھر واپس آ جاتی ہے، فہم و دانش کبھی غائب ہو جاتی اور پھر لوٹ آتی ہے، کبھی حزم و احتیاط ہاتھ سے نکل جاتا، پھر واپس آ جاتا ہے، کبھی عزم و ارادہ فساد کا شکار ہو جاتا، پھر ٹھیک ہو جاتا ہے، کبھی انسان کی فکر اور رائے گم ہو جاتی اور پھر واپس آ جاتی ہے، انسان کبھی نشے میں ہوتا ہے، پھر ہوش میں آ جاتا ہے، پانی کبھی گدلا ہو جاتا، پھر صاف ہو جاتا ہے، ہرنگی کے بعد کشادگی آتی ہے اور ہر تار کی چھٹتی ہے۔

۲۔ اس کے بعد ابن العمید ابن بکا کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ تمہارا کیا خیال ہے تم اطاعت کے وسط میں چلنے کے بعد ان کنارے پر آ گئے ہو، اگر واقعتاً تمہارا یہی حال ہے تم اطاعت گزاری کے دونوں حالات سے واقف ہو گئے اور اس کے نفع و نقصان کو جان گئے، تو میں تجھے خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ میں جو آپ سے سوال کروں گا آپ مجھے اس کا صحیح جواب دیں گے۔

كَيْفَ وَجَدْتَ مَا زَلَّتْ عَنْهُ؟ وَكَيْفَ تَجَدُّ مَا صَرَتْ إِلَيْهِ؟ أَلَمْ تَكُنْ مِنَ الْأَوَّلِ فِي ظِلِّ ظَلِيلٍ، وَنَسِيمِ عَلِيلٍ، وَرِيحِ بَلِيلٍ، وَهَوَاءِ غَذِيٍّ، وَمَاءِ رَوِيٍّ، وَمِهَادٍ وَطِيٍّ، وَكَيْنٍ كَنِينٍ، وَمَكَانٍ مَكِينٍ، وَحَصْنٍ حَصِينٍ يَقِيكَ الْمَتَالِفُ، وَيُؤْمِنُكَ الْمَخَاوِفُ، وَيَكْنُفُكَ مِنَ نَوَائِبِ الزَّمَانِ، وَيَحْفَظُكَ مِنْ طَوَارِقِ الْحَدَثَانِ؛ غَزَزْتَ بِهِ بَعْدَ الدَّلَّةِ، وَكَثُرَتْ بَعْدَ الْقَلَّةِ، وَارْتَفَعَتْ بَعْدَ الصَّعَةِ، وَأَيْسَرَتْ بَعْدَ الْعُسْرِ، وَأَثَرِيَتْ بَعْدَ الْمَتَرِبَةِ، وَاتَّسَعَتْ بَعْدَ الضِّيقَةِ، وَظَفِرَتْ بِالْوَلَايَاتِ، وَخَفَقَتْ فَوْقَكَ الزَّيَاثُ، وَوَطِئَ عَقْبُكَ الرِّجَالُ،

وَتَعْلَقْتُ بِكَ الْآمَالَ. وَصِرْتُ ثَكَّائِرٌ وَيَكَاثِرُ بَكَ، وَثَشِيرٌ وَيَشَارُ إِلَيْكَ، وَيَذْكُرُ عَلَى الْمَنَابِرِ اسْمُكَ، وَفِي الْمَحَاضِرِ ذِكْرُكَ. جس حال میں تم پہلے تھے، وہ کیسا تھا؟ اور جس حال میں تم اب ہو، وہ کیسا ہے؟ کیا پہلی صورت میں تم گھنے سایے، ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں، تروتازہ و غذا بخش آب و ہوا، سیراب کن پانی، آرام دہ بستر، محفوظ مسکن، مضبوط رہائش گاہ، مضبوط قلعہ میں نہیں تھے، جو تمہیں ہلاکتوں سے بچاتا، خوف اور اندیشوں سے محفوظ رکھتا، زمانے کی گردشوں سے حفاظت کرتا اور حوادثِ دہر سے بچاتا تھا؟ تم نے اس کی وجہ سے ذلت کے بعد عزت، قلت کے بعد کثرت، زوال کے بعد عروج، تنگی کے بعد آسانی، فقری کے بعد مال داری، تنگ حالی کے بعد کشادگی پائی، تمہیں سرکاری نوکریاں ملیں، تمہارے سر پر جھنڈے لہرانے لگے، تمہارے پیچھے لوگ چلتے تھے، تم سے امیدیں باندھی جاتی تھیں، تم سے قوت و کثرت حاصل کی جاتی اور تم دوسروں کے ذریعے قوت و کثرت حاصل کرتے تھے، تمہاری طرف لوگ (عزت و احترام سے) اشارے کرتے اور تم (خوشی یا ناراضگی میں) لوگوں کی طرف اشارے کرتے تھے، منبروں پر تمہارے نام کا چرچا تھا، مجلسوں میں تمہارا ذکر ہوتا تھا۔

## 12.10 متن کی خصوصیات

۱۔ یہ رسالہ اور خط ابن العمید نے ابن بکا کو جو رکن الدولہ کا وزیر معتمد اور خاصان خاص اشخاص میں سے تھا، رکن الدولہ سے اس کی روگردانی، انحراف، اطاعت شعاری اور وفاداری کو ترک کر کے علم بغاوت بلند کرنے پر لکھا ہے، جس میں ابن العمید نے اپنے اسلوب نگارش میں پہلے ابن بکا اور رکن الدولہ کے مابین مضبوط، استوار اور پائیدار تعلقات کا ذکر کیا ہے، پھر اس کو ان دنوں کی یاد دہانی کراتا ہے جن کو انہوں نے ایک ساتھ گزارا ہے، یہ تمام گزشتہ تعلقات اور احوال کا تذکرہ ابن العمید نے ابن بکا کو دوبارہ پرانی روش اور دوستی پر عود کرنے کے لیے لکھا ہے، دوری، کنارہ کشی، انحراف سے پرہیز کی دعوت دی ہے، یعنی ابن العمید ابن بکا کے سامنے دو مناظر اور مشاہد رکھتا ہے، ایک وہ تمہارا شاندار ماضی ہے اور دوسرا تمہارا تاریک مستقبل ہے اور اس کو تقابل کی دعوت دیتا ہے کہ تمہارا وہ شاندار ماضی بہتر تھا؟ یا تمہارا یہ تاریک مستقبل تمہیں اچھا نظر آتا ہے۔

۲۔ پھر اس کو اس کی ماضی کی بلندی، رفعت، مقام و مرتبت، اس کی رکن الدولہ کے ساتھ مصاحبت و مرافقت، اس کے دور بام عروج و شہرت کو یاد دلاتا ہے، پھر اسی درمیان ابن العمید اس سے سوال کرتا ہے، یہ خروج اور بغاوت کا سبب کیا ہے؟ بلکہ ابن بکا کو دوبارہ عود کر آنے اور اپنی غلطی اور خطا سے رجوع کرنے کی دعوت دیتا ہے، کہتا ہے: عقل کبھی چلی جاتی ہے پھر عود کرتی ہے، دانش مندی کبھی غائب ہو جاتی ہے پھر واپس آ جاتی ہے، کبھی عزائم اور ارادے فساد اور بگاڑ کا شکار ہو جاتے پھر راہ راست اور درستگی کو بھی اختیار کر لیتے ہیں، اس طرح وہ اس کو اطاعت شعاری اور وفاداری اور بادشاہ کی حرمت اور عزت میں آنے کی دعوت دیتا ہے اور اصلاح حال کے لیے بلاتا ہے۔

۳۔ اس مکالمہ گفتگو سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بیان اور کلام کی عمدگی اور درستگی اور اس کے ذریعے مخاطب کے ذہن و دماغ کو براہ راست مخاطب کرنا یہ انسان پر تلوار کی وار سے زیادہ اثر کن ہوتا ہے، ابن العمید اپنے اس رسالہ میں مخاطب کے نفسیات کو ہمیز دیا ہے، اس کے احساسات اور خیالات کو جگایا ہے، اس کی سابقہ خوبیوں اور موجودہ روش کے درمیان موازنہ کر کے اس کو بادشاہ کے حضور اطاعت شعاری بن کر آنے اور باعزت زندگی گزارنے کا حکم کرتا ہے۔

## 12.11 اسلوبی خصوصیات

۱۔ یہ رسالہ رسائلِ دیوانیہ سے تعلق رکھتا ہے، یہ ایک نامہ اور خط ہے جس میں ابن العمید ابن بکا کو، انحراف، بے وفائی، روگردانی سے رکن

الدولہ کی اطاعت شعاری، وفاداری کی طرف دعوت دے رہا ہے، اس کو اس نے ایک بہترین تمہید کے ساتھ شروع کیا ہے، جس میں گفتگو اور مکالمہ کا انداز ہے، اس رسالہ کا انداز تحریر، طرز نگارش، اسلوب اس قدر مضبوط ہے کہ یہ ابن العمید کی اسلوب ادب کی علوشان کا تاج اور ہیرا معلوم ہوتا ہے، اس میں اس نے "طباق" کا بکثرت استعمال کیا ہے، جس سے تحریر کی بندش نہایت مضبوط نظر آتی ہے مثلاً کہتا ہے: "بین طمع فیک، ویأس منک" اور کہتا ہے "میل إلیک"، "میل علیک"، "تأمیلاً لفیئتک وانصرافک" اور "رجاء لمر اجعتک وانعطافک"

۲۔ ابن العمید نے معنی کے اعتبار سے طباق کا بکثرت استعمال کیا ہے، یعنی ایک ہی لفظ کا ایک ایجابی پہلو ہے اور دوسرا منفی پہلو، ایجابی پہلو کو منفی پر مقدم رکھا ہے، یہ ایسا نہایت رقت انگیز پر اثر اسلوب ہے جو مخاطب کے دل کو موہ لیتا ہے، کہتا ہے: "بین طمع فیک" یہ ایجابی جملہ ہے، "ویأس منک" یہ سلبی اور منفی جملہ ہے۔

۳۔ ابن العمید کے اس رسالہ اور خط کا نہج نہایت اونچا اور بلند تر ہے، اس نے موزون عبارات کو اس طرح استعمال کیا ہے جیسے ان میں سے ہر ایک کو ترازو میں تول کر یہاں فٹ کر دیا ہے، ساری عبارتیں طول اور قصر میں مساوی اور ہم آہنگ ہیں، ان کی صرفی اعتبار سے وزنی جہت باقی و برقرار ہے، جیسے استعمال کرتا ہے "إقبال وإعراض" افعال کے وزن پر اور "سالف" فاعل کے وزن پر "استبقاء، استصلاح" استعمال کے وزن پر، "انصراف، انعطاف" افعال کے وزن پر، اسی طرح تہج اور قافیہ بندی کا لحاظ بھی اس نے اپنی دوسری تحریروں کے مثل یہاں بھی کیا ہے، اس کی وجہ سے کلام قاری کی نفسیات پر اثر پذیر ہوتا ہے، خاص طور سے یہاں پر فواصل قرآنیہ کا استعمال قابل دیدنی ہے "ظل ظلیل"، "نسیم علیل"، "وریح بلبل"، "هواء عذی"، "ماء روی"، "ومهاد وطي" ان جملوں میں صوتی ہم آہنگی اور بنا کسی تکلف اور تصنع کے موسیقی نظر آتی ہے، لہٰذا ہم آہنگی، رنگ برنگی نوعیت کی وجہ سے یہ جملہ فن ادب کا ایک شاہکار نگار نظر آتا ہے۔

۴۔ اور ایک چیز جو ابن العمید کی رسالہ نگاری کی اہمیت و افادیت کے لیے بیانہ بنتی ہے، اس کی عربی زبان سے کمال واقفیت ہے، یہ جانتا ہے کہاں فعل ماضی کا استعمال ہو اور کہاں فعل مضارع استعمال کیا جائے، دیکھیے وہ گفتگو کے پیرایہ اور انداز کو کیسے بدل دیتا ہے، کہتا ہے: "وأنا مترجع بین طمع فیک" پھر ماضی کے صیغہ استعمال کرتا ہے، کہتا ہے: "وتمت بسالف خدمة" پھر نہایت اچھوتے انداز میں مضارع کا استعمال کرتا ہے کہتا ہے: "وأثنی ثانیة لاستباقک واستصلاحک" اس کے علاوہ حروف جر کا خوب صورت تہج بندی اور طباق کی صورت میں استعمال کرتا ہے "طمع فیک، یأس منک، إقبال علیک، إعراض عنک"۔

۵۔ پورے رسالہ میں طباق کا بکثرت استعمال، جس نے اس رسالہ کی اہمیت کو دو گنا کر دیا ہے، کبھی وہ فعل میں اور کبھی دو اسم میں طباق پیدا کرتا ہے، بلکہ حروف جر میں بھی، جس کی وجہ سے کلام کے حسن و جمال میں نکھار آ جاتا ہے اس نے محسنات بدیع میں سے "جناس" کا بھی بکثرت استعمال کیا ہے، "جناس اشتقاق" کا استعمال ہوا ہے، اس خط کے پانچویں فقرہ میں یہ نمایاں اور جلی ہو کر نظر آتا ہے، یہ کہتا ہے: "وصرت تکاثر ویکاثربک، وتشیر ویشار إلیک" یہ محسنات لفظیہ سے تعلق رکھنے والے امور ہیں۔

۶۔ اس خط میں میں محسنات بدیع کے جو نمونے نظر آتے ہیں ان میں "ترصیع" بھی شامل ہے، یعنی الفاظ میں بھی توازن ہو اور آواز میں بھی توافق ہو جیسے "یغرب العقل ثم یؤوب، ویغرب اللب ثم یشوب" اور "علی المنابر اسمک، وفي المحاضر ذکرک" یہ محسنات لفظیہ سے تعلق رکھنے والے امور ہیں۔



یہ رسالہ آل بویہ کے بادشاہ رکن الدولہ کے وزیر اور معروف رسالہ نگار، انشا پرداز وادیب ابن العمید کا ایک سرکاری اہل کار ابن بکا کے نام لکھا ہوا خط ہے۔ اس نے کسی وجہ سے بادشاہ کے خلاف سرکشی کی اور اس کی اطاعت سے انکار کر دیا تھا، ابن العمید نے یہ خط لکھ کر اس کی تنبیہ کی اور اسے بادشاہ کی عنایتیں، افضال و انعامات یاد دلانے اور اسے اپنی حالت پر غور کر کے دوبارہ بادشاہ کی اطاعت قبول کرنے کی دعوت دی ہے۔

وہ ابن بکا کو لکھتا ہے کہ ایک طرف ماضی میں تمہاری حد درجہ اطاعت شعاری و وفاداری کا منظر میرے سامنے ہے اور دوسری طرف تمہاری موجودہ سرکشی و بغاوت ہے، ایک کا تقاضا ہے کہ میں تمہیں معاف کر دوں اور سدھرنے کا موقع دوں، جب کہ دوسری کا تقاضا ہے کہ تمہیں سخت سزا دی جائے، میں عجیب کش مکش میں ہوں، میں تمہیں سزا دینے کا ارادہ کرتا ہوں، تو تمہاری پرانی اچھی عادتیں یاد آ جاتی ہیں، میں تمہیں نوکری سے نکالنا چاہتا ہوں، تو تمہاری پچھلی وفاداریاں سامنے آ جاتی ہیں، میں تمہیں برباد کرنے کا سوچتا ہوں، مگر پھر یہ امید جاگ اٹھتی ہے کہ تم اپنی عادت ٹھیک کر لو گے اور سرکشی و بغاوت سے باز آ جاؤ گے۔ میرے ذہن میں یہ بات آ جاتی ہے کہ انسان کبھی کبھی بعض حالات کے زیر اثر عقل و شعور کا دامن چھوڑ دیتا ہے، مگر پھر کچھ دیر یا کچھ دنوں کے بعد اسے ہوش آ جاتا ہے اور وہ اپنے پچھلے غلط کاموں سے توبہ کر لیتا ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ پانی، جو کبھی گندگی کی وجہ سے گدلا ہو جاتا ہے، جب اس کی گندگی کو دور کر دیا جائے، تو صاف شفاف ہو جاتا ہے یا جیسے کہ تنگ حالی، کہ انسان اپنی محنت و مشقت سے اسے خوشحالی و کشادگی میں بدل دیتا ہے یا جیسے تاریکی، کہ اس کے بعد روشنی ضرور آتی ہے۔

ابن العمید اسے نصیحت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مجھے امید ہے کہ جس طرح تم نے اپنی نافرمانی و سرکشی سے اپنے محسنوں کے دلوں کو تکلیف پہنچائی جس کی انہیں امید بھی نہیں تھی، بالکل اسی طرح تم ان کی احسان شناسی کا ثبوت دے کر اپنے دشمنوں کو حیرت میں ڈال دو گے، جو نہیں چاہتے کہ تم بادشاہ کے قریب رہو اور اس کے الطاف و عنایات سے لطف اندوز ہو۔ مجھے امید ہے کہ تمہیں جلد ہی اپنے رویے پر شرمندگی ہوگی اور تم پر یہ واضح ہو جائے گا کہ تم نے جو راستہ اختیار کیا ہے، وہ غلط ہے، برا ہے اور نقصان دہ ہے۔ میں تو تمہیں ڈھیل دینا چاہتا ہوں، میں تم سے ناراض بھی ہوں، مگر تمہارے اندر جو خوبی دیکھ چکا ہوں، اس کی وجہ سے پر امید بھی ہوں کہ تم اپنے رویے میں تبدیلی لاؤ گے۔ اب یہ اللہ کی مرضی ہے کہ وہ تمہیں سیدھی راہ دکھائے؛ کیوں کہ دلوں کو بدلنے کی قوت اور اختیار تو اسی کے پاس ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے اور وہی دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔

اس کے بعد ابن العمید اُس شخص کو اس کی موجودہ حالت اور ماقبل کی حالت پر غور و فکر کی دعوت دیتا ہے اور اپنے دلچسپ اسلوب میں اس کے دونوں احوال کو ذرا تفصیل سے بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ تمہارا خیال ہے کہ پہلے تم اطاعت و فرماں برداری کے وسط میں تھے اور اب اس کے کنارے میں ہو، یعنی پہلے تم مطیع تھے، اب باغی ہو اور دونوں حالتوں کا تجربہ کر چکے ہو، تو اب تم بتاؤ کہ جس حال میں تم پہلے تھے، وہ کیسا تھا اور جس حال میں تم اب ہو، وہ کیسا ہے؟ پہلے تم نہایت پر تکلف زندگی گزار رہے تھے، خوب صورت مکان، خوب صورت رہائش اور کھانے پینے کی آسائشیں میسر تھیں، کسی قسم کا خوف نہیں تھا، تم ایک باعزت انسان تھے، صاحب ثروت انسان تھے، تمہارے پاس سرکاری عہدہ تھا، تمہارے سر پر سرکاری جھنڈے لہراتے تھے، تم جدھر سے گزرتے، تمہارے ساتھ انسانوں کی ایک فوج ہوتی تھی، لوگ تنہائیوں میں اور مجلسوں میں تمہارا ذکر کرتے تھے، منبروں پر تمہارا نام لیا جاتا تھا، تم جس طرف سے گزرتے، لوگ عزت و احترام سے تمہاری طرف اشارے کرتے تھے اور تمہارے ایک

اشارے سے کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ مگر اب جب کہ تمھاری حالت بدل گئی ہے، تو تم کچھ بھی نہیں ہو، تم نے بادشاہ سلامت کی نافرمانی کر کے اپنے آپ کو ایسے سایے کی پناہ میں ڈالنے کی کوشش کی ہے، جو حقیقت میں سایہ نہیں دھواں ہے، جس کے نیچے آرام تو نہیں مل سکتا، البتہ آگ کی لپٹوں سے جھلنے کا اندیشہ ضرور ہے؛ لہذا تمھیں اپنی اس حالت پر غور و فکر کرنا چاہیے، ذرا تم گہرائی سے سوچو اور اپنے گریبان میں جھانکو، پھر اپنے جسم کو چھو کر دیکھو، ایسا لگے گا کہ تمھارے اندر قوتِ حس ہی نہیں رہی، تمھاری رگیں تھم گئی ہیں، تمھارا دل سینے سے نکل گیا ہے اور تمھیں کچھ سمجھ نہیں آئے گا کہ تم اپنے سامنے کھڑی ناکامی کو برداشت کر سکو گے یا یہ چاہو گے کہ تمھیں موت آجائے اور چھٹکارا مل جائے، تمھیں حاضر کا ماضی سے تقابل کرنا چاہیے اور آخری حالت کا پہلی حالت سے موازنہ کرنا چاہیے۔ اس خط کے مضمون میں چوں کہ مکتوب نگار نے مکتوب الیہ کی ایسی تنبیہ کی ہے کہ اگر وہ حساس اور باشعور انسان ہوگا، تو ضرور اپنے کیے پر پچھتائے گا اور سابقہ غلطیوں سے توبہ کرے گا؛ اسی لیے اس خط کو ’کتاب ینوب عن الکتاب‘ کے عنوان سے جانا جاتا ہے، یعنی ایسا خط، جو مخاطب پر اثر کرنے کے اعتبار سے کئی فوجی دستوں کے قائم مقام ہے۔ ابن العمید کا یہ خط اس کی عمدہ ترین نثر نگاری کا اعلیٰ نمونہ ہے اور تب سے اب تک تاریخ ادب کا شاہکار ہے۔

## 12.13 نمونے کے امتحانی سوالات

۱۔ درج ذیل عبارت پر اعراب لگائیے اور اس کا ترجمہ کیجیے۔

لَا جَرَمَ أَنِّي وَقَفْتُ بَيْنَ مَيْلٍ إِلَيْكَ وَمَيْلٍ عَلَيْكَ، أَقْدَمَ رَجُلًا لِّصَدْمِكَ، وَأَوْخَزَ أُخْرَى عَنْ قَصْدِكَ، وَأَبْسَطُ يَدًا لِّاصْطِلَامِكَ، وَأَثْنِي ثَانِيَةً لِّاسْتِيقَائِكَ وَاسْتِصْلَاحِكَ، وَأَتَوَقَّفُ عَنْ امْتِثَالِ بَعْضِ الْمَأْمُورِ فِيكَ ضَنْنًا بِالتَّعْمَةِ عِنْدَكَ، وَمُنَافَسَةً فِي الصَّنِيعَةِ لَدَيْكَ، وَتَأْمِيلًا لِّفَيْئَتِكَ وَانْصِرَافِكَ، وَرَجَاءً لِّمُرَاجَعَتِكَ وَانْعِطَافِكَ، فَقَدْ يَعُزُّبُ الْعَقْلُ ثُمَّ يُؤَوِّبُ، وَيَغُزُّبُ اللَّبُّ ثُمَّ يَنْثُوبُ، وَيَذْهَبُ الْحَزْمُ ثُمَّ يَعُودُ، وَيَفْسُدُ الْعَزْمُ ثُمَّ يَصْلُحُ، وَيُضَاغُ الزَّأْيُ ثُمَّ يُسْتَدْرَكُ، وَيَسْكُرُ الْمَرءُ ثُمَّ يَصْحُو، وَيَكْدُرُ الْمَاءُ ثُمَّ يَصْفُو. وَكُلُّ ضَيْقَةٍ إِلَى رَخَاءٍ، وَكُلُّ غَمْرَةٍ إِلَى انْجِلَاءٍ.

۲۔ درج ذیل عبارت کا بحوالہ متن تشریح و توضیح کیجیے۔

کیف و جدت ما زلت عنه؟ وكيف تجد ما صرت إليه؟ ألم تكن من الأول في ظل ظليل، ونسيم عليل، وريح بليلى، وهواء غدي، وماء روي، ومهاد وطي، وكن كنين، ومكان مكين، وحصن حصين يقيك المتآلف، ويؤمئك المخاوف، ويكنفك من نوائب الزمان، ويحفظك من طوارق الحدثان؛ عززت به بعد الدلة، وكثرت بعد القلة، وارتفعت بعد الصعلة، وأيسرت بعد العسرة، وأثريت بعد المترية، واتسعت بعد الضيقة، وظفرت بالولايات، وخفقت فوقك الرايات، ووطىء عقبك الرجال، وتعلقت بك الآمال. وصرت ثكاثر ويكاثر بك، وثشيز ويشاز إليك، ويدكر على المنابر اسمك، وفي المحاضر ذكرك.

۳۔ مندرجہ ذیل الفاظ کے معنی لکھیے:

الصنعة	الحزم	رخاء	غمرة	مهاد	حصن	حصين	نوائب
المتربة	الضيقة	الرايات	غلول				

- ۴۔ ابن العمید کے حالات اور اس کے نگارشات پر روشنی ڈالیے۔
- ۵۔ ”کتاب ینوب عن الکتائب“ کا خلاصہ بیان کیجیے۔
- ۶۔ صنف کا تعارف اور اس کی ہیئت و صورت کو قلم بند کیجیے۔
- ۷۔ ”رسالة-ابن العمید“ کے متن کی خصوصیات اور اس کی اسلوبی امتیازات کو تحریر کیجیے۔

## 12.14 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

- |     |                              |  |
|-----|------------------------------|--|
| (۱) | رسائل ابن العمید دراسة فنیة، | ابن العمید، تحقیق، رامی عثمان المرابطة |
| (۲) | تاریخ الأدب العربی           | أحمد حسن زیات                          |
| (۳) | تاریخ الادب العربی           | عمر فروخ                               |
| (۴) | مختصر تاریخ ادب عربی         | مقتدی حسن ازہری                        |

## اکائی 13 : البحر لابن عباد

اکائی کے اجزاء

- |        |                            |
|--------|----------------------------|
| 13.1   | مقصد                       |
| 13.2   | تمہید                      |
| 13.3   | متن سبق                    |
| 13.4   | صاحب سبق کا تعارف          |
| 13.4.1 | حصول علم اور عملی زندگی    |
| 13.4.2 | مقبولیت اور عظمت           |
| 13.4.3 | بے مثال سخاوت و حسن اخلاق  |
| 13.4.4 | عملی و ادبی مقام           |
| 13.4.5 | تصانیف                     |
| 13.5   | متن کا ترجمہ               |
| 13.6   | لغوی تحقیق                 |
| 13.7   | ادبی صنف کا تعارف          |
| 13.7.1 | صنف کی ہیئت و صورت         |
| 13.8   | متن سبق کا موضوع           |
| 13.9   | متن سبق کی توضیح و تشریح   |
| 13.10  | متن کی خصوصیات             |
| 13.11  | اسلوبی خصوصیات             |
| 13.12  | اقتصادی نتائج              |
| 13.13  | نمونے کے امتحانی سوالات    |
| 13.14  | مطالعے کے لیے معاون کتابیں |

### 13.1 مقصد

اس سبق کے ذریعے طلبا صاحب بن عباد کے رسائل میں سے ایک رسالہ اور خط سے شناسائی حاصل کریں گے، جس میں اس نے اپنے استاد سے مخاطب کیا ہے۔ صاحب بن عباد اپنے دور کا بہت بڑا ادیب، انشا پرداز اور شاعر گذرا ہے، اس کے اس مختصر رسالہ کے ذریعے اس کے ادبی و انشا پردازی اور طرز تحریر کو جان سکیں گے، الفاظ و تعبیرات کی جانکاری ہوگی، وہ انشا پردازی اور خطوط نویسی کے ایک عربی نمونہ اور اس نادر ہبہ پارہ سے مستفید ہوں گے، اس کے اپنے استاد کو رسائل میں مخاطب اور استاذ کے ادب و احترام کے متعلق بھی ان کو جانکاری حاصل ہوگی۔

### 13.2 تمہید

صاحب بن عباد کے رسائل (خطوط) بھی نہایت دلچسپ ہیں، وہ ابو بکر خوارزمی اور بدیع الزماں ہمدانی کی طرح گھریلو قسم کے خطوط نہیں ہیں؛ بلکہ دیوانی خطوط ہیں، اس وجہ سے اس کی دو خصوصیتیں اہم ہیں، ایک تو ادبی اور دوسری تاریخی۔ تاریخی اہمیت اس طرح ہے کہ ان خطوط میں بنو بویہ کی بہت ساری جنگوں، حکمرانوں، قائدین اور قاضیوں کا تذکرہ ہے، بعض معاہدوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ رعایا کے ساتھ بادشاہ کے برتاؤ اور اس زمانے کے عام معاشرے کی بھی عکاسی کی گئی ہے۔ اس طرح یہ خطوط مملکت بنو بویہ کے سیاسی و سماجی حالات کی دستاویز ہو گئے ہیں۔

### 13.3 متن سبق

وَصَلَّ كِتَابُ الْأُسْتَاذِ الرَّئِيسِ صَادِرًا عَنْ شَطْرِ الْبَحْرِ بِوصفِ مَا شَاهَدَ مِنْ عَجَائِبِهِ، وَعَيْنٍ مِنْ مَرَآئِهِ، وَرَأَاهُ مِنْ طَاعَةِ آلَاتِهَا لِلزِّيَاحِ كَيْفَ أَرَادَتْهَا، وَاسْتِجَابَةِ أَدْوَاتِهَا لَهَا مَتَى نَادَتْهَا، وَرُكُوبِ النَّاسِ أَشْبَاحَهَا، وَالْخَوْفِ بِمَرَأَى وَمَسْمَعٍ، وَالْمَنُونِ بِمَرْقَبٍ وَمَطْلَعٍ، وَالذَّهْرِ بَيْنَ أَخْذٍ وَتَرْكِ، وَالْأَرْوَاحِ بَيْنَ نَجَاةٍ وَهَلَكٍ، إِذَا أَفْكَزَ وَافِي الْمَكَاسِبِ الْخَطِيرَةِ هَانَ عَلَيْهِمُ النُّحُورُ، وَإِذَا لَاحَثَ لَهُمْ غُرُزُ الْمَطَالِبِ الْكَثِيرَةُ حَبَّبَ إِلَيْهِمُ الْعَزُزُ. وَعَرَفْتُ مَا قَالَهُ مِنْ تَمَنِّيهِ كَوْنِي عِنْدَ ذَلِكَ بِحَضْرَتِهِ، وَحُصُولِي عَلَى مُسَاعَدَتِهِ. وَمِنْ رَأَى بَحْرَ الْأُسْتَاذِ كَيْفَ يَزْحَرُ بِالْفَضْلِ وَتَتَلَطَّمُ فِيهِ أَمْوَاجُ الْأَدَبِ وَالْعِلْمِ، لَمْ يَتَّعَبْ عَلَى الدَّهْرِ فِيمَا يُفْتِيهِ مِنْ مَنَظَرِ الْبَحْرِ، وَلَا فَضِيلَةَ عِنْدِي أَعْظَمُ مِنْ إِكْبَارِ الْأُسْتَاذِ لِأَحْوَالِهِ، وَاسْتِعْظَامِهِ لِأَهْوَالِهِ، كَمَا لَا شَيْءَ أَبْلَغُ فِي مَفَاخِرِهِ، وَأَنْفُسُ فِي جَوَاهِرِهِ مِنْ وَصْفِ الْأُسْتَاذِ لَهُ، فَإِنِّي قَرَأْتُ مِنْهُ السَّمَاءَ السَّلْسَالَ، لَا الزَّلْزَالَ، وَالْبَحْرَ الْحَرَامَ؛ لَا الْحَلَالَ، وَقَدْ عَلِمْتُ أَنَّهُ كَتَبَ وَلَمَّا أَخْطَرَ بِفِكْرِهِ سَعَةً صَدْرِهِ، فَلَوْ فَعَلَ ذَلِكَ لَرَأَى الْبَحْرَ وَشَلًّا لَا يَفْضُلُ عَنِ التَّبَرُّضِ وَتَمَدًّا لَا يَكْثُرُ عَنِ التَّرَشُّفِ:

وَكَمْ مِنْ جِبَالٍ جِئَتْ تَشْهَدُ أَنَّكَ

الْجِبَالُ وَبَحْرٌ شَاهِدٌ أَنَّكَ الْبَحْرُ

### 13.4 صاحب سبق کا تعارف

چوتھی صدی ہجری کے معروف ادیب، شاعر، رسالہ نگار، سیاست داں اور علم و ادب سے بے پناہ شغف رکھنے والے اس انسان کا اصل نام اسماعیل بن عباد ہے، کنیت ابو القاسم ہے، ایک لقب صاحب ہے اور دوسرا کافی الکفاۃ۔ صاحب کے لقب سے اس کی شہرت ہونے کی ایک وجہ تو یہ

بتائی جاتی ہے کہ وہ ہر وقت اپنے استاذ ابن العمید کے ساتھ رہا کرتا تھا؛ اس لیے اسے صاحب کہا جانے لگا، ایک دوسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ بچپن سے ہی مؤید الدولہ بادشاہ کی خدمت میں رہنے لگا تھا؛ اس لیے اسے صاحب کے لقب سے یاد کیا جانے لگا اور کافی الکفاۃ اسے اس کی سخاوت کی وجہ سے کہا جاتا تھا۔ اس کی پیدائش 326ھ کو ہوئی اور وفات 385ھ کو ہوئی، اسی سال اس کے والد عباد کی بھی وفات ہوئی تھی۔ اس کا خاندان فارسی ہے، قزوین اور ابھر کے مابین پائے جانے والے طالقان نامی علاقے سے اس کا تعلق ہے۔ اس کا باپ بھی ذی عقل اور عالم فاضل انسان تھا، رکن الدولہ کا وزیر رہا اور احکام القرآن پر اس نے ایک کتاب بھی لکھی تھی، فکری اعتبار سے اس کا میلان معتزلہ کی طرف تھا۔ صاحب بن عباد کے بارے میں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ شیعہ اثنا عشری ہے، مگر اس کے رسائل کے مضامین و مشمولات سے پتا چلتا ہے کہ وہ بھی فکری اعتبار سے اعتزال کی طرف مائل تھا۔ تاریخ میں صاحب کی ماں کا زیادہ تذکرہ نہیں ملتا، صرف ایک واقعے کا ذکر ہے کہ بچپن میں جب صاحب پڑھنے کے لیے مسجد جایا کرتا تھا، تو اس کی ماں اسے روزانہ ایک دینار اور ایک درہم دیا کرتی تھی اور کہتی تھی کہ گھر سے نکلنے کے بعد جس فقیر پر سب سے پہلے تمھاری نظر پڑے، اسے صدقہ کر دینا اور وہ روز ایسا ہی کیا کرتا تھا۔

#### 13.4.1 حصول علم اور عملی زندگی

صاحب بن عباد نے متعدد اساتذہ سے اکتساب علم کیا، مگر ان میں ابن العمید کا نام سب سے نمایاں ہے، خود صاحب بھی اپنے اساتذہ میں سے زیادہ تر اسی کا ذکر کرتا تھا، عموماً اپنی تحریروں میں اسے ”الاستاذ الرئيس“ کے لقب سے یاد کیا ہے۔ دوران حصول علم اسے واقعاً ابن العمید کی خصوصی توجہات حاصل رہیں، اس نے صاحب کی خوب حوصلہ افزائی کی یہاں تک کہ اصفہان میں اپنی امارت کے زمانے میں اسے مؤید الدولہ کا وزیر مقرر کر دیا اور وہیں سے صاحب کی سیاسی زندگی کا آغاز ہوا۔ مؤید الدولہ کی وفات کے بعد اس کے بھائی فخر الدولہ کا وزیر رہا۔ اس کی حیثیت بنو بویہ کی حکومت میں محض ایک ادیب کی نہ تھی؛ بلکہ وہ بادشاہ کا سکریٹری، ترجمان، وزیر اور امور مملکت کا منتظم و نگران بھی تھا اور اپنی ساری ذمے داریاں بحسن و خوبی انجام دیتا تھا؛ اسی وجہ سے ملوک بنو بویہ کے نزدیک اس کا بڑا مرتبہ تھا، سب اس کی عزت کرتے تھے، حتیٰ کہ یاقوت نے روایت کیا ہے کہ اگر کسی مسئلے میں صاحب کی رائے کچھ ہوتی اور بادشاہ فخر الدولہ کی رائے کچھ اور ہوتی، تو عمل صاحب بن عباد کی رائے پر کیا جاتا تھا۔

#### 13.4.2 مقبولیت و عظمت

اس حکومت میں دن بدن صاحب کی عظمت و منزلت بڑھتی گئی، حتیٰ کہ مملکت بویہ کے سرکاری کارندے، افسران اور وزرا اس کے دربار میں پہنچنے کے لیے اس کے گھر کے باہر قطار میں کھڑے رہتے تھے، جسے اندر داخل ہونے کی اجازت مل جاتی، وہ اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتا، گویا اس کی دنیا و آخرت دونوں بن گئی ہوں، صورت حال یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ جسے اندر داخل ہونے کی جازت ملتی، وہ گھر میں داخل ہونے کے بعد پہلے کئی بار زمین کو جھک کر بوسے دیتا، پھر صاحب کے سامنے جا کر بیٹھتا، اسی طرح جب لوٹتا، تو کئی بار زمین کو چومتا اور پھر واپس ہوتا، کہتے ہیں کہ مختلف ماہ و سال میں پانچ سو شعرا نے اس کے لیے مدحیہ قصائد لکھے۔ اسی طرح جب اس کا انتقال ہوا، تو پورا ”رے“ شہر بند کر دیا گیا، لوگ اس کے محل کے

سامنے جمع ہو گئے اور جب اس کا جنازہ گھر سے باہر نکلا، تو لوگوں نے اس کے جنازے کے سامنے جھک کر پہلے زمین کو چوما پھر مارے غم کے اپنے اپنے کپڑے پھاڑ لیے، سینہ کو پی کرنے اور چیخنے چلانے لگے اور اس کی تعزیت میں کئی شعرا نے نہایت غم انگیز مرثیے کہے۔

#### 13.4.3 بے مثال سخاوت و حسن اخلاق

اس کی اس غیر معمولی عظمت اور لوگوں میں مقبولیت کی وجہ اس کا بے مثال حسن اخلاق، عوام الناس کے ساتھ برتی جانے والی اس کی نرمی و مہربانی اور جود و عطا کی اس کی غیر معمولی صفت تھی۔ اس کا نظریہ یہ تھا کہ میرا گھر ہر شخص کی پناہ گاہ ہے، چاہے وہ میرا فادار ہو یا خائن و غدار۔ ایک واقعہ مشہور ہے کہ اس نے ایک بار شربت بنوایا اور جب پینے لگا، تو اس کے معتمد خاص نے کہا کہ اسے نہ پیئیں؛ کیوں کہ اس میں زہر ملا یا گیا ہے، تو صاحب نے کہا: تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے؟ تو اس نے کہا کہ: جس نے آپ کو یہ شربت پیش کیا ہے، اس پر تجربہ کر کے دیکھ لیں، تو اس نے کہا: میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا اور نہ میں اسے حلال سمجھتا ہوں، تو اس نے کہا کہ: پھر مرغی کو پلا کر دیکھ لیں، تو اس نے کہا کہ: کسی بھی حیوان کے ساتھ ایسا کرنا جائز ہے، پھر اس نے شربت کو پھینکنے کا حکم دیا، شربت بنانے والے کو بلایا اور اسے کہا کہ: تم میرے گھر سے نکل جاؤ، پھر کبھی ادھر نظر نہ آنا اور ساتھ ہی اس کا ماہانہ وظیفہ بھی مقرر کر دیا۔ اس کے دل میں مخصوص قسم کی نرمی و ہمدردی کے جذبات پائے جاتے تھے، وہ کہا کرتا تھا کہ: ہم دن میں بادشاہ ہیں اور رات میں بھائی۔ اسی طرح وہ مختلف مزاج بھی تھا اور اپنے ساتھیوں اور ملازموں کے ساتھ گھل مل کر رہتا تھا۔

اس کی بے مثال سخاوت کی وجہ سے دنیا کے مختلف خطوں کے اہل علم و ادب اس کے دربار میں حاضر ہوتے اور اپنے علم و فن کی قدر پاتے تھے۔ یاقوت حموی کی تاریخ میں ہے کہ وہ علماء، ادبا اور اشراف پر سال بھر میں ایک لاکھ دینار خرچ کرتا تھا۔ ثعالبی نے لکھا ہے کہ: ”علماء، اصحاب فضل و کمال و شعرا نے اس کے گرد دائرہ بنا رکھا تھا“۔ وہ سبھوں کو ان کے علمی و ادبی و مرتبہ و مقام کے مطابق نوازتا تھا اور چوں کہ وہ خود اعلیٰ درجے کا ادیب، عالم و فاضل اور دانشور تھا؛ اس لیے اس سلسلے میں کسی قسم کی جانب داری یا تعصب کو برداشت نہیں کرتا تھا۔ حالاں کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے تھے، جنہیں نہیں نوازا جاتا یا انھیں لگتا کہ ان کی صلاحیت کے مطابق ان کے ساتھ برتاؤ نہیں کیا گیا، تو ایسے لوگ صاحب کے پاس سے نکل کر اس کی برائیاں بیان کیا کرتے تھے، انہی میں سے ایک ابو حیان توحیدی بھی تھا، جسے ادیب الفلاسفہ اور فیلسوف الادب بھی کہا جاتا ہے، اسے صاحب بن عباد سے سخت بغض ہو گیا؛ چنانچہ اس نے صاحب اور اس کے استاذ ابن العمید دونوں کو لپیٹا اور ”أخلاق الوزیرین“ لکھ دی، اس کے علاوہ اپنی دیگر کتابوں میں بھی صاحب بن عباد کے خلاف برا بھلا لکھتا رہا۔

#### 13.4.4 علمی و ادبی مقام

اس سب کے ساتھ صاحب کا اپنا علمی و ادبی مقام و مرتبہ نہایت بالا بلند تھا، اس نے امور مملکت سنبھالنے کے باوجود اپنے پیچھے بہت سی تصنیفات و تالیفات چھوڑیں، جن سے اس کی جلالت علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسے کتابوں سے بے پناہ محبت تھی، اپنے کتب خانے پر وہ خاص توجہ

دیتا تھا اور نئی کتابوں کے صحیح ترین نسخے جمع کر کے رکھتا تھا۔ ابن الاثیر نے نقل کیا ہے کہ اس کے کتب خانے میں جو کتابیں تھیں، انھیں اٹھانے کے لیے چار سواونٹوں کی ضرورت پڑتی۔ ایک واقعہ مشہور ہے کہ سامانی بادشاہ نے اسے وزیر بنانے کی پیش کش کی، تو اس نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ میرے کتب خانے کو منتقل کرنے کے لیے چار سواونٹوں کی ضرورت ہوگی۔

#### 13.4.6 تصانیف

صاحب بن عباد کی تصانیف کی تعداد اچھی خاصی ہے، جس میں محیط نامی عربی لغت کے علاوہ الکشف عن مساوی المتنبی، الابانہ عن الامامة، القضاء والقدر، الفصول المہذبہ، الشواہد، عنوان المعارف فی التاريخ، الوزراء، اسماء اللہ وصفاته، جوہرۃ الجمہورۃ، الأعیاد، دیوان شعر اور دیوان رسائل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

#### 13.5 متن سبق کا ترجمہ

ساحل سمندر سے استاذ محترم صدر المدرسین کا خط موصول ہوا ہے، جس میں انھوں نے سمندر کے عجائبات، اس کی سطح پر چلنے والی سوار یوں، ہوا کی مرضی اور اس کے رُخ کی تعمیل کرنے والے اس کے آلات اور اس کی طاعت کرنے والی چیزوں اور اس میں سفر کرنے والے لوگوں کا ذکر کیا ہے، جنہیں انھوں نے دیکھا اور مشاہدہ کیا۔ انھوں نے تذکرہ کیا ہے کہ آس پاس خوف و دہشت اور موت منڈلا رہی تھی، کچھ لوگ مصیبت میں گرفتار ہو رہے تھے، تو کچھ بچ جا رہے تھے، روحیں نجات و ہلاکت کے مابین تھیں، جب وہ اپنی متوقع زبردست کمائی کے سلسلے میں سوچتے، تو سمندر کے خطرات انھیں معمولی لگنے لگتے اور جب انھیں اپنے مطلب کے بہت سے موتی نظر آتے، تو ہلاکت بھی انھیں محبوب لگنے لگتی۔ مجھے استاذ محترم کے خط سے یہ بھی معلوم ہوا کہ استاذ محترم کی یہ آرزو تھی کہ اس موقع پر میں ان کے پاس موجود ہوتا اور انھیں میری معاونت حاصل ہوتی۔ جو شخص میرے استاذ کے سمندر کا مشاہدہ کرے گا، جو فضل و کمال سے معمور ہے اور اس میں علم و ادب کی لہریں موج مار رہی ہیں، تو انھوں نے جو سمندر کا منظر بیان کیا ہے اس پر زمانے سے ناراض نہیں ہوگا۔ میرے نزدیک اس سمندر کی کوئی فضیلت نہیں ہے سوائے اس کے کہ میرے استاذ نے اس کے احوال کو بڑا جانا اور بتایا ہے اور اس کی ہولناکی کو عظیم محسوس کیا ہے، اسی طرح میری نگاہ میں اس سمندر کی کوئی قابل فخر خصوصیت یا کوئی جو ہر نفیس نہیں، سوائے اس کے میرے استاذ نے اس کا ذکر کیا ہے، کیوں کہ میں نے ان سے شیریں و صاف پانی حاصل کیا ہے، طوفان و ہنگامہ نہیں اور حرام جادو کو، حلال کو نہیں۔ مجھے پتا ہے کہ یہ لکھتے ہوئے انھیں اپنی وسعتِ علم کا احساس نہیں تھا، اگر ایسا ہوتا تو وہ دیکھتے کہ سمندر کا پانی تو بہت محدود ہے اور اس کی سیراب کرنے کی صلاحیت بہت کم ہے:

بہت سے پہاڑ ایسے ہیں کہ انھیں دیکھ کر تمہیں لگے گا تم ہی پہاڑ ہو اور بہت سے سمندر خود گواہ ہیں کہ تم ہی سمندر ہو۔

#### 13.6 لغوی تحقیق

شط البحر : ساحل سمندر  
عاین : دیکھنا (عاین، معاينة: مفاعلة)



مراکب (و) مرکب	:	سواری
أشباح (و) شبیح	:	سایہ، دور سے نظر آنے والی پرچھائیں، بلند و بالا دروازہ
الْمَمْنُون	:	موت
المکاسب الخطیئة	:	زبردست کمائی، بڑی حصولیابی
غُرر (و) غرة	:	موتی
غُرر	:	دھوکہ، ہلاکت
عتب علی	:	ناراضگی کا اظہار کرنا، فہمائش کرنا (نصر، ضرب)
أكبر	:	کسی چیز / انسان کو بڑا سمجھنا (أكبر، إکبار: افعال)
استعظم	:	کسی چیز / انسان کو عظیم سمجھنا (استعظم، استعظاما: استفعال)
الماء السلسال	:	شیریں پانی، عمدہ پانی
وشل	:	تھوڑا پانی / لگا تار برسنے والے قطرات / ابتدائی بارش
تبرّض	:	کم ہو جانا، ختم ہو جانا / تھوڑی چیز پر گدربسر کرنا / تھوڑا تھوڑا لینا (تبرض، تبرضا: تفعال)
ثَمَد (ج) اَثَماد	:	تھوڑا پانی، وہ جگہ جہاں پانی اکٹھا ہو جائے
ترشف	:	پانی پینا / گھونٹ لینا (ترشف، ترشفا: تفعال)

### 13.7 ادبی صنف کا تعارف

خطوط و رسائل کی اہمیت مسلم ہے، جہاں یہ رسائل ادبی حیثیت سے اپنا مقام و مرتبہ رکھتے ہیں، وہیں یہ نثر نگاری کا ایک اعلیٰ و ارفع نمونہ ہوتے ہیں، یہ رسائل شخصی اور خوانی بھی ہوتے ہیں اور تاریخی اور دیوانی بھی اور علمی بھی، تمام جہات اور مختلف پہلوؤں پر ان کے مشتمل ہونے کی وجہ سے شخصیت کا تعارف اور اس کے مقام و مرتبہ، اس کی علمی لیاقت و صلاحیت، اس کی تحریر و نگارش سے واقفیت حاصل ہوتی ہے، مختلف اصناف، تعزیت، تہنیت اور مبارک بادی وغیرہ پر جہاں یہ مشتمل ہوتے ہیں اور خصوصاً دیوانی رسائل کے ذریعہ اس دور کے بادشاہوں کے احوال اور ان کے طرز حیات اور ان کے رعایا کے ساتھ سلوک اور ان کی ذوقی ادبی کا بھی پتہ چلتا ہے، اس علاقہ کی تاریخ، جغرافیہ وغیرہ سے واقفیت حاصل ہوتی ہے اور علمی رسائل میں مختلف علوم اور فنون پر واقفیت حاصل ہوتی ہے، اس طرح یہ رسائل اور خطوط عربی ادب کا ایک شاہکار اور نمونہ اور معلومات کا گنج گراںمایہ ہونے کے ساتھ ساتھ، یہ عربی ادب و نثر نگاری کا ایک اعلیٰ و ارفع نمونہ بھی ہوتے ہیں۔

#### 13.7.1 صنف کی ہیئت و صورت

صاحب بن عباد کے خطوط و رسائل نہایت دلچسپ اور مختلف پہلوؤں اور گھریلو خطوط، تہنیت، تبریک، تعزیت کے ساتھ ساتھ، دیوانی خطوط کو بھی حاوی ہیں، یہ مجموعہ رسائل صاحب بن عباد سے مشہور ہے، جس کو عبد الوہاب بن عزام اور شوقی ضیف نے جمع کیا ہے، اس میں بے شمار دیوانی

خطوط ہیں، ان رسائل کی ہیئت اور ان کی اصناف یہ ہیں کہ ایک طرف تو یہ ادبی حیثیت رکھتے ہیں اور دوسری طرف تاریخی حیثیت کے بھی حامل ہوتے ہیں، تاریخی اہمیت اس طرح ہے کہ ان خطوط کے ذریعہ آل بویہ جس کا یہ وزیر اور حکمران تھا اس میں بہت ساری جنگوں، حکمرانوں، قائدین اور قاضیوں وغیرہ کا تذکرہ شامل ہے، اس کے ذریعہ اس دور کے عام معاشرے بادشاہوں کے عوام کے ساتھ سلوک اور برتاؤ کی بھی منظر کشی ہوتی ہے۔ ادبی اعتبار سے صاحب کے خطوط میں مخصوص قسم کی شیرینی اور جاذبیت پائی جاتی ہے۔ بسا اوقات وہ مسجع مقفی عبارت پر بھی زور دیتا ہے۔ زبان و الفاظ پر اس کی قدرت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے بعض نہایت خشک اور سرکاری کام کاج سے تعلق رکھنے والے موضوع پر خط لکھتے ہوئے بھی زبان کی حلاوت اور انداز و اسلوب کی عمدگی و خوبصورتی کو قائم رکھا ہے۔

### 13.8 متن سبق کا موضوع

مذکورہ بالا خط صاحب بن عباد نے اپنے استاذ ابن العمید کے ایک خط کے جواب میں لکھا ہے۔ ابن العمید نے اس خط میں ایک سمندر کی منظر کشی کی تھی اور سمندری سفر کی ہولناکیوں، سمندری ہوا اور سمندر میں غوطے لگا کر موتیاں ڈھونڈنے والوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی جانوں کو درپیش خطرات کی نشان دہی کی تھی۔ مجموعی طور پر ابن العمید نے اپنے اس خط میں سمندر کی ہیئت ناک، اس کی عظمت اور اس کی ہولناکی کا نقشہ کھینچا تھا، اس کے جواب میں اس کے شاگرد صاحب بن عباد نے یہ لکھا ہے کہ سمندر کی عظمت تو کچھ بھی نہیں ہے؛ کیوں کہ اس سے زیادہ عظیم تو میرے استاذ کا علمی و ادبی سرمایہ ہے اور وسیع ہونے کے ساتھ مفید و نفع بخش بھی ہے، اُس سمندر میں ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے، مگر اس علمی سمندر کا سفر کرتے ہوئے یا اس سے استفادہ کرتے ہوئے ہلاکت یا نقصان کا کوئی اندیشہ نہیں، اس کے پانی میں طغیانی اور طوفان انگیزی نہیں، شیرینی اور حلاوت ہے اور اس کی وسعت اتنی زیادہ ہے کہ اس کے مقابلے میں سمندر کی وسعت کچھ بھی نہیں ہے۔

### 13.9 متن سبق کی توضیح و تشریح

۱۔ وَصَلَ كِتَابُ الْأَسْتَاذِ الرَّئِيسِ صَادِرًا عَنْ شَطْرِ الْبَحْرِ بِوصفٍ مَا شَاءَ انْشَادَ مِنْ عَجَائِبِهِ، وَعَايِنَ مِنْ مَرَاكِهٍ، وَرَأَى مِنْ طَاعِهِ أَلَاتِهَا لِلرِّيحِ كَيْفَ أَرَادَتْهَا، وَاسْتِجَابَةَ أَدْوَاتِهَا لَهَا مَتَى نَادَتْهَا، وَرُكُوبَ النَّاسِ أَشْبَاحَهَا، وَالْخَوْفُ بِمَرَأَى وَمَسْمَعٍ، وَالْمَنُونُ بِمَرْقَبٍ وَمَطْلَعٍ، وَالذَّهْرُ بَيْنَ أَخِذٍ وَتَرْكِ، وَالْأَرْوَاحُ بَيْنَ نَجَاةٍ وَهَلَكٍ، إِذَا أَفْكَرُوا فِي الْمَكَاسِبِ الْخَطِيرَةِ هَانَ عَلَيْهِمُ الْخَطَرُ، وَإِذَا لَاحَتْ لَهُمْ غُرُورُ الْمَطَالِبِ الْكَثِيرَةِ حَبَّبَ إِلَيْهِمُ الْعَزْرُ. وَعَرَفْتُ مَا قَالَهُ مِنْ تَمَنِّيهِ كَوْنِي عِنْدَ ذَلِكَ بِحَضْرَتِهِ، وَحُصُولِي عَلَى مُسَاعَدَتِهِ.

ساحل سمندر سے استاذ محترم صدر الاساتذہ کا خط موصول ہوا ہے، جس میں انھوں نے سمندر کے عجائبات، اس کی سطح پر چلنے والی سواریوں، ہوا کی مرضی کی تعمیل کرنے والے اس کے آلات اور اس کی طاعت کرنے والی چیزوں اور اس میں سفر کرنے والے لوگوں کا ذکر کیا ہے، جنھیں انھوں نے دیکھا اور مشاہدہ کیا۔ انھوں نے تذکرہ کیا ہے کہ آس پاس خوف و دہشت اور موت منڈلا رہی تھی، کچھ لوگ مصیبت میں گرفتار ہو رہے تھے، تو کچھ بچ جا رہے تھے، روحیں نجات و ہلاکت کے مابین تھیں، جب وہ اپنی متوقع زبردست کمائی کے سلسلے میں سوچتے، تو سمندر کے خطرات انھیں معمولی لگتے اور جب انھیں اپنے مطلب کے بہت سے موتی نظر آتے، تو ہلاکت بھی انھیں محبوب لگتی۔ مجھے اس خط سے یہ بھی معلوم

ہوا کہ استاذ محترم کی یہ آرزو تھی کہ میں ان کے پاس موجود ہوتا اور انہیں میری معاونت حاصل ہوتی۔

شط البحر: ساحل سمندر، شاهد، مشاہدہ: (مفاعلة): مشاہدہ کرنا دیکھنا، أشباح (و) شبح، سایہ۔ برأى ومسمع: آنکھوں اور کانوں کے سامنے۔ منون: موت۔ مرقب: انتظار، (رقب یرقب)، ہان بھون ہونا: (ن): آسان ہونا، لاح یلوح لوحا: ظاہر ہونا، (ن)، عاین: دیکھنا (عاین، معاین: مفاعلة)۔ مراکب (و) مرکب: سواری أشباح (و) شبح: سایہ، دور سے نظر آنے والی پرچھائیں، بلند و بالا دروازہ المنون: موت المکاسب الخطيرة: زبردست کمائی، بڑی حصولیابی، غرّز: موت، ہلاکت۔ غرّز (و) غرة: خوبصورتی / چہرے کا نکھار

۲۔ ومن رأى بحرَ الأستاذِ كيف يزخرُ بالفضلِ وتتلاطم فيه أمواجُ الأدبِ والعلمِ، لم يعتَبِ على الدهرِ فيما يفتيه من منظرِ البحرِ، ولا فضيلةَ عندي أعظمَ من إكبارِ الأستاذِ لأحواله، واستِعظامِه لأهوالِه، كما لا شيءٌ أبلغُ في مفاخرِه، وأنفُسُ في جواهرِه من وصفِ الأستاذِ له، فإنني قرأتُ منه المَاءَ السَّلْسَالَ، لا الزَّلْزَالَ، والسَّحْرَ الحَرَامَ، لا الحَلَالَ، وقد عَلِمْتُ أَنَّهُ كَتَبَ وَلَمَّا أَخْطَرَ بِفِكْرِهِ سَعَةً صَدْرِهِ، فَلَوْ فَعَلَ ذَلِكَ لَرَأَى الْبَحْرَ وَشَلًّا لَا يَفْضُلُ عَنِ التَّبَرُّضِ وَتَمَدًّا لَا يَكْثُرُ عَنِ التَّنَزُّفِ.

جو شخص میرے استاذ کے سمندر کا مشاہدہ کرے گا، جو فضل و کمال سے معمور ہے اور اس میں علم و ادب کی لہریں موج مار رہی ہیں جو انھوں نے سمندر کا منظر بیان کیا ہے اس پر زمانے سے ناراض نہیں ہوگا۔ میرے نزدیک اس سمندر کی کوئی فضیلت نہیں ہے سوائے اس کے کہ میرے استاذ نے اس کے احوال اور اس کی ہولناکی کو عظیم محسوس کیا ہے، اسی طرح میری نگاہ میں اس سمندر کی کوئی قابل فخر خصوصیت یا کوئی جو ہر نفس نہیں، سوائے اس کے میرے استاذ نے اس کا ذکر کیا ہے، کیوں کہ میں نے اس سے شیریں اور صاف پانی حاصل کیا ہے، طوفان و ہنگامہ نہیں اور جادو حرام ہے، حلال نہیں ہے۔ مجھے پتا ہے کہ یہ لکھتے ہوئے انھیں اپنی وسعت علم کا احساس نہیں تھا، اگر ایسا ہوتا، تو وہ دیکھتے کہ سمندر کا پانی تو بہت محدود ہے اور اس کی سیراب کرنے کی صلاحیت بہت کم ہے۔

يزخر: ٹھٹھٹھ مارنا (ف)۔ تتلاطم، حرکت پذیر ہونا، موجوں کا ٹکنا (التفاعل)۔ عتب علی: ناراضگی کا اظہار کرنا، فہمائش کرنا (نصر، ضرب)۔ اکبر: کسی چیز انسان کو بڑا سمجھنا (اکبر، إكبار: أفعال)۔ استعظم: کسی چیز انسان کو عظیم سمجھنا (استعظم، استعظما: استفعال)۔ الماء السلسال: شیریں پانی۔ وشل: تھوڑا پانی۔ تبرض: کم ہو جانا، ختم ہو جانا (تبرض، تبرضا: تفعّل)۔ ثمّد (ج) اثماد: تھوڑا پانی، وہ جگہ جہاں پانی اکٹھا ہو جائے۔ ترشف: پانی پینا۔

## 13.10 متن کی خصوصیات

- ۱۔ خطوط و رسائل کی اہمیت مسلم ہے، جہاں یہ رسائل ادبی حیثیت سے اپنا مقام و مرتبہ رکھتے ہیں، وہیں یہ نثر نگاری کا ایک اعلیٰ و ارفع نمونہ ہے، یہ رسائل شخصی اور اخوانی بھی ہوتے ہیں اور تاریخی اور دیوانی بھی اور علمی بھی، تمام جہات اور مختلف پہلوؤں پر ان کے مشتمل ہونے کی وجہ سے اس سے شخصیت کا تعارف اور اس کے مقام و مرتبہ، اس کی علمی لیاقت و صلاحیت، اس کی تحریر و نگارش سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔
- ۲۔ مختلف اصناف، تعزیت، تہنیت اور مبارک بادی وغیرہ پر جہاں یہ مشتمل ہوتے ہیں، یہ رسائل شخصی اور اخوانی کہلاتے ہیں۔

۳۔ خصوصاً دیوانی رسائل کے ذریعہ اس دور کے بادشاہوں کے احوال اور ان کے طرز حیات اور ان کے رعایا کے ساتھ سلوک اور ان کی ذوق ادبی کا بھی پتہ چلتا ہے۔

۴۔ اس علاقہ کی تاریخ، جغرافیہ وغیرہ سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔

۵۔ اور علمی رسائل میں مختلف علوم اور فنون پر واقفیت حاصل ہوتی ہے، اس طرح یہ رسائل اور خطوط عربی ادب کا ایک شاہکار اور نمونہ اور معلومات کا گنج کراما یہ ہونے کے ساتھ ساتھ، یہ عربی ادب و نثر نگاری کا ایک اعلیٰ وارفع نمونہ بھی ہوتے ہیں۔

۶۔ یہ مختصر اور مفید رسالہ استاد کے احترام اور ان علوم مرتبت اور شان کا اظہار کرتا ہے، جب استاد نے شاگرد کے سامنے سمندر وہاں خطرات، کشتیوں کے ہواؤں کے حوالے ہونا، جانوں کے لیے خطرہ اور لوگوں کے موتی و مونگے نکالنے کے جدوجہد وغیرہ کا شاگرد کے ساتھ ذکر کیا تو شاگرد استاد کے ذکر بحر کو ان کی علم بحر کے ذریعے تقابل کیا کہ استاد محترم کے علوم کا بحر اس میں صرف موتیاں اور صدف ہیں، شاگرد کے لیے علوم و فنون کے گنجینے ہیں، یہ بحر دراصل بحر علمی بحر بے کنار ہے، اس کی اتھاہ اور گہرائی کا انداز نہیں لگایا جاسکتا ہے، یہ بحر سلاسل ہے، بحر زلزل (حرکت پذیر) سمندر نہیں، یہ بحر حرام ہے، حلال نہیں، ورنہ تو استاد گرامی کے سامنے سمندر کی بھی کوئی حیثیت اور شان نہیں، اس لیے کہ سمندر کا پانی بھی بہر حال محدود ہے، اس کی سیراب کرنے کی صلاحیت بھی کم ہے، جب کہ میرے استاد محترم کے علم کا جو اتھاہ سمندر ہے، جس کی گہرائی گیرائی اور وسعت اور کشادگی کا اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا، اس لیے بہت سے پہاڑ کو دیکھ اور بہت سے سمندروں کو جو معنوی سمندری ہوتے ہیں، ان کو دیکھ کر ان کی علمی شموخ اور بلندی اور سمندر کی اتھاہ اور گہرائی و گیرائی کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔

### 13.11 اسلوبی خصوصیات

۱۔ صاحب بن عباد کی تحریر اور نگارش اور خصوصاً اپنی رسائل نگاری میں وہ نہایت چابک دست اور فصیح و بلیغ نظر آتا ہے، الفاظ صحیحہ کا استعمال، مضبوط بر موقع تراکیب کا استعمال، معنی اور لفظی ہر دو اعتبار سے نہایت مضبوط بندش، محسنات لفظیہ اور معنویہ کے استعمال کے حوالے سے وہ نہایت ماہر نظر آتا ہے، اس لیے وزیر کی حیثیت سے اس کو وہ شہرت حاصل نہیں ہوئی جتنی شہرت اس کو ادیب و انشا پرداز اور رسالہ نگار کی حیثیت سے ہوئی ہے، الفاظ کی جادوگری میں اس کو ید طولی حاصل تھا، اس کے رسائل عربی ادب و تحریر کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔

۲۔ ابن العباد کے رسائل عربی ادب کے اعلیٰ نمونہ کی حیثیت رکھتے ہیں، جس طرح یہ مختلف الفاظ اور مترادفات اور تعبیرات و تراکیب کا استعمال کرتا ہے، اسی طرح اس کی تحریر مقفّع و مسجع بھی ہوتی ہے اور کئی بار مبتدا خبر کے درمیان، اسی طرح معطوف و معطوف علیہ کے درمیان ایک یا اس سے بھی زائد جملے حائل ہو جاتے ہیں اور اس طرح اس کا ایک جملہ بسا اوقات چار پانچ سطروں پر مشتمل ہوتا ہے، مگر وہ لفظوں کے انتخاب میں ایسا چابک دست ہے کہ قاری کو گرائی محسوس نہیں ہوتی۔

۳۔ ”وَصَلَ كِتَابُ الْأَسْتَاذِ الرَّئِيسِ صَادِرًا عَنْ شَطْرِ الْبَحْرِ بِوَصْفِ مَا شَاهَدَ مِنْ عَجَائِبِهِ، وَعَيْنٍ مِنْ مَرَآئِهِ، وَرَأَاهُ مِنْ طَاعَةِ آلَاتِهَا لِلزِّيَاحِ كَيْفَ أَرَادَتْهَا، وَاسْتِجَابَةِ أَدْوَاتِهَا لَهَا مَتَى نَادَتْهَا، وَرُكُوبِ النَّاسِ أَشْبَاحَهَا، وَالْخَوْفِ بِمَرَأَى وَمَسْمَعٍ، وَالْمَنْوَنُ بِمَرْقَبٍ وَمَطْلَعٍ، وَالذَّهْرُ بَيْنَ أَخِيذٍ وَتَرْكِبٍ، وَالْأَرْوَاحُ بَيْنَ نَجَاقٍ وَهَلَكٍ“ اس جملہ کی ساخت پر غور کیجیے یہ سارا جملہ مکمل جار مجرور، صلہ موصول اور فعل

اور متعلقات سے مل کر اخیرش وصل کا متعلق بنتا ہے، جس میں کئی ایک جملے ہیں، جن میں الفاظ، تراکیب اور سجع بندی پائی جاتی ہے جیسے: ”کیف أَرَادَتْهَا، واستجابة أَدْوَاتِهَا لَهَا مَتْنِي نَادَتْهَا، وَكَوَبَ النَّاسُ أَشْبَاحَهَا، وَالْخَوْفُ بِمَرَأَى وَمَسْمَعٍ، وَالْمَنُونُ بِمَرْقَبٍ وَمَطْلَعٍ، وَالِدَّهْرُ بَيْنَ أَخْذٍ وَتَرْكِ، وَالْأَرْوَاحُ بَيْنَ نَجَاةٍ وَهَلَكٍ“ اس طرح اخیر میں جو الفاظ ہیں، والخوف بمرأى ومسمع، والمنون بمرقب ومطلع، والدهر، بین اخذ و ترکب، والأرواح بین نجاۃ وھلک " اس میں جہاں یہ چھوٹے چھوٹے مبتدا خبر پر مشتمل جملے ہیں، وہیں اس سجع بندی اور طباق کے اعلیٰ درجے پر ہیں اور یہ الفاظ "بمرأى ومسمع، وبمری ومطلع، أخذ و ترکیب، نجاۃ وھلک" یہ سب الفاظ لفظی تطابق رکھنے کے باوجود معنوی اعتبار سے ان میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

۴۔ وہ الفاظ کی بلند آہنگی کو باقی و برقرار رکھنے کے لیے غریب اور نامانوس الفاظ کا بھی استعمال کرتا ہے، یہ علم لغت پر گہری نظر رکھنے والا شخص تھا، اس کی تالیف بھی علم لغت کے تعلق سے بہت مشہور ہے اور دوسری طرف تاریخی حیثیت کے حامل بھی۔

"إِنِّي قَرَأْتُ مِنْهُ الْمَاءَ السَّلْسَالَ، لَا الزَّلْزَالَ، وَالسَّحَرَ الْحَرَامَ؛ لَا الْحَلَالَ، وَقَدْ عَلِمْتُ أَنَّهُ كَتَبَ وَلَمَّا أَخْطَرَ بِفِكْرِهِ سَعَةً صَدْرِهِ، فَلَوْ فَعَلَ ذَلِكَ لَرَأَى الْبَحْرَ وَشَلًّا لَا يَفْضُلُ عَنِ التَّبَرُّضِ وَثَمَدًا لَا يَكْثُرُ عَنِ التَّزْشِيفِ" اس عبارت پر بھی غور کیجیے، محسنات لفظیہ کے استعمال استعارہ کا اور تشبیہات کا بکثرت استعمال ہے "إِنِّي قَرَأْتُ مِنْهُ الْمَاءَ السَّلْسَالَ، لَا الزَّلْزَالَ، وَالسَّحَرَ الْحَرَامَ؛ لَا الْحَلَالَ" اس میں جہاں الفاظ میں تناسب، سجع بندی، طباق نظر آتا ہے، وہیں استعارہ اور تشبیہات کی بھی بھرمار ہے علم کو ماء سلسال سے، زلال سے نہیں، سحر حرام، حلال سے نہیں، تشبیہ دی جاری ہے، استعارہ اور کنایہ کی زبان علم کے لیے استعمال کی جا رہی ہے، دیکھیے "القلیل" کی جگہ ایک غیر مانوس لفظ "وشل" کا استعمال اور اسی طرح کم ہونے اور قلیل ہونے کے لیے "تبرض" کے لفظ کا برتنا، "الماء القلیل" کے لیے "ثمد" جیسے غیر مانوس لفظ کا استعمال یہ لغت اور زبان پر عبور اور قدرت اور بے شمار وسعت اور کشادگی پر دلالت کرتا ہے۔

## 13.12 اکتسابی نتائج

صاحب بن عباد کی رسالہ نگاری بھی بہت دلچسپ اور ادبی، علمی و تاریخی خوبیوں کی حامل ہے۔ مذکورہ بالا عبارت اس کے ایک خط کا اقتباس ہے، جو اس نے اپنے استاذ ابن العمید کے ایک خط کے جواب میں لکھا تھا۔ ابن العمید نے اسے ایک خط میں کسی سمندر کے مناظر کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے اس کی مختلف خصوصیات پر روشنی ڈالی تھی، جن میں بعض خوفناک، تو کچھ اچھی امید افزا بھی تھیں، ابن العمید نے لکھا تھا کہ سمندر کی سطح پر بڑی بڑی کشتیاں چلتی ہیں، مگر سب ہوا کے تابع ہوتی ہیں، ہوا موافق ہو تو کشتی ٹھیک چلتی ہے؛ لیکن اگر ہوا سرکش اور باغی ہو گئی تو کشتیاں تباہ ہو جاتی ہیں، اس طرح سمندری سفر کرنے والے لوگ مسلسل خوف و دہشت میں مبتلا رہتے ہیں، بعض دفعہ ان کے سامنے کچھ لوگ ڈوب کر ہلاک ہو جاتے، جب کہ کچھ لوگ بچ نکلتے ہیں، گویا اس جگہ ہر وقت موت و حیات کی کش مکش جاری رہتی ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جو موتیوں کی تلاش میں سمندر کی غواصی کرتے ہیں، اندیشہ تو انھیں بھی ہوتا ہے ہلاکت کا، مگر ان کے ذہن میں جو مقصد ہوتا ہے وہ اس اندیشے سے کہیں زیادہ عظیم ہوتا ہے؛ اس لیے وہ بے خوف و خطر سمندر میں ڈبکیاں لگاتے اور موتی نکالتے ہیں۔ اس کے جواب میں صاحب ابن عباد کچھ الگ خیالات کا اظہار کرتا ہے، اس کی علمیت اور ادبی امتیاز و کمال میں ابن العمید کا بہت بڑا کردار تھا، جس کی وجہ سے وہ اپنے استاذ سے بہت زیادہ متاثر تھا، خاص طور پر

ابن العمید کی علمی جلالت و برتری کا اس کے ذہن پر کچھ زیادہ ہی اثر تھا، اس خط میں بھی وہ اپنے اسی تاثر کو ظاہر کر رہا ہے، اس کے استاذ نے سمندر کی ظاہری طغیانی، ہولناکی اور عظمت کو بیان کیا تھا، مگر اس کا کہنا ہے کہ میرا استاذ علم و ادب کا سمندر ہے اور اس کے ذہن و دماغ میں معلومات کی لہریں جاری رہتی ہیں اور یہ سمندر اُس حقیقی سمندر سے کہیں زیادہ عظیم اور قابلِ فخر ہے، اس کے موتی، جواہرات اُس سمندر کے موتیوں سے زیادہ قیمتی ہیں، اِس کا پانی شیریں، شفاف و سبک ہے، ہنگامہ خیز و طوفان انگیز نہیں ہے۔ پھر وہ یہ بھی کہتا ہے کہ میرے استاذ نے اُس سمندر کی عظمت اس لیے بیان کی ہے کہ خود اپنی اہمیت اور عظمت کی طرف ان کا دھیان نہیں گیا، اگر انھیں اپنی عظمت کا دھیان ہوتا، تو انھیں محسوس ہوتا کہ سمندر کا پانی تو بہت کم اور چند قطرات کا مجموعہ ہے، جب کہ ان کے ذہن و دماغ میں جو علم و ادب کا سمندر ہے، وہ لامحدود ہے، اسی بات کو مزید واضح کرنے کے لیے اس نے ایک شعر نقل کیا ہے، جس میں شاعر کہتا ہے کہ بہت سے پہاڑ ایسے ہوتے ہیں کہ انھیں دیکھ کر تمھیں لگے گا کہ تم خود ہی پہاڑ ہو، اسی طرح بہت سے سمندروں کا مشاہدہ کر کے محسوس ہوگا کہ تم خود سمندر ہو۔

### 13.13 نمونے کے امتحانی سوالات

۱۔ درج ذیل عبارت پر اعراب لگائیے اور اس کا ترجمہ کیجیے۔

ومن رأى بحر الاستاذ كيف يزخر بالفضل وتتلاطم في أمواج الأدب والعلم؛ لم يعتب على الدهر فيما يفتيه من منظر البحر، ولا فضيلة عندي أعظم من إكبار الأستاذ لأحواله واستعظامه لأحواله، كما لا شيء أبلغ في مفاخره وأنفس في جواهره من وصف الأستاذ له، فإني قرأت منه الماء السلسال، لا الزلزال، والسحر الحرام، لا الحلال.

۲۔ درج ذیل عبارت کا بحوالہ متن تشریح و توضیح کیجیے۔

وصل كتاب الأستاذ الرئيس صادرًا عن شط البحر بوصف ما شاهد من عجائبه، وعاین من مراکبه وراه من طاعه آلاتها للرياح كيف أرادتھا، واستجابة أدواتها لها متى نادتھا، وركوب الناس أشباحها والخوف بمرأى ومسمع، والمنون بمرقب ومطلع، والدهر بين أخذ وترك، والأرواح بين نجاة وهلك.

۳۔ مندرجہ ذیل الفاظ کے معنی لکھیے:

شط البحر. إكبار. استعظام. مفاخر. الماء السلسال. عاین. غرر. غرر. وشل. ثمد.

۴۔ صاحب بن عباد کے حالات اور اس کے نگارشات پر روشنی ڈالیے۔

۵۔ "البحر" کا خلاصہ بیان کیجیے۔

۵۔ صنف کا تعارف اور اس کی ہیئت و صورت کو قلم بند کیجیے۔

۷۔ "البحر" کے متن کی خصوصیات اور اس کی اسلوب امتیازات کو تحریر کیجیے۔

---

### 13.14 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

---

- (۱) یتیمۃ الدھر فی محاسن أهل العصر : أبو منصور عبد الملك الثعالی
- (۲) رسائل الصاحب بن عباد : عبد الوهاب عزام، شوقی ضیف
- (۳) تاریخ الأدب العربی : أحمد حسن زیات
- (۴) تاریخ الأدب العربی : عمر فروخ

## اکائی 14: المقامة المضيرية از بدیع الزماں ہمدانی

اکائی کے اجزا

14.1	مقصد
14.2	تمہید
14.3	متن سبق
14.4	صاحب متن کا تعارف
14.4.1	اخلاق اور مذاق علمی
14.4.2	بدیع الزماں کے مقامات
14.5	متن کا ترجمہ
14.6	لغوی تحقیق
14.7	ادبی صنف کا تعارف
14.7.1	صنف کی ہیئت و صورت
14.8	متن سبق کا موضوع
14.9	متن کی توضیح و تشریح
14.9.1	الفاظ کی توضیح
14.10	متن کی خصوصیات
14.11	اسلوبی خصوصیات
14.12	اقتصادی نتائج
14.13	نمونے کے امتحانی سوالات
14.14	مطالعے کے لیے معاون کتابیں



اس اکائی کے مطالعہ سے طلبہ کو فن ”مقامات“ کا تعارف حاصل ہوگا، اس کی اہمیت سے واقف ہوں گے، عبارت خوانی کر سکیں گے، رموز و اوقاف جانیں گے، انہیں صاحب سبق کا تعارف حاصل ہوگا، متن کا ترجمہ کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگی، لغوی تحقیق کے ذریعہ ذخیرہ الفاظ میں اضافہ ہوگا، علاوہ ازیں طلبہ متن سبق کی اہمیت، موضوع، خصوصیات، اسلوبی خصوصیات اور فنی محاسن سے روشناس ہوں گے، نیز خلاصہ کلام کے ذریعہ مقامہ کی ادبی گتھیوں کو سمجھ سکیں گے، آخر میں طلبہ دیے گئے سوالات کے جوابات کو حل کر سکیں گے۔

ادب کی مختلف اصناف ہیں، دور عباسی میں ایسی نثری صنف وجود میں آئی جو اپنے اندر کئی خوبیوں کو رکھتی ہے، جس کے مطالعہ سے قاری الفاظ کے سمندر میں غوطہ زنی کرتا ہے اور ادبی جواہر سے مالا مال ہوتا ہے، تعبیرات اور فصاحت و بلاغت کے موتیوں کو حاصل کرتا ہے جس کے ذریعہ کلام میں ندرت اور اسلوب میں چاشنی پیدا ہوتی ہے، محسنات لفظیہ و معنویہ کے میدان میں اپنے جواہر ریزے بکھیرتا ہے، بدیع و بیان سے عبارت میں خوبصورتی اور دل کو موہ لینے والی کیفیت پیدا ہوتی ہے، وہ کوئی اور فن نہیں؛ بلکہ اُسے مقامہ کہا جاتا ہے۔

حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ هِشَامٍ قَالَ: كُنْتُ بِالْبَصْرَةِ، وَمَعِيَ أَبُو الْفَتْحِ الْإِسْكَانْدَرِيُّ رَجُلٌ الْفَصَاحَةُ يَدْعُوهَا فَتْحِيْبُهُ، وَابِلَاغَةُ يَأْمُرُهَا فَتَطْيِئُهُ، وَحَضَرْنَا مَعَهُ دَعْوَةَ بَعْضِ الثُّجَّارِ، فَقَدِمْتُ إِلَيْنَا مَضِيرَةً، ثُنْيِي عَلَى الْحَضَارَةِ، وَتَنَزَّجُرُ فِي الْغَضَارَةِ، وَتُوْذُنُ بِالسَّلَامَةِ، وَتَشْهَدُ لِمَعَاوِيَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ بِالْإِمَامَةِ، فِي قِصْعَةٍ نَزَلُ عَنْهَا الطَّرْفُ، وَيَمُوجُ فِيهَا الطَّرْفُ، فَلَمَّا أَخَذْتُ مِنَ الْخَوَانِ مَكَانَهَا، وَمِنْ الْقُلُوبِ أَوْطَانَهَا، قَامَ أَبُو الْفَتْحِ الْإِسْكَانْدَرِيُّ يُلْعِنُهَا وَصَاحِبَهَا، وَيَمْقُثُهَا وَآكِلَهَا، وَيَثْلُبُهَا وَطَائِبَهَا، وَظَنَنَاهُ يَمْرُحُ فَإِذَا الْأَمْرُ بِالصِّدِّ، وَإِذَا الْمِرَاحُ عَيْنُ الْجِدِّ، وَتَنَحَّى عَنِ الْخَوَانِ، وَتَرَكَ مُسَاعَدَةَ الْإِخْوَانِ، وَرَفَعْنَاهَا فَارْتَفَعَتْ مَعَهَا الْقُلُوبُ، وَسَافَرَتْ خَلْفَهَا الْعُيُونُ، وَتَحَلَّبَتْ لَهَا الْأَفْوَاهُ، وَتَلَمَّظَتْ لَهَا الشِّفَاهُ، وَاتَّقَدَّتْ لَهَا الْأَكْبَادُ، وَمَضَى فِي إِثْرِهَا الْفُؤَادُ، وَلَكِنَّا سَاعَدْنَاهُ عَلَى هَجْرِهَا، وَسَأَلْنَاهُ عَنْ أَمْرِهَا، فَقَالَ: قِصَّتِي مَعَهَا أَطْوَلُ مِنْ مِصْبِيتِي فِيهَا، وَلَوْ حَدَّثْتُكُمْ بِهَا لَمْ أَمِنْ الْمَقْتِ، وَإِضَاعَةَ الْوَقْتِ -

قُلْنَا: هَاتِ: قَالَ: دَعَانِي بَعْضُ الثُّجَّارِ إِلَى مَضِيرَةٍ وَأَنَا بِبَغْدَادَ، وَلَزِمَنِي مُلَازِمَةٌ الْغَرِيمِ، وَالْكَلْبُ لِأَصْحَابِ الرِّقِيمِ، إِلَى أَنْ أَجْبَنَ إِلَيْهَا، وَقُمْنَا فَجَعَلَ طُولَ الطَّرِيقِ يَشْنِي عَلَيَّ رُوحَتَهُ، وَيَقْدِيهَا بِمُهْجَتِهِ، وَيَصِفُ حَدْقَهَا فِي صُنْعَتِهَا، وَتَأْتِقُهَا فِي طَبِخِهَا وَيَقُولُ: يَا مَوْلَايَ لَوْ رَأَيْتَهَا، وَالْخَرْقَةَ فِي وَسْطِهَا، وَهِيَ تَدُورُ فِي الدُّورِ، مِنَ التَّنَوُّرِ إِلَى الْقُدُورِ وَمِنَ الْقُدُورِ إِلَى التَّنَوُّرِ تَنْفُثُ فِيهَا النَّارَ، وَتَدُقُّ بِيَدَيْهَا الْأَبْزَارَ، وَلَوْ رَأَيْتَ الدُّخَانَ وَقَدْ غَبَرَ فِي ذَلِكَ الْوَجْهَ الْجَمِيلِ، وَآثَرَ فِي ذَلِكَ الْحَدِّ الصَّقِيلِ، لَرَأَيْتَ مَنْظَرَ اتِّحَازِ فِيهِ الْعُيُونِ: وَأَنَا أَعْشَقُهَا لِأَنَّهَا نَعَشَقْنِي، وَمِنْ سَعَادَةِ الْمَرْءِ أَنْ يُزَرَاقَ الْمُسَاعَدَةَ مِنْ حَلِيلَتِهِ، وَأَنْ يَسْعَدَ بِطَعْنَتِهِ، وَلَا سَيِّمًا إِذَا كَانَتْ مِنْ طِينَتِهِ، وَهِيَ ابْنَةُ عَمِّي لَحَا، طِينَتُهَا طِينَتِي، وَمَدِينَتُهَا مَدِينَتِي، وَعُمُومَتُهَا عُمُومَتِي، وَأَرْوَمَتُهَا أَرْوَمَتِي، لَكِنَّا أَوْسَعُ مِنِّي خُلُقًا، وَأَحْسَنُ خُلُقًا وَصَدَعَنِي بِصِفَاتِ رُوحَتِهِ، حَتَّى انْتَهَيْنَا إِلَى مَحَلَّتِهَا.

ثُمَّ قَالَ: يَا مُوْلَايَ تَرَى هَذِهِ الْمَحَلَّةَ؟ هِيَ أَشْرَفُ مَحَالٍ بِغَدَادٍ، يَتَنَافَسُ الْأَخْيَارُ فِي نُزُولِهَا، وَيَتَعَايَرُ الْكِبَارُ فِي حُلُولِهَا، ثُمَّ لَا يَسْكُنُهَا غَيْرُ التَّجَارِ، وَإِنَّمَا الْمَرْءُ بِالْجَارِ وَدَارِي فِي السَّيْطَةِ مِنْ قِلَادَتِهَا، وَالنُّقْطَةُ مِنْ دَائِرَتِهَا، كَمْ تَقْدَرُ يَا مُوْلَايَ أَنْفَقَ عَلَى كُلِّ دَارٍ مِنْهَا؟ قُلْهُ تَحْمِينًا إِنْ لَمْ تَعْرِفْهُ يَقِينًا، قُلْتُ: الْكَثِيرُ، فَقَالَ: يَا سُبْحَانَ اللَّهِ! مَا أَكْبَرَ هَذَا الْغَلَطَ! تَقُولُ الْكَثِيرَ فَقَطْ؟ وَتَنْفَسُ الصُّعْدَاءُ، وَقَالَ: سُبْحَانَ مَنْ يَعْلَمُ الْأَشْيَاءَ، وَانْتَهَيْنَا إِلَى بَابِ دَارِهِ، فَقَالَ: هَذِهِ دَارِي، كَمْ تَقْدَرُ يَا مُوْلَايَ أَنْفَقْتَ عَلَى هَذِهِ الطَّاقَةِ؟ أَنْفَقْتُ وَاللَّهِ عَلَيْهَا فَوْقَ الطَّاقَةِ، وَوَرَاءَ الْفَاقَةِ، كَيْفَ تَرَى صُنْعَتَهَا وَشَكْلَهَا؟ أَرَأَيْتَ بِاللَّهِ مِثْلَهَا؟ انْظُرْ إِلَى دَقَائِقِ الصَّنْعَةِ فِيهَا، وَتَأَمَّلْ حُسْنَ تَعْرِيجِهَا، فَكَأَنَّمَا خُطَّ بِالْبَزْكَارِ وَانْظُرْ إِلَى جَذْقِ النَّجَارِ فِي صُنْعَةِ هَذَا الْبَابِ، اتَّخَذَهُ مِنْ كَمْ؟ قُلْ: وَمِنْ أَيْنَ أَعْلَمُ، هُوَ سَاجٍ مِنْ قِطْعَةٍ وَاحِدَةٍ لَا مَازُوضَ وَلَا عَفْنَ، إِذَا حُرِّكَ أَنْ، وَإِذَا نَقِرَ طَنْ، مَنْ اتَّخَذَهُ يَا سَيِّدِي؟ اتَّخَذَهُ أَبُو إِسْحَاقَ بْنُ مُحَمَّدٍ الْبَصْرِيُّ، وَهُوَ وَاللَّهُ رَجُلٌ نَظِيفُ الْأَثْوَابِ، بَصِيرٌ بِصُنْعَةِ الْأَبْوَابِ خَفِيفُ الْيَدِ فِي الْعَمَلِ، لَهُ دُرٌّ ذَلِكَ الرَّجُلُ! بِحَيَاتِي لَا اسْتَعْنَتْ إِلَّا بِهِ عَلَى مِثْلِهِ، وَهَذِهِ الْحَلَقَةُ تَرَاهَا اشْتَرَيْتُهَا فِي سَوَاقِ الطَّرَائِفِ مِنْ عِمْرَانَ الطَّرَائِفِ بِثَلَاثَةِ دَنَانِيرٍ مُعَرِّيَةٍ، وَكَمْ فِيهَا يَا سَيِّدِي مِنَ الشَّبَهَةِ فِيهَا سِتَّةُ أَرْطَالٍ، وَهِيَ تَدُورُ بِلَوْلٍ فِي الْبَابِ، بِاللَّهِ دَوَّرَهَا، ثُمَّ انْفَرَّهَا وَأَبْصَرَهَا، وَبِحَيَاتِي عَلَيْكَ لَا اشْتَرَيْتَ الْحَلَقَ إِلَّا مِنْهُ، فَلَيْسَ يَبِيعُ إِلَّا الْأَعْلَاقَ.

ثُمَّ قَرَعَ الْبَابَ وَدَخَلْنَا الدَّهْلِينَ، وَقَالَ: عَمَرَكَ اللَّهُ يَا دَارَ وَلَا خَرَبَكَ يَا جِدَارَ، فَمَا أَمْتَنَ حِيطَانُكَ، وَأَوْثَقَ بُنْيَانُكَ، وَأَقْوَى أَسَاسُكَ، تَأَمَّلْ بِاللَّهِ مَعَارِجَهَا، وَتَبَيَّنْ دَوَاجِلَهَا وَخَوَارِجَهَا، وَسَلَّنِي: كَيْفَ حَصَلَتْهَا؟ وَكَمْ مِنْ حِيلَةٍ اخْتَلَتْهَا، حَتَّى عَقَدَتْهَا؟ كَانَ لِي جَارٌ يُكْنَى أَبَا سَلِيمَانَ يَسْكُنُ هَذِهِ الْمَحَلَّةَ، وَلَهُ مِنَ الْمَالِ مَا لَا يَسْغُهُ الْخَزْنُ، وَمِنْ الصَّامِتِ مَا لَا يَخْضَرُهُ الْوَزْنُ، مَاتَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَخَلَفَ خَلْفًا أَتْلَفَهُ بَيْنَ الْخَمْرِ وَالزَّمْرِ، وَمَرْقَهُ بَيْنَ التَّرْدِ وَالْقَمْرِ، وَأَشْفَقْتُ أَنْ يَسُوقَهُ قَائِدُ الْأَضْطِرَارِ، إِلَى بَيْعِ الدَّارِ، فَيَبِيعَهَا فِي أَثْنَاءِ الصَّجَرِ، أَوْ يَجْعَلَهَا غَرْصَةً لِلْخَطَرِ، ثُمَّ أَرَاهَا، وَقَدْ فَاتَتْنِي شِرَاهَا، فَاتَّقَطَّ عَلَيْهَا حَسَرَاتِي، إِلَى يَوْمِ الْمَمَاتِ، فَعِمِدْتُ إِلَى أَثْوَابِهَا لَأَنْبِضَ تِجَارَتِهَا فَحَمَلْتُهَا إِلَيْهِ، وَعَرَضْتُهَا عَلَيْهِ، وَسَاوَمْتُهُ عَلَى أَنْ يَشْتَرِيَهَا نَسِيئَةً، وَالْمُدَبِّرُ يَحْسِبُ النَّسِيئَةَ عَطِيَّةً، وَالْمُتَخَلِّفُ يَعْتَدُهَا هَدِيَّةً، وَسَأَلْتُهُ وَثِيقَةً بِأَصْلِ الْمَالِ، فَفَعَلَ وَعَقَدَهَا لِي، ثُمَّ تَعَاظَلْتُ عَنْ اقْتِصَائِهِ، حَتَّى كَادَتْ حَاشِيَةُ حَالِهِ تَرُقُ، فَاتَيْنُهُ فَاقْتَصَيْنَاهُ، وَاسْتَمَهَلَنِي فَأَنْظَرْتُهُ، وَالتَّمَسَّ غَيْرَهَا مِنَ الشِّيَابِ فَأَخْضَرْتُهُ، وَسَأَلْتُهُ أَنْ يَجْعَلَ دَارَهُ رَهْنَةً لَدَيَّ، وَوَثِيقَةً فِي يَدَيَّ، فَفَعَلَ، ثُمَّ دَرَجْتُهِ بِالْمَعَامَلَاتِ إِلَى بَيْعِهَا حَتَّى حَصَلْتُ لِي بِجِدِّ صَاعِدٍ، وَبَخْتٍ مُسَاعِدٍ، وَقُوَّةٍ مُسَاعِدٍ، وَزَبْ سَاعٍ لِقَاعِدٍ، وَأَنَا بِحَمْدِ اللَّهِ مُجْدُودٌ، وَفِي مِثْلِ هَذِهِ الْأَحْوَالِ مَحْمُودًا.

وَحَسْبُكَ يَا مُوْلَايَ أَنِّي كُنْتُ مِنْذُ لَيَالٍ نَائِمًا فِي الْبَيْتِ مَعَ مَنْ فِيهِ إِذْ قَرَعَ عَلَيْنَا الْبَابَ، فَقُلْتُ: مَنْ الطَّارِقُ الْمُتَنَابِ، فَإِذَا امْرَأَةٌ مَعَهَا عَقْدُ لَالٍ، فِي جِلْدَةِ مَاءٍ وَرِقَّةٍ أَلٍ، تَعْرِضُهُ لِلْبَيْعِ، فَأَخَذْتُ مِنْهَا إِخْذَةً خَلَسَ، وَاشْتَرَيْتُهُ بِثَمَنِ بَخْسٍ، وَسَيَكُونُ لَهُ نَفْعٌ ظَاهِرٌ، وَرَبْحٌ وَافِرٌ، يَعُونُ اللَّهُ تَعَالَى وَدَوْلَتِكَ، وَإِنَّمَا حَدَّثْتُكَ بِهَذَا الْحَدِيثِ لِتَعْلَمَ سَعَادَةَ جَدِّي فِي التِّجَارَةِ، وَالسَّعَادَةُ تُنْبِطُ الْمَاءَ مِنَ الْحِجَارَةِ، اللَّهُ أَكْبَرُ لَا يُنَبِّئُكَ أَصْدَقُ مِنْ نَفْسِكَ، وَلَا أَقْرَبُ مِنْ أَمْسِكَ، اشْتَرَيْتَ هَذَا الْحَصِيرَ فِي الْمَنَادَاتِ، وَقَدْ أَخْرَجَ مِنْ دُورِ الْفَرَاتِ، وَقَتِ الْمَصَادِرَاتِ، وَزَمَنِ الْغَارَاتِ وَكُنْتُ أَطْلُبُ مِثْلَهُ مِنْذُ الزَّمَنِ الْأَطْوَلِ فَلَا أَجِدُ، وَالْدَّهْرُ حُبْلَى لَيْسَ يَدُرُ بِمَا يِلْدُ، ثُمَّ اتَّفَقَ أَنِّي حَضَرْتُ بَابَ الطَّاقِ، وَهَذَا يُعْرَضُ بِالْأَسْوَاقِ، فَوَزَنْتُ فِيهِ كَذَا وَكَذَا دِينَارًا، تَأَمَّلْ بِاللَّهِ دِقَّتَهُ وَلِينَهُ، وَصُنْعَتَهُ وَلَوْنَهُ، فَهُوَ عَظِيمُ الْقَدْرِ، لَا يَقَعُ مِثْلُهُ

إِلَّا فِي النَّدْرِ، وَإِنْ كُنْتَ سَمِعْتَ بِأَبِي عَمْرَانَ الْحَصِيرِيِّ فَهُوَ عَمَلُهُ، وَلَهُ ابْنٌ يَخْلُفُهُ الْإِنْفِي حَانُوتِهِ لَا يُزْجَدُ أَغْلَاقُ الْحَضَرِ إِلَّا عِنْدَهُ؛ فَبِحَيَاتِي لَا اشْتَرَيْتَ الْحَضَرَ إِلَّا مِنْ دُكَانِهِ، فَالْمُؤْمِنُ نَاصِحٌ لِخَوَانِهِ، لَا سَيِّمًا مَنْ تَحَرَّمَ بِخَوَانِهِ.

وَنَعُودُ إِلَى حَدِيثِ الْمَضِيرَةِ، فَقَدْ حَانَ وَقْتُ الظَّهِيرَةِ، يَا غُلَامَ الطُّسْتِ وَالْمَاءَ فَقُلْتُ: اللَّهُ أَكْبَرُ، رَبِّمَا قُرْبَ الْفَرْجِ، وَسَهْلَ الْمَخْرَجِ، وَتَقَدَّمَ الْغُلَامُ، فَقَالَ: تَرَى هَذَا الْغُلَامَ؟ إِنَّهُ زَوْمِيًّا لِأَصْلٍ، عِرَاقِي النَّشْءِ. تَقَدَّمَ يَا غُلَامُ وَاحْسِرْ عَنْ رَأْسِكَ، وَشَمِرْ عَنْ سَاقِكَ، وَانْصُ عَنْ ذِرَاعِكَ، وَافْتَرَّ عَنْ أَسْنَانِكَ، وَأَقْبَلَ وَأَذْبَرَ، فَفَعَلَ الْغُلَامُ ذَلِكَ، وَقَالَ: التَّاجِرُ: بِاللَّهِ مَنْ اشْتَرَاهُ؟ اشْتَرَاهُ وَاللَّهِ أَبُو الْعَبَّاسِ، مِنَ النَّخَاسِ، ضَعِ الطُّسْتِ، وَهَاتِ الْإِبْرِيْقَ، فَوَضَعَهُ الْغُلَامُ، وَأَخَذَهُ التَّاجِرُ وَقَلْبَهُ وَأَدَارَ فِيهِ النَّظَرَ ثُمَّ تَقَرَّرَهُ، فَقَالَ: انْظُرْ إِلَى هَذَا الشَّيْءِ كَأَنَّهُ جَذْوَةٌ اللَّهَبِ، أَوْ قِطْعَةٌ مِنَ الذَّهَبِ، شَبَّهَ الشَّامِ، وَصَنَعَةُ الْعِرَاقِ، لَيْسَ مِنْ خُلُقَانِ الْأَعْلَاقِ، قَدْ عَرَفَ دُورَ الْمُلُوكِ وَدَارَهَا، تَأَمَّلْ حُسْنَهُ وَسَلْنِي مَتَى اشْتَرَيْتَهُ؟ اشْتَرَيْتُهُ وَاللَّهِ عَامَ الْمَجَاعَةِ، وَأَذْخَرْتُهُ لِهَذِهِ السَّاعَةِ، يَا غُلَامُ الْإِبْرِيْقَ، فَقَدَّمَهُ وَأَخَذَهُ التَّاجِرُ فَقَلْبَهُ ثُمَّ قَالَ وَأَنْبُوهُ مِنْهُ لَا يَصْلُحُ هَذَا الْإِبْرِيْقُ إِلَّا لِهَذَا الطُّسْتِ، وَلَا يَصْلُحُ هَذَا الطُّسْتُ إِلَّا مَعَ هَذَا الدَّسْتِ، وَلَا يَحْسُنُ هَذَا الدَّسْتُ إِلَّا فِي هَذَا الْبَيْتِ، وَلَا يَجْمَلُ هَذَا الْبَيْتُ إِلَّا مَعَ هَذَا الضَّيْفِ.

أَرْسَلَ الْمَاءَ يَا غُلَامُ، فَقَدْ حَانَ وَقْتُ الطَّعَامِ، بِاللَّهِ تَرَى هَذَا الْمَاءَ مَا أَصْفَاؤُهُ، أَرْزُقْ كَعَيْنِ السِّنُورِ، وَصَافٍ كَقَضِيبِ الْبِلُورِ، اسْتَقَى مِنَ الْفُرَاتِ، وَاسْتَعْمَلَ بَعْدَ الْبَيَاتِ، فَجَاءَ كِلْسَانِ الشَّمْعَةِ، فِي صَفَاءِ الدَّمْعَةِ، وَلَيْسَ الشَّانُ فِي السَّقَاءِ الشَّانُ فِي الْإِنَاءِ، لَا يَذُكُّ عَلَى نَظَافَةِ أَسْبَابِهِ، أَصْدَقُ مِنْ نَظَافَةِ شَرَابِهِ، وَهَذَا الْمُنْدِيلُ سَلْنِي عَنْ قِصَّتِهِ، فَهُوَ نَسْجُ جُرْجَانٍ، وَعَمَلُ أَرْجَانٍ، وَقَعَ إِلَيَّ فَاشْتَرَيْتُهُ، فَاتَّخَذْتُ أَمْرًا بَعْضُهُ سَرَاوِيلًا، وَاتَّخَذْتُ بَعْضُهُ مُنْدِيلًا، دَخَلَ فِي سَرَاوِيلِهَا عَشْرُونَ ذِرَاعًا، وَانْتَزَعْتُ مِنْ يَدِهَا هَذَا الْقَدْرَ انْتِزَاعًا، وَأَسْلَمْتُهُ إِلَى الْمُطْرَزِ حَتَّى صَنَعَهُ كَمَا تَرَاهُ وَطَرَزَهُ، ثُمَّ رَدَدْتُهُ مِنَ السُّوقِ، وَخَزَنْتُهُ فِي الصُّنْدُوقِ، وَأَذْخَرْتُهُ لِلظَّرَافِ، مِنَ الْأَضْيَافِ لَمْ تَذَلَّهُ عَرَبُ الْعَامِضَةِ بِأَيْدِيهَا، وَلَا النِّسَاءُ لِمَاقِيهَا، فَلِكُلِّ عَلَقٍ يَوْمٌ، وَلِكُلِّ آلَةٍ قَوْمٌ، يَا غُلَامُ الْخَوَانَ، فَقَدْ طَالَ الزَّمَانُ، وَالْقِصَاعُ، فَقَدْ طَالَ الْمِصَاعُ، وَالطَّعَامُ، فَقَدْ كَثُرَ الْكَلَامُ، فَآتَى الْغُلَامُ بِالْخَوَانَ، وَقَلْبَهُ التَّاجِرُ عَلَى الْمَكَانِ، وَتَقَرَّرَهُ بِالْبَنَانِ، وَعَجَمَهُ بِالْأَسْنَانِ، وَقَالَ: عَمَّرَ اللَّهُ بَعْدَادَ فَمَا أَجُودَ مَتَاعَهَا، وَأَطْرَفَ صُنَاعَهَا، تَأَمَّلْ بِاللَّهِ هَذَا الْخَوَانَ، وَانْظُرْ إِلَى عَرْضِ مَتْنِهِ، وَخَفَةِ وَرْنِهِ، وَصَلَابَةِ عُرْدِهِ، وَحُسْنِ شَكْلِهِ، فَقُلْتُ: هَذَا الشَّكْلُ، فَمَتَى الْأَكْلُ؟ فَقَالَ: الْآنَ، عَجَلْ يَا غُلَامَ الطَّعَامَ، لَكِنَّ الْخَوَانَ قَوَائِمُهُ مِنْهُ.

قَالَ أَبُو الْفَتْحِ الْإِسْكَانْدَرِيُّ فَجَاشَتْ نَفْسِي وَقُلْتُ قَدْ بَقِيَ الْخَبْزُ وَالْأَثَّةُ وَالْخُبْزُ وَصِفَائُهُ وَالْجَنْطَةُ مِنْ أَيْنَ اشْتَرَيْتَ أَضْلًا، وَكَيْفَ اكْتَرَى لَهَا حَمَلًا، وَفِي أَيِّ رَحَى طَحَنَ، وَاجَانَةِ عَجَنَ، وَأَيِّ تَنْوَرٍ سَجَرَ، وَخَبَازٍ اسْتَأْجَرَ، وَبَقِيَ الْحَطَبُ مِنْ أَيْنَ اخْتِطَبَ، وَمَتَى جَلِبَ؟ وَكَيْفَ صَقَّفَ حَتَّى جَفَّفَ؟ وَخَبَسَ، حَتَّى يَبَسَ، وَبَقِيَ الْخَبَازُ وَوَضْفُهُ، وَالتِّلْمِيذُ وَنَعْنُهُ، وَالدَّقِيقُ وَمَدْحُهُ، وَالْخَمِيرُ وَشَرُّهُ، وَالْمِلْحُ وَمَلَاخَتُهُ، وَبَقِيَتِ السُّكَّرُ جَاثٌ مَنِ اتَّخَذَهَا، وَكَيْفَ انْتَقَدَهَا، وَمَنِ اسْتَعْمَلَهَا؟ وَمَنْ عَمَلَهَا؟ وَالْخَلُّ كَيْفَ انْتَقَى عِنَبَهُ، أَوْ اشْتَرَى رُطْبَهُ، وَكَيْفَ صَهْرَجَتْ مَعْصَرَتُهُ؟ وَاسْتَخْلَصَ لُبَّهُ؟ وَكَيْفَ فَيَّرَ حَبَّهُ؟ وَكَمْ يَسَاوِي دَنُّهُ؟ وَبَقِيَ الْبَقْلُ كَيْفَ احْتِيلَ لَهُ حَتَّى قُطِفَ؟ وَفِي أَيِّ مَبْقَلَةٍ رَصِفَ؟ وَكَيْفَ ثَوَّقَ حَتَّى نُطِفَ؟ وَبَقِيَتِ الْمَضِيرَةُ كَيْفَ اشْتَرَى لَحْمَهَا؟ وَوَفِي شَحْمَهَا؟ وَنُصِبَتْ قِدْرُهَا، وَاجْبَحَتْ نَارُهَا، وَدُقَّتْ أَرَاوُهَا، حَتَّى أُجِيدَ طَبْخُهَا وَعُقِدَ مَرْفُهَا؟ وَهَذَا اخْطَبَ يَطْمُ، وَأَمْرٌ لَا يَتَمُّ.

فَقُمْتُ، فَقَالَ: أَيْنَ تُرِيدُ؟ فَقُلْتُ: حَاجَةً أَقْضِيهَا، فَقَالَ: يَا مُؤَلَّيْ تُرِيدُ كَيْفَا يُزْرِي بَرِّيعِي الْأَمِيرَ، وَخَرِيفِي الْوَزِيرَ، قَدْ خَصَّصَ أَعْلَاهُ، وَضَهَرَ جِ اسْفَلُهُ، وَسَطَّحَ سَفْفَهُ، وَفَرَشَتْ بِالْمَرْمَرِ أَرْضَهُ، يَزُلُّ عَنْ حَائِطِهِ الذَّرُّ فَلَا يَغْلُقُ، وَيَمْشِي عَلَى أَرْضِهِ الذُّبَابُ فَيَنْزِلُ، عَلَيْهِ بَابٌ غَيْرُهُ مِنْ خَلِيطِي سَاجٍ وَعَاجٍ، مُزْدَوَجِينَ أَحْسَنَ ازْدِوَاجٍ، يَتِمَنَّى الضَّيْفُ أَنْ يَأْكُلَ فِيهِ، فَقُلْتُ: كُلُّ أَنْتَ مِنْ هَذَا الْجَرَابِ، لَمْ يَكُنِ الْكَيْفُ فِي الْحِسَابِ، وَخَرَجْتُ نَحْوَ الْبَابِ، وَأَسْرَعْتُ فِي الدَّهَابِ، وَجَعَلْتُ أَغْدُو وَهُوَ يَتْبَعُنْشِي وَيَصِيحُ: يَا أَبَا الْفَتْحِ الْمَضِيرَ، وَظَنَّ الصَّبِيانُ أَنَّ الْمَضِيرَ لَقَبٌ لِي فَصَاخُوا صِيَاخَهُ، فَرَمَيْتُ أَحَدَهُمْ بِحَجَرٍ، مِنْ فَرَطِ الضَّحَرِ، فَلَقِيَ رَجُلَ الْحَجَرِ بِعِمَامَتِهِ، فَعَاصَ فِي هَامَتِهِ، فَأَخَذْتُ مِنَ التَّعَالِ بِمَا قَدَّمَ وَحَدْتُ، وَمِنَ الصَّفْعِ بِمَا طَابَ وَخَبْتُ، وَخَشِرْتُ إِلَى الْحَبْسِ، فَأَقُمْتُ عَامِينَ فِي ذَلِكَ النَّحْسِ، فَتَذَرْتُ أَنْ لَا أَكُلَ مَضِيرَةً مَا عَشْتُ، فَهَلْ أَنَا فِي ذَايَا أَهْلِ هَمْدَانَ ظَالِمٌ؟

قَالَ عِيْسَى بْنُ هِشَامٍ: فَقَبِلْنَا عُذْرَهُ، وَنَذَرْنَا نَذْرَهُ، وَقُلْنَا: قَدِيمًا جَنَّتِ الْمَضِيرَةُ عَلَى الْأَحْرَارِ، وَقَدَمَتِ الْأَزْدَلُ عَلَى الْأَخْيَارِ.

#### 14.4 صاحبِ متن کا تعارف

ابوالفضل احمد بن حسين بدیع الزمان ہمدان میں پیدا ہوا، وہیں نشوونما پائی۔ فارسی اور عربی میں مہارت کا ملہ حاصل کی۔ ہمدان کا کوئی ادیب ایسا نہیں تھا جس نے اس سے کسب فیض نہ کیا، پھر وہ ترک وطن کر کے صاحب بن عباد کے پاس چلا گیا۔ وہاں رہ کر اپنے علوم و معارف میں اضافہ کیا۔ پھر جرجان کا قصد کیا اور اکناف اسماعیلیہ میں رہا اور اپنے آپ کو ابوسعید محمد بن منصور کی خدمت میں وقف کر دیا۔ ۳۸۲ھ میں نیشاپور آ گیا جہاں اس کی قابلیت کے جوہر آشکارا ہوئے اور لوگوں میں اس کی شہرت عام ہوئی۔ وہاں اس نے چار سو مقالے املا کروائے، پھر ابوبکر خوارزمی سے مناظرہ ہوا جو اس سے عمر رسیدہ اور مشہور شخص تھا، شروع شروع میں ان کے مابین خط و کتابت کا سلسلہ رہا، پھر یہ بڑھتا گیا، بدیع کی جوانی، خوش بیانی اور خود نمائی نے اس کی مدد کی۔ اس نے ان خوبیوں کی بنا پر خوارزمی پر واضح برتری حاصل کی، اس کی تشہیر ہو گئی اور بادشاہوں اور امرا کے ہاں اس کی قدر و منزلت بہت بڑھ گئی اور اس کے حریف نے داعی اجل کو لبیک کہا تو اس کے لیے میدان صاف ہو گیا اور زمانہ اس کے لیے خوشگوار ہو گیا، پھر یہ ایران کے امرا سے داد و ہش طلب کرنے کے لیے شہر شہر پھرتا رہا یہاں تک کہ اس کے نصیب نے اسے ہرات میں پہنچایا، اس کا شمار وہاں کے معززین اور علما میں ہونے لگا، وہاں اس نے فارغ البالی اور خوشحالی کی زندگی بسر کی۔ اس کا انتقال ۳۹۸ھ میں ہوا۔

اس کی موت کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اسے زہر دے کر مارا گیا۔ بعض کا کہنا ہے کہ اس پر سکتہ طاری ہوا اور مردہ سمجھ کر جلدی دفن کر دیا گیا اور قبر میں اس کو ہوش آ گیا اور اس کی آواز بھی سنی گئی لوگوں نے قبر کھولی تو اسے قبر کی ہولناکی کی بنا پر دراڑھی پکڑے ہوئے مردہ پایا گیا۔

#### 14.4.1 اخلاق اور مذاق علمی

بدیع خوبصورت، تیز روح، خوش مذاق، زیرک اور ذہین تھا۔ اس کے متعلق تاریخ نگار لکھتے ہیں کہ وہ غیر معروف کتاب کے اوراق پر نگاہ ڈالتا، پھر وہ لفظوں کے ہیر پھیر کے بغیر حرف بحرف سنا دیتا۔ اگر اس سے کسی مشکل عنوان پر مضمون لکھنے کا مطالبہ کیا جاتا تو وہ اسی وقت بغیر سوچے مطلوبہ مضمون لکھ دیتا۔ بسا اوقات وہ مضمون کو آخری سطر سے شروع کر کے ابتدا پر لا کر ختم کرتا اور وہ لفظوں کے باہمی ربط اور عبارت کے سیاق و سباق

کا بہت خیال رکھتا اور وہ مطالبہ پر فارسی اشعار کا عربی اشعار میں ترجمہ کر دیتا جس میں انوکھا پن اور برجستگی پائی جاتی تھی۔

#### 14.4.2 بدیع الزماں کے مقامات

مقامات سے مراد وہ چھوٹی چھوٹی کہانیاں ہیں جن میں سے ہر ایک کسی ایسے واقعہ پر مشتمل ہوتی ہے جو عموماً ایک ہی مجلس میں سنا دی جاتی ہیں اور اس کے آخر میں کوئی نصیحت یا مزاح پائی جاتی ہے، مقامہ میں پہلی خوبی یہ ہوتی ہے کہ اس کی عبارت خوبصورت اور اسلوب دلکش ہوتا ہے، بدیع سب سے پہلا شخص ہے جس نے اس قسم میں جدت خیال پیدا کی، اس نے پہلے چالیس مقامے ۳۱۰ھ میں ابن درید کی زبان سے نقل کیے اور چار سو مقامے گداگری وغیرہ کے موضوعات پر لکھے، جنہیں ابوالفتح الاسکندری کی طرف منسوب کر کے عیسیٰ بن ہشام کی زبان سے کہلوائے، جن میں صرف تریپن (۵۳) مقامات مل سکے ہیں۔ اس کا اسلوب نہایت دلنشین اور دلچسپ ہے؛ لیکن کہانیوں کے اختصار اور سب کہانیوں میں ایک ہی خیال نے ان مقامات کو درجہ کمال سے گرا دیا ہے، مقامات کے علاوہ بدیع کا مجموعہ ”مکاتیب“ اور اس کی شاعری کا ایک دیوان ہے اور یہ دونوں شائع ہو چکے ہیں۔

#### 14.5 متن کا ترجمہ

عیسیٰ بن ہشام نے ہم سے بیان کیا اور کہا: میں بصرہ میں تھا اور میرے ساتھ ابوالفتح الاسکندری (بھی) تھا، وہ ایسا صاحب فصاحت تھا جب فصاحت کو دعوت دے تو وہ اسے قبول کر لے اور بلاغت کو حکم دے تو وہ اس کی مطیع بن جائے۔ ہم اس کے ہمراہ ایک تاجر کی دعوت میں شریک ہوئے۔ ہمارے سامنے مضیرہ (اکٹھے دودھ میں پکایا ہوا گوشت) پیش کیا گیا جو تہذیب و ثقافت کی ترجمانی کر رہا تھا۔ بڑے پیالے میں (زیادتی کی وجہ سے) حرکت پذیر تھا اور (کھانے والے کے لیے) اپنی سلامتی کی خبر دے رہا تھا اور (مختلف انواع کے کھانوں کے سلسلے میں) حضرت معاویہؓ کی امامت کی شہادت دے رہا تھا۔ ایک بڑے پیالے میں تھا جس سے آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں۔ وہ اپنے حسن ہیئت کے ساتھ پیالہ میں بے چین تھا۔ جب میں دسترخوان پر اپنی جگہ براجمان ہو گیا اور دلوں میں اس کی خواہش رچ بس گئی، (ایسے میں) ابوالفتح الاسکندری مضیرہ اور صاحب مضیرہ پر لعن طعن کرتا، اس پر اور اس کے کھانے والے پر برہمی کا اظہار کرتا۔ اس کو اور اس کے پکانے والے کو برا بھلا کہتا اٹھ کھڑا ہوا، وہ اسے اور اس کے پکانے والے کو عیب لگانے لگا، ہم نے سمجھا کہ وہ مذاق کر رہا ہے؛ لیکن معاملہ اس کے برعکس تھا، یہ مذاق (نہیں) حقیقت تھی۔ وہ دسترخوان سے اٹھ گیا اور ساتھیوں کی معاونت ترک کر دی۔ ہم نے اس (مضیرہ) کو اٹھایا اور اس کے ساتھ دل روٹھ گئے، آنکھیں اس کے پیچھے سفر کرنے لگیں (ملکی لگانے لگیں)، منہ میں پانی آنے لگا، ہونٹ چاٹے جانے لگے اور کلیجے جل گئے، دل گرفتہ ہو گئے؛ لیکن ہم نے اس کے فراق پر ابوالفتح کی مدد کیا۔

ہم نے اس سے اس معاملہ کے متعلق دریافت کیا، تو اس نے کہا کہ میرا قصہ اس بارے میں میری مصیبت سے بڑھ کر ہے اور اگر بیان کروں تو ناراضگی اور بربادی وقت کا اندیشہ دامن گیر ہے، ایک تاجر نے مجھے مضیرہ کی دعوت دی، میں شہر بغداد میں تھا، اس نے میرا قرض خواہ کی طرح اور اصحاب کھف کے کتے کی طرح چپچھا کیا، ہم اٹھے وہ راستہ بھرا اپنی بیوی کی تعریف کرتا رہا، اپنا دل و جان اس پر قربان کرتا رہا، اس کے کھانے پکانے میں مہارت اور کمال کا تذکرہ کرتا رہا اور کہتا تھا: میرے آقا، اگر آپ اس کو دیکھو گے تو اس کا کمر بند اس کی کمر پر ہوگا، وہ تنور سے ہانڈیوں تک اور ہانڈیوں سے تنور تک چکر لگاتی ہوگی، اپنے منہ آگ (چولہے) میں پھونکتی ہے اور اپنے ہاتھوں سے مسالے کوٹتی ہے، دھواں (بھی) اس حالت میں اس کے خوبصورت چہرے کو غبار آلود کر دیا ہوتا ہے اور اس کے چمکدار رخسار پر اثر انداز ہوتا ہے، تو (اس وقت) آپ کو ایک عجیب منظر نظر آئے گا،

جس سے آنکھیں حیرت میں پڑ جائیں گی، میں اس سے محبت اور عشق کرتا ہوں؛ اس لیے کہ وہ مجھ سے محبت اور عشق کرتی ہے اور انسان کی نیک بختی ہے کہ اس کو اس کے شوہر کی جانب سے مدد ملے اور اس کی بیوی کی جانب سے اس کو سعادت ملے، خصوصاً جب اسی کی خمیر سے ہو، وہ میری چچا زاد بہن ہے، اس کی خمیر میرے خمیر سے وابستہ ہے، اس کا شہر میرا شہر، اس کے چچا میرے چچا اور اس کی جڑ میری جڑ ہے، لیکن وہ مجھ سے زیادہ بااخلاق ہے اور بہت زیادہ خوبصورت ہے، اس نے کھل کر اپنی بیوی کی تعریف کی یہاں تک کہ ہم اس کے محلے پہنچے۔

اس نے کہا: میرے آقا! اس محلے کو دیکھو، یہ بغداد کے اشراف کا محلہ ہے، یہاں رہنے کے لیے بڑے بڑے لوگ مسابقت کرتے ہیں، اس میں بسنے کے لیے بڑے بڑے لوگ منافست اور مقابلہ کرتے ہیں، پھر یہاں سوائے تاجروں کے کوئی نہیں رہتا اور انسان اپنے ہمسایہ سے ہوتا ہے اور میرا گھر ہار کا بیچ کا دانہ اور اس کے دائرے کا نقطہ ہے، میرے آقا! اندازہ سے بتاؤ کہ اس گھر پر کتنا صرفہ آیا ہے، اندازے سے بتاؤ اگرچہ یقینی طور سے نہ بتا سکو، میں نے کہا: بہت زیادہ، اس نے کہا: یا سبحان اللہ! یہ کتنی بڑی غلط بات ہے، آپ صرف بہت زیادہ کہتے ہیں اور اونچی سانس لیا اور کہا: سبحان اللہ! چیزوں کو کون جانتا ہے، ہم اس کے گھر کے قریب پہنچے، اس نے کہا: یہ میرا گھر ہے، میں نے اس عمارت پر کتنا خرچ کیا ہوگا؟ واللہ اس پر میں نے طاقت سے زیادہ خرچ کیا ہے، فاقہ سے بڑھ کر، تم کو اس کی بناوٹ اور شکل کیسی نظر آرہی ہے؟ تو اللہ کے واسطے بتاؤ! کیا تم نے اس جیسی عمارت دیکھی ہے؟ تم اس کی نازک بناوٹ کو دیکھو اور اس کے جھکاؤ کے حسن کو دیکھو گویا پرکار سے بنایا گیا ہے اور بڑھئی کی مہارت اس کے دروازے کی بناوٹ میں دیکھو اسے میں نے کتنے میں بنایا ہوگا، میں نے کہا: میں کیسے جانوں گا؟ وہ سا گوان کا ایک ٹکڑا ہے نہ اسے دیمک کھا سکتی ہے نہ وہ سڑ سکتا ہے، جب ملے تو آواز کرتا ہے اور جب کھر چا جائے تو ٹن ٹن کرتا ہے، میرے آقا! اسے کس نے بنایا، ابواسحاق بن محمد بصری نے، اللہ کی قسم! وہ ایک نہایت صاف ستھرے کپڑوں کا حامل شخص ہے، دروازے بنانے میں ماہر اور ہنر میں یکتا ہے، اس کی خوبی اللہ ہی کے لیے ہے، میری حیات کی قسم! میں اس جیسے کام پر اسی سے مدد لیا اور یہ حلقہ آپ دیکھ رہے ہیں، میں اس کو نوادرات کے بازار سے عمران طرائفی سے تین معزی دینار پر خریدا ہے اور میرے آقا! اس میں کتنی پیتل ہے؟ اس میں چھ رطل ہے۔ دروازے کس کے قبضے پر پھرتا ہے؟ اللہ ہی اسے پھراتا ہے۔ تم اسے کھر چو اور تم پر میری حیات کی قسم! آپ بھی اس سے ہی خریدیں وہ نہایت نفیس اور اعلیٰ سامان بیچتا ہے، پھر اس نے دروازہ کھٹکھٹایا اور ہم اس کے دہلیز پر پہنچ گئے۔

اور کہا: اے مکان! اللہ تمہاری عمر دراز کرے اور اے دیوار! تجھے دیوار ویران نہ کرے، تمہاری دیواریں کتنی پائدار اور تمہاری بنیادیں کتنی مضبوط ہیں، اللہ عزوجل کے لیے اس کی سیڑھیوں پر غور کرو اور اس کے اندر باہر دیکھو اور مجھ سے پوچھو کہ اسے میں نے کیسے حاصل کیا؟ اور کتنی تدبیریں کیں؟ میرا ایک پڑوسی ہے، جس کی کنیت ابوسلمان ہے، محلے میں ہی رہتا ہے، اس کے پاس اتنا مال ہے کہ خزانے نہیں سمو سکتے اور اتنا سونا چاندی ہے کہ وزن نہیں کر سکتے، اللہ اس پر رحم کرے اس کی موت ہوئی اور اس نے اپنے پیچھے ناخلف جانشین چھوڑا اس نے اسے شراب اور موسیقی میں برباد کر دیا اور نزد اور جوئے میں پھاڑ (اڑا) دیا (لٹا دیا)، مجھے ڈر ہوا کہ کہیں لاچاری کا رہنما اس کو گھر بیچنے کی جانب/طرف ہانک دے (مجبور کر دے) اور تنگی میں اسے فروخت کر دے یا اسے کو خطرہ کا نشانہ بنا دے، پھر میں نے سوچا اور میں اس کے خریدنے سے رہ گیا، میں اس پر موت تک حسرت کرتا رہوں گا، میں نے ایسے کپڑوں کا ارادہ کیا جس کی تجارت میں نقصان نہیں، میں اس کے پاس لایا اور اس پر پیش کیا اور اس سے بھاؤ کیا کہ وہ اس کو ادھار خریدے اور بد نصیب ادھار کو عطیہ سمجھتا ہے اور پسماندہ حال اسے ہدیہ سمجھتا ہے، میں اس سے اس کے اصل مال کا ایک

وثیقہ طلب کیا اور اس نے یہ کام کیا، مجھ سے اس عقد کی تکمیل کی اور اس کے تقاضے سے لا پرواہ ہو گیا، یہاں تک اس کی حالت کا حاشیہ باریک ہو گیا، پھر اس کے پاس آیا اور اس کا تقاضا کیا، اس نے مجھ سے مہلت چاہی اور دوسرے کپڑے طلب کیے، میں نے اسے دے دیے، اس سے کہا کہ: اپنا مکان میرے پاس رہن رکھ دے اور میرے یہاں اس کو بطور ضمانت دے دے، اس نے ایسے ہی کیا، پھر میں نے معاملات کے ذریعہ اسے اس کو بیچنے کے قریب لایا، یہاں تک کہ پورے طور پر معاون نصیب اور قوت بازو سے وہ میرا ہو گیا اور بہت سے کوشاں بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں اور میں الحمد للہ ان تمام میں قابل تعریف اور خوش نصیب ثابت ہوا۔

میرے آقا! یہ بات آپ کے لیے کافی ہے کہ میں کچھ راتوں سے اس گھر میں اس کے ساز و سامان کے ساتھ سویا ہوں اور اے آقا! جب رات میں دروازہ کھٹکھٹایا گیا تو میں دریافت کیا: کون ہے؟ تو یکا یک وہ ایک عورت تھی جس کے ساتھ موتیوں کے ہار تھے اور جلد میں آب اور سراب کی رقت تھی، اسے بیچنے کے لیے پیش کر رہی تھی تو میں اس سے اسے چھپٹ لیا اور اسے میں نے معمولی قیمت میں خرید لیا، جلد اس کا نمایاں فائدہ اور بڑا نفع اللہ کی مدد اور آپ کی عزت کی وجہ سے حاصل ہوگا، میں نے یہ بات آپ سے اس لیے بتائی کہ آپ کو تجارت میں میری خوش بختی کا پتہ چل جائے خوش بختی پتھر سے پانی نکال دیتی ہے، اللہ اکبر، آپ سے یہ بات سب سے سچا اور سب سے قریبی شخص بھی نہیں بتا سکتا۔ یہ چٹائی میں نے نیلام میں خریدی، یہ آل فرات کے مکانوں سے جائداد کی ضبطی اور غارتوں کے زمانے میں برآمد ہوئی، میں اس جیسی چٹائی ایک طویل مدت سے ڈھونڈ رہا تھا اور مجھے نہیں مل رہی تھی، زمانہ حاملہ ہے پتہ نہیں کیا پیدا کر دے گا، پھر ایسا اتفاق ہوا کہ میں باب الطاق گیا، یہ بازاروں میں پیش کی جا رہی تھی تو میں اتنے اتنے دینار وزن کیے، اللہ کے واسطے اس کی نزاکت، نرمی اس کی بناوٹ اور رنگ پر غور کرو؟ اس لیے کہ یہ بہت بلند رتبہ کی حامل ہے، ایسی شاذ و نادر ہی ملتی ہے، اگرچہ میں نے ابو عمران چٹائی ساز سے سنا کہ یہ اسی کی کاریگری ہے، اس کا ایک بیٹا اس کی دکان میں اس کا جانشین ہے اور نفیس چٹائی صرف اسی کے پاس ملتی ہے، تو میری زندگی کی قسم! میں چٹائیاں اسی کے مکان سے خریدتا ہوں اور مومن اپنے بھائیوں کا خیر خواہ ہوتا ہے، خصوصاً جو اپنے اس کے دسترخوان پر ہو۔

اور ہم مضمرہ کی بات کی طرف لوٹ رہے ہیں: اس لیے کہ دوپہر کا وقت ہو گیا ہے، اے خادم! پلیٹ اور پانی لاؤ میں نے کہا: اللہ اکبر، چھٹکارا قریب ہوا، نکلتا آسان ہوا، خادم آیا تو کہا: آپ اس خادم کو دیکھ رہے ہیں، یہ نسلارومی اور اس کی پرورش و پرداخت عراقی ہے، اے خادم آؤ! اور اپنا سر کھولو اور اپنی پنڈلی کھولو اور اپنے بازو سے کپڑے ہٹاؤ اور اپنے دانت کھولو اور آگے پیچھے چلو، خادم نے ایسا ہی کیا، تاجر نے کہا: اے خدا! اسے کس نے خریدا! اللہ کی قسم اسے ابو العباس نے خریدا ہے، طشت رکھ دو، لوٹا لاؤ، خادم نے اسے رکھ دیا، تاجر نے اسے لے لیا اور پلٹا اور اس پر نظر ڈالی، پھر اسے کریدا اور کہا، اس پیتل کو دیکھو، جیسے شعلے کا ٹکڑا یا سونے کا ٹکڑا ہو، شام کا پیتل اور عراق کی صنعت ہے، یہ پرانا عمدہ سامان نہیں، جس کو بادشاہوں کے گھروں میں استعمال کیا گیا ہو، اس کے حسن پر غور کرو اور مجھ سے پوچھو میں اسے کہاں سے خریدا ہے؟ بخدا اسے میں نے بھکری اور قوط کے سال خریدا ہے، اس وقت کے لیے ذخیرہ کر رکھا ہے، اے خادم لوٹا لاؤ اور اس نے پیش کیا اور تاجر نے اسے لیا اور پلٹا، پھر کہا: اس کی ٹوٹی بھی (اسی پیتل کی ہے) یہ لوٹا اسی طشت کے قابل ہے اور یہ طشت اسی صدر مجلس کے قابل ہے اور یہ صدر مجلس اسی مکان میں اچھی لگتی ہے اور یہ مکان اسی مہمان کے وجود سے اچھا لگتا ہے، اے خادم! پانی چھوڑ دو، کھانے کا وقت ہو گیا ہے، بخدا آپ اس پانی کو دیکھ رہے ہیں؟ کتنا صاف اور بلی کی آنکھوں کے مانند نیلگوں ہے اور شیشے کے چھتری کی طرح فرات سے بھرا ہوا ہے، رات کے گزرنے کے بعد اس کا استعمال کیا گیا (صفائی کے بعد)؛

اس لیے موم بتی کی لوور صفائی میں آنسو کے مانند ہو گیا، ساقی میں کوئی کمال نہیں۔ خوبی میرے برتن میں ہے، یہ ضروری نہیں کہ میں تم کو اس کے صفائی کے اسباب بیان کروں جو اس کے پینے سے زیادہ جگ ظاہر (صادق) ہے اس رومال کا قصہ مجھ سے پوچھو، یہ جرجان کا بنا ہوا ہے اور ”ارجان“ کا کام ہے، میری حصہ میں آیا تو میں نے اسے خرید لیا، کچھ (حصہ سے) میری بیوی نے پا جامہ بنایا اور کچھ کا رومال اور اس کے پا جامہ میں بیس گز لگا اور میں نے خود سے باقی حصہ کو اس سے لے لیا اور میں نے اس کو کشیدہ کار کے حوالے کیا تو اس نے تیار کیا، جیسا آپ اس کی نقش و نگاری کو دیکھ رہے ہیں، پھر میں نے اسے بازار سے واپس لایا، اسے صندوق میں رکھا، اس کو اچھے انداز سے مہمانوں کے لیے رکھ دیا، اسے عام عربوں ہاتھوں سے پامال (استعمال) نہیں کیا اور نہ عورتوں نے اپنے آنکھوں کے کناروں کو پونچھا، اس لیے کہ ہر عمدہ چیز کا ایک دن اور ہر سامان کے لیے ایک قوم ہے (جو اسے استعمال کے قابل ہو)۔ اے خادم! دسترخوان لگاؤ؛ کیوں کہ وقت بہت ہو چکا ہے اور پیالے (لگاؤ) کیوں کہ بحث و مباحثہ بہت ہو گیا اور کھانا لگاؤ کیوں کہ بات لمبی ہو گئی، غلام دسترخوان لایا اور اسے تاجر نے اسی جگہ پلٹا اور اسے انگلیوں کے پوروں سے کریدا اور دانتوں سے چبایا اور کہا: اللہ بغداد کی عمر دراز کرے، اس کا سامان کتنا عمدہ اور اس کی صنعت کتنی ظریف ہے، اللہ کی قسم اس دسترخوان پر غور تو کیجیے اور اس کی پشت کی چوڑائی اور اس کے وزن کی خفت اور اس کی لکڑی کی سختی اور اس کی شکل کی خوبصورتی کو تو دیکھیے، میں نے کہا: یہ شکل (ٹھیک ہے) کھانا کب؟ اس نے کہا: ابھی۔ اس نے کہا: خادم! کھانا جلد لگاؤ؛ لیکن دسترخوان کے پائے اسی کے ہیں (یعنی پورا دسترخوان، ٹیبل اور اس کے پائے)۔

ابو الفتح نے کہا: تو میرا نفس بھڑک اٹھا، میں نے سوچا روٹی اور اس کے سامان اور اس کی خوبیاں رہ گئیں، گیہوں کہاں سے خریدا گیا اور اس کے لادنے کا کرایہ کیسے دیا اور کس پکی میں پیسا گیا، لگن میں گوندھا گیا اور کس تنور میں تیار ہوئی اور نان بائی نے کتنی اجرت لی اور لکڑی کہاں سے آئی اور کب آئی اور کیسے رکھی گئی، کیسے خشک ہو گئی اور سوکھ گئی؟ نان بائی اور اس کی تعریف رہ گئی، اس کے شاگرد اور اس کی صنعت اور آٹا اور اس کی تعریف اور خمیرہ اور اس کی وضاحت اور نمک اور اس کی نمکینیت اور پلیٹ اور جس نے اسے بنایا اور کیسے اسے لیا اور کس نے اسے استعمال کیا اور کس نے اس سے کام لیا، سرکہ کیسے اپنے انگور سے نچوڑا گیا یا تازہ انگور خریدا گیا اور کیسے اس کا رس آمیز کیا گیا اور اس کا تخم نکالا گیا اور کیسے اس کا برتن دغا گیا اور اس کے مٹکے (گھڑے) کی قیمت تھی، سبزیاں تو کیسے توڑی گئیں اور کس ترتیب سے رکھی گئیں اور کیسے خوبصورتی سے صاف کی گئیں اور رہا مضیرہ تو اس کا گوشت کیسے خریدا گیا اور چربیاں بھر پور ہیں اور اس کی ہانڈی چڑھائی گئی، کیسے اس کے لیے آگ سلگائی گئی، کیسے اس کے مسالے کو کوٹا گیا، اس کو عمدہ پکا یا گیا اور اس کا شوربہ گاڑھا کیا گیا، یہ اہم چیزیں اور یہ ایسا معاملہ ہے جو مکمل نہیں ہوگا۔ پھر میں اٹھ گیا، اس نے کہا، کہاں کا قصد ہے؟ میں کہا: ضرورت کے لیے جا رہا ہوں، اس نے کہا: آقا تم ایسے چاہتے ہو جو امیر کے موسم بہار، وزیر کی موسم خریف کو بھی مات دے (یعنی امیر اور موسم بہار اور موسم خریف میں جنگل میں جو خوبصورت بیت الخلا بناتے ہیں)، اس کے اوپر اور نیچے چوہنے کا گلا وہ کیا ہوا اور اس کے چھت کے نیچے سے زمین تک سنگ مرمر بچھا ہو، اس کی دیوار سے چیونٹی سرک جاتی ہو اور لٹک نہ پاتی ہو، اس کی زمین پر کھیاں چلیں تو پھسل جائیں اور اس کے دروازے کے دونوں بازو سا گوان اور ہاتھی کے دانت سے مل کر بنے ہوں اور اچھی طرح جوڑے ہوئے ہوں، مہمان اس میں بیٹھ کر کھانے کی تمنا کرے، میں نے کہا: تم اس تھیلے سے کھاؤ، بیت الخلا حساب کا حساب چھوڑ دو اور میں دروازے کی طرف نکل گیا اور تیزی سے چلا گیا، میں تیزی سے چلنے لگا تو وہ میرا پیچھا کرتا چلا آ رہا تھا، اے ابو الفتح، مضیرہ! بچوں نے سمجھا کہ مضیرہ میرا لقب ہے، پھر ویسے ہی پیچھے لگے، میں نے ان میں سے ایک کو پتھر سے بڑے غصے میں آکر مارا اور پتھر اس کے عمامہ پر لگا، اس کی کھوپڑی میں دھنسن گیا، پھر مجھ پر سننے پرانے جوتے اور اچھے برے تھپڑ پڑنے لگے اور



قید میں ڈال دیا گیا اور دو سال کے اس نحوست میں پڑا رہا، میں نے نذرمانی کہ زندگی بھر مضیر یہ نہیں کھاؤں گا، تو اے آل ہمدان! کیا میں اس میں ظالم ہوں۔

عیسیٰ بن ہشام نے کہا: ہم نے اس کا عذر قبول کیا اور اسی کی طرح نذرمان لی اور کہا: زمانہ قدیم میں مضیر ہ نے آزاد (لوگوں) پر زیادتی کی اور ذلیلوں کو شریف (لوگوں) پر آگے کیا۔

#### 14.6 لغوی تحقیق

البصرة	:	یہ ایک مشہور شہر ہے۔
المضيرة	:	گوشت جو کھٹے دودھ میں پکایا جاتا ہے
الترجرج	:	بہت تیزی سے حرکت پذیر ہونا
الغضارة	:	بڑا پیالہ، جو زور سے ہلے
إيدانها بالسلامة	:	یعنی یہ مضیرہ صحت بخش، سہل الہضم، بیماریوں اور اضرار سے محفوظ ہوتا ہے۔
ظرف	:	حسن بیئت
ظرف	:	پیالہ کی وسعت اور کشادگی
الخوان	:	دستر خوان، جمع اُخونة
المقت	:	شدید برہمی
ثلب	:	برا بھلا کہنا۔
تحلب	:	دودھ دوہنا، یعنی مضیرہ کی وجہ سے ان کا رال ٹپکنے لگا۔
تنحى	:	دوری اختیار کرنا۔
تلمظ	:	چاٹنا۔
اتقدا الأکباد	:	جگر کا جلنا (شدت افسوس میں)
أکباد	:	واحد، کبد، جگر، دل۔
مضى الفواد: فواد جمع أفئدة:	:	دل، دل بھی اس کے شوق میں چلے
أصحاب الرقيم	:	اصحاب کھف
الغريم	:	قرض خواہ
فداه (ض)	:	قربان کرنا
مهجة	:	دل کا خون

تدور (ن)	:	حرکت کرنا
القدور	:	جمع قدر، ہانڈی
حذق (س)	:	مہارت
تنفث (ن)	:	پھو کنا
دق (ن)	:	کوٹنا، پینا
غبر (تفعیل)	:	غبار آلود کر دینا
التأنق (تفعیل)	:	کام اچھے انداز میں انجام دینا
أبازیر	:	ابزار، مسالے
مصقول	:	چمکدار (آئندہ کے مانند)
الظعينة	:	بیوی، جب وقت تک عورت ہودج میں موجود ہو،
ظعن (ن) جمع طعائن	:	سفر کرنا، مراد: پردہ نشیں عورت
حلیلة جمع حلائل	:	بیوی، جس سے اولاد کا حاصل کرنا حلال ہو
لحا (ن)	:	چپک جانا
أرومة	:	اصل، نسب
خُلُق	:	عادات، اخلاق
الخلق	:	جمال خلقت
یتغایرون (تفاعل)	:	ایک دوسرے پر حملہ آور ہونا
القلادة	:	ہار
واسطة القلادة	:	ہار کا درمیانی دانہ
تقدّر (تفعیل)	:	اندازہ کرنا۔
الطاقة	:	وسعت استطاعت
التعریج	:	میلان، جھکاؤ
عفن	:	بد بودار
الطارق	:	رات میں آنے والا
البرکار	:	دائرے کے اندازہ لگانے کا آلہ
تنفس الصعداء	:	غم، افسوس یا راحت والی سانس لینا۔ ٹھنڈی سانس لینا

الساج	:	ساگوان کا درخت
المأروض	:	جس کو دیمک نے کھا لیا ہو
نقر (ن)	:	بجانا
طن (ض)	:	آواز نکلنا
بحیاتی	:	میری زندگی کی قسم
سوق الطرائف	:	یہ بغداد کا ایک بازار تھا جس میں نفیس اور قیمتی چیزیں بیچی جاتی
المعزیه	:	یہ معزالدین فاطمی کے جانب منسوب ہے
الشبه	:	پیلا بیتل
جلس	:	جھپٹنا
أعلاق	:	عمدہ اور نفیس سامان، واحد علق۔
الأعلاق	:	واحد علق، ہر نفیس اور قیمتی چیز
المعارج	:	واحد معراج، سیرٹھی
عقد (ض)	:	عقد کرنا، خرید و فروخت کرنا۔
الصامت	:	سونا چاندی اس طرح کے دیگر جواہرات، یعنی جانوروں جن کو ”الناطق“ کہا ہے اس کے مقابل استعمال ہوا ہے۔
الخمر والزمر	:	اس کا مطلب شراب، گانا اور لہو و لعب کی مجلس میں شرکت۔
نرد	:	ایک قسم کا مشہور کھیل ہے، شطرنج
تنض (ن)	:	خسارہ میں ہونا
النسیۃ	:	قیمت میں تاخیر کرنا، ادھار
المدبر	:	پچھڑا، غریب
المتخلف	:	فقیر، محتاج
الوثیقة	:	معاہدہ یا لین دین کی دستاویز
القمر	:	جوا
اقتضاء الدین	:	قرض کا مطالبہ
رقۃ الحاشیۃ	:	شدید فقر و محتاجی
انظرته	:	مہلت دینا، تاخیر کرنا

بجد صاعد	:	خوش بختی
رب ساع لقاعد	:	یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کلام ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ کبھی کوئی شخص محنت کرتا ہے لیکن اس کا نفع کسی کو بغیر محنت حاصل ہوتا ہے۔
مجدود	:	بڑے نصیب والا
المنتاب	:	جو قوم کے پاس بار بار آتا جاتا رہے
جلدة ماء	:	یعنی یہ موی صفائی میں پانی کی طرح ہیں
الأل	:	سراب
الجلس	:	اچک لینا
دولة	:	مدد، قوت
تنبط (افعال)	:	نکلنا، پھٹ پڑنا
المناداة	:	ہراج
نسج	:	بناوٹ
القصاع	:	پیالے، واحد، قصعة
الذر	:	چیوٹی
الصفع	:	تھپڑ مارنا
أل الفرات	:	یہ مشہور خاندان ہے اس کا ایک فرد مقتدر عباسی وزیر تھا، پھر اس کو ذلیل کر کے اس کے اموال سنہ ۳۱۲ھ میں سلب کر لیے گئے۔
الغارات	:	چھینے ہوئے اموال
باب الطاق	:	یہ بغداد کے ایک دروازہ کے نام ہے۔
تحزم بخوانه	:	یعنی جو اس کے ساتھ کھانے پینے کی وجہ سے اس کا دوست ہو گیا، اس کو نصیحت کرنا چاہیے۔
نضا الثوب (ن)	:	نکالنا/کپڑے اتارنا
افتتر (افتعال)	:	دانت ظاہر ہونے کے لیے ہنسنا
النخاس	:	غلاموں کا تاجر
الجدوة	:	آگ کا ٹکڑا
الخلقان جمع خلق	:	پرانا، پھٹا
دار (ن)	:	گھومنا، پھرنا

الدست	:	گھر کی بلند اور اشرف جگہ
السنور	:	بلی
البيات	:	رات گزارنا
جوان، ازجان	:	یہ عجی شہر ہیں۔
اذل (افعال)	:	ذلیل کرنا، تابع کرنا، استعمال کرنا
طرز (تفعیل)	:	نقش و نگاری کرنا
المصاع (مفاعلة)	:	ایک دوسرے سے لڑنا
عجمہ بالأسنان	:	دانتوں سے چبانا
المتن	:	سطح
جاشت (ض)	:	بھڑکنا، جوش مارنا
الإجانة	:	برتن جس میں آٹا گوندھا جاتا ہے۔
سجر	:	گرم کرنا
السكرجات	:	وہ برتن جس میں انواع و اقسام کھانے رکھے جاتے ہیں۔
اتخذ	:	بنانا
انتقد	:	چھین لینا، یعنی خرید کے ذریعہ حاصل کرنا۔
الرطب	:	پکے کھجور
صهرجت	:	امتزاج اور اختلاط کرنا۔
قير	:	جس کی ڈانبر طلائی کیا گیا ہو۔
اجحت	:	آگ لگانا، شعلہ بھڑکانا
الخطب	:	بڑے معاملات
طم (ض)	:	بڑھنا، حد سے اوپر ہو جانا
يزرى	:	کمی ہونا
الغيران جمع غار	:	دروازوں کے پٹوں کے درمیان کا فاصلہ
العاج	:	ہاتھی کے بڑے دانت
الجواب	:	برتن، تھیلا یہاں مراد بیت الخلا
الهامة	:	سر

فہل أنافی ذایا المذان ظالم	:	یہ معروف شعر کا ٹکڑا ہے۔
ندر	:	نادر ہونا
الزى النظيف	:	کپڑے اور بدن
الماقى	:	جمع ہاق: آنکھ کے کنارے
البنان	:	انگلیوں کے پور
الحب	:	بڑا تھیلا
رصف	:	ایک دوسرے میں ملانا
عقد المرق تعقیدا	:	جب سالن پک کر گاڑھا ہو گیا۔
حسر	:	کھولنا

#### 14.7 ادبی صنف کا تعارف

”مقامہ“ قائم یقوم سے ہے، اس سے مراد مجلس اور اصحاب مجلس ہیں، ان سے گفتگو کی جاتی یا ان کے سامنے قصہ بیان کیا جاتا ہے یا وعظ و نصیحت یا خطبہ دیا جاتا ہے، اخیر میں اس کا استعمال ایسے کلام میں ہونے لگا جس میں مزاح اور مذاق ہو، اس طرح اس کو ادب کی ایک صنف بنایا گیا۔ ”مقامہ“ قصے کی شکل میں ایک لغوی سبق ہوتا ہے، مقامے کا مقصد یہ ہوتا ہے، اس کے ذریعہ طلبہ کو لغت سکھایا جائے، ان الفاظ کی حقیقت ہیئت مختلف شکل میں آتی ہے، مقامہ زبان کے اسلوب اور تعبیر سے بھرا ہوتا ہے، الفاظ کے مفرد اور جمع کو بیان کرنا، ان الفاظ کا ان کے اصلی معانی یا مجازی معنی میں استعمال، الفاظ کو مختلف جملوں میں مختلف معانی میں ادا کرنا، ایک ہی بات کو بتانے کے لیے مختلف جملے لے آنا۔ یہ تمام چیزیں مقامہ میں ہوتی ہیں۔

##### 14.7.1 صنف کی ہیئت و صورت

اس میں بیان، بدیع، فصاحت، بلاغت، علم الاوزان و قوافی کا خزانہ ہوتا ہے۔ الفاظ کی ہیر پھیر، کلام کے اچھوتے نمونے، سجع، جناس، طباق، مقابل اور نظائر وغیرہ کا اظہار مقصود ہوتا ہے، جس میں نحو صرف کے قواعد اس سے متعلق دیگر اجتہادات ایجاز، استفادہ شرح وغیرہ کو بیان کیا جاتا ہے۔ اس کی شکل قصہ کے انداز میں ہوتی ہے۔ اس کا مقصد طلبہ کے لیے لغت کے سکھانے میں آسانی پیدا کرنا ہوتا ہے۔ قصہ گوئی میں لغت کے اصول اور اسالیب تعبیر مختلف فرضی حادثات کی شکل میں قاری کو شوق دلانے کے لیے پیش کیے جاتے ہیں۔

#### 14.8 متن سبق کا موضوع

مقامہ مضیر یہ ہمدانی کا ایک مقامہ ہے، اس مقامے کے تمام حوادث اور مواقع فرضی ہیں، ہو سکتا ہے کچھ سچ بھی ہو؛ لیکن بہت کم اور شاذ و نادر ہیں؛ لیکن صاحب مقامہ فرضی واقعات کو مقامہ میں شامل کرتا ہے، مقصود تعلیم ہوتی ہے۔ صاحب مقامہ واقعہ کی محل اور مناسب پردہ بیان نہیں

دیتا، جس قدر اس کا دھیان تعبیر کے اسلوب اور قواعد لغت کے بیان کرنے پر ہوتا ہے۔

اس متن کا موضوع بحث یہ ہے کہ عیسیٰ بن ہشام کہتا ہے کہ اسے اور ابوالفتح الاسکندری کو ایک دفعہ دعوت دی گئی انہیں دعوت میں مضیر یہ پیش کیا گیا ابوالفتح نے یہ قسم کھائی کہ وہ اس کو بالکل نہیں چکھے گا، اس کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے اپنے ساتھ پیش آنے والے ایک واقعہ کو بتایا کہ ایک مرتبہ کسی تاجر نے اسے کھانے پر مدعو کیا، اس نے طویل گفتگو سے اکتا ہٹ پیدا کر دی اور پریشان کر دیا، رات میں پیش آنے والا ہوا واقعہ، گھر میں نظر آنے والی ہر چیز کی تفصیل بتاتا جاتا جس کی وجہ سے ابوالفتح اس سے تنگ آ کر وہاں سے نکل کھڑا ہوا، تاجر نے اس کو مضیر یہ کہہ کر پکارا بچوں نے سمجھا کہ یہ اس کا لقب ہے، وہ مضیر ہ مضیر ہ پکارنے لگے، ان بچوں میں سے کسی کو اس نے پتھر سے مارا۔ ایک شخص کو پتھر آگیا، لوگوں نے مل کر ابوالفتح کو خوب پیٹا اور اس کو قید کر دیا، اس نے قسم کھائی کہ میں کبھی دوبارہ ’مضیر ہ نہیں کھاؤں گا‘۔

#### 14.9 متن سبقت کی توضیح و تشریح

(۱) دَعَانِي بَعْضُ التُّجَّارِ إِلَى مَضِيرَةٍ وَأَنَا بِبَغْدَادَ، وَلَزِمَنِي مُلَازِمَةٌ الْغَرِيمِ، وَالْكَلْبُ لِأَصْحَابِ الرِّقِيمِ، إِلَى أَنْ أَجْبَنَتْهُ إِلَيْهَا، وَقُمْنَا فَجَعَلَ طُولَ الطَّرِيقِ يُشْنِي عَلَيَّ زُوجَتَهُ، وَيَفْدِيهَا بِمُهْجَتِهِ، وَيَصِفُ حَذَقَهَا فِي صَنْعَتِهَا، وَتَأْتِقُهَا فِي طَبْخِهَا وَيَقُولُ: يَا مَوْلَايَ لَوْ رَأَيْتُهَا، وَالْحَزَقَةَ فِي وَسْطِهَا، وَهِيَ تَدُورُ فِي الدُّورِ، مِنَ التَّنُورِ إِلَى الْقُدُورِ وَمِنَ الْقُدُورِ إِلَى التَّنُورِ تَنْفُثُ بِفِيهَا النَّارَ، وَتَدُقُّ بِيَدَيْهَا الْأَنْزَارَ، وَلَوْ رَأَيْتَ الدُّخَانَ وَقَدْ غَبَرَ فِي ذَلِكَ الْوَجْهِ الْجَمِيلِ، وَأَثَرَ فِي ذَلِكَ الْخَدِّ الصَّقِيلِ، لَرَأَيْتَ مَنْظَرًا تَحَارُ فِيهِ الْعَيُونُ: وَأَنَا أَغْشَقُهَا لِأَنَّهَا تَعْشِقُنِي، وَمِنْ سَعَادَةِ الْمَرْءِ أَنْ يُزَرَاقَ السُّمَاعِدَةَ مِنْ حَلِيلَتِهِ، وَأَنْ يَسْعَدَ بِطَعِينَتِهِ، وَلَا سِيمًا إِذَا كَانَتْ مِنْ طِينَتِهِ، وَهِيَ ابْنَةُ عَمِّي لَحَا، طِينَتُهَا طِينَتِي، وَمَدِينَتُهَا مَدِينَتِي، وَغُمُومُهَا غُمُومَتِي، وَأَزُومَتُهَا أَزُومَتِي، لَكِنَّهَا أَوْسَعُ مِنِّي خُلُقًا، وَأَحْسَنُ خُلُقًا وَصَدَعَنِي بِصِفَاتِ زُوجَتِهِ، حَتَّى انْتَهَيْنَا إِلَى مَحَلَّتِهِ۔

عیسیٰ بن ہشام کہتا ہے کہ ابوالفتح الاسکندری کو ایک دفعہ مضیر ہ (جو ایک قسم کا گوشت کو دودھ کی آمیزش سے ملا کر کھانا ہوتا ہے) دعوت دی گئی تو ابوالفتح الاسکندری نے مضیر یہ کے کھانے سے انکار کر دیا، حالاں کہ دیگر ساتھی مضیر یہ کی دسترخوان پر آمد کی وجہ سے اس کی خوش مذاقی کے گرویدہ ہو چکے تھے؛ لیکن جو ابوالفتح الاسکندری نے اس کے کھانے سے انکار کیا تو سب ساتھیوں نے ہاتھ اٹھالیے، پھر ابوالفتح الاسکندری نے مضیر یہ نہ کھانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا:

ایک تاجر نے مجھے مضیر ہ کی دعوت دی، میں شہر بغداد میں تھا، اس نے میرا قرض خواہ کی طرح پیچھا کیا، اصحاب کہف کے کتے کی طرح، (یعنی وہ شخص مجھے اپنے گھر لے جانے پر ایسا تلا ہوا تھا جیسا میں اس کا قرضدار ہوں اور وہ قرض خواہ، جس طرح اصحاب کہف کا کتا اس کے پیچھے ہولیا تھا، اسی طرح وہ میرے پیچھے لگ گیا، یعنی اس نے مجھے اپنے گھر مضیر ہ کی دعوت میں شرکت کے لیے نہایت اصرار کیا) ہم اٹھے وہ راستہ بھر اپنی بیوی کی تعریف کرتا رہا، اپنا دل و جان اس پر قربان کرتا رہا، اس کے کھانے پکانے میں مہارت اور کمال کا تذکرہ کرتا رہا اور کہتا تھا: میرے آقا، اگر آپ اس کو دیکھو گے تو اس کا کمر بند اس کی کمر پر ہوگا، وہ تنور سے ہانڈیوں تک اور ہانڈیوں سے تنور تک چکر لگاتی ہوگی، اپنے منہ سے آگ (چولہا) میں پھونکتی ہے اور اپنے ہاتھوں سے مسالے کو ٹپتی ہے، دھواں (بھی) اس حالت میں اس کے خوبصورت چہرے کو غبار آلود کر دیا ہوتا ہے اور اس کے چمکدار

رخسار پر اثر انداز ہوتا ہے، تو (اس وقت) آپ کو ایک عجیب منظر نظر آئے گا، جس سے آنکھیں حیرت میں پڑ جائیں گے، میں اس سے محبت اور عشق کرتا ہوں؛ اس لیے کہ وہ مجھ سے محبت اور عشق کرتی ہے اور انسان کی نیک بخشی ہے کہ اس کو اس کے شوہر کی جانب سے مدد ملے اور اس کی بیوی کی جانب سے اس کو سعادت ملے، (یعنی مجموعی طور پر وہ بتلانا چاہتا ہے کہ میری بیوی نہایت چست، پھرتیلی، کئی ایک کام بیک وقت انجام دے لیتی ہے، اس کو خادم کی بھی ضرورت نہیں ہے، ایک طرف سالن بناتی ہے، تو دوسری طرف تنور میں روٹی بناتی ہے، ایک کام اسے دوسرے کام سے عاجز نہیں کرتا، مصالحے بھی خود اپنے ہاتھوں سے پیشتی ہے، چولہے میں پھونک بھی اپنے منہ سے مارتی ہے، پھونکنی نہیں استعمال کرتی ہے، اس کی خوبصورت رخسار دھوئیں سے تر بتر ہوتے ہیں؛ لیکن اس کی بھی پرواہ نہیں کرتی، وہ شوہر کی پوری خدمت خود بخود انجام دیتی ہے) خصوصاً جب اسی کی خمیر سے ہو، وہ میری چچا زاد بہن ہے، اس کی خمیر میری خمیر سے وابستہ ہے، اس کا شہر میرا شہر، اس کے چچا میرے چچا اور اس کی جڑ میری جڑ ہے (یعنی میری بالکل قریبی رشتہ دار ہے) لیکن وہ مجھ سے زیادہ بااخلاق ہے اور بہت زیادہ خوبصورت ہے، (یعنی کوئی یہ نہ سمجھے کہ نسب و حسب کے ایک ہونے اور قربت اور رشتہ داری کی وجہ سے اس کے اخلاق اور اس کے خد و خال اور چال و ڈھال بھی میرے ہی جیسے ہیں، بلکہ وہ نہایت خوبصورت، نہایت اخلاق مند واقع ہوئی ہے، جس سے میں عاری ہوں) اس نے کھل کر اپنی بیوی کی تعریف کی یہاں تک کہ ہم اس کے محلے پہنچے۔

#### 14.9.1 الفاظ کی توضیح

الغریم: قرض خواہ، یعنی بالکل پیچھے پڑنے پر یہ ضرب المثل مشہور ہو گئی کہ کہا جاتا ہے یہ میرے قرض خواہ کی طرح پیچھے پڑا ہوا ہے کہ جب تک ابوالفتح اس کو اس کا قرض نہیں چکائے گا، وہ اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ اصحاب الرقیم: سے مراد اصحاب کہف ہیں، جن کا قصہ قرآن میں مذکور ہے کہ ان کا کتا بھی ان کے ساتھ تھا، وہ بھی ہمیشہ ان کے ساتھ رہا کرتا تھا، پہلے جملے کے ذریعے تاجر کی دعوت کے قبول کرنے پر مجبور کرنے اور دوسرے جملے کی ذریعے اس تاجر کی ذلت اور خست کو بیان کیا ہے۔ الغریم: قرض خواہ۔ فداہ: (تفعیل) قربان کرنا مہجہ: دل کا خون فداہ بمہجہ کے ذریعے یعنی خون دل میرا اس پر قربان یعنی وہ اس کے ذریعے اپنی بیوی سے حد سے زیادہ محبت کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہے۔ وصف الحذق فی صنعتہ: یعنی اس کے ہنر اور پکانے میں مہارت اس کو دوسرے جملے میں یوں تعبیر کیا ہے، وتأانقھا (تفعیل) فی العمل: یعنی کام کو بہترین اور اچھے طریقے سے انجام دینا۔ الخوفا: سے باورچی کا وہ کپڑا مراد ہے جسے وہ کمر کے دونوں جانب سے اپنے پنڈلیوں تک چھوڑا ہوتا ہے، جو کمر بند کے مشابہ ہوتا ہے، وہ اسے اپنے کپڑوں کی حفاظت کے لیے اس طرح لٹکاتا ہے۔ تدور (ن): حرکت کرنا، اس کے بعد ”الدور“ یہ ”دار“ کی جمع ہے، یعنی وہ کام میں ہر وقت مستعد گھر میں ادھر ادھر دوڑتی رہتی ہے، تنور: وہ انگھیٹی ہے جس میں روٹی پکائی جاتی ہے، القدور: جمع قدر، ہانڈی، یعنی اس کی بیوی بیک وقت کئی ایک کام انجام دیتی ہے، یعنی ہانڈیوں میں مختلف بننے ہوئے سالن اور تندور میں پکتی ہوئی روٹیاں اس کے دھیان کو باٹتی نہیں ہیں، وہ ہر دم چست و پھرت ہانڈیوں اور تنور کے بیچ دوڑتی پھرتی ہے، تنور میں منہ سے پھونکتی ہے، پھونکنی کی بھی ضرورت اس کو نہیں ہوتی ہے، بجائے ”نفخ“ کے ”نفث“ کو استعمال کر کے یہ بتلانا چاہتا ہے کہ تھوڑی سی اس کی پھونک سے آگ بھڑک جاتی ہے، اسے خادمہ کی بھی ضرورت نہیں ہوتی ہے و مسالجات بھی خود کوٹ لیتی ہے، ”ابزاز“: مصالحے، جمع أبازیر اور مصالحے بھی کوٹتی رہتی ہے جملوں کی بندش بھی قابل دید ہے، سجع بندی کے اعلیٰ درجہ پر ہے ”وہی تدور فی الدور، من التنور إلى القدور، ومن القدور إلى التنور“ حذق: مہارت (س) تنفث (ن) پھونکنا، دق: (ن) کوٹنا، پیسنا۔ غبر (تفعیل): غبار آلود کر دینا، مصقول: چمکدار (آئینہ کے مانند) اس میں ”صقیل“ کہتے ہیں، تلوار کی



طرح چمکدار جس کی روشنی اور چمک بالکل ظاہر ہو، گالوں کی سفیدی کو بتانے کے لیے ”الصقيل“ کا لفظ استعمال ہوتا ہے، اس کے مقابل ”الأسيل“ جس کے معنی نرم اور لمبے ہونے کے آتے ہیں، یعنی دھواں اس کے خوبصورت، چمکدار، آئینہ کے مانند رخساروں کو غبار آلود کرتا ہے لیکن وہ اس کی کوئی پروہ نہیں کرتی ہے، عجیب اس کی حرکت اور نشاط اور اس کی جدوجہد اور کوشش کا اندازہ نہیں کر سکتے، میں اس سے اس بے انتہا عشق و محبت کرتا ہوں، الطعينة: بیوی، جب وقت تک عورت ہودج میں موجود ہو، طعن (ن) سفر کرنا، مراد: پردہ نشیں عورت، جمع طعائن حلیلة: بیوی، جس سے اولاد کا حاصل کرنا حلال ہو، جمع حلائل، یہاں زوجہ کے بجائے الفاظ کی جمع بندی زوج کی جگہ دوسرے الفاظ کے استعمال کے موقع کو بتلانے کے لیے یہ الفاظ لائے ہیں ”من سعادة المرأة أن يرزق المساعدة من حليته وأن يسعد بطعينة“ یعنی آدمی یہ خوش بختی ہے کہ اس کی بیوی گھر کے کاموں میں اس کی معین و مددگار ہو، اس کے گھر کے تمام امور کو انجام دے، خصوصاً گھر میں رہ کر شوہر کے لیے لذیذ کھانے اور مشروبات تیار کرے، کام خود سے کر کے خادم کی ضرورت سے بے نیاز کر دے۔ لحا (ن): چمک جانا، کہتے ہیں: ”لحّت القرابة بيننا لحا“ بالکل قریبی رشتہ داری جو چمکی اور چمٹی ہوئی ہو، پھر اس رشتہ داری کا اظہار کرتا ہے، وہ میری چچا زاد بہن ہے، میری اور اس کی مٹی ایک ہے، یعنی دونوں قریب النسب ہیں، چچا زاد بہن ہونے کی وجہ سے دونوں کا شہر بھی ایک ہے، أرومة: اصل، نسب، یعنی وہ بالکل ہم نسب ہے، وہاں سے یہاں تک بس اس بیوی سے اس کی قربت کو بتانا مقصود ہے، پھر آگے کہتا ہے: ”لكنها أوسع مني خلقاً، وأحسن خلقاً“ یعنی اس کی خوبصورتی اور حسن اخلاق میرے سے کہیں زیادہ ہیں، یعنی نسب کی قربت کی وجہ سے کوئی یہ تصور نہ کرے کہ وہ حسن و خوبصورتی، خدو خال، چال ڈھال، اخلاق و عادات میں بھی میرے مثل ہے؛ بلکہ وہ خوبصورتی، حسن اخلاق میں مجھ سے بالکل جدا گانہ ہے۔ خلق: عادات، اخلاق۔

(۲) فَقَدْ حَانَ وَقْتُ الظَّهِيرَةِ، يَا غُلَامَ الطُّسْتِ وَالْمَاءِ فَقُلْتُ: اللَّهُ أَكْبَرُ، زُبْمًا قَرِبَ الْفَرْجِ، وَسَهْلُ الْمَخْرُجِ، وَتَقَدَّمَ الْغُلَامُ، فَقَالَ: تَرَى هَذَا الْغُلَامَ؟ إِنَّهُ زَوْمِي الْأَصْلِي، عِرَاقِي النَّشْءِ. تَقَدَّمَ يَا غُلَامُ وَأَحْسِرْ عَنْ رَأْسِكَ، وَشَمِّرْ عَنْ سَاقِكَ، وَانْصُ عَنْ ذِرَاعِكَ، وَافْتَرَّ عَنْ أَسْنَانِكَ، وَأَقْبِلْ وَأَذْبِرْ، فَفَعَلَ الْغُلَامُ ذَلِكَ، وَقَالَ: التَّاجِرُ: بِاللَّهِ مَنْ اشْتَرَا؟ اشْتَرَاهُ وَاللَّهِ أَبُو الْعَبَّاسِ، مِنَ النَّحَّاسِ، صَعِ الطُّسْتِ، وَهَاتِ الْإِبْرِيْقَ، فَرَضَعَهُ الْغُلَامُ، وَأَخَذَهُ التَّاجِرُ وَقَلْبَهُ وَأَذَارَ فِيهِ النَّظَرَ ثُمَّ نَقَرَهُ، فَقَالَ: انْظُرْ إِلَى هَذَا الشَّيْءِ كَأَنَّهُ جَذْوَةُ اللَّهَبِ، أَوْ قِطْعَةٌ مِنَ الذَّهَبِ، شَبَّهَ الشَّامَ، وَصَنَعَةُ الْعِرَاقِ، لَيْسَ مِنْ خُلُقَانِ الْأَعْلَاقِ، قَدْ عَرَفَ دُورَ الْمُلُوكِ وَدَارَهَا، تَأَمَّلْ حُسْنَهُ وَسَلْبِي مَتَى اشْتَرَيْتَهُ؟ اشْتَرَيْتَهُ وَاللَّهِ عَامَ الْمَجَاعَةِ، وَأَذْخَرْتَهُ لِهَذِهِ السَّاعَةِ، يَا غُلَامَ الْإِبْرِيْقَ، فَقَدَّمَهُ وَأَخَذَهُ التَّاجِرُ فَقَلْبَهُ ثُمَّ قَالَ وَأَنْبُوهُ مِنْهُ لَا يَصْلُحَ هَذَا الْإِبْرِيْقُ إِلَّا لِهَذَا الطُّسْتِ، وَلَا يَصْلُحُ هَذَا الطُّسْتُ إِلَّا مَعَ هَذَا الدَّسْتِ، وَلَا يَحْسُنُ هَذَا الدَّسْتُ إِلَّا فِي هَذَا الْبَيْتِ، وَلَا يَجْمَلُ هَذَا الْبَيْتُ إِلَّا مَعَ هَذَا الضَّيْفِ۔

اے خادم! پلیٹ اور پانی لاؤ میں نے کہا: اللہ اکبر، چھٹکارا قریب ہوا، نکلنا آسان ہوا، (یعنی ابوالفتح الاسکندری نے جب یہ سنا کہ پانی اور پلیٹ لاؤ، تو سوچا کہ اب اس کی باتوں سے چھٹکارا ملے گا اور فوراً اسے کھانا کھانے کو ملے گا، لیکن اس تاجر نے پھر بات کو طول دی، غلام کی طشت وغیرہ کی تعریف میں لگ گیا) خادم آیا تو کہا: آپ اس خادم کو دیکھ رہے ہیں، یہ نساؤمی اور اس کی پرورش و پرداخت عراقی ہے، اے خادم آؤ! اور اپنا سر کھولو اور اپنی پنڈلی کھولو اور اپنے بازو سے کپڑے ہٹاؤ اور اپنے دانت کھولو اور آگے پیچھے چلو، (یعنی خادم کے حسن و خوبصورتی اور اس کے عجمیت

اور عربیت کے جامع ہونے اور حسن و کمال کے اعلیٰ درجے پر ہونے کو بیان کرنے کے لیے اس کے سر، پنڈلی، بازو، دانت کھلوانے لگاتا ہے، اس کو آگے پیچھے کر کے اس کی مضبوطی اور قوت کو بتانا چاہتا ہے) خادم نے ایسا ہی کیا، تاجر نے کہا: اے خدا! اسے کس نے خریدا! اللہ کی قسم اسے ابو العباس نے خریدا ہے، طشت رکھ دو، لوٹا لاؤ، خادم نے اسے رکھ دیا، تاجر نے اسے لے لیا اور پلٹا اور اس پر نظر ڈالی، پھر اسے کریدا اور کہا، اس پیتل کو دیکھو، جیسے شعلے کا ٹکڑا یا سونے کا ٹکڑا ہو، شام کا پیتل اور عراق کی صنعت ہے، یہ پرانا عمدہ سامان نہیں، جس کو بادشاہوں کے گھروں میں استعمال کیا گیا ہو، اس کے حسن پر غور کرو اور مجھ سے پوچھو میں اسے کہاں سے خریدا ہے؟ بخدا اسے میں نے بھکمری اور قحط کے سال خریدا ہے، اس وقت کے لیے ذخیرہ کر رکھا ہے، (لوٹے کی خوبصورتی، اس کی اصل شام کی اور صنعت عراق کی ہے، اس کو دیکھنے پر یہ انگارا یا سونے کا ڈالا لگتا ہے، اس کو پرانا نہ خیال کیا جائے یا یہ بادشاہوں کے ہاتھوں سے ہو کر یہاں آیا ہے، اس کو اپنے پاس رکھنے پر ہر بادشاہ نے فخر کیا ہے، اس کی ٹوٹی بھی نہایت مضبوط ہے، جب ٹوٹی مضبوط ہے تو لوٹے کی مضبوطی کا کیا کہنا، پھر کہتا ہے یہ لوٹا اسی طشت اور طشت اسی صدر مجلس اور صدر مجلس اسی گھر کے لائق ہے) اے خادم لوٹا لاؤ اور اس نے پیش کیا اور تاجر نے اسے لیا اور پلٹا، پھر کہا: اس کی ٹوٹی بھی (اسی پیتل کی ہے) یہ لوٹا اسی طشت کے قابل ہے اور یہ طشت اسی صدر مجلس کے قابل ہے اور یہ صدر مجلس اسی مکان میں اچھی لگتی ہے، اور یہ مکان اسی مہمان کے وجود سے اچھا لگتا ہے۔

(یعنی وہ غلام کے اوصاف کو بیان کرتے ہوئے، اس کی خوبیوں کو گنتا ہوتے کہتا ہے، یہ غلام دراصل رومی الاصل ہے اور اس کی پرورش و پرداخت ملک عراق میں ہوئی ہے، یعنی یہ عجمی ہے لیکن اس کا نشو و نما عربی ماحول میں ہوا ہے، پھر غلام سے کہتا ہے ”احسرو“: (ن) کھولنا، شمر: (تفعیل) سمیٹنا، یعنی اپنی پنڈلی سے کپڑا ہٹاؤ پھر اسی تعبیر کو دوسرے انداز میں کہتا ہے ”وانض عن ذراعک“ (ن) ہٹانا، کھولنا، افتز عن اسنانک: (افتعال) دانت ظاہر ہونے کے لیے ہنسنا، ”اقبل“ (افعال) ”ادبر“ (افعال) آگے پیچھے ہونا، یعنی غلام کی حسن و خوبصورتی، اس کی طاقت و قوت کو ظاہر کرنے کے لیے اس کے سر، پنڈلی، دانت کو کھولنے کہتا ہے اور آگے پیچھے چلنے کو کہتا ہے تو غلام آقا کے حکم پر ایسے ہی کرتا ہے، ابو الفتح الاسکندری غلام سے متاثر ہو کر کہتا ہے کہ کس سے خریدو ہو تو اس نے کہا: ابو العباس غلام فروش سے میں نے خریدا ہے ”النحاس“ غلام فروش، پھر غلام طشت رکھ کر چلا گیا تو اس سے لوٹا لانے کو کہا: وہ لوٹا لے کر آیا تو تاجر لوٹے کو ہاتھ میں لے کر ”قلب“ (تفعیل) لوٹے کو الٹ پلٹ کرتا ہے، ”ادار نظره فیہ“ لوٹے کو الٹ پلٹ کر اس کے ہر جانب نظر پر نظر ڈالنے لگتا ہے، یعنی اس کو الٹ پلٹ کر اس کو بجایا اور اس پر اپنی نظر دوڑائی۔ ”نقر“ (ن) بجانا، ”الجدوة“ کہتے ہیں آگ کا شعلہ، آگ کا ٹکڑا، ”شبه“ زرد تانبا، یعنی یہ لوٹا پیتل کا ہے، دیکھنے میں ایسے لگتا ہے جیسے یہ انگارا یا شعلہ ہو یا سونے کا ایک ٹکڑا ہو، ”شبه الشام“ یعنی اس کا پیتل ملک شام کا ہے، جہاں کا پیتل اچھا اور رنگ میں صفائی کا حامل ہوتا ہے، لیکن اس کی بناوٹ عراق کی ہے، خلکان: (و) خلق، پرانا، استعمال کیا ہوا، أعلاق: (و) علق، نفیس اور قیمتی، کہنا چاہتا ہے یہ پرانا استعمال شدہ نہیں ہے، یعنی ایسا نہیں ہے کہ اس قیمتی لوٹے کو بادشاہوں نے استعمال کیا ہو، پھر کہتا ہے ”تأمل حسنه“ یعنی اس لوٹے کی خوبصورتی پر غور تو کیجیے یا یہ کہنا چاہتا ہے کہ یہ قیمتی لوٹا بادشاہوں کے ہاتھ در ہاتھ ہوتے ہوئے یہاں آیا ہے، وہ اس لوٹے کو اس کے قیمتی ہونے کی وجہ سے اپنے پاس اس کو رکھتے ہوئے آئے، اس لیے اس کی حسن و خوبصورتی اور اس کی مضبوطی پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ پھر کہتا ہے: جانتے ہیں میں نے اس قیمتی لوٹے کو کیسے

خریدا ہے؟ ”عام المجاعة“ یعنی یہ نفیس لوٹا اگر اس کے مالک پر بھوک مری اور قحط کا زمانہ نہ آیا ہوتا وہ اس کو نہ بیچتا، رزق کی تلاش نے اس کے مالک کو اس کے بیچنے پر مجبور کیا، ”ادخر“ (افتعال) جمع کرنا، اکٹھا کرنا، پھر لوٹے کو لے کر اس کو الٹا اور پلٹتا ہے اور کہتا ہے: ”انبوہ منہ“ یعنی لوٹے کی ایک خصوصیت اس کی ٹوٹی ہے جہاں سے پانی نکلتا ہے، وہ بھی پیتل کی ہے، یعنی یہ کوئی علاحدہ چیز نہیں ہے، اس کی ٹوٹی میں بھی کاریگر کی مہارت اور مضبوطی لوٹے کے مثل موجود ہے، یعنی پہلے خرابی ٹوٹی میں آتی ہے، جب ٹوٹی اتنی مضبوط ہے تو پورے لوٹے کی مضبوطی کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے اور کہتا ہے یہ لوٹا اسی طشت میں رکھے جانے کے قابل ہے اور یہ طشت اسی (گھر کا اونچا اور اشرف مقام) کے قابل ہے اور یہ اونچی اور اشرف جگہ اسی گھر کے قابل اور گھران جیسے مہمانوں سے ہی اچھا لگتا ہے۔

#### 14.10 متن کی خصوصیات

- ۱۔ یہ حقیقت ہے کہ اس مقام کا اور اس کے علاوہ ہمدانی تمام مقامات کا مقصود لغوی درس اور سبق ہے، صرف قصہ گوئی تو وسیلہ اور ذریعہ ہے۔
- ۲۔ اس مقام میں مزاح دیگر مقامات کے مقابلہ بہت کم ہے، شروع سے ہم دیکھتے ہیں کہ ابوالفتح ایک فصیح و بلیغ اور جلیل القدر شخص ہے، جس کو اس کے احترام اور قدر و منزلت کی وجہ سے لوگوں کے گھر پر بلایا جاتا ہے، وہاں وہ اپنا موقف اور مدعا اور واقعہ کی حقیقت کو رکھتا ہے، جس کی وجہ سے اس کے ساتھی مضیرہ کھانے سے رک جاتے ہیں۔
- ۳۔ ابوالفتح کی شخصیت مقام کے شروع سے ظاہر و باہر ہے، یہ کوئی دوسری ہیئت اختیار نہیں کرتا، جس طرح دیگر مقامات میں وہ بہرہ و پیہ بن جاتا ہے، عیسیٰ بن ہشام اس کی شخصیت کو اجاگر کرتا ہے۔
- ۴۔ ہمدانی تاجر کی گفتگو مختلف امور کے سلسلے میں، مختلف انداز، پیرایہ اور تعبیر میں بیان کرتا ہے، اس کے ذریعے وہ مختلف تعبیرات سے طلبہ کو واقف کرنا چاہتا ہے، یہ تعبیرات مواقع اور مناسبات کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔
- ۵۔ اس کے ساتھ اس مقام میں معاشرہ کی بھی تصویر کشی کی گئی ہے یہ تاجر مالدار تاجروں کے ایک طبقہ کی نمائندگی کرتا ہے، یہ لوگ ایسے محلے میں رہتے ہیں جہاں ان کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں رہ سکتا، یہ بات بھی معلوم ہونا چاہیے کہ یہ معاشرہ دو طبقوں میں بٹا ہوا تھا، ایک امیروں کے محلے الگ تھے، دوسرا غریبوں کے محلے تھے۔
- ۶۔ اسی طرح تاجر اس مالدار طبقہ کے حصول اموال کے ذرائع کو بھی بتاتا ہے، یہ استحصال کر کے بڑھائے جاتے ہیں، عام لوگوں کے اموال اور املاک کو ہڑپ کرنے کے حیلے اور تدبیریں کرتے ہیں، یہ عام لوگوں کے ذریعہ معاش کو تک اپنی تدبیروں سے ختم کر کے ان کو قلاش اور کنگال کرنے سے نہیں چوکتے۔
- ۷۔ اس تاجر طبقہ کو بس اپنی مصلحت اور منفعت مقصود ہوتی ہے، یہ قرض دار کی کوئی پرواہ نہیں کرتے، نہ اس پر دست شفقت رکھتے ہیں اور نہ ہی اس ضرورت مند شخص کے خلاف حیلے اور تدبیریں کرتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ غربت اور فقر و محتاجی کی آخری انتہا کو پہنچ جاتے ہیں۔

۸۔ اس میں تاریخی اقدار کو بھی بیان کیا گیا ہے، یہ تو طائرانہ صورتحال ہے، البتہ ان کا رہن سہن، تعمیری اور تکنیکی اعتبار سے اعلیٰ درجہ کا حامل ہوتا ہے، مقامہ میں گھر کے اندرون، اس کے دروازے، ان اغنیا کے نادر چیزوں کو جمع کرنے کا شوق، اس کی پُر تعیش زندگی، غلام اور خدم و حشم ساری چیزوں کو بیان کرتا ہے۔

۹۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ نہایت حریص اور لالچی ہوتے ہیں، تاجر ہر چیز کی باریکی کو بیان کرتا ہے، کھودتا کر دیتا ہے، اس کی قسم اور اس کی قیمت بیان کرتا ہے، کم قیمت میں نفیس اور بہترین چیزوں کو خریدنے کی کوشش کرتا ہے، اس کی لالچ کی حد یہ ہے کہ اس کے مالدار ہونے کے باوجود اس کی گھر والی اس گھر میں دن بھر کام کرتی رہتی ہے، یہ صرف مال کو جمع کرتا ہے، عقد و بیع اور معاملات کے ذریعہ جو کچھ بھی حاصل ہوتا ہے وہ اسے اپنی خوش بختی تصور کرتا ہے۔

۱۰۔ تاجر استحصال کے طریقوں کی خوب واقفیت رکھتا ہے، اس کی حس شامہ بہت بڑھی ہوئی ہے، یہ غریب محتاج کو تلاش کرتا ہے، اس کو معاملات میں آگے بڑھاتا ہے، اس طرح اس کے مال اور املاک پر قابض ہو جاتا ہے۔

#### 14.11 اسلوبی خصوصیات

☆ اس مقامہ کی اسلوبی خصوصیت یہ ہے کہ ہمدانی نے اس میں الفاظ کی انفرادی اور اجتماعی ترکیب پر زور دیا ہے، اس کے انفرادی حالت میں کچھ معنی ہوتے ہیں، ترکیب کے اعتبار سے وہ جملے ذو معنی دو جہت ہو جاتے ہیں، پہلے جملے کے الفاظ کو اس کے اصلی معنی میں استعمال کرتا ہے، پھر اس کے بکثرت مرادفات کو لے آتا ہے، تاکہ طالب علم کو ان مترادفات کا طریقہ استعمال معلوم ہو جائے جیسے یہ جملہ ہے: ”یلعنہا و صاحبہا، ویمقتہا واکلہا، ویشلبہا و طابخہا“ حالانکہ ”لعن“، ”مقت“، ”ثلث“، تمام کے تمام سب و شتم (گالی گلوچ) کے معنی میں آتے ہیں، اس کو تین جملوں میں اس کے مترادفات کی جانکاری کے لیے لایا ہے، ان میں سے ہر جملہ دوسرے جملہ کے مقام پر فٹ ہو سکتا ہے، یہاں پر ہمدانی ایک صاحب معجم کا سائل کیا ہے، لفظ کے اصلی معنی، اس کے استعمال کے مواقع اور اس کے ساتھ ساتھ یہ کہ طالب علم ایک ہی مطلب کو مختلف جملوں میں کیسے ادا کر سکتا ہے۔

☆ ہمدانی غریب کلام کو بکثرت استعمال نہیں کرتا، لیکن بعض بعض مواقع سے غریب کلام کو بھی لاتا ہے، اس کا مقصد اس قسم کے تعبیرات کے ختم ہونے سے بچانا ہے، جیسے یہ کلمہ ”المصاع“ جدال اور جھگڑے کے معنی میں آتا ہے اور یہ لفظ ”انتقد“ خرید و فروخت کے ذریعہ چیز کو حاصل کیا۔

☆ کاتب یہاں ایک ہی لفظ کو مختلف معانی میں استعمال کرتا ہے، اس میں الفاظ کے تاریخی ترقی اور عروج کا بھی پتہ چلتا ہے، زمانہ جاہلیت سے ہمدانی کے زمانہ تک الفاظ کے استعمال کے حوالے سے ساری چیزیں بیان کی جاتی ہیں، تعبیرات، بیان و بدیع کے اسلوب، تک بندی، صنعت کاری، صحیح بندی، کہتا ہے ”آن یرزق المساعدة من حلیلته وأن یسعد بظعنیتہ“ تو یہاں پر اس کو ”حلیلہ“ اور ”ظعنیتہ“ کو اس کو براہ راست معنی میں استعمال کر سکتا تھا، جیسے یہ لفظ زمانہ جاہلیت میں مستعمل تھے، اسی طرح کہتا ہے ”تؤذن بالسلامۃ“، ”وتشهد لمعاویۃ بالامامۃ“ ان الفاظ کے استعمال کے ذریعے سے اس نے عصر عباسی میں مختلف استعارات اور، اصول بیان اور بدیع کا استعمال ہوتا تھا وہاں کاتب لے جانا چاہتا ہے اور جب

یہ کہتا ہے: ”یا غلام الخوان، فقد طال الزمان، والقصاص، فقد طال المصاع“ اس سے ہمدانی کے زمانہ میں سبج کی مصنوعی اور بتکلف صنعت کا پتہ چلتا ہے، سبج ضرور ہونا چاہیے کہ گرچہ جملے میں معنی مطلوب سے زائد الفاظ آجائیں، یہ چیز بلاغت اور فصاحت کے اصول کے خلاف ہے کہ کلام مقتضی حال کے موافق ہونا چاہیے۔

☆ گرچہ ہمدانی نے ان کے مقابل جنھوں نے اس کی پیروی کی ہے جیسے حریری اور یازجی تکلف اور صنعت میں کم غرابت کو اختیار کیا ہے، لیکن اس کے باوجود بھی تکلف سے اس کا کلام خالی نہیں، بلکہ وہ اس سلسلے میں مجبور ہے، موضوع، فکر، قصہ کا پہلو، قصے کے اطراف، شخصیات کا کردار اور معاشرتی پہلو یہاں ہم نہیں ہوتے، مقصود تو صرف تعلیم ہوتی ہے، جس کی وجہ سے مقامہ پر تکلف، صناعت اور غیر ضروری طول کلام ہوتا ہے۔

☆ مصنوعی صنعت خوب نظر آتی ہے، بیان اور بدیع کے اصناف کو اس میں اس نے خوب برتا ہے، استعارہ، مجاز، مرسل، تشبیہ، جناس، طباق، سجع، مقابلہ، نظیر کی رعایت، حالانکہ ان کی معنوی حیثیت کچھ نہیں ہوتی، معانی اور مطالب الفاظ سے کم ہی ہوا کرتے ہیں، جس کو ہمدانی مختلف تعبیروں میں بیان کرتا ہے۔ جملے اور الفاظ میں اصلاً ہم آہنگ نہیں ہوتے، اس میں تصنع زیادہ ہوتا ہے، الفاظ اور اس کی ترکیب کے مقصود ہونے کی وجہ سے وہ اسے لاتا ہے، ان الفاظ سے معانی مقصود نہیں ہوتے۔

جیسے: ”فقدمت إلینا مضیرة، تنشی علی الحضارة، وتترجج فی الغضارة، وتؤذن بالسلامة، وتشهد لمعاویة رحمہ اللہ بالامامة“ یہاں پر معاویہ کا تعلق پچھلی عبارت سے کیا ہے سوائے اس کے کہ وہ سبج بندی کے لیے ”سلامہ“ کے وزن پر لفظ چاہتا ہے۔

اسی طرح ”یزل عن حائطة الذر، فلا یعلق، ویمشی علی أرضه الذباب فیزلق“ یہاں یہ کہنا کافی تھا ”یزل عن حائطة الذر، ویزلق علی أرضه الذباب“ لیکن مقابلہ لفظ کے لانے کے لیے ”یزل و یعلق، یمشی و یزلق“ کہتا ہے، یہ سجع و مقفی کلام ہے، اس کی وجہ سے کلام کی زیادتی ہوئی ہے، اس کی کوئی حاجت اور ضرورت نہیں تھی۔

## 14.12 اکتسابی نتائج

عبسی بن ہشام یہ حکایت بیان کرتا ہے کہ اس کو اور ابو الفتح الاسکندری کو ایک دفعہ کھانے پر مدعو کیا گیا، ان کے سامنے مضیرہ پیش کیا گیا، جس کی وہ تعریف و توصیف کرتا ہے، اس کے پیالہ کی ہیئت کو بیان کرتا ہے، لیکن ابو الفتح اپنے آپ کو اور ساتھیوں کو اس کے کھانے کی لذت سے محروم کر دیتا ہے، وہ کھانے کو انکار کرتا ہے تو دعوت کے شرکا اس سے مضیرہ کی ناپسندیدگی اور کراہت کی وجہ دریافت کرتے ہیں۔

ابو الفتح اس کا اور مضیرہ کا واقعہ بیان کرتا ہے، ایک بغدادی تاجر نے اسے مضیرہ کی دعوت دی وہ اس کے ساتھ چلا، تاجر راستے میں اپنی بیوی کے بارے میں بتلانے لگا، اس کی تعریف و توصیف کرنے لگا، اس کے اخلاق اور جمال کو بتانے لگا، پھر اس نے اپنے محلے اور اس کے باسیوں کی گفتگو کی، اس کی یہ بات جب ختم ہو چکی تو پھر وہ اپنے گھر، اس کی قیمت، اس کی کشادگی اور اس کے خرچ، دروازے اس کی صنعت، اس کی لکڑی، دروازہ کے حلقہ، اس کے عمران الطرائفی سے اس کی خریداری، اس کے نوادرات کی حفاظت کا تذکرہ کیا، پھر گھر، اس کی بناوٹ، اس کی خریداری، گھر کے خریدنے میں اس نے جو حلیہ اور تدبیر کیا تھا اس کو بتلایا، چٹائی اس کے بنانے والے، اس کی مہارت، پھر غلام اور اس کے فروخت کرنے والے،

لوٹے، طشت، مجلس گاہ، پانی، دسترخوان اس کی مضبوطی اور اس کے وزن کے متعلق تذکرہ کیا، جس کی وجہ سے ابوالفتح بھڑک جاتا ہے اور جانے کے لیے تیار ہو جاتا ہے تو تاجر اس سے پوچھتا ہے، کہاں جا رہے تو وہ کہتا ہے قضائے حاجت کے لیے، تو تاجر اس کو بیت الخلا اور اس کی تعمیر کی ہیئت وغیرہ بتلانے لگتا ہے، جس کی وجہ سے ابوالفتح بھاگ جاتا ہے، تاجر آواز دیتا ہے، ابوالفتح المضیر یہ، بستی کے بچے مضیر یہ اسے لقب سمجھ کر اس کو پکارتے ہیں، اس کا پارہ چڑھ جاتا ہے، تو وہ ایک پتھر پھینک کر ان کو مارتا ہے، ایک شخص کو وہ پتھر لگتا ہے تو محلے والے جوتوں، ہاتھوں سے اس کی تواضع کرتے ہیں، اس کو بطور سزا کے ایک زمانہ قید میں رکھا جاتا ہے، اس وقت سے وہ قسم کھاتا ہے کہ مضیرہ نہیں کھائے گا۔ ابن ہشام کہتا ہے کہ ہم نے اس کے عذر کو قبول کیا، ہم نے بھی اس کی طرح مضیرہ نہ کھانے کی نذر مانی۔

### 14.13 نمونہ کے امتحانی سوالات

۱۔ درج ذیل عبارت پر اعراب لگائیے اور اس کا ترجمہ کیجیے۔

فقدمت إلینا مضیرة، تشنی علی الحضارة، وتترجرج فی العصاره، وتؤذن بالسلامة، وتشهد لمعاویة رحمہ اللہ بالإمامة، فی قصعة یزل عنها الطرف، ویموج فیها الطرف، فلما أخذت من الخوان مکانها، ومن القلوب أوطانها، قام أبو الفتح الإسکندری یلعنها وصاحبها، ویمقتها واکلها، ویثلبها وطابخها، وظنناہ یمزح فإذا الأمر بالضد، وإذا المزاح عین الجد، وتنحی عن الخوان، وترك مساعدة الإخوان، ورفعناها فارتفعت معها القلوب، وسافرت خلفها العیون، وتحلبت لها الأفواه، وتلمظت لها الشفاه، واتقدت لها الأكباد، ومضی فی إثرها الفؤاد.

۲۔ درج ذیل عبارت کی بحوالہ متن تشریح و توضیح کیجیے:

فَقَدْ حَانَ وَقْتُ الظَّهِيرَةِ، يَا غُلَامَ الطَّنْصُتِ وَالْمَاءِ فَقُلْتُ: اللَّهُ أَكْبَرُ، رَبِّمَا قَرَّبَ الْفَرْجَ، وَسَهَّلَ الْمَخْرَجَ، وَتَقَدَّمَ الْغُلَامُ، فَقَالَ: تَرَى هَذَا الْغُلَامَ؟ إِنَّهُ زَوْمِيًّا لِأَصْلٍ، عَزَاقِي النَّشْءِ. تَقَدَّمَ يَا غُلَامَ وَاحْسِرْ عَنْ رَأْسِكَ، وَشَمِّرْ عَنْ سَاقِكَ، وَانْصُ عَنْ ذِرَاعِكَ، وَافْتَرَّ عَنْ أَسْنَانِكَ، وَأَقْبَلَ وَأَذْبَرَ، فَفَعَلَ الْغُلَامُ ذَلِكَ، وَقَالَ: التَّاجِرُ: بِاللَّهِ مَنْ اشْتَرَاهُ؟ اشْتَرَاهُ وَاللَّهِ أَبُو الْعَبَّاسِ، مِنَ النَّخَّاسِ، صَبَعَ الطَّنْصُتَ، وَهَاتَا لِابْنِ بَرِّقٍ، فَوَضَعَهُ الْغُلَامُ، وَأَخَذَهُ التَّاجِرُ وَقَلْبَهُ وَأَذَارَ فِيهِ النَّظَرُ.

۳۔ ان الفاظ کے معانی بتائیے:

الْمُنْتَاب	خُلِقَ	يَتَغَايِرُونَ	الْقَلَادَة	وَاسْطَةُ الْقَلَادَة	تَقْدَرُ	الْمَأْرُوضُ	الطَّاقَة	التَّعْرِيجُ
الطَّارِقُ	الْبَرَكَارُ	تَنْفَسُ الصَّعْدَاءُ	طَنُ الْمَعْرِزَةِ	أَعْلَاقُ	خَلَسَ	عَقْدُ		

۴۔ مقامہ کسے کہتے ہیں؟ صاحب مقامہ کے احوال و کوائف بیان کیجیے۔

۵۔ مقامہ مضیر یہ کا خلاصہ لکھیے۔

۶۔ مقامہ مضمر یہ کے موضوع کو بیان کیجیے۔

۷۔ مقامہ مضمر یہ کے متن کی خصوصیات بیان کیجیے۔

---

#### 14.14 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

---

- ۱۔ مقامات بدیع الزمان الهمذانی، بدیع الزمان الهمذانی
- ۲۔ الرائد فی الأدب العربی، إحسان النص، خلیل ہنداوی، عمریحی
- ۳۔ الرائد فی الأدب العربی، إنعام الجندی
- ۴۔ تاریخ الأدب العربی، أحمد حسن زیات
- ۵۔ تاریخ الأدب العربی، العصر العباسی الثانی، شوقی ضیف

## اکائی 15 : المقامة الزبیدیة: از الحریری

اکائی کے اجزاء	
15.1	مقصد
15.2	تمہید
15.3	متنِ سبق
15.4	صاحبِ سبق کا تعارف
15.4.1	اس کے مقامات
15.5	متن کا ترجمہ
15.6	لغوی تحقیق
15.7	ادبی صنف کا تعارف
15.7.1	صنف کی ہیئت و صورت
15.8	متنِ سبق کا موضوع
15.9	متن کی توضیح و تشریح
15.9.1	توضیح و تشریح
15.9.2	الفاظ و معانی کی توضیح
15.9.3	توضیح و تشریح
15.9.4	الفاظ و معانی کی توضیح
15.10	متن کی خصوصیات
15.11	اسلوبی خصوصیات
15.12	اقتصادی نتائج
15.13	نمونے کے امتحانی سوالات
15.14	مطالعے کے لیے معاون کتابیں



اس اکائی کے مطالعہ سے مقامے کے معانی و مطالب، الفاظ کی بندش اور تعبیرات کے استعمال سے واقف ہوں گے، صحیح اعراب کے ساتھ متن کی قرأت کر سکیں گے، رموز اوقاف اور زنجیروں کے استعمال سے واقف ہوں گے، انہیں مصنف کے احوال و کوائف سے اور رشحات قلم سے نکلی ہوئی تحریروں اور اس کے اسلوب نگارش سے آشنا ہوں گے، طلبہ میں متنی ترجمہ اور محاوراتی ترجمے کی صلاحیت پیدا ہوگی، الفاظ و معانی کے ذریعہ ذخیرہ الفاظ میں اضافہ ہوگا، مزید برآں ادبی صنف کا تعارف، صنف کی ہیئت و صورت، متن سبق کا موضوع اور متن کی خصوصیات سے بہرہ ور ہوں گے، علاوہ ازیں حریری کے منفرد اسلوبی خصوصیات و مترادفات کا استعمال، سجع بندی، علم معانی، بیان اور بدیع کے استعمال سے طلبہ میں عواطف اور ایک خوبصورت خیال پیدا ہوگا، اخیر میں خلاصہ کلام کے ذریعہ مقامہ میں استعمال ہونے والی فنی محاسن اور ادبی صنعتوں سے مکمل طور پر واقف ہو جائیں گے، اسی طرح دیے گئے نمونہ امتحانی سوالات کو باسانی حل کر سکیں گے اور مطالعہ میں جن معاون کتابوں کا تذکرہ کیا گیا ہے اس تک رجعت کرتے ہوئے اپنی ادبی لیاقتوں کو پروان چڑھائیں گے۔

ادب کی ایک خاص صنف مقامہ ہے، عام طور پر یہ لفظ پانچ معانی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے:

- (۱) مقامہ بمعنی مجلس اور اسی معنی میں بکثرت مستعمل ہے۔
  - (۲) جماعت
  - (۳) موضع المقام یعنی وہ جگہ جہاں آدمی کھڑا ہوتا ہے۔
  - (۴) لفظ مقامہ وعظ و نصیحت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔
  - (۵) مقامہ یہ ایک خاص ادبی صنف، کہانی یا لطیفہ ہے جس کی عبارت مقفی مسجع ہوتی ہے۔
- اور یہاں یہی پانچویں قسم مراد ہے۔

فن مقامہ میں ساراز و الفاظ کی خوبصورتی اور تعبیرات کے حسن و سجع بندی پر ہوتا ہے، مطلب معنی اور کہانی کی طرف توجہ دوسرے درجہ میں ہوتی ہے، اس میں لغت اور الفاظ کا ایک بڑا ذخیرہ ہوتا ہے، اس کا متن یاد کرنا طلبہ کے لیے آسان ہوتا ہے اور طلبہ بڑے شوق سے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

أَخْبَرَ الْحَارِثُ بْنُ هَمَامٍ قَالَ: لَمَّا جُبْتُ الْبَيْدَ. إِلَى زَبِيدَ. صَحْبَنِي غُلَامٌ قَدْ كُنْتُ رَبَيْتُهُ إِلَى أَنْ بَلَغَ أَشُدَّهُ. وَثَقُفْتُهُ حَتَّى أَكْمَلَ زُشْدَهُ. وَكَانَ قَدْ أَنْسَ بِأَخْلَاقِي. وَخَبَرَ مَجَالِبَ وَفَاقِي. فَلَمْ يَكُنْ يَنْخَطِي مَرَامِي. وَلَا يَخْطِي فِي الْمَرَامِي. لَا جَرَمَ أَنْ قَرَّبَهُ التَّائِطُ بِصَفَرِي. وَأَخْلَصْتُهُ لِحَصْرِي وَسَفَرِي. فَأَلَوِي بِهِ الدَّهْرَ الْمُبِيدَ. حِينَ ضَمَمْتُنَا زَبِيدَ. فَلَمَّا شَالَتْ نَعَامَتُهُ. وَسَكَنْتْ نَأْمَتُهُ. بَقِيْتُ عَامًا. لَا أَسْبِغُ طَعَامًا. وَلَا أُرْبِغُ غُلَامًا. حَتَّى أَلْجَأْتُنِي شَوَائِبُ الْوَحْدَةِ. وَمَتَاعِبُ

القومة والقعدة. الى أن أعتاض عن الدرّ الحرز. وأرتاد من هو سداد من عوز. فقصدت من يبيع العبيد. بسوق زبيد. فقلت: أريد غلاماً يعجب إذا قلب. ويحمد إذا جرب. وليكن ممن خزجه الأكياس. وأخرجه إلى السوق الإفلاس. فاهتز كل منهم لمطلي ووثب. وبذل تحصيله عن كتب ثم دارت الأهله دوزها. وتقلب كوزها وحوزها. وما نجز من وعودهم وغد. ولا سخ لها رغد. فلما رأيت التخاسين. ناسين أو متناسين. علمت أن ليس كل من خلق يفري. وأن لن يحك جلدي مثل ظفري. فرفضت مذهب التفويض. وبرزت إلى السوق بالصفير والبيض. فإني لأستعرض الغلمان. وأستعرف الأثمان. إذ عارضني رجل قد اختطم بلثام. وقبض على زندي غلام. وقال:

من يشتري مني غلاماً صنعا في خلقه وخلقه قد برعا  
بكل ما نطت به مضطرباً يشفيك إن قال وإن قلت وعى  
وإن تصبك عثرة يقل لعا وإن تسمه السعي في النار سعى  
وإن تصاحبه ولو يوماً رعى وإن تفتنه بظلف قبيعا  
وهو على الكيس الذي قد جمعا ما فاه قط كاذباً لا ادعى  
ولا أجاب مطمعا حين دعا ولا استجاز نث سر أودعا  
وطالما أبدع في ما صنعا وفاق في النثر وفي النظم معا  
والله لولا ضنك عيش صدعا وصبيئة أضحوا غراة جوعا  
ما بعته بملك كسرى أجمعا

قال: فلما تأملت خلقه القويم. وحسنه الصميم. خلته من ولدان جنة التعيم. وقلت: ما هذا بشر إن هذا إلا ملك كريم! ثم استنطقته عن اسمه. لا لرغبة في علمه. بل لأنظر أين فصاحته من صباحته. وكيف لهجته من بهجته. فلم ينطق بحلوة ولا مرق. ولا فاه فوهة ابن أمة ولا خرق. فضربت عنه صفحا. وقلت له: فبحا لعينك وشفحا! فغار في الصحك وأنجد. ثم أنغص رأسه إلي وأنشد:

يا من تلهب غيظه إذ لم أبح باسمي له ما هكذا من ينصف  
إن كان لا يرضيك إلا كشفه فأصخ له أنا يوسف أنا يوسف  
ولقد كشف لك الغطاء فإن تكن فطنا عرفت وما إخالك تعرف

قال: فسرى عثبي بشعره. واستبى لبي بسحره. حتى شدهت عن التحقيق. وأنسيث قصة يوسف الصديق. ولم يكن لي هم إلا مساومة مؤلاه فيه. واستطلاع طلع الثمن لأوفيه. وكنت أحسب أنه سينظر شرراً إلي. ويغلي السيمة علي. بل قال: إن الغلام إذا نزر ثمنه. وخفت مؤله. تبرك به مؤلاه. والتحف عليه هواه. وإني لأوتر تحبيب هذا الغلام إليك. بأن أخفف ثمنه عليك. فز مائتي درهم إن شئت. واشكر لي ما حييت! فنقدته المبلغ في الحال. كما ينقد في الرخيص الحلال. ولم يخطر لي ببال. أن كل مرخص غال. فلما تحققت الصفة. وحققت الفرقة. هملت عينا الغلام. ولا همول دمع العمام. ثم أقبل على صاحبه وقال:

لَحَاكَ اللهُ هَلْ مِثْلِي يُبَاغُ      لَكَيْمًا تَشْبَعُ الْكَرْشُ الْجِيَاغُ  
وَهَلْ فِي شِرْعَةِ الْإِنْصَافِ أَنِي      أَكَلَفُ خُطَّةً لَا تُسْتَطَاعُ  
وَأَنْ أُبْلَى بِرُوعٍ بَعْدَ رُوعٍ      وَمِثْلِي حِينَ يَبْلَى لَا يُرَاغُ  
أَمَّا جَزَيْتَنِي فَحَبَزْتَ مِنِّي      نَصَائِحَ لَمْ يَمَازِجْهَا خِدَاغُ  
وَكَمْ أَرَصَدْتَنِي شَرَكًا لَصِيدٍ      فَعُدْتُ وَفِي حَبَائِلِي السَّبَاغُ  
وَنُطْتُ بِي الْمَصَاعِبَ فَاسْتَفَادْتُ      مُطَاوَعَةً وَكَانَ بِهَا امْتِنَاعُ  
وَأَيُّ كَرِيهَةٍ لَمْ أُبْلِ فِيهَا      وَغْنَمٍ لَمْ يَكُنْ لِي فِيهِ بَاغُ  
وَمَا أَبَدْتُ لِي الْأَيَّامَ جُزْمًا      فَيَكْشِفُ فِي مُصَارَمَتِي الْقِنَاعُ  
وَلَمْ تَعُزُّ بِحَمْدِ اللهِ مِنِّي      عَلَى عَيْبٍ يَكْتُمُ أَوْ يُذَاعُ  
فَأَنَّى سَاغَ عِنْدَكَ نَبْدُ عَهْدِي      كَمَا نَبَذْتُ بُرَايَتَهَا الصَّنَاعُ  
وَلَمْ سَمَحْتَ قَرُونَكَ بِامْتِنَانِي      وَأَنْ أَشْرَى كَمَا يُشْرَى الْمَتَاعُ  
وَهَلَّا ضُنْتُ عِرْضِي عَنْهُ صُونِي      حَدِيثُكَ جَدَّ بِنَا الْوَدَاعُ  
وَقُلْتُ لِمَنْ يُسَاوِمُ فِي هَذَا      سَكَابٍ فَمَا يُعَارِ وَلَا يُبَاغُ  
فَمَا أَنَا دُونَ ذَلِكَ الطَّرْفِ لَكِنْ      طِبَاعُكَ فَوْقَهَا تَلْكَ الطَّبَاغُ  
عَلَى أَنِّي سَأُنْشِدُ عِنْدَ بَيْعِي      أَضَاعُونِي وَأَيَّ فُتًى أَضَاعُوا

قال: فلما وعى الشيخ أبياته. وعقل مناعاته. تنفّس الصّعداء. وبكى حتى أبكى البعداء. ثم قال لي: إني أحلّ هذا الغلام محلّ ولدي. ولا أميزه عن أفلاذ كبدي. ولولا خلؤ مراحى. وخبؤ مضباحى. لما درج عن غشي. الى أن يشيع نعشي. وقدر أيت ما نزل به من لوعة البين. والمؤمن هين لين. فهل لك في تسليّة قلبه. وتسرية كربه. بأن تعاهدني على الإقالة فيه متى استقلت. وأن لا تستثقلني إذا ثقلت؟ ففي الآثار المنتقاة. المروية عن الثقات: من أقال نادماً بيعته. أقاله الله عشرته. قال الحارث بن همام: فوعده وغداً أبرزه الحياء. وفي القلب أشياء. فاستدنى حينئذ الغلام إليه. وقبل ما بين عينيه. وأنشد والدمع يزفّض من جفنيه:

خَفِضَ فَدَتَكَ النَّفْسُ مَا ثَلَاقِي      مِنْ بَرَحَاءِ الْوَجْدِ وَالْإِشْفَاقِ  
فَمَا تَطُولُ مَدَّةُ الْفِرَاقِ      وَلَا تَنِي رَكَائِبُ التَّلَاقِ

بُحْسَنَ عَوْنِ الْقَادِرِ الْخَلَاقِ

ثم قال له: أستودعك من هو نعم المولى. وشمر ذيله وولى. فلبث الغلام في زفير وعويل. ريثما يقطع مدى ميل. فلما استفاق. وكفّف دمه المهرق. قال: أتدري لم أعولت. وعلام عولت؟ فقلت: أظن فراق مولاك. هو الذي أبكاك! فقال: إنك لفي وادٍ وأنا في وادٍ. ولكم بين مريد ومراد. ثم أنشد:

لَمْ أَبْكُ وَاللَّهِ عَلَى الْإِلْفِ نَزَحَ      وَلَا عَلَى فُوتِ نَعِيمٍ وَفَرَحَ  
وَأِنَّمَا مَدَمَعُ أَجْفَانِي سَفَحَ      عَلَى غَبِيٍّ لَخْطُهُ حِينَ طَمَحَ  
وَرَطُهُ حَتَّى نَعْنَى وَافْتَضَحَ      وَضِيعَ الْمُنْقُوشَةِ الْبَيْضِ الْوَضَحَ  
وَيْكَ أَمَا نَاجَتْكَ هَاتِيكَ الْمُلُخَ      بِأَنِّي حُرٌّ وَبَيْعِي لَمْ يَبِخَ  
إِذْ كَانَ فِي يَوْسُفَ مَعْنَى قَدْ وَضَحَ

قال: فتمثلت مقالته في مزاة المداعب. ومعرض الملاعب. فتصلب تصلب المحقق. وتبرأ من طينة الرق. فجلنا في مخاصمة. اتصلت بملاكمة. وأفضت إلى محاكمة. فلما أوضحنا للقاضي الصورة. وتلونا عليه السورة. قال: ألا إن من أندر فقد أعذر. ومن حذر كمن بشر. ومن بصر فما قصر. وإن فيما شر حثماً له دليلاً على أن هذا الغلام قد نبهك فما ازعوت. ونصح لك فما وعيت. فاستزداء بلهك واكتنمه. ولم نفسك ولا تلمه. وحذار من اعتلاقه. والطمع في استزقاقه. فإنه حر الأديم. غير معروض للتقويم. وقد كان أبوه أخضره أمس. فبيل أفول الشمس. واعتزف بأنه فرعه الذي أنشاه. وأن لا وارث له سواه. فقلت للقاضي: أوتعرف أباه. أخزاه الله؟ فقال: وهل يجهل أبو زيد الذي جزه جبار. وعند كل قاضٍ له أخبار وإخبار؟ فتحرفت حينئذ وحولفت. وأفقت ولكن حين فات الوقت! وأيقنت أن لثامه كان شرك مكيدته. وبيت قصيدته. فنكس طرقي ما لقيت. واليت أن لأعمال ملثماً ما بقيت. ولم أزل أتأوه لخسر صفقتي. وافيضاحي بين رفقتي. فقال لي القاضي. حين رأى امتعاضي. وتبين حرار تماضي: يا هذا ما ذهب من مالك ما وعظك. ولا أجزم إليك من أيقظك. فاتعظ بما نابك. وكاتم أصحابك ما أصابك. وتذكر أبدأ ما دهمك. لتقي الذكري دراهمك. وتخلق بخلق من ابثلي فصبر. وتجلت له العبر فاعتبر.

قال الحارث بن همام: فودعته لا يسأ ثوب الخجل والحزن. ساحباً ذيلي الغبن والغبن. ونويت مكاشفة أبي زيد بالهجر. ومصارمته يد الدهر. فجعلت أتنگب عن ذراه. وأتجنب أن أراه. إلى أن غشيني في طريق ضيق. فحيتاني تحية شيق. فما زدت على أن عبست. وما نبست. فقال: ما بالك سمحت بأنفك. على إلفك؟ فقلت: أنسيك أنك احتلت وحتلت. وفعلت فعلتك التي فعلت؟ فأضرط بي متهازياً. ثم أنشد متلافاً:

يا مَنْ بَدَا مِنْهُ ضِدُو	دُ	مَوْحِشٌ	وَتَجْهُهُمُ
وَعَدَا يَرِيشُ مَلَاوِمًا	مَنْ	دُونَهُنَّ	الْأَسْهُمُ
وَيَقُولُ هَلْ حُرُّ يَبَا	عُ	كَمَا يُبَاغُ	الْأُدْهُمُ
أَقْصِرُ فَمَا أَنَا فِيهِ بِدُ	عَا	مِثْلَمَا	تَتَوَهُمُ
قَدْ بَاعَتِ الْأَسْبَاطُ قَبْ	لِي	يُوسُفًا	وَهُمُ هُمْ
هَذَا وَأَقْسِمُ بِالنِّي	يَسْرِي	إِلَيْهَا	الْمُتَّهِمُ
وَالطَّائِفِينَ بِهَا وَهُمْ	شُعْتُ	التَّوَاصِي	سَهْمُ

مَا قُمْتُ ذَاكَ الْمُوقِفَ الْ  
مُخْزِي وَعِنْدِي دِرْهَمٌ  
فَاعْذِرْ أَخَاكَ وَكَفَّ عَنْهُ  
مَلَامَ مَنْ لَا يَفْهَمُ

ثم قال: أما معذرتي فقد لاحت. وأما دراهمك فقد طاحت. فإن كان أشعر أراك مني. وأزور أراك عني. لفزط شفقتك. على غير نفقتك. فليست ممن يلسع مرتين. ويوطئ على جمرتين. وإن كنت طوبت كشحك. وأطعت شحك. لتستنفذ ما علق بأشراكي. فلتنبك على عقلك البواكي. قال الحارث بن همام: فاضطرني بلفظه الخالب. وسخره الغالب. إلى أن غدت له صفياء. وبه حفياء. ونبتت فغلته ظهرياً. وإن كانت شيئاً فرياً.

#### 15.4 صاحب متن کا تعارف

حریری کی کنیت ابو محمد ہے اور نام قاسم، والد کا نام علی، دادا کا نام محمد، پردادا کا نام عثمان ہے، خلیفہ مسترشد باللہ کے عہد خلافت میں شہر بصرہ کے قریب قصبہ مشان میں اس کی ولادت سنہ 446ھ میں ہوئی (ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ بصرہ میں پیدا ہوا) اور بصرہ کے محلہ بنی حرام میں سکونت اختیار کی، حریری نہایت ذکی، ہوشیار، نازک خیال، فصاحت و بلاغت میں یکتا اور ماہرین فن میں یگانہ روزگار، انشا پرداز اور ادیب تھا، علم لغت، امثال، نحو، معانی، بیان، بدیع پرید طولی اور علیت و قابلیت، وسعت معلومات، زور انشا اور فی البدیہہ شعر گوئی میں اس کا کوئی ہمسر نہ تھا، عربی نثر و نظم دونوں پر یکساں قدرت حاصل تھی۔ ”حریر“ عربی میں ریشم کو کہتے ہیں، چونکہ اس کا ریشم کا کاروبار تھا، اس لیے اسے حریری کہا جاتا ہے۔

مجمع میں لکھا ہے کہ حریری ظریف الطبع، انتہائی ذکی، فطین اور ہوشیار، فصیح و بلیغ تھا، لیکن وہ خدو خال اور شکل و صورت کے اعتبار سے زیادہ حسین نہ تھا، اللہ عز و جل نے اسے شکل و صورت میں حسن سے نہیں نوازا تھا، لطیف، چٹکلے، خوش مذاقی، بذلہ سنجی، عدل و انصاف اور فراخ دلی جیسے باطنی اوصاف سے متصف تھا۔

اس کی تصانیف میں سب سے زیادہ اہم، قابل فخر کتاب ”مقامات“ ہے، جس میں اس نے عربی زبان کے لافانی خزانہ کے قیمتی موتیوں کو بڑی خوبی کے ساتھ پرویا ہے، اس کو دنیا کے علم ادب میں بے پناہ شہرت و قبولیت اور تمام ادبی کتابوں پر اپنے اسلوب بیان اور جدت موضوع کے لحاظ سے طرہ امتیاز حاصل ہے۔

اس کے علاوہ اس کی تصانیف میں قابل ذکر: (۱) در الغواص فی أوہام الخواص، اس کتاب میں اہل علم کی ان لغوی غلطیوں کی نشاندہی کی گئی ہے، جو عموماً ان سے سرزد ہوتی رہتی ہیں، یہ کتاب مطبوعہ ہے، (۲) ملح الإعراب، یہ مبتدی طلباء کے لیے مسائل نحو کے بیان میں ہے (۳) اس کے رسالوں میں دور سالے بڑے شہرت کے حامل ہیں، ایک رسالہ بنام ”سینیہ“ یعنی اس کے ہر کلمہ میں سین ہے اور دوسرا رسالہ ”شینیہ“ ہے، جس کے ہر کلمہ میں شین ہے، جن کے متعلق شیخ سنوبرونی نے کہا ان دونوں رسالوں کو علم ادب میں وہی مقام حاصل ہے جو انسان کے لیے آنکھ کی پتلی کو ہے یہ دونوں رسالے بھی مطبوعہ ہیں، (۴) صدور زمان القبور و قبور زمان الصدور، یہ فن تاریخ میں ہے (۵) دیوان حریری (۶) توشیح البیان وغیرہ۔

اس کی وفات رجب میں بصرہ کے محلہ بنی حرام میں ہوئی، اس نے کل زندگی کی ۶۵ بہاریں دیکھیں۔

#### 15.4.1 اس کے مقامات

مقامہ ایک خاص ادبی صنف ہے، کہانی یا لطیفہ بھی اسے کہہ سکتے ہیں، جس کی عبارت مقفی اور مسجع ہوتی ہے، مقامہ نہایت مختصر اور دل پسند اور خوش اسلوب ہوتا ہے، مقامہ سے مقصود نہ جمال حکایت ہوتی ہے نہ حسن وعظ؛ بلکہ وہ ایک فنی، ادبی تحریر کا ایک ایسا فن پارہ ہے، جس میں خوشنما مسجع کے طرز پر غریب الفاظ، نادر ترکیب اس طرح جمع کیے جاتے ہیں، وہ اثر آفرینی سے زیادہ طبیعت کو مسرور کرتے ہیں اور فائدہ پہنچانے سے زیادہ لذت بخش ہوتے ہیں، اس لیے مقامات لکھنے والوں نے اپنی ساری توجہ تحسین الفاظ پر مبذول کی ہے، مقامہ کے اس خاص ادبی صنف کو سب سے پہلے پانچویں صدی کے مشہور ادیب علامہ بدیع الزمان ہمدانی نے متعارف کرایا اور اس نے چار سو مقامے لکھے، جن میں مقامات ہم تک پہنچے اور شائع ہو گئے ہیں، پھر حریری نے پچاس مقامہ لکھے اور حقیقت یہ ہے کہ حریری ہی کے پچاس مقاموں نے اس صنف ادب کو دوام بخشا اور اس کا قلم فن مقامہ کی آبرو بنا، اس کے بعد کئی دوسرے لوگوں نے بھی اس صنف میں طبع آزمائی کی ہے، جن میں زرخشری، علامہ ابن جوزی، علامہ احمد بن ابی بکر رازی اور ابن الوری جیسے اساطین علم نے بھی مقامے لکھے، لیکن معیار اور مقبولیت کی اس بلندی کو نہیں پہنچ سکے، حریری نے مقامات میں دو آدمیوں کو مستقل رکھا ہے، ایک قصہ کا راوی اور حکایت کرنے والا اور دوسرا قصہ کا ہیرو جس کا مرکزی کردار ہے، قصہ کے راوی کا نام حارث بن ہمام ہے، دوسرا قصہ کا ہیرو اور مرکزی کردار کا نام ابوزید سروجی ہے، بعض لوگ کہتے ہیں: یہ ایک فرضی نام ہے، حارث اور ابوزید دونوں میں شناسائی ہوتی ہے، ابوزید ایک انتہائی چالاک، شاطر، فصیح و بلیغ اور حاضر جواب شخص ہے اور حارث کی کبھی ادبی مجلس میں، کبھی عدالت میں، کبھی سفر میں اور کبھی بادشاہوں کے دربار میں ان سے ملاقات ہوتی ہے اور ہر جگہ ابوزید کوئی ادبی کارنامہ دکھا جاتا ہے اور اپنی علمی و ادبی فراست کے ذریعہ لوگوں سے اپنے مدعا کے حصول کے بعد رنو چکر ہو جاتا ہے، اس میں کچھ مقامات زہدیہ ہیں، کچھ مقامات ادبیہ اور کچھ ہزلیہ ہیں۔

#### 15.5 متن کا ترجمہ

حارث بن ہمام نے خبر دی اور کہا: جب میں بید یعنی جنگل و بیابان کو طے کرتے ہوئے زبید جانے لگا تو ایک لڑکا میرے ساتھ ہو گیا جس کی پرورش میں نے اس کے طاقت و راہ و جوان ہونے تک کی، میں نے اس کی صلاحیت کے پروان چڑھنے تک تعلیم و تربیت کی، وہ میرے اخلاق و عادات سے مانوس ہو چکا تھا، میری رفاقت کی وجوہات و اسباب اسے معلوم تھے، وہ میرے مقاصد سے آگے نہیں بڑھتا اور نہ میرے نشانے سے چوکتا، ناچار (لا محالہ) اس کو میں نے اپنے دل سے چسپاں کر لیا (دل میں بٹھالیا)، اس کو میں نے حضور و سفر میں خالص رفیق بنا لیا، جب ہم دونوں زبید پہنچ چکے تو مہلک زمانہ نے اُسے (لڑکے کو) ہلاک کر دیا۔

جب اس کے تلوے اٹھ گئے، اس کی حرکت بند ہو گئی، تو ایک سال میں ایسے ہی رہا، میں کھانا نہیں کھا سکتا تھا، نہ کوئی لڑکا ڈھونڈ سکتا تھا، تنہائی کی آمیزش اور نشست و برخاست کی تھکان نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں موتی کے بدلے ٹھکرے خرید لوں، اس چیز کو تلاش کروں جو کھوئی ہوئی چیز کا عوض بن سکے، میں غلاموں کے تاجر کے پاس زبید کے بازار گیا، میں نے کہا: مجھے ایسا غلام چاہیے جس کی کھوج کی جائے تو اچھا لگے اور آزما یا جائے تو قابل تعریف ہو، وہ ایسا ہونا چاہیے جسے عقل مندوں نے تعلیم دی ہو، غربی نے اسے بازار لایا ہو، تو ان تاجروں میں سے ہر ایک میرے مقصود سے حرکت میں آیا اور اچھل پڑا اور اس کے جلد حاصل کرنے کی کوشش میں لگ گیا، پھر مہینے گزر گئے ان کا کم و بیش پلٹ چکا (ایک مدت گزر گئی)، ان

میں سے کسی نے اپنے وعدے کو پورا نہیں کیا اور نہ اس کے لیے بجلی نے برسا یا (وعدہ پورا نہیں کیا) میں نے ان بردہ فروشوں کو بھولتے ہوئے یا تنہا ہل کرتے ہوئے دیکھا، مجھے معلوم ہوا کہ ہر پیدا کرنے والا بھونتا ہے (ہر وعدہ کرنے والا وفا نہیں کرتا) میرے ناخن کی طرح میرے جلد کو کوئی کھچا نہیں سکتا (لوگوں پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے) تو میں نے دوسروں پر بھروسہ کرنے کے طریقہ کار کو چھوڑ دیا، میں زرد و سفید (دنانیر و درہم) لے کر بازار پہنچ گیا، میں غلاموں کو پیش کروا کر ان کے دام جانے لگا، یکا یک میرا سامنا ایک ایسے شخص سے ہوا جو ناک پر پردہ لگایا ہوا تھا اور ایک غلام کی کلائی پکڑا ہوا کہہ رہا تھا۔

کون مجھے سے ایک فنکار غلام خریدے گا جو اپنی پیدائش اور عادات و اخلاق میں باکمال ہے۔

جو چیز بھی اس کے حوالے کی جائے اسے اٹھا لیتا ہے۔

اگر اس سے بات کریں تو شفا اور کہیں تو یاد کر لے۔

اگر تم ٹھوکر کھاؤ تو تم سے کہے تم سلامت رہو اور اگر اس کو آگ میں دوڑاؤ تو دوڑ جائے۔

ایک دن بھی تمہارے ساتھ رہے تو تمہاری رعایت کرے اور ایک گھر پر قناعت کراؤ تو قناعت کرے۔

وہ اپنی ذاتی دانائی پر باقی و برقرار رہتا ہے، منہ کبھی جھوٹ بولنے اور دعویٰ کرنے کے لیے نہیں کھولتا۔

کسی لالچی شخص نے اسے بلایا تو جواب نہیں دیا اور نہ کسی امانت کے راز کو ظاہر کرنے کو جائز سمجھا۔

جو بھی بنایا انوکھا بنایا، اس کو نثر و نظم میں یکساں قدرت حاصل ہے اگر معیشت کی تنگی نہ ہوتی اور اگر بچے بھوکے اور برہنہ نہ ہوتے۔

تو کسری کے پورے ملک کے بدلہ میں اسے نہ بیچتا۔

اس نے کہا: جب مجھے اس کی درست تخلیق اور پائیدار حسن کو دیکھا تو میں نے اسے جنت النعیم (آرام کی جنت) کا لڑکا سمجھا، میں نے کہا: یہ

انسان نہیں یہ تو شریف فرشتہ ہے، پھر میں اس سے اس کا نام بلوایا اس کے علم میں دلچسپی کی وجہ سے نہیں؛ بلکہ میں اس کے ظاہری حسن کے مقابلہ اس کی

فصاحت کو دیکھ رہا تھا، اس کی رونق کے مقابلہ اس کے لب و لہجہ کو جان رہا تھا کہ وہ کیسا ہے؟ اس نے نہ بیٹھے بول بولے نہ کڑوے، اس کا منہ تو لونڈی

کے بیٹے کے منہ کی طرح اور نہ آزاد کے بیٹے کے منہ کی طرح، میں نے اس سے اعراض کر لیا اور اس سے کہا: تمہاری بولنے کی کمزوری کا برا ہو، تو

وہ ہنسی میں ڈوب گیا اور زور سے ہنس پڑا، پھر میری طرف اپنا سر ہلایا اور یہ شعر پڑھا۔

اے وہ شخص جس کا غصہ اس لیے بڑھ گیا کہ میں نے اپنا نام اس کے سامنے ظاہر نہیں۔

اگر تمہیں نام کا ظاہر کرنا ہی پسند ہے تو غور سے سن میں یوسف ہوں یوسف!

تمہارے لیے میں نے پردہ اٹھایا اگر تم نے ذہانت سے نہیں سمجھا تو میں نہیں سمجھتا کہ تم شناسا ہو۔

اس نے کہا: اس کے شعر کی وجہ سے میرا غصہ جاتا رہا، اس کی سحر بیانی سے میرا دل و دماغ اس کا اسیر ہو گیا، میں اس کی کھوج سے حیرت زدہ ہو گیا

اور یوسف صدیق کا قصہ بھول گیا اور میرا مقصد مالک سے بھادتا و کرنا اور قیمت کا پتہ لگا کر ادا کرنا رہ گیا، میں سمجھ رہا تھا کہ مجھے وہ کنکھوں سے دیکھے گا اور مجھ

پر قیمت بڑھائے گا، اس نے مجھ پر اتنی نظر نہیں دوڑائی جتنی میں نے اس پر دوڑائی تھی اور نہ وہ اس چیز پر اپنی توجہ مبذول نہیں کی جس کی جانب میں نے کی

؛ بلکہ کہا: جب غلام کی قیمت کم ہو اور اس کا بوجھ ہلکا ہو تو اس کا آقا اس سے برکت حاصل کرتا ہے اور اس پر اس کی حاجت شامل ہوتی ہے، میں اس غلام کو

تمہارا محبوب بنانا چاہتا ہوں، میں اس کی قیمت تمہارے لیے کم کرتا ہوں اگر تم چاہو تو دوسو درہم وزن کرو اور جب تک زندہ رہو تو میرا شکر ادا کرو، میں نے اسے اتنی قیمت نقد دے دی، جیسے سستی اور حلال شی کے لیے نقد دیا جاتا ہے، میرے دل میں یہ خیال نہیں آیا کہ ہر سستی چیز مہنگی ہوتی ہے، جب معاملہ مکمل ہو چکا، جدائیگی کا وقت ہوا، تو غلام کی دونوں آنکھیں اشکبار ہو گئیں، آنکھ کے آنسو بادل کے آنسو کے مانند نہیں ہوتے، پھر وہ اپنے مالک کی جانب متوجہ ہوا اور کہنے لگا:

اللہ تمہارا برا کرے مجھ جیسا شخص بیجا جاتا ہے؛ تاکہ اس کے ذریعہ بھوکے آنٹوں (اولاد) کو آسودہ کیا جاسکے۔

اور انصاف کا قانون یہ ہے کہ میں ایسے کام کا ذمہ دار بنایا جاؤں جو میرے بس میں نہیں۔

میں خوف کے بعد خوف میں مبتلا کیا جاؤں، مجھ جیسا جب آزما یا جائے تو ڈرایا نہیں جاتا۔

کیا تم نے مجھے آزما یا نہیں تو تم نے مجھ سے پند و نصائح حاصل نہیں کیے جس میں کسی دھوکے کی آمیزش نہیں تھی۔

اور بہت دفعہ تم نے مجھے کسی شکار کا جال بنایا اور تم واپس ہوئے تو میرے رسیوں میں درندے تھے۔

اور تو نے مجھے دشواریوں کے سپرد کیا تو وہ میری فرماں بردار ہو گئیں حالانکہ ان کے ساتھ رکنا تھا۔

کسی لڑائی میں مجھے آزما یا نہیں گیا کہ جس میں مجھے غنیمت کا حصہ نہ ملا ہو۔

زمانے نے میرا کوئی گناہ ظاہر نہیں کیا، تو میرے مقابلے میں پردے کھولے جاتے رہے ہیں۔

الحمد للہ تم میرے کسی عیب سے واقف نہیں ہوئے جسے چھپایا یا ظاہر کیا جائے۔

تو تمہارے لیے میرے وعدے کو توڑنا کیسے جائز ہوگا جیسے صنعت کار کے تراشے کو پھینک دیا جاتا ہے۔

اور تمہاری طبیعت نے مجھے کیسے ذلیل کرنے کی اجازت دی اور یہ کہ میں سامان کے مانند بیچا جاؤں۔

اور تم نے میری عزت کی حفاظت نہیں کی جسے میں نے جدائی کے دن تیری بات کی حفاظت کی۔

تم نے میرا بھاؤ کرتے ہوئے یہ کیوں نہیں کہا کہ یہ سکا ب (ایک قسم کا عمدہ گھوڑا) جو بیچا اور عاریت میں نہیں دیا جاتا۔

میں اس عمدہ گھوڑے سے کم نہیں ہوں، لیکن تمہاری طبیعت اس کے مالک کی طبیعت سے بڑھ کر ہے۔

میرے لیے ضروری ہے کہ اپنے بیچے جانے کے وقت یہ شعر پڑھوں، اضاعونی وای فتنی اضاعو (انھوں نے مجھے کھو دیا اور کس نوجوان کو کھو دیا)۔

اس نے کہا: جب بوڑھے نے اس کے اشعار سنے اور اس کے ترنم کو سمجھا تو آہ بھری اور رونے لگا، یہاں تک کہ دور کے لوگوں کو رلا دیا، پھر

اس نے کہا: میں اس غلام کو اپنے بیٹے کی جگہ رکھوں گا اور اسے اپنے جگر پاروں سے علاحدہ نہ سمجھوں گا اور اگر میرے مکان کا خالی ہونا اور میرے

چراغ کا بجھنا نہ ہوتا تو تو میرے کاشانہ سے نہیں نکلتا اور میری لاش کے پیچھے نہ چلتا اور تم نے نازل شدہ جدائی کی تیش دیکھ لیا اور مومن نرم و آسان ہوتا

ہے، میں تمہارے لیے اپنے دل کی تسلی اور اپنے غم کے ازالے کے لیے یہی (صورت) نظر آئی کہ تم مجھ سے اس کے بارے میں اقالہ پر معاہدہ کرو،

جب میں اقالہ کرنا چاہوں اور مجھ پر بوجھ نہ ڈالو جب میں خود بوجھ ہوں؛ کیوں کہ ثقات کے منتخب آثار میں ہے کہ جو شرمندہ شخص کے سودا اور خرید

و فروخت کو واپس کر دے، اللہ عز و جل اس کے لغزشوں کو معاف کر دیتے ہیں۔



حارث بن ہمام نے کہا: تو میں نے اس سے ایسا وعدہ کیا جس کو حیا نے ظاہر کر دیا اور دل میں بہت سی چیزیں تھیں، اس وقت اس نے غلام کو اپنے قریب کیا، اس کے آنکھوں کے درمیان بوسہ لیا اور یہ شعر پڑھے اور اس کے پلکوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔

تم پر جانیں فدا ہوں جس غم اور خوف کی شدت سے مل رہے اسے آسان کر لو  
اس لیے کہ جدائی کی مدت دراز نہیں ہوگی، ملاقات کی رکائیں کمزور نہیں ہوتیں  
خالق اور قادر کی حسن مدد سے

پھر اس نے کہا: میں تمہیں اس کی امانت میں دیتا ہوں جو بہتر سرپرست ہے اور اپنا دامن سمیٹ لیا اور پشت پھیر لیا اور غلام آہ و بکا کرتا رہا اور وہ حدنگاہ طے کرتا رہا، جب اسے افاقہ ہوا، اس کے برستے ہوئے آنسو تھے، تو اس نے کہا: تم کو معلوم ہے کہ میں کیوں رویا اور کس چیز پر بھروسہ کیا، میں نے کہا: میں سمجھتا ہوں کہ اپنے آقا کی جدائی ہی نے تم کو رو لایا ہے، اس نے کہا: تم ایک وادی میں ہو اور میں دوسری وادی میں، ارادہ کرنے والے اور ارادہ کیے ہوئے ہیں، پھر اس نے یہ شعر پڑھے:

واللہ میں کسی دوست کے دور ہونے پر نہیں رویا اور نہ کسی نعمت و راحت کے کھونے پر رویا  
لیکن میری پلکوں کا آنسو ایک بیوقوف پر بہا، جب اس نے اسے بلند نظر سے دیکھا  
میں نے اسے بھنور میں ڈال دیا، یہاں تک تھک گیا اور رسوا ہو گیا اور اس نے سفید خالص درہم برباد کر دیے۔  
تم پر افسوس کہ اس کی خوش کلامی بات نے تمہیں اشارہ نہیں دیا کہ میں آزاد ہوں میرا بیچنا جائز نہیں۔  
جب کہ یوسف میں اس کا معنی ظاہر تھا۔

اس نے کہا: میں اس کی بات کو مذاق کے آئینے اور کھلاڑی کے نمائش گاہ میں سمجھا اور میں راست گو کی طرح کھڑا ہو گیا غلامی کے خیر سے اپنے کو بری کر لیا اور ہم آپس میں لڑ پڑے اور ہمارے درمیان ہاتھ پائی ہو گئی، معاملہ عدالت میں پہنچا، جب ہم نے قاضی کو صورت حال بتائی اور اس کے سامنے قصہ بیان کیا، تو اس نے کہا: سنو، سنو جس نے ڈرایا وہ معذور ہو گیا، ہوشیار کرنے والا خوشخبری دینے والے کی طرح ہوا، جس نے بصیرت سے کام لیا اس نے کوتاہی نہیں کی اور تم دونوں نے جو بیان کیا اس میں یہ دلیل ہے کہ اس غلام نے تمہیں ہوشیار کیا تم باز نہیں آئے، تم کو نصیحت کی تم نے دھیان نہیں دیا، اس لیے اپنی اپنی بیوقوفی کی بیماری کو چھپاؤ اس پر پردہ ڈالو اور خود پر ملامت کرو، اس پر ملامت مت کرو، تم اس سے چھٹے رہنے سے بچو اور اس کے غلام بنانے کی ہوس چھوڑ دو، کیوں کہ مکمل آزاد شخص ہے، قیمت کے لیے اس کو پیش نہیں کیا جاسکتا، اس کے والد کل سورج غروب نے سے پہلے آئے تھے اور اقرار کیا تھا کہ یہ اس کی اولاد ہے، جس کو اس نے پیدا کیا ہے، اس کے سوا اس کا کوئی وارث نہیں ہے۔ تو میں نے قاضی سے کہا: کیا آپ اس کے والد کو جانتے ہیں، اللہ اس کو رسوا کرے، اس نے کہا: ہاں، کیا تم ابو زید سے واقف ہو، جس کا زخم معاف ہے اور قاضی کے پاس اس کی خبر اور خبر رسانی ہے، اس وقت میں غصہ ہو گیا اور لاجول پڑھا اور ہوش میں آیا؛ لیکن جب وقت نکل گیا تو مجھے یقین ہو گیا اس کا نقاب اس کے کہر کا جال تھا، اس کے قصیدے کا شعر اور میری نظر کو جس کا میں نے سامنا کیا جھکا دیا، میں نے قسم کھایا کہ جب تک زندہ رہوں گا کسی نقاب پوش سے معاملہ نہیں کروں گا اور میں اپنے سودے کے زیاں اور اپنے ساتھیوں کے درمیان اپنی رسوائی پر ہمیشہ شرمندہ رہوں گا اور قاضی نے مجھ سے کہا: جس وقت اس نے میرے غصہ کو دیکھا اور میری جلن کی تپش ظاہر ہوئی، اے شخص! تمہارا جو مال برباد ہوا اس نے تمہیں نصیحت کی اور تمہیں ہوشیار کیا

اسے ملزم نہیں بناؤں گا، تم اپنی مصیبت سے نصیحت حاصل کرو اور تمہارے ساتھ جو کچھ پیش آیا اسے اپنے ساتھیوں سے چھپاؤ جو حادثہ تمہارے ساتھ پیش آیا اسے یاد رکھو، تاکہ نصیحت تمہارے درہم کو بچا سکے، ایسی عادت اپناؤ جس کی مدد سے آزمائش میں مبتلا شخص صبر کرے اس کے عبرت خیز مواقع سے عبرت حاصل ہو سکے۔

حارث بن ہمام نے کہا: تو میں نے شرم و غم کا لباس پہن کر اور فرقت میں ابوزید کو ڈھونڈنے اور ہمیشہ کے لیے اس سے جدا رہنے کا ارادہ کیا اور اس کے مکان سے دور رہنے لگا اور اسے دیکھنے سے بھی پرہیز کرنے لگا، پھر وہ مجھے ایک تنگ راہ میں ملا اور مجھ سے پیار بھرا سلام کیا، تو میں اپنا منہ بسور لیا اور اس سے بات چیت نہیں کی، اس نے کہا: تمہاری طبیعت کیسی ہے تم نے اپنے دوست پر ناک چڑھا لیا؟ میں نے کہا: کیا تم بھول گئے کہ تم نے مکر کیا اور دھوکا دیا اور جو کچھ کیا کیا، تو اس نے میرا مذاق اڑا یا اور یہ شعر مکافات کے طور پر پڑھا:

اے شخص جس سے وحشتناک امراض اور منہ بسور ناظا ہر ہوا

ملامت کے تیر درست کرنے لگا، جس سے تیریں کوتاہ ہیں

اور کہتے ہو کہ کیا آزاد بیچا جاتا ہے جیسے گھوڑا بیچا جاتا ہے

رکو، جس میں میں ہوں وہ نئی چیز نہیں جیسا کہ تم سوچتے ہو

مجھ سے پہلے اولاد یعقوب نے یوسف کو بیچا جو مجھ سے بڑے تھے

اسے یاد رکھو! اور میں اس کے مکان کی قسم کھاتا ہوں جس کے یہاں مجرم لایا جاتا ہے

اس کا طواف کرنے والے کے پیشانیوں کے بال الجھے ہوئے اور ہونٹ سوکھے رہتے ہیں

میں اس رسوا کن کام کے لیے ایسی حاجت میں آمادہ نہیں ہوا جب کہ میرے پاس ایک بھی درہم ہو

تو اپنے بھائی کو معذور سمجھو اور ناشناست شخص کی طرح ملامت کرنے سے رُک جاؤ

پھر اس نے کہا: میری معذرت تو ظاہر ہے اور تمہارے درہم برباد ہیں اور تمہارا خوف مجھ سے تمہارا اعراض مجھ سے اگر تمہارے باقی سال پر رحم و کرم اور فرط محبت کی وجہ سے ہے تو میں ان لوگوں سے نہیں ہوں جو دوبارہ ڈستا ہو اور دوا نگاروں پر پیر رکھتا ہو اور اگر تم نے اپنی پہلو تہی کر لی اور اپنی کنجوسی کے فرماں بردار ہو گئے تاکہ تم جو میری رسیوں میں لگ گیا اسے نکالو تو رونے والیاں تمہاری عقل پر رونیں۔

حارث بن ہمام نے کہا: اس نے اپنے پرفریب الفاظ اور زبردست سحر بیانی سے مجھے مجبور کر دیا اور میں اس کا دوست اور اس کا مہربان ہو گیا،

اس کے کام کو پس پشت ڈال دیا گرچہ کہ وہ بڑی چیز تھا۔

## 15.6 لغوی تحقیق

جُبْتُ	:	طے کرنا پار کرنا
البید جمع البیداء	:	جنگل، بیاباں
زبید	:	یمن کا ایک شہر

اشد	اشد کہتے ہیں جو پندرہ سے چالیس سال کی عمر کے درمیان ہو، یہ شباب اور جوانی کی انتہا اور
اکمل رشدہ	تجربے اور مہارت کا مبلغ ہوتا ہے
مرامی (و) مرمی	صلاحیتوں کا مکمل ہونا
ثقفتہ (تفعیل)	مقاصد، اغراض
خبیر (تفعیل)	مہارت پیدا کرنا، تعلیم دینا
وفاقی	جاننا معلوم کرنا
یتخطط (تفعیل)	موافقت، مطابقت
لا جرم	تجاوز کرنا، آگے بڑھنا
التا ط	لامحالہ
صفری	چٹنا۔
اخلص (افعال)	میرادل، یہ پیٹ میں ایک کیڑا ہوتا ہے، جب انسان کو بھوک لگتی ہے، اس کے آنتوں کو کاٹنا
الوی بہ (افعال)	شروع کر دیتا ہے۔
المبید	خالص کرنا، ساتھی بنالینا
شالت نعمتہ	لے جانا، ہلاک کرنا
اسیغ طعاما (افعال)	ہلاکت خیز
اریغ غلاما (افعال)	اس کی نعرش اٹھ گئی۔
السداد	کھانا اچھا نہ لگنا
عوز (ن)	غلام کی تلاش کرنا
سح (ض)	درستی
قلب (تفعیل)	ٹیڑھا پن
الاکیاس	برسانا
دارت الاہل دورھا	پلٹنا، تفتیش اور کھوج کرنا
کورھا و حورھا	عقل مند، واحد کیس
لا سح لہارعد	مہینے گزر گئے
	کسی چیز کا مکمل ہونا اور کم ہونا
	اس سے مراد وہ ہے جو وعدہ وفائی نہ کرے

سح (ض)	:	برسانا
الفری	:	کاٹنا، یعنی ہر وعدہ کرنے والا اس کو پورا نہیں کرتا
لن يحك مثل ظفري	:	یہ ضرب المثل ہے کہ لوگوں پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے، میری کھال کو میرے ناخن کے جیسا کوئی کھجا نہیں سکتا
التفویض	:	سپرد کرنا
الصفرو البیض	:	دینار و درہم
استعراض	:	پیش کرنے کو طلب کرنا
لثام	:	نقاب جمع لثم
اختطم	:	ناک کے اوپر ڈالنا
صنعا	:	حاذق ماہر
قطت به	:	اس سے چپک گیا،
لعا (ن)	:	نجات پانا، صحیح سالم ہونا
تسمه (ن)	:	تکلف کرنا
بظلف قنعا	:	کھر پر راضی ہو گیا، یعنی تھوڑے پر راضی ہو گیا۔
الکیس	:	مہارت اور عقل مندی
دعا (ن)	:	پکارنا، آواز دینا
نث (ن)	:	پھیلا نا
صدع	:	دل کا پھاڑنا اور توڑنا
الصمیم	:	خالص
صباح	:	خوبصورتی
اللہج	:	لب و لہجہ
ضربت عنه صفحا	:	میں نے اس سے رخ موڑ لیا
انا یوسف، انا یوسف	:	میں آزاد ہوں، میرا بچپنا درست نہیں
سری عتبی	:	میرا غصہ چلا گیا
استبی (استفعال)	:	میرا دل اس کا اسیر ہو گیا
سحر	:	حسن کلام، جادو بیانی

شدهت (ف)	:	حیرت میں پڑنا
طلع الثمن (تفعیل)	:	قیمت کا اندازہ کرنا
السیم	:	قیمت
ما حلق (تفعیل)	:	گھومنا، طواف
هوا	:	محبت
الصفق	:	بیچ، خرید و فروخت
الکروش	:	یہاں مراد آدمی کے اہل و عیال ہیں، اوجھ
الشرع	:	پانی کی جگہ آنا، قانون
یروع (ن)	:	گھبرانا
ارصدنی (افعال)	:	تیار کرنا
حبائل (و) حبل	:	رسیاں
کریہ	:	جنگ
ابلی فی الحرب	:	یعنی جنگ میں قوت کا مظاہر کرنا
باع	:	طاقت، سعادت
مصارم	:	مقاطعہ، بائیکاٹ
ساغ (ن)	:	جائز، آسان، لذیذ ہونا
البرای	:	برادہ
الصناع	:	صنعت اور کاریگری میں ماہر عورت
لم سمحت قرونك	:	کسی چیز کے لیے تم نے راضی کیا
سکاب	:	بنی تیم کے ایک شخص کا گھوڑا
الطرف	:	شریف گھوڑا
مناغات	:	کلام
الافلاذ جمع فلذ	:	ٹکڑا، اس سے مراد اولاد ہے
مراحی	:	گھر
خبو مصباحی (ن)	:	چراغ کا بجھنا
درج عن عشی (ن)	:	گھر سے نکلنا

مرنے تک جنازہ لے جانے تک	:	المی أن یشیع نعشی (ض)
فرقت جدا ہونے کی آگ	:	لوع البین
اقالہ اور بیچ کو ختم کرنے کا مطالبہ کرنا	:	استقلت (استفعال)
میں نے اس سلسلے میں بکثرت کلام کیا	:	ثقلت
خبریں	:	الاثار
اپنے سے قریب کرنا	:	استدناہ (استفعال)
چھڑکنا، بھکیرنا	:	یرفض
الکم سے ہے جس کے معنی مٹھی بنا کر مارنے کے ہیں	:	الملاکم
پہنچنا	:	افضت (افعال)
حاکم کے پاس جانا	:	محاکم
حقیقت، صورت حال	:	الصور
قرآن کی تلاوت کرنا	:	تلونا (ن)
یہاں قصہ مراد ہے	:	السورة
یعنی جو شخص تم پر آنے والی مصیبت سے آگاہ کرے تو وہ معذور ہے	:	من انذر فقد اعذر
حقیقت حاصل کو واضح کرنا	:	بصر (تفعیل)
رکنا	:	فما ارعوت (افعال)
جانا، نصیحت پر توجہ دینا	:	وعیت (ض)
قیمت دار بنانا	:	التقویم
حدیث میں ہے جرح العجماء یعنی جانوروں کا زخم معاف ہے	:	جرحه جبار
غصہ سے دانت پیس لینا	:	تحرقت
لاحول ولا قو الا باللہ پڑھنا	:	حوقلت
یہ نادر اور قیمتی چیز کے لیے مثال دی جاتی ہے	:	بیت القصید
میری آنکھیں جھکا دی	:	نکس طرفی
میرا معاملہ خسارہ میں آ گیا	:	خسر صفقتی
بے چینی، تکلیف، جلن	:	الامتعاظ
درد کی جلن	:	حزار تماضی

کاتم اصحابک	: اپنے ساتھیوں سے چھپاؤ
دھمک (ف)	: اچانک آجانا
الغبین	: زائد قیمت پر بیچنا، یہاں مراد، عقلی کمزوری
مکاشفۃ ابی زید	: اس کی دشمنی کا اظہار کرنا
أُنکب عن ذراہ انتکاب (افتعال)	: رخ پھیرنا، منہ موڑ لینا
ختلت (ف)	: دھوکہ دینا
اضطر بی (افعال)	: مذاق کرنا
الضرط	: تلافی کرنا، مافات پر تدارک کرنا
طویت کشحک	: اعراض کرنا
لتستنقذ (استفعال)	: بچنا، بچاؤ کرنا
الخالب	: دھوکہ دینے والا
الغالب	: قوی، طاقتور
العطوف	: حد سے زیادہ مہربان
شیئاً فریا	: بڑی بات

## 15.7 ادبی صنف کا تعارف

مقامہ بمعنی مجلس، جماعت، موضع المقام (وہ جگہ جہاں آدمی کھڑا ہوتا ہے)، وعظ و نصیحت اور ادبی صنف میں لکھی گئی کہانی یا لطیفہ کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کی عبارت مقفی و مسجع ہوتی ہے، یہاں آخر الذکر ہی مراد ہے، اس صنف کو بدیع الزمان ہمدانی نے متعارف کروایا، اس نے 400 مقامات رقم کیے، حالات کے ستم ظریفیوں کی وجہ صرف 53 مقامات ہم تک پہنچے، بعد از تحریر نے 50 مقامات لکھے، ان 50 مقاموں ہی کی وجہ سے اس صنف کو دوام حاصل ہوا اور تحریری ہی کا قلم فن مقامہ کی آبرو بنا رہا، اس کے بعد کئی اساطین علم نے اس صنف میں طبع آزمائی کی جن میں قابل ذکر زرخشری، ابن الجوزی، سیوطی، احمد بن بکر، رازی اور ابن الوردی ہیں؛ لیکن انہیں وہ مقام و مرتبہ حاصل نہیں ہوا جس پر حریر فائز ہوا۔

### 15.7.1 صنف کی ہیئت و صورت

فن مقامہ میں سارا زور الفاظ اور تعبیرات کے حسن و سجع بندی پر ہوتا ہے، مطلب، معنی اور کہانی کی طرف توجہ ثانوی درجہ میں ہوتی ہے، ہر ایک خالص لفاظی کا ایک ادبی اور لغوی نمونہ ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مقامات کی زبان کا طرز اور سجع بندی کا پُر تکلف کلام عام گفتگو اور روزمرہ کے محاورے میں استعمال نہیں کی جاسکتیں؛ اس لیے یہ زبان دانی کے لیے مفید نہیں ہے، اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس فن کے ذریعہ طلبہ کے لیے آسان ہو جاتا ہے کہ وہ بہ آسانی لغت اور الفاظ کے بڑے ذخیرہ کو یاد کر سکتے ہیں۔ لغت اور ذخیرہ الفاظ کے حوالہ سے اس صنف ادب کی بڑی اہمیت ہے۔

مقامہ کا موضوع یہی ہے کہ لفظوں اور مختلف تعبیرات کے ذریعہ اپنے مافی الضمیر کا اظہار ہے اور زندگی کی ضرورتوں کو پورا کرنا ہے، یہ ایک ایسا فن پارہ ہے جس کو حریری نے بحسن خوبی ادا کیا ہے، اس مقامہ کے متن کو پڑھنے سے نادر اسلوب اور مترادف الفاظ کا استعمال معلوم ہوتا ہے اور شعر سے رغبت پیدا ہوتی ہے، زبان و بیان کے زیروہم سے واقف ہوتا ہے، لغوی نکات، نحوی دقائق، لطائف و طرائف کو بر موقع لانے کا علم ہوتا ہے، سجع میں تکلف اور غیر مانوس الفاظ کا استعمال کی بھرمار ہے، جس سے تحریر کو زود بخش بنانے میں مدد ملتی ہے، متن کو حارث بن ہمام کے ذریعہ روایت کروایا گیا ہے اور متن کی خوبصورتی ابو یسروہ جی کے مکالمات اور کردار سے ہے، ابو یسروہ جی نہایت چالاک، ہوشیار، مکار اور فصیح الکلام ہے، یہی اپنی فصاحت و بلاغت اور قوت گوئی سے ہر شخص کو اپنا گرویدہ کر لیتا ہے، یہی متن کا موضوع اور مقصود ہے۔

(۱) فَلَمَّا شَالَتْ نَعَامَتَهُ. وَسَكَنْتْ نَأْمَتَهُ. بَقِيَتْ عَامًا. لَا أَسْبَغُ طَعَامًا. وَلَا أُرْبِغُ غُلَامًا. حَتَّى أَلْبَأْتَنِي شَوَائِبُ الْوَحْدَةِ. وَمَتَاعِبُ الْقَوْمَةِ وَالْقَعْدَةِ. إِلَى أَنْ أَعْتَاضَ عَنِ الدَّرِّ الْخَزَرَ. وَأَزْتَادَ مَنْ هُوَ سِدَادٌ مِنْ عَوَزٍ. فَقَصَدْتُ مِنْ يَبِيعُ الْعَبِيدَ. بِسَوْقٍ زَبِيدٍ. فَقُلْتُ: أَرِيدُ غُلَامًا يُعْجِبُ إِذَا قَلَبَ. وَيُحْمَدُ إِذَا جَرَبَ. وَلِيَكُنْ مَمَّنْ خَزَجَهُ الْأَكْيَاسُ. وَأَخْرَجَهُ إِلَى السُّوقِ الْإِفْلَاسِ. فَاهْتَزَّ كُلُّ مِنْهُمْ لِمَطْلَبِي وَوَثَبَ. وَبَدَلَ تَحْصِيلَهُ عَنْ كَسْبٍ ثُمَّ دَارَتْ الْأَهْلَةُ دُورَهَا. وَتَقَلَّبَتْ كُورَهَا وَخُورَهَا. وَمَا نَجَزَ مِنْ وُعُودِهِمْ وَغَدَ. وَلَا سَخَ لَهَا رَغَدَ.

مذکورہ بالا عبارت اپنے اندر ذخیرہ الفاظ اور اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لیے نئی تعبیرات اور مختلف اسالیب لیے ہوئے ہے، مقامہ کا راوی حارث بن ہمام کو اپنے ہمراہ خادم خاص سے اس قدر الفت و محبت اور انسیت ہے کہ راوی کو اس کی جدائیگی برداشت نہیں ہوتی؛ اس لیے کہ خادم اپنے آقا کی طبیعت اور اس کی چاہت سے واقف ہے وہ اپنے آقا کی ہر ضرورت کو اس کی خواہش کے مطابق پورا کرتا ہے، دوران سفر خادم خاص اس دارفانی سے کوچ کر جاتا ہے، جس کا اثر اس متن کے ذریعہ قاری کو معلوم ہوتا ہے کہ آقا اپنے خادم سے کس قدر محبت کرتا تھا؟، ملاحظہ فرمائے:

جب اس کے تلوے اٹھ گئے (یعنی وہ ہلاک ہو گیا، مر گیا) اس کی حرکت بند ہو گئی (یعنی اس کی دماغ رگ کے مفلوج ہونے کی وجہ اس کی حرکت نفس بند ہو گئی) تو ایک سال میں ایسے ہی رہا جب میرا غلام مجھ سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گیا تو، میری کھانے سے رغبت ختم ہو گئی، یعنی غلام کے انتقال کی وجہ سے کھانا بھی مجھ سے کھانا نہیں جا رہا تھا، غم و حزن اور ملال کی وجہ سے نئے غلام کی تلاش بھی مجھ پر گراں تھی، نہ کوئی لڑکا ڈھونڈ سکتا تھا، تنہائی کی آمیزیشات اور نشست و برخاست کی تھکان نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں موتی کے بدلے ٹھکرے خرید لوں، (اس کی جدائی نے مجھ میں گھٹن پیدا کر دی تو میں نے اس بات کا تہیہ کر لیا کہ اُس جیسا غلام نہ سہی اُس سے کمتر غلام ہی تلاش کر لوں)، اس چیز کی تلاش کو جو کھوئی ہوئی چیز کا عوض بن سکے، میں غلاموں کے تاجر کے پاس زبید کے بازار گیا، میں نے کہا: مجھے ایسا غلام چاہیے جس کی کھوج کی جائے تو اچھا لگے اور آزمایا جائے تو قابل تعریف ہو، ایسا ہونا چاہیے جسے عقل مندوں نے تعلیم دی ہو، غربتی نے اسے بازار لایا ہو، (یعنی وہ ان صفات کا حامل غلام چاہتا ہے) تو ان تاجروں میں سے ہر ایک میرے مقصود سے جھوم اٹھا اور اچھل پڑا اور اس کو جلد حاصل کرنے کی کوشش میں لگ گیا، پھر کئی ایک مہینے گزر گئے، ان کا کم بیش پلٹا،



ان میں سے کسی نے اپنے وعدے کو پورا نہیں کیا اور نہ اس کے لیے کڑک کر برسیا (وعدہ پورا نہیں کیا)، (تاجروں کو ان صفات کا حامل غلام بتایا تو انھوں نے ان صفات کا حامل غلام لانے کا وعدہ کیا لیکن کئی مہینوں کے گزرنے کے بعد بھی وہ وعدہ وفا کی نہ کر سکے)۔

(۲) قال: فَسَرَى عَثْبِي بِشَعْرِهِ. وَاسْتَبَى لِي بِسِحْرِهِ. حَتَّى شَدَّهْتُ عَنِ التَّحْقِيقِ. وَأَنْسَيْتُ قِصَّةَ يَوْسُفَ الصَّدِيقِ. وَلَمْ يَكُنْ لِي هَمٌّ إِلَّا مُسَاوَمَةُ مُؤَلَاهُ فِيهِ. وَاسْتِطْلَاعُ طَلْعِ الثَّمَنِ لِأَوْفِيهِ. وَكُنْتُ أَحْسَبُ أَنَّهُ سَيَنْظُرُ شَرًّا إِلَيَّ. وَيَغْلِي السَّيْمَةَ عَلَيَّ. بَلْ قَالَ: إِنَّ الْغَلَامَ إِذَا نَزَرَ ثَمَنَهُ. وَخَفَّتْ مَوْنُهُ. تَبَرَّكَ بِهِ مُؤَلَاهُ. وَالتَّحَفُّ عَلَيْهِ هَوَاهُ. وَإِنِّي لَا وَثُرْتُ تَحْيِيْبَ هَذَا الْغَلَامِ إِلَيْكَ. بَأَنْ أَخَفَّفَ ثَمَنَهُ عَلَيْكَ. فَرِنْ مَائَتِي دِرْهَمٍ إِنْ شِئْتَ. وَاشْكُرْ لِي مَا حَيَّيْتُ! فَفَقَدْتُ الْمُبْلَغَ فِي الْحَالِ. كَمَا يَنْقُذُ فِي الرِّخِيصِ الْحَلَالَ. وَلَمْ يَخْطُرْ لِي بِيَالٍ. أَنَّ كُلَّ مَرْخَصٍ غَالٍ.

### 15.9.3 توضیح و تشریح

حارث بن ہمام غلام خریدنے کے لیے زبید بازار تو وہاں اس کو ایک نقاب پوش شخص کے پاس ایک غلام نظر آیا، اس کی قوت گویائی، فصاحت و بلاغت اور شعر گوئی سے متاثر ہو کر اس کے خریدنے پر آمادہ ہو گیا تو راوی نے کہا: اس کے شعر کی وجہ سے میرا غصہ جاتا رہا (یعنی اس کے ادبی لب و لہجہ اور علم سے متاثر ہو کر میرا غصہ جاتا رہا)، اس کی سحر بیانی سے میرا دل و دماغ اس کا اسیر ہو گیا، میں اس کی کھوج سے حیرت زدہ ہو گیا اور یوسف صدیق کا قصہ بھول گیا (یعنی وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ میں اس کی لفاظی اور سحر بیانی کی وجہ سے اس قدر متاثر ہوا اس نے یوسف علیہ السلام کا ذکر کر کے اپنی آزادی کا جوا اشارہ دیا اس کو سمجھ نہ پایا) اور میرا مقصد مالک سے بھاؤ تاؤ کرنا اور قیمت کا پتہ لگانا تھا تا کہ اسے ادا کر سکوں، میں سمجھ رہا تھا کہ مجھے وہ کنکھیوں سے دیکھے گا اور مجھ پر قیمت بڑھائے گا، (یعنی اس قدر خوش بیان، صاحب علم غلام کو دیکھ کر میں سمجھ رہا تھا کہ وہ اس کی قیمت بڑھائے گا، لیکن ایسا نہ ہوا، میں تو اس کو کنکھیوں سے دیکھ رہا تھا، لیکن اس نے مجھے اس ترجیحی نظر سے نہ دیکھا) اس نے مجھ پر اتنی نظر نہیں دوڑائی جتنی میں نے اس پر دوڑائی تھی اور نہ وہ اس چیز سے لٹکا جس میں لٹکا، بلکہ کہا: جب غلام کی قیمت کم ہو اور اس کا بوجھ ہلکا ہو تو اس کا آقا برکت حاصل کرتا ہے اور اس پر اس کی حاجت شامل ہوتی ہے، میں اس غلام کو تمہارا محبوب بنانا چاہتا ہوں، میں اس کی قیمت تمہارے لیے کم کرتا ہوں اگر تم چاہو تو دو سو درہم وزن کرو اور جب تک زندہ رہو تو میرا شکر ادا کرو، میں نے اسے اتنی قیمت نقد دے دی، جیسے سستی اور حلال شی کے لیے نقد دیا جاتا ہے، (بہر حال اس نے میٹھی اور چکنی چڑی باتوں کے ذریعے میرا دل موہ لے کر غلام کی قیمت لے کر چلتا بنا) میرے دل میں یہ خیال نہیں آیا کہ ہر سستی چیز مہنگی ہوتی ہے، جب معاملہ مکمل ہو چکا، جدائیگی کا وقت ہوا، تو غلام کی دونوں آنکھیں اشکبار ہو گئیں، مگر بادل کے آنسو کے مانند نہیں، پھر وہ اپنے مالک کی جانب متوجہ ہوا۔ (یعنی جب غلام بیچنے والا قیمت لے کر چلا تو غلام رو پڑا، وہ اپنے مالک کی جانب متوجہ ہو کر اشعار کی شکل میں اپنے آزاد ہونے کا اظہار کیا)۔

### 15.10 متن کی خصوصیات

- ۱۔ مقامہ دراصل اس میں قصہ گوئی، لطیفہ یا حکایت مقصود نہیں ہوا کرتی، اس سے مقصود طلبہ کو لغوی سبق دینا ہوتا ہے، جس میں الفاظ اور تعبیرات کا ایک بڑا ذخیرہ قاری کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔
- ۲۔ حریری غلام اور اس کے آقا کی گفتگو کو مختلف پیرائے اور تعبیرات اور اشعار کی شکل میں پیش کرتا ہے، جس کے ذریعے وہ قاری کو تعبیرات اور الفاظ کا ذخیرہ دینا اور شعری اور نثری صلاحیت ان میں اجاگر کرنا چاہتا ہے۔

۳۔ اس زمانے کے معاشرے کی بھی ایک جھلک اس میں پیش کی گئی ہے، وہ علم دوست زمانا تھا، جب غلام بھی خریدا جاتا تو اس کے فصاحت و بلاغت اور اس کے صاحب علم ہونے کو ترجیح دیتے تھے، وہ صاحب علم کا معاون اور مددگار بنے اور وہ ان کو عزت و احترام سے رکھتے اور اس کو پدرانہ شفقت سے نوازتے۔

۴۔ غلام کی تجارت ہوتی تھی، مختلف جگہ سے غلام لائے جاتے، منڈیوں میں مختلف خوبیوں کے حامل غلاموں کو پیش کیا جاتا، ان کے اوصاف بیان کیے جاتے، علم و ادب اور آقا کی فرماں برداری، اس کی چھوٹے بڑے ہر حکم کی بجا آوری، اس کی سہولیات کا سامان بہم پہنچائے ان صفات کے حامل غلاموں کو خریدا جاتا تھا۔

۵۔ لیکن لوگوں نے آزاد لوگوں کو منڈی میں لا کر ان کو غلام کی حیثیت پیش کر کے لوگوں کو ان کے علمی رعب و دبدبہ اور ان کی قوت گویائی اور ادبی صلاحیتوں کا اسیر بنا کر ان کو بیچ دیتے، خریدنے کے بعد میں پتہ چلتا ہے یہ تو غلام نہیں یہ تو آزاد شخص ہے اور آزادی کی خرید و فروخت جائز نہیں۔

۶۔ یہ دور جو کہ عصر عباسی کا آخری دور ہے، اس زمانے کے معاشرے کی منظر کشی بھی ہوتی ہے، لوگ سامان کی خرید و فروخت میں دھوکہ دہی سے بھی کام لیتے تھے، جس کے وہ اپنے شیریں اور میٹھی باتوں اور اپنے غربت اور اپنی افلاس کا سہارا لے کر لوگوں کو اپنے جال میں پھنسا کر ان کو اپنا اسیر بنا کر ان کو اپنے دھوکہ کا نشانہ بناتے۔

۷۔ اس دور کی علمی ترقی کے معیار کا بھی پتہ چلتا ہے، غلام بھی نہایت اعلیٰ اور اونچے درجے کا ادیب ہوا کرتے تھے، خصوصاً عجم ملکوں سے جنگلوں اور فساد کے موقع سے یہ گرفتار کیے جانے والے غلام ادیبانہ شاعرانہ خوبیوں کے حامل ہوتے تھے، اس وقت کے آزاد لوگوں کی علمی خوبیوں کا انداز کیسے لگایا جاتا ہے۔

۸۔ اس واقعہ کا یہ پہلو بھی حریری اجاگر کرتا ہے کہ تاجروں کا یہ معمول تھا کہ وہ کسی چیز کی خریداری کا وعدہ کر کے اس کا لحاظ نہیں کرتے تھے، مہینے گزرنے کے بعد جو مطالبہ اور جن صفات کی حامل چیزوں کی خریدنے کی بات ہوئی ہے وہ اس کو پورا نہیں کرتے، سالوں گزر جاتے لیکن وعدہ وفائی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔

## 15.11 اسلوبی خصوصیات

☆ اس مقام کی اسلوبی خصوصیت یہ ہے کہ حریری نے اس میں الفاظ کی انفرادی اور اجتماعی ترکیب پر زور دیا ہے، اس کے انفرادی حالت میں کچھ معنی ہوتے ہیں، ترکیب کے اعتبار سے وہ جملے ذومعنی و زوجت ہو جاتے ہیں، پہلے جملے کے الفاظ کو اس کے اصلی معنی میں کیا جاتا ہے پھر اس کے بکثرت مترادفات کو لے آتا ہے؛ تاکہ قاری کو ان مترادفات کا طریقہ استعمال معلوم ہو جائے جیسے یہ جملہ ہے: قد کنت ربیتہ لی ان بلغ اشدہ، وثقفہ حتی اکمل رشدہ یہاں بلغ اشدہ، واکمل رشدہ یہ دونوں جملے یہاں بطور مترادف کے استعمال ہوئے ہیں، اسی طرح ربیتہ اور ثقفہ یہ بھی تقریباً مترادف دونوں میں ہر لفظ ایک دوسری جگہ استعمال ہو سکتا ہے، اسی طرح آگے چل کر دار الاہل دورھا، و ثقلت کورھا و حورھا اور اسی طرح ومانجز من وعودھم وعدہ، و لاسخ لہارعدیہ تعبیرات (اس کے لیے بجلی نے نہیں برسایا) دونوں وعدہ پورا کرنے، کے معنی میں آتے ہیں، ایک لفظ میں اور ایک تعبیر کی شکل میں ایک ہی معنی کی تکمیل کر رہے ہیں۔

☆ ایسے ہی حریری بدلیج کی طرح غریب اور غیر مانوس الفاظ استعمال کرتا ہے، جیسے: "بالصفر والبیض" زرد اور سفید سے مراد سونے اور چاندی مراد ہیں، اسی طرح تشبیع الکروش الجیاع کروش یہ اصل پیٹ کے اوجھ کے معنی میں آتا ہے یہاں اولاد مراد ہیں۔ اسی طرح وان تقنعه بظلف قنعا اس سے مراد کم پر قناعت کرنا ہے، لیکن ظلف کے اصل معنی کھر کے آتے ہیں۔

☆ اسی طرح حریری قریب المعنی اور بعید المعنی الفاظ استعمال کرتا ہے اور ان کے مترادف ہونے کو بتاتا ہے۔ شوائب الوحدة اسی وحدت اور تنہائی کو ایک تعبیر میں ایسے استعمال کرتا ہے و متاعب القوم والقعداس کے معنی بھی وہی وحدت یعنی نشست و برخاست کو ختم کرنے کے آتے ہیں۔

☆ اسی طرح حریری مختلف مواقع سے الفاظ کو ایک معنی میں استعمال کرتے ہوئے قرآنی تعبیرات کی طرف بھی چلا جاتا ہے، جس سے طالب علم قرآن کی ادبی خصوصی تعبیرات اور مواقع سے بھی واقف ہو جاتا ہے مثلاً: فلما تاملت خلقه القويم، وحسنه الصميم، خلته من ولدان جن النعيم، وقلت: ما هذا بشرن هذا لاملک کریم اسی طرح ایک دوسری جگہ بھی قرآنی واقعہ کی جانب اپنی شعر لفظ سے اشارہ کیا ہے، فاصغ له انا يوسف انا يوسف یہاں غلام کو اپنا نام حقیقت میں یوسف بتانا نہیں ہے؛ بلکہ یوسف علیہ السلام جس طرح آزاد تھا اور قافلہ والوں نے ان کو دھوکہ سے بچ دیا تھا میں بھی اسی طرح بچا جا رہا ہوں، تعبیرات کے استعمال، بیان و بدلیج کے اسلوب کے اپنانے، تک بندی و صنعت کاری بھی حریری کے پاس خوب پائی جاتی ہے۔

☆ اتدری لم اعولت، وعلام عولت؟ فقلت: اظن فراق مولاك، هو الذى ابكاك، فقال: انك لفى واد وانا فى واد، ولكم بين مرید و مراد یہاں انا فی واد وانت فی واد میں جہاں سچ بندی، قوانی کا استعمال ہے، یہ بھی درحقیقت اپنے اصلی معنی میں استعمال نہیں؛ بلکہ اس سے مراد مقاصد کا اختلاف ہے اور اس کے بعد کی تعبیر ولكم بين مرید و مراد میں بھی سچ کے ساتھ ساتھ ایک لفظ سے قاصداً اور مقصود کے معنی کو بھی بتانا مقصود ہے۔

☆ اسی طرح قریب الوزن الفاظ کے استعمال کے ذریعہ اس زمانہ میں مقبول عربی صنف ادب مقامہ کی اہمیت کی جانب اشارہ بھی مقصود ہے، جیسے یہاں دو لفظ ہم وزن ہونے کی وجہ سے ان میں صوتی ہم آہنگی تو ہوتی ہے؛ لیکن اس میں معنی مختلف ہوتے ہیں و عند کل قاض اخبار وخبار، فتحرقت حينئذ وحوقلت، وافقت ولكن حين فأت الوقت اس میں اخبار وخبار، اسی طرح تحرقت، حوقلت وافقت، فأت الوقت میں صنعت کاری سچ بندی، بیان و بدلیج کا استعمال موجود ہے۔ اس سے حریری کے زمانہ میں سچ کی مصنوعی اور تکلف صنعت کا پتہ چلتا ہے، سچ ضرور ہونا چاہیے کہ گرچہ جملے میں معنی مطلوب سے زائد الفاظ آجائیں، یہ چیز بلاغت اور فصاحت کے اصول کے خلاف ہے کہ کلام مقتضی حال کے موافق نہیں ہوتا ہے۔

☆ استعارہ، مجاز مرسل، تشبیہ، جناس، طباق و سجع، مقابلہ نظیر کی رعایت وغیرہ اسلوب بلاغت کی خوب رعایت کی جاتی ہے، اصل معانی و مطالب اور قصہ گوئی مقصود نہیں ہوتی۔ جیسے یہ عبارت ہے یا هذا ما ذهب من مالک ما وعظک، ولا جرم لیکن من یقظک، فانتعظ بما نابک، وکاتم اصحابک مع اصحابک ان میں آخری الفاظ میں مختلف ہم وزن کو استعمال کرتے ہوئے اس کو اس کے ہم معنی میں استعمال کرتے ہیں اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ یہ سجع و مقفی کلام، اسی وجہ سے ایک مختصر قصہ کو بہت زیادہ طول دے گیا۔

یہ سبق نثر اور نظم دونوں پر مشتمل ہے، اس واقعہ کا راوی حارث بن ہمام ہے، حارث بن ہمام کہتا ہے کہ اس کا ایک غلام تھا، جو نہایت تعلیم یافتہ عقل مند، اس کی ضروریات و حاجات سمجھنے والا تھا، حارث اس سے بہت مانوس تھا، اس کا انتقال ہو گیا، وہ بہت زیادہ مغموم ہوا، اس نے تنہائی کی بور کو ختم کرنے کے لیے اس نے ایک غلام خریدنے کا ارادہ کیا جس کے لیے زبید بازار گیا، وہ چاہتا تھا کہ اچھا، قابل تعریف عقل مند، تعلیم یافتہ غلام ملے جس کو غربتی نے بازار میں لایا، چنانچہ اس نے غلام فروشنوں سے ان صفات کے غلام کی چاہت کا اظہار کیا، انھوں نے وقت گزرنے پر بھی اس کی وعدہ وفائی نہیں کی تو اس نے بذات خود بنفس نفیس بازار جانے کی ٹھانی، وہاں اس پر مختلف غلام پیش کیے گئے وہاں اس نے ایک نقاب پوش شخص کو دیکھا وہ اپنے غلام کی کلائی پکڑا ہوا ہے، اس کی مختلف خوبیاں بیان کر رہا تھا، یہ غلام نہایت محنت گذار، آقا سے محبت کرنے والا، جلد کاموں کو نمٹانے والا، وہ کسی کی باتوں پر دھیان نہیں دیتا، وہ اپنے آقا کی مکمل تابعداری کرتا ہے، وہ غلام فروش یہ بھی کہتا کہ میرے اہل و عیال بھوکے اور برہنہ ہیں جس کی وجہ سے میں یہ غلام فروخت کر رہا ہوں؛ چنانچہ حارث اس غلام سے بات کر کے اس کی فصاحت و بلاغت اس کی علمی لیاقت کی جانکاری حاصل کرنا چاہتا ہے، جب غلام خاموشی اختیار کرتا ہے، تو یہ اس کی خاموشی پر طنز کرتا ہے اور اشعار کی شکل میں اپنے آزاد ہونے کا اظہار اپنے نام کے ذریعے کرتا ہے اگر تمہیں میرے نام کا پتہ کرنا ہے تو میرا نام یوسف ہے، اس کی شعر گوئی اور اس کی بلاغت و فصاحت سے متاثر ہو کر یہ غلام خریدنے کے لیے بھاؤ تاؤ کرتا ہے، لیکن معاملہ کے بعد جب غلام کی جدائی کی وقت ہوا اس کی آنکھوں میں اشک اُمڈ آئے، پھر اس نے چند اشعار میں اپنے خصوصیات اور خوبیوں اور اپنے انمول ہونے کا اظہار کرتا ہے کہ مجھ جیسا شخص جس نے ہر تلخی تجربہ کو سہا اور ہر موقع پر تمہارا ساتھ دیا، ہر موقع کامیاب و کامراں نکلا اس نے نہایت عمدہ گھوڑے ”سکاب“ کے ساتھ تشبیہ دے کر کہا مجھ جیسا شخص نہ خرید جا سکتا ہے اور نہ عاریت میں دیا جا سکتا ہے، پھر اس غلام فروش نے رونے، دھونے کا نالک کیا کہ اس جیسا غلام میں نہیں بچتا اگر میری غربت نے مجھے مجبور نہ کیا ہوتا، بہر حال وہ شخص غلام کو حوالے کر کے چل دیا، اس نے اپنے بیچنے والے کو حدنگاہ تک دیکھتا رہا، پھر غلام نے اس کے سامنے اپنی آزادی کی بات کہی کہ میں آزاد ہوں، میرا بیچنا جائز نہیں، اس طرح وہ دونوں آپس میں لڑ پڑے اور سارا معاملہ قاضی کے سامنے سنایا تو قاضی نے کہا کہ تم کو اس نے اشارہ اپنے آزاد ہونے کو بتلایا تھا، سمجھدار کے لیے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے، اس طرح سے تم دوبارہ دھوکہ نہ کھانا، یہ آزاد ہے اس کا باپ ابوزید سروجی ہے، جب حارث کو یہ پتہ چلا کہ اس کا باپ ابوزید سروجی ہے تو اس نے اپنے مال کے ضائع ہونے پر کف افسوس ملا، پھر ابوزید سے اس کی ملاقات ہوئی تو اس نے کہا کہ اپنے منہ بسورنا کیا فائدہ، ناک بھاؤ مت چڑھاؤ، میں تم سے معذرت کرتا ہوں، میری معذرت قابل قبول ہے اور تمہارے درہم تو برباد ہو گئے، حارث نے کہا: تمہاری سحر بیانی نے مجھے دھوکہ دیا۔

### 15.13 نمونے کے امتحانی سوالات

۱۔ مذکورہ ذیل عبارت پر اعراب لگائیے اور اس کا ترجمہ کیجیے؟

فلما وعي الشيخ أبياته، وعقل مناغاته، تنفس الصعداء، وبكى حتى أبكى البعداء، ثم قال لي: إني أحل هذا الغلام محل ولدِي، ولا أميزه عن أفلاذ كبدي، ولولا خلومي راحي، وخبو مصباحي، لما درج عن عشي، إلی

اَنْ يشيع نعشي، وقد رأيت ما نزل به من لوعة البين، والمؤمن هين لين، فهل لك في تسلية قلبه، وتسرية كربه، بأن عاهدني على الإقالة فيه متى استقلت، وأن لا تستثقلني إذا ثقلت؟ ففي الآثار المنتقاة المروية عن الثقات: من أقال نادماً بيعته، وأقاله الله عشرته، قال الحارث بن همام: فوعده وعداً أبرزه الحياء، وفي القلب أشياء، فاستدني حينئذ الغلام إليه، وقبل ما بين عينيه، وأنشد والمدمع يرفض من جفنيه.

۲۔ درج ذیل عبارت کی بحوالہ متن تشریح و توضیح کیجیے:

فلما شالت نعامته. وسكنت نأمنه. بقيت عاماً. لا أسيغ طعاماً. ولا أريغ غلاماً. حتى ألجأني شوائب الوحدة. ومتاعب القومة والقعدة. الى أن أعتاض عن الدرّ الحرز. وأزاد من هو سداد من عوز. فقصدت من يبيع العبيد. بسوق زبيد. فقلت: أريد غلاماً يعجب إذا قلب. ويحمد إذا جرب. وليكن ممن خرج الأكياس. وأخرجته الى السوق الإفلاس. فاهتز كل منهم لمطلبي ووثب. وبذل تحصيله عن كئيب ثم دارت الأهلّة دورها. وتقلبت كوزها وحوزها. وما نجز من وعودهم وعد. ولا سخ لها رعد.

۳۔ ان الفاظ کے معانی بتائیے:

سکاب      مراحمی      الصور      الامتعاض      العطوف      لا جرم      عوز

۴۔ مقامة الزبيدية کا خلاصہ لکھیے۔

۵۔ حریری کے احوال و کوائف اور اس کی عملی نگارشات کو بیان کیجیے۔

۶۔ مقامة الزبيدية کے موضوع کو بیان کیجیے۔

۷۔ مقامة الزبيدية کے متن کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے اس کے اسلوبی امتیازات تحریر کیجیے۔

15.14 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

۱۔ مقامات حریری، للحریری

۲۔ شرح مقامات الحریری

۳۔ تاریخ الأدب العربی، أحمد حسن زیات

۴۔ تاریخ الأدب العربی، العصر العباسی الثانی، شوقی ضیف

## اکائی: 16 ضرب الامثال (کہاو تیں)/ خلافة الامین

اکائی کے اجزا

16.1 مقصد

16.2 تمہید

16.3 "الأمثال"

16.3.1 متن سبق

16.3.2 صاحب سبق کا تعارف

16.3.2.1 مبرد: شخصیت اور کارنامے

16.3.2.2 الکامل: ایک تعارف

16.3.3 متن کا ترجمہ

16.3.4 لغوی تحقیق

16.3.5 ادبی صنف کا تعارف

16.3.5.1 ضرب الامثال یا کہاو تیں

16.3.5.2 محاورہ اور کہاوت میں فرق

16.3.6 متن کا موضوع

16.3.7 متن کی توضیح و تشریح

16.3.8 متن کی خصوصیات

16.4 خلافة الامین

16.4.1 متن سبق

16.4.2 صاحب سبق کا تعارف

16.4.2.1 امام ابن جریر طبری: حیات اور کارنامے

تاریخ طبری: ایک تعارف	16.4.2.2
تاریخ طبری کی خصوصیات	16.4.2.3
تاریخ طبری کے موضوعات اور اسلوب	16.4.2.4
تاریخ طبری کا ترجمہ	16.4.2.5
تاریخ طبری کا اردو ترجمہ	16.4.2.6
تاریخ طبری کی طباعت و اشاعت	16.4.2.7
متن سبق کا ترجمہ	16.4.3
لغوی تحقیق	16.4.4
ادبی صنف کا تعارف	16.4.5
متن سبق کی توضیح و تشریح	16.4.6
متن کی خصوصیات	16.4.7
سبق کا موضوع	16.4.8
اکتسابی نتائج	16.5
نمونے کے امتحانی سوالات	16.6
مطالعے کے لیے معاون کتابیں	16.7

## 16.1 مقصد

- ☆ طلبہ عربی ادب کے دیگر اصناف کی طرح عربی کہاوتوں سے واقف ہوں گے۔ ان کے معانی و مفہوم کو سمجھیں گے۔ ان کے تاریخی اور تہذیبی اہمیت سے روشناس ہوں گے اور اپنے ذخیرہ علم میں اس اہم صنف کا اضافہ کریں گے۔
- ☆ طلبہ کو اس سے ادبا و خطبا کی تحریروں اور تقریروں کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ ان سے ناواقفیت کی صورت میں طلبہ ایسی گفتگو اور تحریر سمجھنے سے قاصر رہیں گے جن میں کہاوتوں کا استعمال کیا گیا ہو، ساتھ ہی ساتھ وہ لذتِ زبان و بیان سے محروم رہ جائیں گے۔
- ☆ طلبہ اس صنف سے روشناس ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے محل استعمال سے بھی واقف ہوں گے اور بوقتِ ضرورت انہیں اپنی تقریروں اور تحریروں میں استعمال کر سکیں گے۔
- ☆ تاریخی معلومات کے ساتھ ساتھ انہیں اس زمانے کے طرزِ تحریر سے بھی واقفیت ہوگی۔
- ☆ اس سے طلبہ کے اندر قدیم عربی نصوص کو پڑھنے اور سمجھنے کا ملکہ پیدا ہوگا۔ پھر وہ اس طرح کے دیگر نصوص کو بھی باسانی حل کر سکیں گے۔

## 16.2 تمہید

کسی بھی زبان میں کہاوتیں ادبی شہ پارے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ انہیں انگریزی میں Proverbs اور عربی میں ضرب الامثال کہا جاتا ہے۔ یہ نثری ادب کی ایک اہم صنف ہے۔ یہ اپنے دامن میں سامانِ تفریح، ادبی نقطے، واقعہ تاریخ کی یاد، شخصی ذکر، قومی تہذیبی و تمدنی کہانیاں وغیرہ سے پر ہوتی ہیں۔ مختصر ہونے کی وجہ سے زبان زد عام و خاص ہو جاتی ہیں۔ اس موضوع پر عربی زبان میں متعدد کتابیں موجود ہیں جن میں عربی کہاوتوں کو جمع کر کے ان کی توضیح و تشریح کی گئی ہیں۔ یہ ادبی کتابوں کے ساتھ ساتھ دیگر کتب، خاص کر کتب تاریخ میں بھی پائی جاتی ہے۔ اس کے نمونے تاریخ طبری میں بھی موجود ہیں۔ اس اکائی میں اس کے دو نثری نمونے کو پیش کیا جا رہا ہے اول مبرد کی کتاب ”الکامل“ سے ”الأمثال“ اور ثانی طبری کی کتاب تاریخ الأمم والملوک سے ”خلافة الأمین“۔

## 16.3 "الأمثال" (من كتاب الكامل للمبرد)

### 16.3.1 متن سبق

قال أبو العباس من أمثال العرب: "لم يذهب من مالك ما وعظك" يقول: إذا ذهب من مالك شيء فحدرك أن يحل بك مثله فتاديه إياك عوض من ذهابه. ومن أمثالهم: "رب عجلة تهب ريثا" وتأويله أن الرجل يعمل العمل فلا يحكمه للإستعجال به، فيحتاج إلى أن يعود فينقضه، ثم يستأنف. والريث: الإبطاء، وراث عليه أمره: إذا تأخر. ومن أمثال العرب: "عش ولا تغتر" وأصل ذلك أن يمر صاحب الإبل بالأرض المكلثة فيقول: أذع أن أعشي إبلي منها حتى أزد على أخرى، ولا يدري ما الذي يرد عليه. وقريب منه قولهم: "أن ترد الماء بماء أكيس" وتأويله أن يمر الرجل بالماء فلا يحمل منه اتكالا على ماء آخر يصير إليه، فيقال له: أن تحمل معك ماء أحزم لك، فإن أصبت ماء آخر لم يضرك، فإن لم تحمل فخففت من الماء عطبت. ومن أمثالهم: "قد أحزم لو أعزم" يقول: أعرف وجه الحزم فإن عزمت فامضيت الرأي فأنا حازم، وإن تركت الصواب وأنا أراه وضيعت العزم لم ينفعني



حزمی۔ و مثله قول النابغة الجعدي:

أبى لي البلاء وأنى امرؤ إذا ما تبينت لم أرتب

وقال أعرابي يمدح سوار بن عبد الله:

وأوقف عند الأمر ما لم يضح له وأمضى إذا ما شك من كان ماضيا

فالذي يحمد إمضاء ما تبين رشده، فأما الإقدام على الغرر، وركوب الأمر على الخطر، فليس بمحمود عند ذوي الألباب.

## 16.3.2 صاحب سبق کا تعارف

### 16.3.2.1 مبرد: شخصیت اور کارنامے

مبرد کا پورا نام ابو العباس محمد بن یزید بن عبد الاکبر ہے۔ اپنی خوبصورتی یا باریک بینی اور برجستگی کی وجہ سے مبرد کے لقب سے مشہور ہوا۔ اس کا شمار علم بلاغت، نحو اور نقد کے بلند پایہ علما میں ہوتا ہے۔ 10 ذی الحجہ 210ھ بمطابق 825ء کو بصرہ میں آنکھیں کھولی۔ اپنے زمانہ کے عظیم المرتبت علما لغت و نحو سے علم حاصل کیا۔ اس کے بعض اساتذہ کے نام یہ ہیں:

ابو عمر صالح بن اسحاق الجرمی (ایک بہت بڑے فقیہ اور نحو لغت کے عالم تھے۔) ابو عثمان بن محمد بن عثمان المازنی (ان کے بارے میں خود مبرد کا قول ہے کہ وہ سیبویہ کے بعد علم نحو کے سب سے بڑے عالم تھے۔) اسی طرح اس نے جاحظ سے بھی کسب فیض کیا، سنا اور روایت کی یہاں تک کہ جاحظ کا شمار اس کے شیوخ میں ہونے لگا۔ اس کے علاوہ ابو حاتم السجستانی سے بھی استفادہ کیا جو اپنے دور کے شعر، نحو اور لغت کے بہت بڑے عالم تھے۔ اسی طرح ابو محمد عبد اللہ بن محمد (التوزی) سے بھی مستفید ہوا جو شعر کے بہت بڑے عالم تھے۔ مبرد کی شخصیت کی تعمیر میں صرف مذکورہ شیوخ ہی کا کردار نہیں ہے جن سے اس نے براہ راست علم حاصل کیا بلکہ علمی مصادر کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔ چنانچہ اس کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ کتابوں کا بڑا شوقین تھا چنانچہ اس نے اپنے اسلاف کی ہر اس کتاب کو پڑھا جو اسے دستیاب ہو سکی۔

مازنی کے بعد مبرد کو متفقہ طور پر نحو یوں کا اور اپنے استاذ کے بعد ادب و لغت کا امام مان لیا گیا۔ چنانچہ اس کے پاس شاگردوں کا تانتا بندھ گیا اور اس کا گھر علم و معرفت کے متلاشیوں کا کعبہ و قبلہ ہو گیا۔ بہت سے سرداران قوم اور قومی سربراہوں نے اسے اپنے بچوں کو ادب سکھانے پر مامور کیا۔ باوجود اس کے کہ وہ تقریباً نو عباسی خلفا کا ہم عصر رہا ہے لیکن ان میں سے صرف متوکل سے ہی ملاقات ہو سکی۔

مبرد سے استفادہ کرنے والے شاگردوں کی بھی ایک بڑی تعداد ہے جن کا شمار اپنے وقت کے بڑے ادبا اور نامور علما میں ہوتا ہے۔ جنہوں نے مختلف علوم و فنون میں طبع آزمائی کی اور بہت سی عمدہ اور مشہور کتابوں کی تصنیف کی۔ ان میں سب سے مشہور زجاج ہیں جنہوں نے ان سے بہت زیادہ روایت کی اور انھیں بغداد میں مبرد کا شاگرد اول ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔ اس کے علاوہ ان کے شاگردوں میں صولی، نفطویہ نجوی، ابن سراج، أخفش الأصغر، أبو طیب الوشاء، ابن المعتز العباسی، أبو الحسین بن جزار اور ابو جعفر الخاس شامل ہیں۔

مبرد کے علمی و ادبی منزلت کے باوجود اس کی چند ہی تصانیف ہم تک پہنچ سکی ہیں۔

۱۔ الکامل: اس کا شمار ادب کی اہمات الکتاب میں ہوتا ہے۔ متعدد بار زبور طبع سے آراستہ ہوئی۔ سید بن علی المرفعی نے اس کی شرح 'رغبۃ

الأمل في شرح الكامل' کے نام سے آٹھ جلدوں میں لکھی ہے۔

۲۔ الفاضل: یہ ایک مختصر کتاب ہے جس کا اسلوب اختیاری ہے۔ طرائف اور حسن اختیار پر انحصار کیا گیا ہے۔

۳۔ المقتضب: تین ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ نحو صرف کے تمام موضوعات کو واضح اسلوب میں بھرپور دلائل و شواہد کی روشنی میں لکھا ہے۔

۴۔ شرح لامیۃ العرب، ۵۔ ما اتفق لفظہ و اختلف معناه من القرآن المجید، ۶۔ المذکر و المؤنث، ۷۔ نسب عدنان و

قحطان۔

اس کے علاوہ چند مخطوطات کو بھی اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے مثلاً: ۱۔ النعازی و المراثی، ۲۔ الروضہ۔

ان کے علاوہ قدیم عربی مصادر و مراجع میں اس کی چند دوسری کتابوں کا بھی ذکر ملتا ہے۔ لیکن وہ دستیاب نہیں ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ الاختیار: اس کا تذکرہ مبرد نے الکامل میں کیا ہے۔

۲۔ الاشتقاق: ابن خلیکان نے وفیات الاعیان میں اس کا ذکر کیا ہے۔

۳۔ الشافی: شرح الکافیہ میں مذکور ہے۔

۴۔ الفتن و المحن: صولی نے اخبار ابی تمام میں ذکر کیا ہے۔

۵۔ الاعتناء: بغدادی نے خزائن الادب میں ذکر کیا ہے۔

۶۔ شرح ما أغفله سبویه: ابن ولاد نے الانتصار میں اس کا ذکر کیا ہے۔

وفات: مبرد کی وفات ۲۸ ذی الحجہ ۲۸۶ھ بمطابق ۵ جنوری ۹۰۰ء کو بغداد میں ہوئی۔

### 16.3.2.2 الکامل: ایک تعارف

کتاب کا مکمل نام الکامل فی اللغة والأدب ہے۔ یہ مبرد کی سب سے عمدہ اور مشہور کتاب ہے اس کا شمار ادب کی اساسی کتابوں میں ہوتا ہے۔ علمی و ادبی حلقوں میں اسے قبول عام حاصل ہے چنانچہ کچھ لوگوں نے اس کی شرحیں لکھیں اور کچھ نے حواشی لکھنے پر اکتفا کیا اور اس کی غلطیوں سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ اس کتاب کو مبرد نے اپنے آخری دنوں میں لکھا ہے اور یہ اس کی ایک اہم ترین کتاب مانی جاتی ہے۔

ابن خلدون اس کتاب کے متعلق اپنی کتاب ”المقدمہ“ میں لکھتا ہے ”ہم نے تعلیم کی مجلسوں میں اپنے شیوخ سے سنا ہے کہ اس فن (ادب) کی اساس و ارکان پر چار کتابیں ہیں اور وہ ابن قتیبہ کی أدب الکاتب، مبرد کی الکامل، جاحظ کی البیان و التبيين اور ابو علی القالی البغدادی کی کتاب النوادر ہے اور ان کے علاوہ کی حیثیت فروعی ہے۔

قاضی الفاضل کا کہنا ہے کہ میں نے اس کتاب کو ستر مرتبہ پڑھا اور ہر بار کچھ نئے فائدے ملے۔

اسی طرح ابو الفرج المعانی بن زکریا نے اپنی کتاب ”الجلس الصالح الکافی والأنیس الناصح الشافی“ میں کتاب کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابو العباس محمد یزید نحوی نے اپنی کتاب الکامل کے اندر بہت سارے قصص و واقعات ذکر کیے ہیں جن کی کوئی سند نہیں ہے۔ اس کتاب کے اندر لغت کے مشتقات، ان کی تشریحات، اس کے رموز و أسرار اور نحو و اعراب کے پیچیدہ اور غیر پیچیدہ مسائل کو بیان کیا ہے جن کے بارے میں صحیح رائے قائم کرنا ایک مشکل امر ہے اور اس جیسی دیگر چیزیں بھی بیان کی ہیں جو ان کی وسعت علم، قوت فہم اور لطافت فکر کی غماز ہیں۔

کتاب کا آغاز ایک مختصر مقدمہ سے ہوتا ہے جس میں صاحب کتاب نے کتاب کے مقصد اور منہج سے بحث کی ہے۔ مصنف کہتے ہیں کہ یہ کتاب جو ہم نے تالیف کی ہے وہ ادب کی تمام اقسام چاہے شعر ہو یا نثر کہاو تیں ہوں یا نصیحتیں رسائل ہوں یا خطبے تمام کو شامل ہے اور اس کا مقصد اس کے اندر آئے ہوئے تمام غریب کلام یا غیر واضح مفہوم کی تشریح ہے نیز اسمیں اعراب کی ایسی مناسب وضاحت کی گئی ہے کہ یہ کتاب خود اس سلسلے میں کافی ہو جائے اور دوسروں کی طرف مراجعت کرنے سے بے نیاز کر دے۔

پھر کتاب کو ابواب کی صورت میں تقسیم کیا ہے جن کی تعداد 59 کو پہنچتی ہے پہلا باب ”من کلام العرب: الاختصار المفہم والاطناب المفہم“ ہے جب کہ آخری باب ”منتخب طریف الشعر و ذکر آیات من القرآن، زبما غلط فی معجازھا النحویون“ ہے۔ اس کتاب کی مختلف شرحیں لکھی گئیں جن میں ایک شرح محمد بن یوسف المازنی السرقسطی (المتوفی 538ھ) کی ہے۔ جس کا ذکر حاجی خلیفہ نے اپنی کتاب ”کشف الظنون“ میں کیا ہے۔ دوسری شرح شیخ سید علی المرصفی نے آٹھ جلدوں میں لکھی ہے اور اس کا نام رغبة الامل من کتاب الکامل رکھا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی شرحیں ہیں جن کا تذکرہ کتاب کے محقق الدكتور محمد الدالی نے کیا ہے۔

اسی طرح کتاب کی قدیم و جدید مختلف طبعات بھی منظر عام پر آچکی ہیں جن میں سے بیشتر غیر تحقیق شدہ ہیں۔ ان میں سے سب سے بہترین اور خوشنما طباعت مؤسسۃ الرسالہ بیروت کی ہے جس کی تحقیق الدكتور محمد احمد الدالی نے کی ہے جو تین جلدوں میں ہے اور صفحات کی مجموعی تعداد 1504 ہے جب کہ چوتھا حصہ علمی و فنی فہارس کے لیے خاص ہے ان فہارس کی کل تعداد 31 ہے اس کے علاوہ امام ابن السید البطلیوسی اور ابوالولید القوشی کی کتاب ”القرط علی الکامل“ سے نقل کردہ علمی فوائد کا مجموعہ بھی اس میں شامل ہے۔

خوارج سے متعلق معلومات پر یہ کتاب اہم مصدر کا درجہ رکھتی ہے جیسا کہ اس میں انھوں نے بہت سارے واقعات ذکر کیے ہیں اور اس میں ان کے اشعار، ان کے خطبے، جماعتیں اور قائدین کو ایک مستقل باب میں ذکر کیا ہے۔ کتاب میں بلاغت کے اہم اشارات بھی شامل ہیں چنانچہ انھوں نے کنایہ، مجاز، استعارہ اور ان کے انواع و التفات، تجرید اور تشبیہ ایجاز و اطناب پر ایک طویل بحث کی ہے یہاں تک کہ اس کے لیے ایک باب خاص کر دیا ہے۔

اس کتاب میں عربوں کی بہت ساری کہاو تیں اور ان کی تشریحات بھی شامل ہیں ساتھ ہی ساتھ ان کہاو توں کی اصل اور ان مواقع کا بھی ذکر کیا گیا ہے جن میں وہ بولی جاتی ہیں۔ جن کی تعداد تقریباً 75 کو پہنچتی ہے۔

کتاب کی خاصیت یہ بھی ہے کہ اس میں لغت کے بہت سے مسائل اور متن کی تشریح بہت باریکی اور گہرائی سے کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں متن کی شرح اور لغوی مسائل کے بیان کے بعد بہت سارے نحوی مسائل کا بھی ذکر کیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہ کتاب عربی کی مفید ترین کتابوں میں سے ایک ہے جو کہ نفس کو مشفق اور روح کو مہذب بناتی ہے عقل کو جلا بخشتی ہے فکری آفاق کو وسیع کرتی ہے اور انسان کے اندر علم و معرفت سے محبت کی قوت میں اضافہ کرتی ہے۔

16.3.3 متن کا ترجمہ

ابوالعباس المبرّر نے عربوں کی ایک کہاو ت بیان کی ہے کہ ”لم یذهب من مالک ما وعظک“ تمہارا ہر ضائع ہونے والا مال تمہیں نصیحت کر جاتا ہے۔“ وہ کہتا ہے کہ جب کبھی تمہارے مال میں سے کچھ ضائع ہوتا ہے تو وہ تمہیں متنبہ کرتا ہے کہ پھر تمہارے ساتھ ایسا معاملہ پیش نہ

آئے تو یہی یاد دہانی تمہارے لیے اس ضیاع کا متبادل بن جاتی ہے۔ عربوں کی کہات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ”رب عجلة تهب ريثا“ کبھی جلد بازی تاخیر کا باعث بن جاتی ہے اس کی تاویل یہ ہے کہ آدمی کوئی کام کرتا ہے اور جلد بازی میں اسے اچھے طریقے سے نہیں کرتا ہے پھر اس کو دوبارہ کرتا ہے تو اسے اور خراب کر دیتا ہے۔ نتیجہً اس کو نئے سرے سے کرنا پڑتا ہے اور ریث کے معنی سستی اور تاخیر کے ہیں اور راث علیہ اُمزہ کا مطلب کسی کام میں تاخیر ہو جانے کے ہیں۔ اسی سے ملتی جلتی ایک کہات اردو میں ”جلدی کا کام شیطان کا“ ہے۔ عربی کہاتوں میں سے ایک یہ بھی ہے ’عش ولا تغتر‘ چرا لودھو کہ میں نہ رہو۔ اس کی اصل یہ ہے کہ شتر بان سرسبز زمیں سے گزرے تو یہ سوچ کر آگے بڑھ جائے کہ چھوڑو اسے! اونٹ کو آگے کہیں دوسری جگہ چرا لوں گا جب کہ وہ یہ نہیں جانتا کہ آگے کیا ہے اور اسی سے قریب قریب ایک اور کہات ہے ”ان ترد الماء بماء اکیس“ کہ سمجھداری یہ ہے کہ تم چشمہ پر اترو، تو بھی تمہارے ساتھ پانی ہو، اس کی تاویل یہ ہے کہ آدمی چشمہ پر اترے اور وہاں سے اس امید پر پانی نہ لے کہ آگے اسے مل جائے گا تو اس سے کہا جائے گا کہ تم اگر اپنے ساتھ پانی لیتے ہو تو وہ تمہارے لیے عقلمندی کی بات ہوگی کیوں کہ اگر تم نے دوسرے چشمہ کو پالیا تو تمہارا کوئی نقصان نہیں اور اگر تم نے پانی نہیں لیا تو پانی کے بوجھ سے تونچ گئے لیکن خود کو ہلاک کر دو گے۔

عربوں کی ایک اور کہات ہے: ”قد احزم لو أعزم“ میں اگر کسی چیز کا عزم کرتا ہوں تو حکمت سے کام لیتا ہوں۔ کہنا یہ چاہتا ہے کہ میں ہوشیاری و دانائی کے پہلو کو سمجھتا ہوں۔ پس اگر کسی کام کا پختہ ارادہ کر لیتا ہوں تو اسے عملی جامہ پہنا دیتا ہوں، تو میں اس صورت میں عقل مند ہوا اور اگر میں نے صحیح کو صحیح سمجھتے ہوئے بھی چھوڑ دیا اور حوصلے سے کام نہیں لیا تو میری عقل مندی میرے کسی کام کی نہیں۔

اسی سے ملتا جلتا ابغدا الجعدی کا بھی قول ہے:

أبی لی البلاء و أني امرؤ إذا ما تبینت لم أرتب

آزمائشیں میرے قریب نہیں آتی ہیں کیوں کہ میں ایک ایسا آدمی ہوں کہ جب انہیں بھانپ لیتا ہوں تو کھسک لیتا ہوں (ٹھہرتا نہیں)۔

ایک بدوسوار بن عبداللہ کی مدح سرائی میں کہتا ہے:

و أوقف عند الأمر ما لم يضح له وأمضى إذا ما شك من كان ماضيا

وہ ہر معاملے میں کافی غور و فکر کرتا ہے جب تک کہ وہ بالکل واضح نہ ہو جائے اور صواب کا پہلو واضح ہو جانے کے بعد ذرا بھی توقف نہیں کرتا بلکہ سب سے بڑھ کر انجام دینے والا ہوتا ہے۔

وہ کام قابل تعریف سمجھا جاتا ہے جس میں درستگی رائے واضح ہو جائے۔ رہا ہلاکت کی طرف قدم بڑھانا اور خطرات کو مول لینا تو وہ اہل دانش کے نزدیک قابل تعریف عمل نہیں ہے۔

16.3.4 لغوی تحقیق

مثَل ج أمثال (مادہ : م، ث، ل): بات، کہات، عبرت، دلیل۔

حَذَرَ تَحْذِيرٍ مصدر بروزن تفعیل. حَذَرَهُ: خوف دلانا، متنبہ کرنا، چوکنا کرنا۔

أَدَبٌ يَدُبُّ تَأْدِيبٌ مصدر بروزن تفعیل: مہذب بنانا، شائستہ بنانا، ادب سکھانا، جرم پر سزا دینا۔

رَبَّ حرف جر ہے حسب سیاق کلام تکثیر و تقلیل کا فائدہ دیتا ہے اور نکرہ پر داخل ہوتا ہے اور زائد کے حکم میں ہوتا ہے اور نکرہ کے لیے شرط ہے

کہ موصوف ہو اور جب اس کے آخر میں ”ما“ لاحق ہوتا ہے تو عمل نہیں کرتا اور اس صورت میں فعل اور معرفہ پر بھی داخل ہوتا ہے جیسے: رُبَّمَا الخلیل مقبلاً ورُبَّمَا أَقْبَلَ الخلیل اور کبھی اس صورت میں بھی عمل کرتا ہے جیسے: رُبَّمَا ضَرَبَ بِسَيْفٍ صَقِيلٍ۔

وَهَبَ يَهَبُ وَهَبًا وَهَبَ الْمَالُ فَلَانًا وَلِفَلَانٍ: ہبہ کرنا، دینا، (مادہ: وہب) مثال واوی، باب فتح یفتح کے وزن پر آتا ہے۔  
الرَّيْثُ: سستی اور تاخیر۔

أَحْكَمَ الشَّيْءُ: باب افعال بروزن اسلام، إقرار، إبلاغ (مادہ: ح کم) مضبوطی سے کرنا۔  
استعجل، يستعجل استعجال مصدر بروزن استفعال، (مادہ: ع ج ل): برا بیختہ کرنا، جلدی کرنے کا حکم دینا، سبقت کرنا، آگے بڑھ جانا۔

نَقَضَ نَقْضًا بِنَائٍ: عمارت ڈھانا، العهد أو الامر: عہد شکنی کرنا، (مادہ: ن ق ض بروزن باب نصر ينصر)۔  
اسْتَنْفَ اسْتِنْفًا الشَّيْءُ: از سر نو کرنا، کوئی کام دوبارہ شروع کرنا (مادہ: ان ف، بروزن استفعال)۔

عَشَى تَعَشِيَّةَ الرَّجُلِ: شام کا کھانا کھانا / الایل: اونٹ کورات میں چرانا۔ (مادہ: ع ش ی، باب تفعیل، ناقص یائی، بروزن ز کئی یز کئی تزکیہ۔

اغْتَرَّ واستَغَرَّ بكذا: دھوکا کھانا، (مادہ: غ رر، بروزن باب افتعال)۔  
كَأَلًا وَكَلِيًّا (س) كَأَلًا الْمَكَانَ: سبزہ زار ہونا، الْمُكَلِّئَةُ ج مُكَلِّئَاتٍ: سرسبز، (اسم مفعول، واحد مؤنث، مادہ: ک ل ء)۔  
وَرَدِيرٌ دُرُودًا الْمَاءَ: پانی پر آنا، مثال واوی (مادہ ورد، باب ضرب یضرب)۔  
ک ی س، گاس یکینس کینسا و کیناسۃ الغلام (مادہ: ک ی س): زیرک ہونا، ذہین ہونا / فلاناً: دانائی میں غالب آنا، اُنْکِيس اسم تفضیل مؤنث کینسی و کوسی ج کینس۔

حَزَمٌ يَحْزِمُ حَزْمًا وَحَزَامَةً (مادہ: ح ز م، باب کرم): ہشیاری اور دوراندیشی سے کام لینا۔ أَحْزَمَ اسم تفضیل ہے حَزْمٌ سے۔  
خَفَّ يَخِفُ (ض) خَفًا وَخَفَّةً وَخَفَّةً (مادہ: خ ف ف، باب ضرب): ہلکا ہونا۔  
عَطِبَ يَعْطِبُ (س) عَطْبًا (مادہ: ع ط ب، باب سح): ہلاک ہونا۔

أَفْضَى أَفْضَاءَ الْأَمْرِ (مادہ مض ی، باب افعال بروزن إلقاء، ناقص یائی ہے): انجام کو پہنچانا۔  
أَبَى يَأْبَى (ف ض) إِبَاءً وَإِبَاءَةً الشَّيْءُ (مادہ عب ی، باب فتح اور ضرب): ناپسند کرنا، انکار کرنا۔  
تَبَيَّنَ الشَّيْءُ (مادہ ب ی ن، باب تفعیل بروزن تحدث): واضح ہونا۔ اِشْئُ: واضح کرنا، غور و تامل کرنا۔ لازم متعدی دونوں استعمال ہے۔  
وَقَفَّ يَقِفُ وَقْفًا وَوُقُوفًا (مادہ وق ف، باب ضرب): ٹھہرنا، چپ چاپ کھڑا ہونا / وفي المسألة: شک کرنا، اوقف اسم تفضیل من وقف۔

الرَّشْدُ: ہدایت، راہِ راست پر ہونا (مصدر مادہ رش د)۔  
رَشَدٌ يَرشُدُ رَشْدًا وَرَشَادًا وَرَشْدٌ يَرشُدُ رَشْدًا: ہدایت پانا۔

الْعَزْزُ بِلَاكْتِ كِے درپے۔ کہا جاتا ہے اَنَّاعَزْزَمَنْكَ: میں تم سے دھوکے میں ہوں۔ عَزَّوْہ (مادہ غرر، باب نصر) عَزَّوْہ غُزُوراً دھوکا دینا۔  
اللَّبُّ: ہر چیز کا خالص، خالص عقل۔ وہ چیز جو وہم وغیرہ کی آمیزش سے پاک ہو۔ لَبَّ ج اللَّبَابُ، ذُو اللَّبَابِ ج ذُوِي اللَّبَابِ یعنی  
صاحب فہم و فراست، صاحب عقل و ذکا۔

16.3.5 ادبی صنف کا تعارف

16.3.5.1 ضرب الامثال یا کہاوتیں

ضرب الامثال دو لفظوں ضرب اور امثال کا مرکب ہے۔ ضرب کے لفظی معنی مارنا۔ ضرب فی الارض کے معنی زمین میں سیر کرنا، چلنا  
پھرنا، گھومنا۔ مثل جمع امثال کے متعدد معانی لغت میں ملتے ہیں۔ عبرت، نصیحت، نشانی۔ قرآن میں آیا ہے (فجعلناہم سلفاً و مثلاً للآخرین)  
سورہ الزخرف، آیت: ۵۶)۔ ۲۔ نظیر، مثال: قرآن میں ہے (مثلہم کمثل الذی استوقد ناراً) (البقرہ، آیت: ۱۷)۔ ۳ جانوروں کی زبانی  
قصہ و کہانی، جیسے امثال کلیہ و دمنہ (کلیہ و دمنہ کی کہانیاں و قصے)۔ ۴۔ حجت اور دلیل: مثال کے طور پر کہتے ہیں اقام لہ مثلاً یعنی اس نے ایک  
دلیل دی، اس نے ایک حجت قائم کی۔ ۵۔ اعلیٰ درجے کی مثال، نمونہ، کہتے ہیں ”وہو مثل فی الاخلاق العالیۃ“، یعنی وہ اعلیٰ اخلاق کا ایک نمونہ  
ہے۔ اسی سے المثل السائر کا لفظ آیا ہے یعنی وہ قول جو لوگوں میں چل پڑے۔ اسی کو کہاوت کہتے ہیں۔ یہ ایک یا دو جملوں پر مشتمل اس کلام کو کہتے  
ہیں جس سے کسی خاص واقعہ سے عبرت و نصیحت ہو اور وہ اسی طرح کے دیگر مواقع پر بار بار استعمال کیا جاتا ہے۔

ابو بلال العسکری اپنی کتاب جمہورۃ الامثال میں لکھتے ہیں کہ مثل کی اصل کلام میں دو چیزوں کے درمیان یکسانیت اور تشابہ کے ہیں جیسے  
کہتے ہیں کما تدین تدان یعنی جیسے کرو گے ویسے بھرو گے۔ اسی سے ضرب المثل نکلا ہے، کہتے ہیں ضرب فی الارض یعنی زمین میں چلا  
پھرا اور کہتے ہیں ضرب الامثال کہہاتیں اسی طرح نقل کی جاتی ہیں جس طرح عربوں سے سنی گئی ہیں، اس کے صیغوں میں تبدیلی نہیں کی جاتی۔ مثال  
کے طور پر ایک ضرب المثل (کہاوت) ہے الصیف ضیعت اللبن یہاں پر ضیعت کے ت کو کسرہ دیتے ہیں کیوں کہ اس کی اصل ایک حکایت  
ہے اور پہلی مرتبہ اسی طرح بولی گئی پھر وہ اسی طرح عام ہو گئی۔

ابراہیم نظام نے ضرب المثل کے بارے میں کہا ہے کہ اس میں چار چیزیں پائی جاتی ہیں جو کسی اور کلام میں نہیں پائی جاتی ہیں۔ مختصر الفاظ،  
صحیح معنی، بہترین تشبیہ اور حسین کنایہ اور یہ بلاغت کا درجہ کمال ہے۔

کہاوت کی ایک تعریف یہ کی گئی ہے:

”کسی واقعے یا قصہ وغیرہ کا نتیجہ جو لگے بندھے الفاظ میں بطور مثال بیان کیا جائے، کہاوت یا ضرب المثل کہلاتا ہے۔“

ایک اور تعریف یہ ہے کہ:

”ہر وہ فقرہ یا مصرع کہاوت بن جاتا ہے جو بطور نظیر زبان زد عام اور مشہور ہو جائے۔ جیسے سانپ بھی مر جائے لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔“ کچھ اور  
کہاوتیں ملاحظہ فرمائیں: آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا، آم کے آم گھلیوں کے دام، اندھا کیا چاہے دو آنکھیں، انگور کھٹے ہیں، اونچی دکان پھیکا  
پکوان، الٹا چور کو توال کو ڈانٹے، ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا، نہ نومن تیل ہو گا نہ رادھا ناچے گی۔ اونٹ کے منہ میں زیرہ، اندھے کے ہاتھ بٹیر، دھوبی کا

کتنا گھر کا نہ گھاٹ کا، آئیل مجھے مار۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ضرب المثل یا کہاوت اس مختصر قول کو کہتے ہیں جو لوگوں میں مشہور ہو جائے اور کسی حکمت یا تجربہ یا روایت یا تشبیہ اور اسی طرح کسی کہانی، قصہ جو کہ لوگوں کی نصیحت کے لیے بیان کی جاتی ہے، پر دلالت کرتی ہے۔

### 16.3.5.2 محاورہ اور کہاوت میں فرق

کہاوت ایک مکمل جملہ ہوتا ہے، جسے تبدیل کیے بغیر لکھا اور کہا جاتا ہے، جب کہ محاورہ مصدر کی شکل میں ہوتا ہے جسے مختلف افعال میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ مثلاً اندھوں میں کاناراجا، ایک کہاوت ہے۔ اس میں ”اندھوں“ کو ”بہروں“ سے یا ”کانا“ کو ”سیانا“ سے تبدیل نہیں کر سکتے۔ جب کہ ڈینگیں مارنا جو کہ محاورہ ہے اسے فاعل یا فعل کے لحاظ سے تبدیل کر سکتے ہیں۔ جیسے وہ ڈینگیں مارتا ہے، تم ڈینگیں مارتے ہو، ڈینگیں مت مارو، ہم سب نے ڈینگیں ماری۔ اس کی کچھ اور مثالیں: آنکھ

چرانا، منہ کی کھانا، آٹے میں نمک ہونا، آسمان کے تارے توڑنا، الو بنانا۔

ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی نے اپنی کتاب ”عربی ادب کی تاریخ“ (ج ۱/۱۰۱-۱۰۳) پر اس موضوع پر بحث کی ہے۔ ضروری حذف و اضافہ کے ساتھ اس کو یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

عربی زبان کی کہاوتوں کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ بخلاف شعرا انہیں صرف پڑھے لکھے اور مہذب لوگوں ہی نے نہیں کہے بلکہ عوام نے بھی حکیمانہ کہاوتیں کہی ہیں۔ اسی لیے بعض کہاوتوں میں لفظ و معنی کا وہ حسین امتزاج نہیں ہے جو عام طور سے ان کہاوتوں کی امتیازی خصوصیت ہے۔ یعنی ان میں وہ خوبصورت اور دقیق معنی نہیں جو پڑھے لکھے اور مہذب طبقہ کے افراد کی کہاوتوں میں ملتے ہیں۔ جیسے ”اول ما طلع ضب ذنبہ“۔ اسی لیے بعض کہاوتوں کے معنی الفاظ سے نہیں بلکہ سن کر معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے ”بعین ما ارینک“ ابو ہلال العسکری نے اپنی کتاب جمہرة الامثال میں اس کے معنی جلدی کرو کے بتائے ہیں۔ جو الفاظ سے نہیں ملتے محض سن کر یہ معنی معلوم ہوئے۔

وہ مزید لکھتے ہیں کہ عربی زبان میں کہاوتیں دو طرح کی پائی جاتی ہیں۔ حقیقی یعنی جنہیں انسانوں نے کہی ہیں اور فرضی جو جانوروں کے منہ سے ادا کی گئی ہیں۔ جانوروں کے منہ سے کہاوتیں کہلانے کا رواج اس وقت پڑا جب معاشرہ میں حکمران طبقہ اور سربراہ و ردہ لوگوں کی ظلم و زیادتی بڑھ گئی اور مفکرین و مصلحین کو اس کا خطرہ پیدا ہوا کہ اگر انھوں نے اپنی زبان سے اس قسم کے جملے کہے جن کی چوٹ حکمران طبقے یا سربراہ مملکت پر پڑے گی تو وہ ان پر ظلم و زیادتی کریں گے۔

ذیل میں زمانہ جاہلی کی چند منتخب کہاوتیں دی جاتی ہیں۔ ان سے اندازہ ہوگا کہ عربوں نے زندگی اور تجربات سے ایسی جامع و مانع اور مؤثر کہاوتیں وضع کی ہیں جو آج تک اپنی معنویت اور جامعیت میں نمونہ اور عربی ادب کی جان ہیں اور آج بھی ان کے استعمال سے کلام میں حسن اور معنی میں گہرائی اور اعجاز پیدا کیا جاتا ہے۔

”ان البغاث بأرضنا تستنسر۔“: کمزور چڑیاں بھی ہماری زمین میں گدھ جیسی طاقتور بن جاتی ہیں۔ یہ مثل ایسے موقع پر کہی جاتی ہے جب کمزور آدمی طاقت اور قوت کا مظاہرہ کرنے لگے، گھٹیا آدمی بڑا بن جائے جیسے اردو میں کہتے ہیں ”بلی بھی اپنے دروازے پر شیر ہوتی ہے“۔

”رب رمية من غير رام“: کبھی تیر اندازی نہ جاننے والے کا تیر بھی ٹھیک نشانہ پر لگ جاتا ہے۔ یہ ایسے موقع پر بولا جاتا ہے جب کوئی شخص

ایسا کام کر جائے جس سے یہ توقع نہ کی جاتی ہو کہ وہ بھی یہ کر سکتا ہے۔ یا کوئی شخص کسی چیز کی مہارت نہ رکھتا ہو لیکن اتفاقہ طور سے وہ کام اچھا کر گیا۔ جیسے اردو میں کہتے ہیں اندھے کے ہاتھ بٹیر۔

”سبق السیف العذل“: تلوار ملامت سے سبقت لے گئی۔ اسے ضبعہ بن ادبن طانجہ نے کہا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وقت گزرنے کے بعد تلافی ممکن نہیں۔ جیسے اردو میں ”تیر کمان سے نکل گیا“ یا اب پچھتائے کیا ہوت، جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

”ان كنت ربحا فقد لا قيت اعصاراً“ اگر تم گرد باد یعنی بگولے سے تمہارا سابقہ پڑ گیا یہ اس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جو اپنے آپ کو بہت زیادہ چالاک اور ہوشیار سمجھتا ہو لیکن اس کا پالا اس سے بھی زیادہ چالاک اور ہوشیار آدمی سے پڑ جائے۔ جیسے سیر کو سوا سیر۔

”انک لاتجنی من الشوک العنب“ تم کانٹوں سے انگوٹھیں توڑ سکتے یعنی کسی برے آدمی سے بھلائی کی امید نہیں کی جاسکتی۔ یا ہندی میں ایک کہاوت ہے بویا بیڑ بول کا آم کہاں سے کھائے۔

”ذکرنی فوک حماری اہلی“ تیرے منہ نے میرے گھر کے دونوں گدھے یاد دلادیے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب امید و توقع کے خلاف کوئی بات ہو جائے۔ اس کہاوت کو ایک آدمی نے کہا تھا اس کے دو گدھے کھو گئے تھے۔ وہ ان دونوں کو ڈھونڈنے نکلا۔ راستے میں ایک عورت دکھائی دی اور اسے بھاگئی۔ چناں چہ وہ اپنے گدھوں کو بھول کر اس کے پیچھے ہولیا۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد راستے میں جب اس نے اپنا منہ کھولا اور اس آدمی نے اس کا بد صورت چہرہ دیکھا تو یہ مثل کہی۔ جیسے اردو میں کہتے ہیں ڈھول میں پول۔

”اوسعتهم سبوا ووردوا بالابل“ میں نے ان کو جی بھر کے گالیاں دیں اور وہ اونٹ لے بھاگے۔ اس کہاوت کے پیچھے بھی ایک واقعہ ہے، ایک آدمی اپنے اونٹ چارہ ہاتھ اچانک کچھ چوراچکوں نے اس پر حملہ کر دیا اور اونٹ لے بھاگے۔ یہ بیچارہ کمزور تھا، اپنے اونٹ نہ چھڑا سکا۔ جب وہ لوگ چلے گئے تو ایک ٹیلہ پر چڑھ گیا اور چلا چلا کر خوب گالیاں دیں اور منہ لٹکائے اپنے قبیلے میں آیا۔ لوگوں نے پوچھا منہ کیوں لٹکائے ہوئے ہو اور اونٹ کیا ہوئے۔ تو یہ مثل کہی ”جیسے اردو میں کہتے ہیں کھسیانی بلی کھبانو پے“۔

مذکورہ بالا گفتگو سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عربی زبان میں نہ صرف یہ کہ یہ صنف پائی جاتی ہے بلکہ اس میں اس کا بہت ہی قیمتی ادبی و علمی ذخیرہ پایا جاتا ہے۔ یہ کہاوٹیں اپنے اندر ایک شاندار تاریخی و تہذیبی ورثہ سمیٹے ہوئے ہیں جو کہ زبان و بیان کا لازوال حصہ بن چکی ہیں اور عربی ادب کا کوئی طالب علم اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا ہے۔

### 16.3.6 متن کا موضوع

اس سبق کا موضوع عربی کہاوتوں کا تعارف ہے۔ اس میں عربی کی کچھ کہاوٹیں بطور مثال پیش کی گئی ہیں۔ یہ بہت مختصر اور آسان ہیں لیکن اپنے اندر حکمت و دانش کا بیش بہا لعل و گہر چھپا رکھی ہیں۔ جو زبان و بیان کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔

### 16.3.7 متن کی توضیح و تشریح

یہ سبق مبرک کی کتاب ”الکامل“ سے ماخوذ ہے۔ اس میں مصنف نے عربی کہاوتوں کو بطور نمونہ بڑی خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ حالانکہ عربی کا دامن بہت وسیع ہے اور عربی امثال پر مشتمل متعدد کتابیں علمائے تیار کی ہیں جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا۔ ان میں احمد بن محمد النیسابوری المیدانی کی ”مجمع



الامثال“ اور ابو ہلال العسکری کی ”جمہرۃ الامثال“ بہت مقبول و معروف ہیں۔

پہلی کہات ”لم یذهب من مالک ما وعظلمک“ اگر کسی انسان کا کوئی مال بھول چوک، لا پرواہی یا کسی شخص کے دھوکے میں آ کر ضائع ہو گیا جس پر وہ بہت افسردہ اور رنجیدہ خاطر ہوتا ہے۔ لیکن یہ کہات اس کے علاوہ ہمیں حکمت سکھاتی ہے کہ اس ضیاع کو ضیاع نہ سمجھو وہ تو تمہیں یہ سبق دے گیا کہ کس طرح پیش بندی کرنی چاہیے۔ کوئی احتیاطی تدبیر اختیار کرنی چاہیے۔ معاملات میں کس قدر چاق و چوبندر ہونا چاہیے۔ اگر تم نے اس نقصان / خسارے سے زندگی میں کچھ سبق لے لیا تو پھر یہی سیکھنا اس خسارے کا متبادل بن جائے گا۔ اس لیے تمہیں اس پر افسوس نہیں کرنا چاہیے، کیوں کہ جو تم نے گنوا یا ہے اس سے بہت کچھ سیکھا ہے۔

آگے ایک اور کہات لکھتا ہے ”رب عجلة تهب ریثاً“ کبھی کبھی جلد بازی تاخیر کا سبب بن جاتی ہے۔ دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ ایک آدمی کوئی کام جلدی جلدی کرتا ہے اور پھر ایسی غلطیاں کر بیٹھتا ہے کہ پھر اسی کام کو اسے دوبارہ کرنا پڑتا ہے نتیجہً دو گنا محنت لگتی ہے۔ دو گنا وقت صرف ہوتا ہے اور کام میں بھی تاخیر ہو چکی ہوتی ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ جلدی کا کام شیطان کا۔

ایک اور کہات نقل کرتا ہے ”عش ولا تغتر“ جہاں چارہ پانی ملے اس کو لے لینا چاہیے۔ شتر بان کو اس فریب یا خیال سے اس کو چھوڑ کر آگے نہ بڑھ جانا چاہیے کہ چلو آگے دیکھ لیں گے۔ اگلے سبزہ زار میں اپنے مویشیوں کو چرائیں گے۔ یہ دانشمندی نہیں ہے بلکہ خود فریبی یا حماقت ہے کہ جو چیز ہاتھ میں ہے اس کو آدمی چھوڑ دے اور اس امید میں چل پڑے کہ آگے چل کر میں یہ حاصل کر لوں گا۔ ایک اور کہات عربی میں اسی سے ملتی جلتی ہے ”عصفور واحد فی البدخیر من ألف عصفور علی الشجرة“ ہاتھ میں ایک گور یا چڑیا درخت پر بیٹھی ہزار چڑیوں سے بہتر ہے۔ یا اردو میں کہتے ہیں نہ نو نقد نہ تیرہ ادھار۔

اسی کہات سے ملتی جلتی ایک اور کہات مصنف نے نقل کی ہے جس سے بات اور واضح ہو جاتی ہے۔ ”ان ترد الماء بماء اکیس“ آدمی کو چاہیے کہ زاد سفر لے لے۔ یاد رہے کہ پہلے زمانے میں سفر گھنٹوں اور دنوں کا نہیں ہوتا تھا بلکہ ہفتوں اور مہینوں کا ہوتا تھا اور عرب کی سرزمین میں ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرنا آسان نہیں ہوتا تھا پھر جانوروں کی پشت پر سوار ہو کر آدمی سفر کرتا تھا۔ نیز یہ ان کی سواری کے ساتھ ساتھ ان کے لیے غذا بھی فراہم کرتا تھا۔ ایسی صورت میں اس کہات کی بڑی اہمیت ہے کہ آدمی کی عقل مندی اس میں ہے کہ جب وہ کسی چشمے پر وارد ہو تو وہاں سے پانی لے لے۔ اسے اس کو ڈھونے کی مشقت تو برداشت کرنی پڑے گی لیکن زندگی کا خطرہ لاحق نہیں ہوگا۔ لیکن اگر اس خیال سے کہ چلو آگے کسی چشمے سے پانی لے لیں گے اور پھر پانی نزل سکا تو اندیشہ ہے کہ وہ ہلاک ہو جائے، جان اس کی چلی جائے۔ اس لیے حکمت اور دانائی کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ جس چشمے پر وارد ہو وہاں سے پانی لے کر آگے بڑھے۔ ورنہ وہ خود اپنی ہلاکت کا سبب ہوگا۔

مصنف ایک اور کہات کا ذکر کرتا ہے ”قد أحزم لو أعزم“ میں جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہوں تو پہلے خوب غور و فکر کرتا ہوں۔ اس کے بعد اگر مجھے یہ اطمینان ہو جاتا ہے کہ اس معاملے میں یہ رائے بہتر ہے، ایسا کرنا درست ہوگا تو پھر اس کو کر ڈالتا ہوں۔ ہچکچاتا اور تردد سے کام نہیں لیتا بلکہ پوری دل جمعی سے اس کام کو اس کے آخری انجام تک لے کر دم لیتا ہوں اور یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ میں دانا و بینا ہوں۔ اس ضمن میں نابغہ الجعدی کا ایک شعر نقل کرتا ہے کہ مجھے بلائیں، پریشانیاں اور مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑتا ہے بلکہ وہ میرے پاس نہیں آتی ہیں کیوں کہ میں ایسا آدمی ہوں کہ کسی مشکل پر پریشانی کو پہلے ہی بھانپ لیتا ہوں اور اس سے بچ نکلنے کی تدبیر اختیار کر لیتا ہوں۔

مصنف نے اسی سیاق میں ایک عرب بدو کا ایک شعر جو اس نے سوار بن عبداللہ کی تعریف میں کہا، نقل کیا ہے، جب کوئی معاملہ اس کے سامنے آتا ہے تو وہ اس میں توقف کرتا ہے یعنی جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہیں لیتا۔ خوب غور و خوض کرتا ہے یہاں تک کہ جب حق بات اس پر واضح ہو جاتی ہے اور صحیح بات اس پر کھل جاتی ہے تو پھر اس پر فوراً عمل کرتا ہے اور بلا تردد اسے انجام دے دیتا ہے۔ آخر میں مصنف نے یہ کہہ کر درس ختم کیا ہے کہ قابل ستائش بات یہ ہے کہ کسی چیز کے حق و صواب واضح ہونے کے بعد اس پر عمل کیا جائے، اس کو نافذ کیا جائے۔ جہاں تک خطرات مول لینے یا اندھیرے میں تیر چلانے اور بے سمجھے بوجھے خطرات میں اپنے آپ کو جھونک دینے کی بات ہے تو اہل دانش و بینش اس کو قابل تعریف نہیں سمجھتے۔ یہاں یہ مقصد نہیں ہے کہ انسان کو خطرات مول لے کر کوئی کام نہیں کرنا چاہیے بلکہ اصل چیز یہ ہے کہ سچ اور حقیقت جب تک انسان پر عیاں نہ ہو جائے اس وقت تک غور و فکر اور توقف سے کام لینا چاہیے لیکن جب حق اور صواب کا پہلو واضح ہو جائے تو پھر جھجکنا، تردد کرنا، ڈرنا، خوف کھانا یہ مذموم عمل ہوگا۔ اس وقت خطرات مول لینا عین صواب اور قابل تعریف ہوگا۔

### 16.3.8 متن کی خصوصیات

مبرد نے اس سبق میں کچھ منتخب عربی کہاوتیں پیش کی ہیں جو عربی زبان میں رائج امثال و حکم کی عمدہ مثالیں ہیں۔ ہمارا یہ ادیب عباسی دور سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کی زبان الجھاؤ، پیچیدگی اور ابہام سے خالی ہے۔ عبارتیں بہت سبک اور رواں تو نہیں ہیں لیکن انتخاب عمدہ ہے۔ یہ کہاوتیں حکمت و دانائی کا خزانہ معلوم پڑتی ہیں انسان کو زندگی گزارنے اور برتنے کا سلیقہ سکھاتی ہیں بلکہ زندگی کے سفر میں یہ زاد راہ کے مانند ہیں۔ کوئی شخص اگر ان کو اپنا حزر جان بنائے گا، تو قدم قدم پر اس کو کامیابی ملے گی اور وہ زندگی کی ہر راہ سے خوش و خرم، کامیاب و کامران گذرے گا۔ متن کی ایک دوسری امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف خود ہی ان کے معنی و مفہوم نہایت چٹے تلے الفاظ میں بیان کرتا ہے، بعض الفاظ کے لغوی معنی بھی بتاتا ہے۔ اس سے قاری معمولی سی توجہ سے ان کو آسانی سمجھ جائے گا۔

متن ربط کلام کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ مبرد ایک کہاوت کے بعد دوسری کا اس طرح ذکر کرتا ہے جیسے سیاق کلام اس سے خود اس کا مطالبہ کر رہا ہو اور اس کا ذکر ایک ناگزیر ضرورت بن گیا ہے اس طرح پوری عبارت انتہائی مربوط اور منطقی انداز میں فطری روانی کے ساتھ آگے بڑھتی ہے کہیں پیوند کاری محسوس نہیں ہوتی ہے۔

آخر میں مبرد نے کچھ کہاوتوں کی تائید میں اشعار بھی پیش کیا ہے۔ شعر سے لفظ و معنی کی تائید کلام کو نہایت بلیغ و مؤثر بنا دیتی ہے اور قاری کے اندر رغبت و دلچسپی پیدا کر دیتی ہے۔ یہ کسی متن کی عمدگی کی دلیل ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ متن عربی کہاوتوں کا ایک حسین انتخاب ہے۔ ربط کلام اور بات میں تسلسل و روانی اس کا طرہ امتیاز ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ علم و حکمت کا خزانہ اور زبان و بیان کی عمدہ مثالیں ہیں۔

### 16.4 خلافة الأمین

#### 16.4.1 متن سبق

وفي هذه السنة (193هـ) بويع لمحمد بن الأمين بن هارون الرشيد بالخلافة في عسكر الرشيد، وعبدالله بن هارون

الرشید المأمون یومئذ بمرو، وکان فیما ذکر قد کتب خمویہ مولی المہدی صاحب البرید بطوس إلى أبي مسلم سلام مولاہ و خلیفہ ببغداد علی البرید والأخبار یعلمہ وفاة الرشید۔ فدخل علی محمد فعزاه وهنأه بالخلافة۔ وکان أول الناس فعل ذلك۔ ثم قدم علیہ رجاء الخادم یوم الأربعاء لأربع عشرة لیلة خلت من جمادی الآخرة: کان صالح بن الرشید أرسله إلیہ بالخبر بذلك، وقیل لیلة الخميس للنصف من جمادی الآخرة، فأظهره یوم الجمعة وستر خبره بقیة یومہ ولیلته، وخاض الناس فی أمره، ولما قدم کتاب صالح علی محمد الأمين مع رجاء الخادم بوفاة الرشید۔ وکان نازلاً فی قصره بالخلد، تحول إلى قصر أبي جعفر بالمدينة، وأمر الناس بالحضور لیوم الجمعة فحضروا وصلى بهم فلما قضی صلاته صعد المنبر فحمد الله وأثنى علیہ ونعى الرشید إلى الناس وعزى نفسه والناس، ووعدهم خیراً وبسط الآمال، وأمن الأسود والأبيض، وبايعه جلة أهل بیته وخاصته ومواليه وقواده، ثم دخل و وکل بیعته علی من بقى منهم عم أبيه سلیمان بن أبي جعفر فبايعهم وأمر السندي بمبايعة جمیع الناس من القواد وسائر الجند، وأمر للجند ممن بمدينة السلام برزق أربعة وعشرين شهراً، وبخواص من كانت له خاصة لهذه الشهور۔

#### 16.4.2 صاحب سبق کا تعارف

##### 16.4.2.1 امام ابن جریر طبری: حیات اور کارنامے

ابو جعفر محمد بن جریر طبری ایک مشہور مورخ، مفسر، محدث، فقیہ، مجتہد اور قاری ہیں۔ وہ طبرستان میں 224ھ میں پیدا ہوئے اور اس کی نسبت سے طبری کہلائے۔ جب انھوں نے آنکھیں کھولیں تو ہر طرف علم و فن کا چرچا تھا، چنانچہ وہ بھی تحصیل علم کی جانب ابتداً عمر سے ہی متوجہ ہو گئے اور سات سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا اور آٹھویں سال میں امامت کے فرائض بھی انجام دینے لگے۔ نو سال کی عمر میں حدیث لکھنے لگے۔

کسب علم کے لیے انھوں نے دور دراز کا سفر کیا اور وقت کے مشہور علماء و فضلاء کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا۔ انھوں نے عراق میں ابو مقاتل سے فقہ پڑھی، سلمہ بن فضل سے 'مغازی' محمد بن اسحاق کا درس لیا اور اس پر اپنی تاریخ کی بنیاد رکھی۔ احمد بن حماد الدولاری سے کتاب المبتدا پڑھی پھر امام احمد بن حنبل سے استفادہ کے لیے بغداد کا سفر کیا لیکن بغداد پہنچنے سے پہلے ہی امام احمد کا انتقال ہو گیا۔

انھوں نے بغداد کے دیگر شیوخ مثلاً ابو بکر محمد بن بشار، محمد بن عبد اللہ الصنعانی اور بشر بن معاذ وغیرہ سے حدیث کا درس لیا۔ پھر کوفہ کا سفر کیا اور اسماعیل بن موسیٰ الفراءزی، ہناد بن سری دارمی اور ابوبکر محمد بن العلاء الہمدانی سے استفادہ کیا۔ امام طبری احمد بن یوسف تغلبی کی صحبت میں رہے۔ بیروت میں عباس بن ولید بیرونی سے شامیوں کی روایت میں قراءت و تلاوت سیکھی۔ پھر فقہ شافعی کی تحصیل کی طرف متوجہ ہوئے۔

اس طرح آپ نے تاریخ، فقہ، حدیث، تفسیر، قراءت، شعر و شاعری اور جملہ متداول علوم و فنون میں مہارت حاصل کر لی اور بغداد میں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے۔ مختلف سرکاری مناصب ان کو پیش کیے گئے لیکن انھوں نے کبھی قبول نہیں کیا، جس کے لیے وہ معتبوب بھی ہوئے۔

امام طبری نے مختلف موضوعات پر 26 کے قریب کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں تفسیر طبری اور تاریخ طبری بہت مشہور ہیں۔ ان کی چند کتابیں

درج ذیل ہیں:

۱۔ آداب المناسک، ۲۔ آداب النفوس، ۳۔ اختلاف علماء الامصار، ۴۔ التبصیر فی علوم الدین، ۵۔ تہذیب الآثار و تفصیل الثابت من الاخبار، ۶۔ تاریخ الامم والملوک، ۷۔ الجامع فی القراءات، ۸۔ کتاب العدد والتنزیل، ۹۔ لطیف القول فی احکام شرائع الاسلام، ۱۰۔ جامع البیان عن تاویل آئی القرآن

امام طبری کی وفات 28 شوال 310ھ کو ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے جنازہ میں لوگوں کا اس قدر ازدحام تھا کہ صحیح تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، کئی مہینوں تک دن رات ان کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی جاتی رہی۔

#### 16.4.2.2 تاریخ طبری: ایک تعارف

حافظ ابو بکر خطیب فرماتے ہیں:

”ابن جریر وہ امام ہیں جن کے علم و فضل کے پیش نظر ان کی رائے کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور ان کے قول کے مطابق حکم دیا جاتا ہے۔ انھوں نے اس قدر علوم و فنون حاصل کیے کہ ان کے زمانہ میں کوئی ان کے مقابل نہیں تھا۔ کتاب اللہ کے حافظ، معانی کے عالم، احکام قرآن کے شناسا، حدیث اور اس کی اسانید، صحیح و ضعیف اور ناسخ و منسوخ کی معرفت رکھنے والے، صحابہ و تابعین کے کارناموں سے آگاہ اور جنگی و تاریخی حالات سے باخبر تھے۔ قرآن کی تفسیر کے علاوہ انھوں نے تاریخ ’الامم والملوک‘ کے نام سے ایک مشہور کتاب لکھی۔ (۱)

ذہبی کہتے ہیں:

”وہ حافظ و صادق اور ثقہ تھے، تفسیر میں بلند مقام پر فائز تھے۔ فقہ کے امام تھے، تاریخ پر ان کی گہری نظر تھی اور قراءت و زبان سے اچھی طرح واقف تھے۔“ (۲)

علامہ شبلی فرماتے ہیں:

”تاریخی سلسلہ میں سب سے جامع و مفصل کتاب امام طبری کی ’تاریخ کبیر‘ ہے۔ طبری اس درجہ کے شخص ہیں کہ تمام محدثین ان کے فضل و کمال، وثوق اور وسعت علم کے معترف ہیں۔ ان کی تفسیر احسن التفاسیر خیال کی جاتی ہے۔“ (۳)

#### 16.4.2.3 تاریخ طبری کی خصوصیات

تاریخ طبری اسلامی تاریخ کے مستند مصادر میں سے ایک ہے، بالخصوص قرون ثلاثہ کے بارے میں اس میں اہم معلومات درج ہیں۔ یہ ایک مکمل اور جامع تاریخ ہے۔ ان سے پہلے کئی مصنفین نے تاریخ کے موضوع پر قلم اٹھایا مثلاً یعقوبی، بلاذری، واقدی اور ابن سعد وغیرہ لیکن ابن جریر طبری کو ان پر سبقت حاصل ہے اور تاریخ طبری ان کی تصانیف کے مقابلہ میں زیادہ مکمل اور جامع ہے۔ ان کے بعد کے مورخین مثلاً مسعودی، ابن مسکویہ، ابن اثیر اور ابن خلدون وغیرہ نے اس کتاب سے بھرپور استفادہ کیا بلکہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ بعد کی تمام تاریخی کتب میں اس کتاب کا عکس ضرور نظر آتا ہے۔

امام طبری کی تاریخ کو بہت سارے امور میں دوسری کتابوں پر سبقت حاصل ہے، جن میں سے چند یہ ہیں:

☆ امام طبری کا زمانہ ان واقعات سے قریب ترین ہے۔

☆ امام طبری سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

☆ تاریخی کتابیں زیادہ تر امام طبری سے منقول ہیں۔

☆ امام طبری کی جلالت شان اور علمی مقام۔

#### 16.4.2.4 تاریخ طبری کے موضوعات اور اسلوب

یہ کتاب مشرق و مغرب کے سلاطین اور قوموں کی جامع تاریخ ہے۔ اس میں ابتدائے آفرینش سے لے کر مصنف کے زمانہ تک کے احوال بیان کیے گئے ہیں۔ کائنات کی ابتدا، گزشتہ بادشاہوں کی تاریخ، انبیاء و رسل کے ادوار، ان کی عمریں، ان کے خلفاء کے حالات، ان کی ولایت کی حدود اور ان کے زمانہ میں ہونے والے واقعات و حادثات وغیرہ کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ نبی آخر الزماں، ان کے اصحاب اور تابعین و تبع تابعین کا 302ھ تک بیان ملتا ہے۔

امام طبری اپنے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

”میں اپنی اس کتاب میں تین مختلف گروہوں کے انداز میں یہ واقعات لکھوں گا:

پہلا گروہ: وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے انعامات کی قدر کی اور شکر گزار ہوئے اور انبیاء اور ان کے سچے پیروکاروں کے نقش قدم پر چلے جس کے نتیجے میں دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل و انعام میں اضافہ ہوا اور آخرت میں بھی ان کے لیے جنت کی ہمیشہ رہنے والی نعمتیں موجود ہیں۔

دوسرا گروہ: وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، اس کی نعمتوں کی نافرمانی کی اور اس کے ناشکرے ہوئے، انبیاء کی نافرمانی کی اور ان کا مقابلہ کیا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر دردناک عذاب نازل ہوا۔

تیسرا گروہ: وہ لوگ جن کی ناشکری اور نافرمانی کے نتیجے میں ان پر اس دنیا میں عذاب خداوندی نازل نہ ہوا بل کہ انہیں خوب ڈھیل اور مہلت دی گئی تاکہ وہ آخرت میں پوری طرح عذاب کے مستحق ہو جائیں۔“

اس میں کوئی شک نہیں کہ تاریخ طبری اسلامی تاریخ کا ایک مستند ماخذ ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس کتاب میں جھوٹی اور من گھڑت روایات بھی در آئی ہیں۔ جنہوں نے بعد میں فتنوں کا دروازہ کھول دیا اور خاص طور سے مستشرقین کو کھل کر کھیلنے کا موقع فراہم کیا۔ تاریخ طبری میں مروی روایات پر تحقیق بتاتی ہے کہ اس میں بڑے بڑے دروغ گو، کذاب اور متہم بالکذب راویوں کی روایت جگہ جگہ موجود ہے، جن میں مشہور دروغ گورای محمد بن سائب کلبی کی بارہ روایات، هشام بن محمد کلبی کی پچپن روایات اور ابوحنیفہ لوط بن یحییٰ کی چھ سو بارہ روایات شامل ہیں۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر کیوں امام طبری نے ان روایات کو نقل کیا ہے تو اس کا جواب انہوں نے خود اپنے مقدمہ میں دے دیا ہے کہ انہوں نے اس کو میزان عقل و نقل پر نہیں تولایا ہے بل کہ جس طرح روایتیں ان تک پہنچی ہیں ان کو اسی طرح بیان کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

”میں نے اس کتاب میں جو کچھ ذکر کیا ہے اس کا ماخذ میری اپنی اطلاعات اور راویوں کا بیان ہے نہ کہ عقلی دلائل اور فکری استنباط، ان کا حصہ ہے بھی تو تھوڑا۔ اگر کسی قاری کو میری جمع کردہ خبروں اور روایتوں میں کوئی چیز اس وجہ سے ناقابل فہم اور ناقابل قبول نظر آئے کہ وہ اس روایت کو درست نہیں سمجھتا تو اسے جان لینا چاہیے کہ ہم نے یہ سب اپنی طرف سے نہیں لکھا ہے۔ بل کہ اگلوں سے جو بات ہمیں جس طرح پہنچی ہے ہم نے اس کو اسی طرح نقل کر دیا ہے۔“

#### 16.4.2.5 تاریخ طبری کا ترجمہ

اس کا ترجمہ سب سے پہلے فارسی میں ہوا جس کو محمد بن عبید اللہ البعلبی (329ھ/940ء) نے انجام دیا۔ اسی فارسی ترجمہ کو رواج حاصل ہوا اور عہد عثمانی میں فارسی سے ترکی زبان میں اس کا ترجمہ ہوا اور اسکندریہ سے 1260ھ/1844ء میں چھپ کر شائع ہوا۔ مستشرق ”لوی دیو“ نے 1836ء میں اس فارسی ترجمہ کے ایک حصہ کو فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا۔ ایک اور مستشرق زوتن برغ (Zotenberg) نے فارسی سے اس کو عربی زبان کے قالب میں ڈھالا اور یہ پیرس میں 1291ھ/1874ء چھپ کر شائع ہوا۔ ابوالقاسم بانیہ نے 1973ء میں فارسی میں ایک نیا ترجمہ کیا جو ایران سے چھپ کر شائع ہوا۔

#### 16.4.2.6 تاریخ طبری کا اردو ترجمہ

اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر جہاں اس کا مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوا وہیں اردو میں بھی اس کا ترجمہ کیا گیا۔ میرے سامنے تاریخ طبری کا جو اردو ترجمہ ہے اس کو ڈاکٹر محمد صدیق ہاشمی نے کیا ہے اور نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی نے اس کو اپریل/2004ء میں شائع کیا ہے۔ اس کی پی ڈی ایف فائل میرے پیش نظر ہے۔ اس کے علاوہ عربی کا جو نسخہ ہمارے پاس ہے وہ بھی پی ڈی ایف میں ہے لیکن اس میں طباعت وغیرہ کے سلسلہ میں کوئی تفصیل درج نہیں ہے۔

تاریخ طبری کا اردو ترجمہ اصل متن کے اعتبار سے شروع ہوا ہے، یعنی ترجمہ نگار یا پبلشر نے اس پر کسی طرح کا کوئی مقدمہ تحریر نہیں کیا ہے جس سے اس ترجمہ کے محرکات اور مشاغل وغیرہ پر روشنی پڑے۔

اردو کتابوں کے اصول کے مطابق فہرست موضوعات کو کتاب کے آغاز میں ہی درج کر دیا ہے۔ حالاں کہ عربی میں عام طور سے یہ اخیر میں آتا ہے۔ فہرست پر ایک نظر ڈالنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں تصرف سے کام لیا گیا ہے اور مترجم نے خود ہی بہت سارے ایسے عناوین کا اضافہ کیا ہے جو اصل فہرست میں موجود نہیں ہیں، جس کی وجہ سے یہ فہرست طویل ہو کر دس صفحات پر پھیل گئی ہے۔ طوالت سے قطع نظر اس کا فائدہ یہ ہوا ہے کہ اس سے موضوعات کا صحیح اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور کم وقت میں کسی خاص موضوع کو تلاش کیا جاسکتا ہے۔

قرآن کی آیتوں کا عام طور سے سلیس ترجمہ پیش کیا ہے۔ ان آیتوں کو کبھی وہ بین السطور ذکر کرتے ہیں اور کبھی حذف کر کے صرف ترجمہ لکھ دیتے ہیں البتہ ان تمام آیتوں کا حوالہ ضرور بیان کر دیا ہے جو کہ اصل عبارت میں نہیں ہے۔

احادیث کے ترجمہ میں اسناد کو حذف کر دیا ہے کیوں کہ اس کے ذکر سے عبارت بوجھل ہو جاتی ہے اور پڑھنے والا اکتاہٹ محسوس کرتا ہے۔ مترجم حدیث و قرآن کے ترجمہ میں اس بات کا خاص خیال رکھتا ہے کہ ان کی اصل عبارت کے ترجمہ میں کسی طرح کا حذف و اضافہ نہ ہونے پائے۔ اس کی وجہ سے اردو عبارت کے اسٹرکچر میں کبھی کبھی تھوڑی بہت کجی نظر آنے لگتی ہے۔

قرآن و حدیث کے علاوہ دیگر متن کے ترجمہ میں یہ چیز نہیں پائی جاتی، بل کہ ہم جانتے ہیں کہ ترجمہ کرتے وقت دقیق الفاظ و معانی کی وضاحت کے کسی دوسرے لفظ یا جملہ کا اضافہ کر دینا معیوب نہیں سمجھا جاتا بل کہ کبھی کبھی وہ مستحسن اور واجب کے زمرے میں آ جاتا ہے۔ مترجم نے اپنے ترجمہ میں اس چیز کو برتا ہے اور ان الفاظ و جملوں کا اضافہ کیا ہے جو کہ اصل عبارت میں موجود نہیں ہیں۔ مثلاً درج ذیل عبارت اور اس کا ترجمہ

ملاحظہ فرمائیے:

فأما ما قال ابن اسحاق في ذلك، فإنه إنما استدل - بزعمه - على أن ذلك كذلك، لأن الله فرغ من خلق جميع خلقه يوم الجمعة، وذلك اليوم السابع، وفيه استوى على العرش وجعل ذلك اليوم عيداً للمسلمين -

مترجم اس عبارت کا ترجمہ اس طرح کرتا ہے:

اور ابن اسحاق کا قول کہ ابتدائے خلق ہفتہ کو ہوئی اس کی بنیاد اصل میں یہ ہے کہ روایات کے موافق اللہ تعالیٰ تخلیق کائنات سے جمعہ کے دن فارغ ہوئے اور یہ بالاتفاق ساتواں دن ہے۔ اس دن حق تعالیٰ شانہ عرش پر رونق افروز ہوئے اور اسی دن کو مسلمانوں کے لیے عید کا دن قرار دیا۔ جب آخری دن یہ یعنی یوم السابع ہے جو کہ فراغت کا دن ہے تو پہلا یقیناً ہفتہ ہوگا جو کہ ابتدائے مصروفیت کا دن ہے۔

مذکورہ بالا عبارت میں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ کئی چیزیں اصل عبارت میں مذکور نہیں ہیں بل کہ وہ چھپی ہوئی ہیں۔ مترجم نے اضافہ کر کے اس کو کھول دیا ہے اگر ایسا نہ کیا جاتا تو مفہوم غیر واضح ہوتا اور اردو عبارت غموض کا شکار ہو جاتی۔

لیکن یہ اضافہ کبھی کبھی بہت مہنگا بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس میں کافی احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ حتی الامکان اس سے گریز کرنا چاہیے۔ کیوں کہ بہر حال اس کو تصرف سے ہی تعبیر کیا جائے گا۔ مترجم سے بھی اس سلسلہ میں کبھی کبھی غلطی سرزد ہوئی ہے اور عبارت کو اچھی طرح سمجھ بغیر سیاق و سباق کو نظر انداز کرتے ہوئے ترجمہ کر دیا ہے مثلاً اس نے ایک جملہ کا ترجمہ کیا ہے: إِنَّمَا يَنْكُرُهُ قَوْمٌ مِنْ غَيْرِ أَهْلِ التَّوْحِيدِ، البتہ ایک قوم (دہریہ) نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ یہاں مترجم نے قوم کے بعد بریکٹ کے اندر لفظ دہریہ کا اضافہ کیا ہے تاکہ قوم کی وضاحت ہو جائے۔ حالاں کہ یہاں قوم سے مراد مشرک قوم ہے نہ کہ دہریہ۔ لفظ قوم کی وضاحت اسی پیرا گراف میں آگے چل کر موجود ہے کہ قوم من عبدة الأوثان، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس سے مراد بتوں کی پوجا کرنے والے مشرکین ہیں۔ لیکن مترجم نے سیاق و سباق کو نظر انداز کر دیا ہے جس کی وجہ سے یہ غلطی سرزد ہوئی ہے۔

#### 16.4.2.7 تاریخ طبری کی طباعت و اشاعت

تاریخ طبری کی پہلی طباعت لیڈن میں 1876ء اور 1901ء کے درمیان دی جو مہ اور مستشرقین کی ایک جماعت کی نگرانی میں ہوئی۔ یہ طباعت 13 جلدوں پر مشتمل تھی جن میں سے دو جلدیں فہرست اور تعلیقات پر مشتمل تھیں، پھر اس تاریخ کی طباعت قاہرہ میں 1906ء میں ہوئی جو کہ 13 جلدوں پر مشتمل تھی اور اس کو دارالمعارف نے 1960ء میں محمد ابو الفضل ابراہیم اور دیگر حضرات کی تحقیق کے ساتھ 11 جلدوں میں شائع کیا۔ اس تاریخ کا ترجمہ متعدد زبانوں بشمول انگریزی، فارسی، فرانسیسی وغیرہ میں ہوا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ مولانا محمد اصغر مغل اور مولانا اعجاز احمد صدیقی نے خلیل اشرف عثمانی، دارالاشاعت کراچی کے زیر اہتمام کیا۔ جس کی اشاعت سنہ ۲۰۰۳ء میں 7 جلدوں میں ہوئی۔

#### 16.4.3 متن سبق کا ترجمہ

امین کی خلافت

(طبری کی تاریخ الامم والملوک سے ماخوذ)

193 ہجری میں رشید کے لشکر میں محمد امین بن ہارون کی خلافت کی بیعت کی گئی اور اس وقت عبداللہ بن ہارون المامون مرو میں تھا۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ طوس میں مہدی کا مولیٰ اور پیغام رساں 'نمویہ' نے بغداد میں اس کے پیغام رساں، مولیٰ اور نائب (سکرٹری) ابومسلم سلام نے ایک خط لکھ کر اس کو رشید کی وفات کے بارے میں بتایا، تو وہ محمد کے پاس آیا اور ان کو تسلی دیتے ہوئے خلافت کی مبارک بادی پیش کی۔ ایسا کرنے والا وہ پہلا شخص تھا۔ جمادی الآخر کے ختم ہونے میں چودہ دن باقی تھے کہ بروز بدھ غلام رجاء آیا جسے صالح بن رشید نے اس کی خبر دینے کے لیے بھیجا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ نصف جمادی الآخر میں جمعرات کی رات آیا اور اس نے جمعہ کے دن یہ بات ظاہر کی اور خبر کو بقیہ دن اور رات تک چھپا کر رکھا جس کی وجہ سے لوگ اس بارے میں چمی گویاں کرنے لگے۔ جب رشید کی موت کے تعلق سے صالح کا پیغام خادم رجاء کے ذریعہ محمد امین کو پہنچا اس وقت وہ اپنے 'خلد' نامی محل میں مقیم تھا۔ خبر ملتے ہی وہ شہر میں ابوجعفر کے محل میں چلا گیا اور لوگوں کو جمعہ کے دن اکٹھا ہونے کے لئے کہا، لوگ جب جمع ہو گئے تو اس نے ان کی امامت کی۔ نماز کے بعد وہ منبر پر چڑھا، اللہ کی تعریف کے بعد لوگوں کو رشید کے موت کی اطلاع دی۔ خود اپنے آپ کو اور لوگوں کو تسلی دی اور ان سے خیر کا وعدہ کیا اور زیادہ سے زیادہ امید دلائی۔ عام و خاص، سب کو امن و سلامتی کا یقین دلایا اور دوست و دشمن سب کو معاف کر دیا۔ سب سے پہلے اس کے خاندان کے اعلیٰ مراتب، اس کے خواص، غلاموں اور سپہ سالاروں نے بیعت کی۔ پھر اپنے باپ کے چچا سلیمان بن ابوجعفر کو بقیہ لوگوں سے بیعت لینے کا کام سونپ دیا اور 'السندی' کو حکم دیا کہ وہ فوج کے سپہ سالاروں اور سارے فوجیوں سے بیعت لے۔ مدینۃ السلام (بغداد) میں جو بھی فوج میں تھے ان کو دو سال کا نان و نفقہ دینے کا حکم دیا اور 'حواص' میں جو اس کے خاص لوگ تھے ان کے لیے بھی اسی مدت کے لیے یہی حکم دیا۔

#### 16.4.4 لغوی تحقیق

عسکر: عسکر کے بہت سارے معنی ہیں: عسکر القوم: جمع ہونا، عسکر اللیل: تاریکی زیادہ ہونا، عسکر الشی: جمع کرنا۔ عسکر (ج) عساکر بمعنی لشکر۔

خلافت: یہ مصدر ہے خلف (ن) خلافت بمعنی جانشین ہونا/ خلافت و خلوفۃ الغلام: بیوقوف ہونا۔

بویع: یہ فعل مجہول ہے۔ بایع مبالغہ باہم عقد بیع کرنا۔ بایع الخلافہ: خلافت کی بیعت کرنا۔

یعلمہ: اعلیٰ بالامر و بالامر: اطلاع دینا، خبر دینا۔

عزاه: عزای تعزیه الرجل: تسلی دینا۔

هناہ: هناہ، تهنیاً و تهنیۃ بکذا: مبارک باد دینا۔

قدم: قدم (س) قدوماً و مقدماً علیہ: قصد کرنا، آنا۔

خاض: خاض (ن) خوضاً فی الحدیث: گفت و شنید کرنا، مفاوضہ کرنا۔

نازلاً: مصدر من نزل (ض) نزولاً المکان و بالمکان و فی المکان: کسی جگہ میں اترنا۔

تحوّل: تحوّل يتحول تحوّل الى مکان: ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا۔

صعد: صعد (س) صعوداً چڑھنا، المنبر: منبر پر تشریف لے جانا۔



المنبر: منبر / منابر: مسجد کا وہ اونچا حصہ جہاں سے امام خطبہ دیتا ہے۔  
نعی: نعۃ یعنی نعياً و نعياً و نعياً الیہ فلانا و لہ فلانا: کسی کو کسی کی موت کی خبر اطلاع دینا۔

بسط الامل: خوب امید دلانا۔ (امل / امل: امیدیں)

أمن یومن نامین: امان دینا، کسی کو امن کا یقین دلانا۔

الاسود والابیض: کالا اور سفید یعنی دشمن اور دوست۔

جلّة: جلیل جمع اجلّاء و جلّة: بڑے مرتبہ والے لوگ۔

القواد: جمع قائد، رہنما، سرپرست، لیڈر۔

#### 16.4.5 ادبی صنف کا تعارف

تاریخ نویسی ایک اہم فن ہے جس طرح دیگر علوم و فنون نے بتدریج ترقی کرتے ہوئے ایک مستقل فن کی حیثیت اختیار کر لی اسی طرح ابتدا میں تاریخ نویسی کا بھی حال تھا۔ پہلے تو اہم واقعات کو ’ایام‘ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ پھر جب مختلف علوم و فنون کو مدون کیا جانے لگا تو تاریخ اسلام خاص طور سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے اہم واقعات قلمبند کیے جانے لگے۔ اس طرح کتاب المغازی وغیرہ تدوین ہوئیں۔ وقت، حالات اور ضروریات نے اہل علم کو تاریخ نویسی کی ضرورت کا احساس دلایا چنانچہ تاریخ اسلام پر امام جریر طبری نے سب سے پہلے قلم اٹھایا اور ایک مبسوط کتاب تحریر فرمادی، اس زمانے میں سند بیان کرنے کا رواج تھا چنانچہ امام صاحب نے بھی وہی طریقہ اپنایا کیونکہ اس کے بغیر اس پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ گویا کہ مستند بات لکھنے کا یہی طریقہ تھا۔ اسی وجہ سے اس کتاب کو اعتبار ملا اور بعد میں آنے والی نسلوں کے لیے یہ ایک اہم تاریخی مصدر بن گئی۔

مختصر اُیہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام کی تاریخ پر یہ پہلی مستند کتاب ہے جس سے اب تک استفادہ جاری ہے۔

#### 16.4.6 متن سبق کی توضیح و تشریح

یہ سبق امام طبری کی کتاب ’تاریخ الامم والملوک‘ سے ماخوذ ہے اس میں ہارون رشید کے بیٹے امین کی خلافت کا تذکرہ ہے کہ وہ خلیفہ کب بنا؟ اور لوگوں نے اس سے بیعت کس طرح کی۔ چنانچہ مؤرخ لکھتا ہے کہ سنہ 193 ہجری میں امین خلیفہ بنا اور لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ہارون رشید کی وفات خلافت عباسیہ کے لیے بہت بڑا حادثہ تھا کیوں کہ اس کی وفات خلافت کی راجدھانی سے دور ہوئی تھی اور وہاں پر ولی عہد امین اور مامون دونوں میں سے کوئی بھی موجود نہ تھا اور امین اپنے لیے خلافت کی بیعت کی تیاری کر رہا تھا کیوں کہ ہارون رشید کی طبیعت بہت ہی زیادہ خراب ہو گئی تھی امین وصیت وغیرہ کی تیاری کر رہا تھا تا کہ خلافت میں کوئی پریشانی نہ آنے پائے اور جب علالت کی وجہ سے طوس میں ہارون رشید کی وفات ہو گئی تو طوس کے پیغام رساں نے بغداد کے پیغام رساں کو موت کی اطلاع دی اور یہ پیغام رساں محمد امین کے پاس آیا اور ان کو دلا سہ دلا یا اور غم جوئی کی اور ساتھ ساتھ خلافت کی مبارک بادی بھی پیش کی۔ یہ پہلا شخص تھا جس نے دلا سہ دیا اور مبارک بادی بھی دی پھر ان کے پاس رجاء نامی خادم بدھ کے دن موت کا پیغام لے کر آیا اور یہ پیغام ہارون رشید کے بیٹے صالح نے بھجوا دیا تھا کیوں کہ وہ اپنے والد کے ساتھ طوس ہی میں تھا اور یہ

بھی کہا جاتا ہے یہ خادم بدھ کے روز نہیں بلکہ جمعرات کی رات میں پیغام لے کر آیا لیکن محمد امین نے لوگوں کو اس بات کی خبر نہیں دی۔ جب رجا نامی غلام پیغام لے کر آیا اس وقت محمد اپنے محل میں تھا خبر سننے کے بعد وہ ابو جعفر کے پاس گیا اور لوگوں کو جمعہ کے دن حاضر ہونے کا حکم دیا۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو محمد امین نے جمعہ کی نماز پڑھائی اور نماز کے بعد منبر پر کھڑا ہوا اور اللہ تعالیٰ کی تحمید و تعریف کی اس کے بعد لوگوں کو ہارون رشید کی وفات کی اطلاع دی اور اپنی بھی غم گساری کی اور لوگوں کی بھی۔ ان سے خیر کا وعدہ کیا، تمام لوگوں کو امن و امان بنائے رکھنے کی تلقین کی، پھر لوگوں نے امین کے ہاتھ پر بیعت کرنا شروع کیا، پہلے اعلیٰ مرتبہ والے لوگوں نے بیعت کی پھر سپہ سالاروں اور غلاموں وغیرہ نے بیعت کی۔ لیکن پھر بھی سب لوگ بیعت نہ کر سکے تو اپنے چچا کے بھائی سلیمان بن ابو جعفر کے پاس آیا اور ان کو بیعت کرنے کا وکیل مقرر کر دیا یعنی اگر لوگ ان کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے تو گویا کہ انھوں نے امین کے ہاتھ پر بیعت کر لی، چنانچہ لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور السندی کو حکم دیا کہ وہ تمام سرداروں اور سپاہیوں سے بیعت لے اور جو فوجی مدینۃ السلام یعنی بغداد میں تھے ان کے لیے دو سال کے نان و نفقہ دینے کا حکم دیا۔

#### 16.4.7 متن کی خصوصیات

یہ سبق قدیم طرز تحریر کی ایک عمدہ مثال ہے۔ اسلوب روایتی ہے۔

☆ جملے اور عبارتیں بیش بہا معلومات سے پر ہیں۔

☆ طرز تحریر تاریخ نویسی کے اس طرز سے مشابہ ہے جس میں سند کے ساتھ کوئی بات کہی جاتی ہے۔ یہ بالکل وہی طریقہ ہے جس پر حدیث رسول ﷺ کی جمع و تدوین کی گئی ہے۔

☆ الفاظ آسان، عام فہم اور عبارت رواں ہے۔ کسی طرح کا ابہام یا غموض نہیں پایا جاتا ہے۔

☆ بعض مقامات پر اشاروں سے کام لیا گیا ہے اس وجہ سے ضروری ہے کہ طالب علم عہد عباسی کے بعض خلفاء کے بارے میں بھی کچھ معلومات رکھتا ہو ورنہ اسے عبارت کو سمجھنے میں دشواری ہوگی۔

☆ بعض عربی محاروں کا بڑی خوش اسلوبی سے استعمال کیا گیا ہے جس سے عبارت میں ادبی رنگ آ گیا ہے اور ایک مؤرخ اور ادیب کی یہ بڑی خوبی ہے کہ وہ حقیقی واقعات کو بے کم و کاست ادبی زبان میں بیان یا تحریر کرے۔ تاکہ پڑھنے والوں کو تاریخ کا علم بھی ہو اور ادب کا لطف بھی ملتا رہے۔

#### 16.4.8 سبق کا موضوع

اس سبق کا موضوع خلیفہ ہارون رشید کا انتقال اور امین کی خلافت سنبھالنے کی سرگزشت ہے۔

### 16.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں دو اسباق ہیں: اول "الأمثال" ہے۔ یہ مبرد کی کتاب "الکامل" سے ماخوذ ہے جو عربی ادب کی اساسی کتابوں میں سے ہے۔ مبرد نے اس سبق میں عربی کی چند خوبصورت کہاوتیں پیش کی ہیں۔ سب سے پہلے اس نے یہ کہاوت نقل کی کہ وہ مال یا عمل ضائع و رائیگاں نہیں گیا جو تم کو کچھ سبق سکھا گیا۔ پھر اس نے لکھا کہ کبھی کبھی جلد بازی تاخیر کا سبب بن جاتی ہے۔ حقیقت ہے کہ جلدی کی وجہ سے اگر کام غلط یا خراب

ہو گیا تو وہ مزید تاخیر کا سبب بنے گا۔ اسی لیے کہا گیا ہے جلدی کا کام شیطان کا۔ پھر اس کی ایک اور عمدہ کہاوت عربی زندگی و صحرائی زندگی کی آئینہ دار ہے، بیان کیا کہ جہاں کہیں راستے میں چارہ پانی ملے اسے لے لو آگے کے بھروسہ پر اسے چھوڑ مت دو کیوں کہ پتہ نہیں آگے ملے نہ ملے۔ اسی بات کو ایک اور کہاوت مزید مؤثر کرتی ہے کہ اگر کسی پانی کے چشمے رگھاٹ پر پہنچو تو پانی لے لو، اس کو یہ سوچ کر آگے مت بڑھ جاؤ کہ اگلے چشمے پر لے لوں گا اگر اگلا چشمہ ملا تو صرف پانی ڈھونے کی مشقت برداشت کرنی پڑے گی اور اگر آگے پانی نہ ملا تو پھر ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ اس لیے دانش مندی اسی میں ہے کہ جہاں کہیں پانی ملے آدمی لے کر چلے۔ پھر ایک شعر نقل کرتا ہے وہ بھی اس بات کی تائید کرتا ہے اور حکمت سے پر ہے۔ کہتا ہے کہ جب میرے سامنے کوئی معاملہ آتا ہے تو میں اس میں خوب غور و فکر کرتا ہوں تاکہ حقیقت واضح ہو جائے اور حق و صواب کا پہلو واضح ہو جائے اور پھر صحیح رائے تک پہنچنے کے بعد اس کو انجام دینے میں تردد نہیں کرتا بلکہ پورے عزم و جزم کے ساتھ اس کو کر ڈالتا ہوں۔

دوم ”خلافة الأئمين“ ہے۔ یہ ابن جریر طبری کی کتاب تاریخ الأئمة والملوک سے ماخوذ ہے جس کا شمار تاریخ کی اساسی کتب میں ہوتا ہے۔ ابن جریر نے اس میں خلیفہ ہارون رشید کی وفات کا ذکر کیا ہے کہ خلیفہ ہارون رشید کی وفات کی خبر محمد امین کو جمعرات کے دن پہنچی۔ اس کو اس نے چھپائے رکھا۔ جمعہ کے دن اعلان کرایا کہ لوگ نماز کے لیے جمع ہوں، بعد نماز منبر پر چڑھ کر اللہ کی حمد و ثناء بیان کی اور خلیفہ ہارون کے وفات کی خبر لوگوں کو سنائی۔ خود کو اور لوگوں کو تسلی دی۔ سب کے ساتھ حسن سلوک کا وعدہ کیا اور لوگوں کو خیر کی امید دلائی۔ عام معافی کا اعلان کیا۔ سب سے پہلے خلیفہ کے گھر والوں نے، پھر خواص اور سپہ سالاروں نے اس کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی۔ پھر اس کی طرف سے سلیمان بن ابی جعفر نے بقیہ لوگوں سے بیعت لی۔ دار الخلافہ میں موجود نو جیوں کے لیے ۲۴ مہینوں کا نان و نفقہ جاری کرنے کا حکم دیا اور خواص میں جو اس کے خواص تھے ان کے لیے بھی یہی حکم دیا۔

## 16.6 نمونے کے امتحانی سوالات

- ۱۔ ضرب الامثال یا کہاوتوں کی اہمیت و افادیت پر روشنی ڈالے۔
- ۲۔ مبرد کی زندگی اور علمی و ادبی کارناموں پر روشنی ڈالے۔
- ۳۔ اکامل کا مختصر تعارف پیش کیجیے۔
- ۴۔ درج ذیل عبارت کی تشریح کیجیے: ”قد أحزم لواء عزم“۔
- ۵۔ سبق ”ضرب الامثال یا کہاوتیں“ کا خلاصہ اپنی زبان میں تحریر کیجیے۔
- ۶۔ تاریخ طبری کا تعارف اور اس کی خصوصیات بیان کریں۔
- ۷۔ محمد امین کی خلافت کی بیعت کس طرح ہوئی؟
- ۸۔ سبق ”خلافة الأئمين“ کس کتاب سے ماخوذ ہے اور اس میں استعمال کسی ایک محاورہ کو بیان کیجیے۔

## 16.7 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

۱۔ محمد بن محمد النیساپوری الميدانی

۱۔ مجمع الامثال

- |                                |  |
|--------------------------------|--|
| أبو هلال العسكري               | ٢- جمهرة الامثال                                     |
| أبو العباس محمد بن يزيد المبرد | ٣- الكامل في اللغة والادب                            |
| الدكتور حسن إبراهيم حسن        | ٤- تاريخ الاسلام السياسى والدينى والثقافى والاجتماعى |
| شاه معين الدين ندوى            | ٥- تاريخ اسلام                                       |
| غلام رسول مهر                  | ٦- تاريخ اسلام                                       |
| اكبر شاه نجيب آبادى            | ٧- تاريخ اسلام                                       |